# الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

# تفسیر قرطبی

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

# الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

# تفسیر قُرطبی جلد ہشتم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان　　مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
مولانا محمد انور مگھالوی　　مولانا شوکت علی چشتی

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

## فہرست مضامین

روائیاں، ہزار نور، ہزار یقین، ہزار رحمتیں، ہزار شفقتیں، ہزار ہدایتیں داخل کی جائیں گی۔ دو اس سے ہر بیماری اور ہر کینہ کھوٹ کو دور کر دیا جائے گا"۔ اسے ثعلبی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسند روایت کیا ہے (1)۔

مسند دارمی میں شہر بن حوشب سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "جس نے صبح کے وقت سورۂ یٰسین پڑھی تو اسے شام تک آسانی دے دی جائے گی جس نے رات کے شروع میں اسے پڑھا تو اسے صبح تک رات کی آسانی دے دی جائے گی"۔

نحاس نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہر شے کا دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے جس نے دن کے وقت اسے پڑھا تو یہ اس کے کاموں کے لیے کافی ہو جائے گی جس نے رات کے وقت اسے پڑھا تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شہر بن حوشب نے کہا اہل جنت صرف سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسین پڑھتے ہیں۔ دارمی نے ان تینوں روایات کو مرفوع نقل کیا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر شے کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰسین ہے جس نے اسے کسی رات میں پڑھا تو اسے اس رات کی آسانی دے دی جاتی ہے جس نے اسے دن کے وقت پڑھا تو اسے اس دن کی آسانی دے دی جائے گی، جنتیوں سے قرآن اٹھا لیا گیا ہے وہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسین کے علاوہ کوئی چیز نہیں پڑھتے" (2)۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے سورۂ یٰسین رات کے وقت پڑھی وہ صبح تک خوش خوش رہے گا جس نے صبح کے وقت اسے پڑھا تو وہ شام تک خوش خوش رہے گا (3)۔ جس نے اس کا تجربہ کیا تھا اس نے مجھے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ ثعلبی اور ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں عبد الاعلیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں محمد بن صلت نے عمرو بن ثابت سے وہ محمد بن مروان سے وہ ابو جعفر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جس کے دل میں سختی ہو تو وہ زعفران سے کسی جام میں سورۂ یٰسین لکھے اور اسے پی لے۔

مجھے میرے والد نے انہوں نے اصرم بن حوشب سے وہ بقیہ بن ولید سے وہ معتمر بن اشرف سے وہ حضرت محمد بن علی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا قرآن ہر چیز سے افضل ہے قرآن حکیم کی باقی کلاموں پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر فضیلت ہے، جس نے قرآن کی عزت کی اللہ تعالیٰ اسے عزت دے گا جس نے قرآن کی عزت نہ کی اللہ تعالیٰ اسے عزتوں سے نہیں نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی حرمت اس طرح ہے جس طرح اولاد کے ہاں والد کی حرمت ہوتی ہے قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 335 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 35 3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 445

شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا جھگڑا کرنے والا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے قرآن جس کے حق میں شفاعت کرے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور جس کے حق میں جھگڑا کرے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ جو آدمی اسے امام بنائے قرآن اسے جنت کی طرف لے جاتا ہے اور جو اسے اپنے پیچھے رکھے وہ اسے جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن کے حاملین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گھرے ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا نور زیب تن کرایا جاتا ہے انہیں کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان لوگوں سے دوستی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی جس نے ان سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عزت کر کے اس کی دعوت پر لبیک کہو اللہ تعالیٰ تمہاری محبت میں اضافہ فرما دے گا۔ اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنا دے گا۔ قرآن سننے والے سے دنیا کی آزمائش دور کر دے گا اور قرآن کی تلاوت کرنے والے سے آخرت کی آزمائش دور فرما دے گا جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کو سنا تو یہ عمل عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے اس سے اس کے لیے بہتر ہوگا۔ کتاب اللہ میں ایک سورت ہے جسے عزیزہ کہتے ہیں قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو شریف کے نام سے یاد کیا جائے گا اس کی تلاوت کرنے والے کی شفاعت ربیعہ اور مضر قبیلے کے افراد سے زیادہ افراد کے حق میں قبول کی جائے گی وہ سورۂ یٰسین ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے جمعہ کی رات سورۂ یٰسین پڑھی تو وہ صبح اس حالت میں کرے گا کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہوگی“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو قبرستان میں داخل ہوا اس نے سورۂ یٰسین پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس روز اہل قبور سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا اور پڑھنے والے کے لیے اس کے حروف کی تعداد کے برابر نیکیاں ہوں گی“۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۗ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ

”اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم) عزیز (اور) رحیم نے“۔

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ یٰسین میں قراءت کی کئی صورتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور کسائی نے نون کو واو میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابو عمرو، اعمش اور حمزہ نے یٰسین کو نون کے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے یٰسینَ یعنی نون کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن ابی اسحاق اور نصر بن عاصم نے اسے نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون اعور اور محمد بن سمیقع نے یٰسینُ نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پانچ قراءتیں ہیں۔ پہلی قراءت ادغام کے ساتھ ہے جس

کہا جاتا ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز یٰ اور سین کے ساتھ کیا ہے ان دونوں میں تیسری خبر ہے شروع کرنے والے کی اس پر راہنمائی کی گئی ہے کہ یہ سورت دل ہے اور دل جسم کا امیر ہے اسی طرح یٰسین تمام دوسری سورتوں کی امیر ہے تمام قرآن کے معانی پر مشتمل ہے۔

علماء نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا: یہ حبشی لغت کا لفظ ہے۔ شعبی نے کہا: یہ طئی کی لغت کا لفظ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ بنو کلب کی لغت کا لفظ ہے۔ کلبی نے کہا: یہ سریانی زبان کا مادہ ہے، عربوں نے اپنی زبان میں اسے استعمال کیا تو یہ ان کی لغت کا ایک لفظ بن گیا۔ یہ بحث سورۂ طٰہٰ اور کتاب کے مقدمہ میں مفصل گزر چکی ہے۔ قاضی عیاض نے یٰسین کے معنی کے متعلق مفسرین کے اقوال اچھی طرح بیان کیے ہیں ابو محمد مکی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ میرے امیر سے رب کے ہاں دس نام ہیں ان میں سے طٰہٰ اور یٰسین کا ذکر کیا۔

میں نے کہا: ماوردی نے حضرت علی شیر خدا ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں میرے سات ناموں کا ذکر کیا ہے محمد، احمد، طٰہٰ، یٰسین، مزمل، مدثر اور عبداللہ (1)" یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے اے سید! اس میں نبی ﷺ کو خطاب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے یٰس کا معنی ہے اے انسان! اس سے حضرت محمد ﷺ کا ارادہ کیا ہے، کہا: یہ قسم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے۔ زجاج نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اے محمد! ایک قول یہ کیا گیا: اے مرد! ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! ابن حنفیہ سے مروی ہے یٰس سے مراد ہے اے محمد! کعب سے مروی ہے یٰس سے مراد قسم ہے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم اٹھائی فرمایا: اے محمد! تو مرسلین میں سے ہے پھر فرمایا: وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيمِ۔ اگر یہ معتقد کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں تعظیم کا پہلو موجود ہوگا اس پر دوسری قسم کا جو عطف کیا گیا ہے اس کے ساتھ پہلی قسم کو مؤکد کیا گیا ہے اگر یہ ندا کے معنی میں ہو تو اس کے بعد قسم اس لیے آئی ہے تاکہ آپ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا جائے اور آپ ﷺ کی ہدایت پر گواہی دی جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف وحی کی، تو آپ ایمان کے صراط مستقیم پر ہیں یعنی وہ ایسا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں اور حق سے کوئی اعراض نہیں۔ نقاش نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ ﷺ کے سوا کسی کی رسالت کے لیے قسم نہیں اٹھائی اس میں نبی کریم ﷺ کے لیے عظمت اور شرف کا اظہار ہے۔ یہ تعبیر اس کے مطابق ہے جس نے اس کی یہ تاویل کی یا سید کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اولاد آدم کا سردار ہوں (2)" ان کی گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 5

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ اسراء، جلد 2، صفحہ 143

قشیری نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: قریش کے کفار نے کہا تو مرسل نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر فرمایا: آپ رسولوں میں سے ہیں۔ حکیم کا معنی محکم ہے یہاں تک کہ خلل اور تناقض لاحق نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (ہود: 1)

اسی طرح یہ قرآن نظم اور معنی میں محکم ہے اسے کوئی خلل لاحق نہیں ہوتا۔ بعض اوقات فعیل، مُفعِل کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح الیم، مؤلم کے معنی میں ہوتا ہے۔

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی دین مستقیم پر ہوتا ہے اس سے مراد اسلام ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد ہے آپ سابقہ انبیاء کے طریقہ پر ہیں۔ کہا: لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ان کی خبر ہے(1) اور عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دوسری خبر ہے یعنی آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنہیں استقامت پر بھیجا گیا تو اس صورت میں عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، الْمُرْسَلِيْنَ کا صلہ ہوگا، یعنی آپ ان رسولوں میں سے ہیں(2) جنہیں صراط مستقیم پر بھیجا گیا تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ (شوریٰ) یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۝ ابن عامر، حفص، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے تنزیل پڑھا ہے یعنی یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہے۔ نزل اللہ ذالک تنزیلا(3) مصدر کو مضاف کیا تو وہ معرفہ ہو گیا جس طرح یہ قول ہے: فَضَرْبَ الرِّقَابِ (محمد: 4) یہ اصل میں فضربا الرقاب تھا باقی قراء نے تنزیل کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی تقدیر کلام یہ ہوگی ھو تنزیل یا تقدیر یہ ہوگی الذی انزل الیک تنزیل العزیز الرحیم(4)۔ اس لفظ تنزیل کو مجرور کر کے تنزیل کرکے بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ قرآن سے بدل ہوگا اور تنزیل قرآن کی طرف لوٹے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہا ہے معنی یہ ہے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز و رحیم کی تنزیل ہیں۔ اس صورت میں تنزیل، ارسال کے معنی میں ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا (الطلاق) یہ جملہ بولا جاتا ہے: ارسل اللہ المطر، انزلہ۔ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کی۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ہیں جسے عزیز و رحیم کی جانب سے بھیجا گیا ہے الْعَزِيْزِ یعنی اپنے مخالف سے انتقام لینے والا۔ الرَّحِيْمِ اہل اطاعت پر رحیم ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ۝

"تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل

1۔ زاد المسیر، جلد 5-6، صفحہ 272 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً

طرف لوٹا تو اپنے ساتھی کو بھی نظر نہیں آئے یہاں تک کہ انہوں نے اسے ندا دی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اسے دیکھا نہیں۔ اس کی آواز سنی ہے۔ تیسرے نے کہا: میں اس کا سر پتھر سے دوں گا پھر پتھر اٹھایا اور چلا پھر پیچھے پاؤں واپس پلٹا یہاں تک کہ اپنی گدی کے بل گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اسے کہا گیا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میرا معاملہ بڑا عظیم ہے میں نے اسے دیکھا جب میں اس کے قریب ہوا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نر اونٹ اپنی دم ہلا رہا ہے میں نے اس جیسا بڑا نر کبھی بھی نہیں دیکھا وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے کھا جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے یوں پڑھا ہے انا جعلنا فی ایمانھم۔ زجاج نے اسے انا جعلنا فی ایدیھم پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت تفسیر ہے۔ مصحف کے برعکس قراءت نہیں کی جائے گی جماعت کی قراءت میں کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی انا جعلنا فی اعناقھم وفی ایدیھم اغلالا فھی الی الاذقان عرب اس قسم کے الفاظ کو حذف کر دیتے ہیں اس کی مثل سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) تقدیر کلام یہ ہوگی وسرابیل تقیکم البرد تو اس کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ جو چیز گرمی سے بچاتی ہے وہ سردی سے بچاتی ہے کیونکہ طوق جب گردن میں ہوتا ہے تو لازماً ہاتھ میں ہوتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ اس سے مراد ہاتھ ہیں۔ مُقْمَحُوْنَ وہ اپنے سروں کو اٹھائے ہوں گے وہ انہیں نیچے کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ جس کا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو اس کا سر بلند ہوتا ہے۔

عبداللہ بن یحییٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے انہیں الاقماح کا طریقہ بتایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی داڑھی کے نیچے رکھا دونوں کو ساتھ چمٹا دیا اور اپنے سر کو اوپر اٹھایا (1)۔ اس لفظ کے معنی کی تعبیر میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے یہ زیادہ شان ہے۔ یہ معنی اس چیز سے ماخوذ ہے جو اصمعی نے ذکر کیا ہے اس نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اقمحت الدابۃ جب تو اس کی لگام کو کھینچے تاکہ وہ اپنے سر کو اوپر اٹھائے۔ نحاس نے کہا: قاف، کاف سے بدلا ہوا ہے کیونکہ یہ اس کا قریبی لفظ ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: قہرتہ، کہرتہ۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے اکمحت الدابۃ۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی لگام کھینچے یہاں تک کہ وہ اپنا سر اوپر اٹھا لے۔ اسی معنی میں یہ قول ہے: والراس مکمح، سر اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ جملے بولے جاتے ہیں اکمحتھا، اقمحتھا اور کمعتھا سب کا معنی ایک ہے کبحتھا باب افعال کے وزن پر نہیں۔ اصمعی سے یہ بھی مروی ہے قمح البعیر قموحا جب اونٹ حوض پر اپنے سر کو اٹھا لے اور وہ پانی پینے سے رک جائے اسی سے بعیر قامح اور قمح ہے یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: شرب فتقمح و انقمح دونوں کا معنی ایک ہے جب وہ اپنا سر اٹھا لے اور سیراب ہونے کی وجہ سے پانی پینے سے رک جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد قامحت ابلک جب وہ پانی پر وارد ہوا اور پانی نہ پیئے اس نے اپنا سر کسی بیماری کی وجہ سے اٹھایا یا سردی کی وجہ سے ایسا کیا اس کے ساتھ ہی صفت بھی ذکر کی جاتی ہے ناقۃ مقامحۃ، بعیر مقامح، ناقۃ مقامحۃ اس کی جمع قماح آتی ہے بشر کشتی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ونحن على جوانبها قعود　نغض الطرف كالإبل القماح (2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 447
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 8

"ہم کشتی کے اطراف میں بیٹھے ہوئے تھے ہم آنکھیں بند کئے ہوئے تھے جس طرح وہ اونٹ آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو پانی پینے سے رک جاتے ہیں"۔ اقماح کا معنی سر اٹھانا اور آنکھیں بند کرنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقمحت السویق جب وہ تنگی کی وجہ سے اپنا سر اوپر کو اٹھالے۔ شہر قماح ایسا مہینہ جس میں سخت سردی ہوتی ہے وہ دونوں دسمبر اور جنوری ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اونٹ جب پانی پر وارد ہوتا ہے تو پانی کی ٹھنڈک اسے اذیت دیتی ہے تو وہ اپنا سر اوپر کو اٹھا لیتا ہے؛ اسی سے ایک جملہ قمحت السویق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمائی ہے کہ وہ ہدایت سے یوں رکے ہوئے ہیں جس طرح وہ آدمی رکا ہوتا ہے جس کے گلے میں طوق ڈالا گیا ہو؛ یہ یحییٰ بن سلام اور ابو عبیدہ نے کہا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان حمار یعنی وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا جس طرح شاعر نے کہا:

لہم عن الرشد اغلال واقیاد

ہدایت پانے میں انہیں طوق اور بیڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو ذؤیب دور جاہلیت میں ایک عورت سے محبت کرتے تھے جب وہ مسلمان ہو گئے تو اس عورت نے انہیں بلانا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے:

فلیس کعہد الدار یا ام مالک ولکن احاطت بالرقاب السلاسل

وعاد الفتی کالکہل لیس بقائل سوی العدل شیئا فاستراح العواذل

انہوں نے یہ کہنا چاہا تھا کہ اسلام کے احکام نے ہمیں بدکاری اور فسق سے روک دیا ہے۔ فراء نے بھی یہی کہا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے انہیں روک دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ (الاسراء:29) یہ ضحاک کا قول بھی ہے

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے سے تکبر میں اس طرح ہو گئے ہیں جس طرح وہ آدمی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں طوق ہے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو وہ ہر وقت سر اٹھائے ہی رہتا ہے وہ اسے جھکا نہیں سکتا وہ اپنی آنکھ بند رکھتا ہے وہ اسے کھولتا نہیں۔ متکبر کی صفت بھی اسی چیز کے ساتھ لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی گردن کو کھڑی کئے ہوئے ہے۔ ازہری نے کہا: جب ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں تو ان طوقوں نے ان کی ٹھوڑیوں کو اوپر اٹھا دیا جبکہ ان کے سر سیدھے کھڑے ہیں جس طرح وہ اونٹ ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں یہ رکاوٹ اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ ایک قوم کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی وجہ سے سزا کے طور پر توفیق سلب کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا جائے گا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور بیڑیاں ہوں گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ (غافر:71) ماضی کے لفظ کے ساتھ اسے تعبیر فرمایا یعنی فرمایا إِنَّا جَعَلْنَا۔

مُقْمَحُونَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: مُقْمَحُونَ کا معنی ہے انہیں ہر بھلائی سے روک دیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ⑨

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ۝

"اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو صرف اس کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمن سے بن دیکھے پس مژدہ سنا دیجئے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا"۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا مقاتل نے کہا: جب ابوجہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ پایا تھا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا تو بنی مخزوم کے ایک اور آدمی نے پتھر اٹھایا اور کہا: میں اسے اس پتھر کے ساتھ قتل کروں گا جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو بے نور کر دیا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکا وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو وہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ ساتھیوں نے اسے ندا دی: آیت کا یہی معنی ہے۔

محمد بن اسحاق نے اپنی روایت میں کہا: عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے ابوجہل اور امیہ بن خلف بیٹھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاڑ میں تھے تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچا سکیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یٰس پڑھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں مٹی بھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف وہ مٹی پھینکی اور پڑھا وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا انہوں نے سر نیچے کر لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزر گئے۔ سورۂ سبحان میں اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے سورۂ کہف میں سدا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ سد سین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یہ دونوں اس کی لغتیں ہیں۔

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۝ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر نے اسے فاعشینٰھم پڑھا ہے(1)۔ یہ عشا سے عین کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے اس کی نظر کمزور ہے وہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر نے کہا:

متی تاتہ تعشو الی ضوء نارہ

جب تو اس کے پاس آتا ہے تو تو اس کی آگ کی روشنی سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ (الزخرف:36) دونوں الفاظ کے معنی قریب قریب ہیں معنی ہے ہم نے انہیں اندھا کر دیا جس طرح شاعر نے کہا:

ومن الحوادث لا ابالک انّنی ضربت علی الارض بالاسداد

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 274

وَاهْتَدَى فِيهَا لِيَوْمِ ثَلَاثَةٍ بَيْنَ الْعُذَيْبِ وَبَيْنَ أَرْضِ مُرَادِ

تیرا باپ نہ رہے جو واقعات زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ مجھ پر زمین پہاڑوں کے ساتھ چپک دی گئی ہے ان میں تین عذیب اور مراد کے علاقے کے درمیان طلوع کی جگہ نہیں پاتا۔

وہ ہدایت نہیں دیکھ سکتے: یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ جیسے کہ گزرا ہے۔ آیت میں مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا سے مراد دنیا ہے اور وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا سے مراد آخرت ہے۔ یعنی وہ دوبارہ اٹھائے جانے سے اندھے ہو گئے اور دنیا میں شرائع کو قبول کرنے سے اندھے ہو گئے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (حم سجدہ: 25) یعنی ان شیطانوں نے ان کے لیے دنیا کو مزین کیا اور آخرت کو جھٹلانے کی دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا: مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا سے مراد ہے دنیا کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا ہونا اور وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا سے مراد آخرت کو جھٹلانا۔ ایک قول کیا گیا ہے: مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سے مراد آخرت ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد دنیا ہے۔

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ سورۂ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ آیت قدریہ اور دوسرے لوگوں کا رد کرتی ہے۔

ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے غیلان قدری کو طلب کیا پوچھا: اے غیلان! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو تقدیر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں پھر کہا: اے امیر المومنین! کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آپ نے نہیں دیکھا: إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ (الدہر) حضرت عمر بن عبد العزیز نے ارشاد فرمایا: اے غیلان: آگے پڑھو یہاں تک کہ اس نے فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ (المزمل) تک پڑھا فرمایا: آگے پڑھو تو اس نے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (الدہر: 30) تک پڑھا کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! میں جانتا نہیں تھا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اے غیلان! سورۂ یٰس کا ابتدائی حصہ پڑھو تو اس نے پڑھا یہاں تک کہ وہ اس حد تک پہنچا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ غیلان نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! گویا میں نے اس سے قبل کبھی اسے نہیں پڑھا۔ اے امیر المومنین! گواہ رہیے میں توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو اس پر نظر رحمت فرما اور اسے توبہ پر ثابت قدم رکھ اور اگر جھوٹا ہے تو اس پر اس آدمی کو مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے مومنوں کے لیے نشانی بنا دے۔ ہشام نے اسے پکڑا اور غیلان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے اور اسے سولی پر لٹکا دیا۔ ابن عون نے کہا: میں نے اسے دمشق کے دروازے پر سولی پر لٹکا ہوا دیکھا ہم نے اس سے پوچھا: اے غیلان! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے ایک صالح شخص حضرت عمر بن عبد العزیز کی بددعا لگ گئی ہے۔ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝

ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی اس پر عمل کیا۔ بالغیب سے مراد جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آگ سے غائب ہو، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہوئے اور تنہا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے گناہوں کی بخشش اور جنت کی بشارت دیجئے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ۝

"بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں ان کے اعمال جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں"۔

(1) اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے مقصود کافروں کا رد ہے۔ ضحاک اور حسن نے کہا: ہم انہیں جہالت کے بعد ایمان کے ساتھ زندہ کرتے ہیں(1)۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے ہم جزا کے لیے بعث کے ساتھ انہیں زندہ کریں گے پھر تمام اعمال لکھنے کے ساتھ انہیں دھمکی دی۔

(2) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا شمار کیے ہوئے ہے اور انسان جو کچھ کرتا ہے اسے شمار کیے ہوئے ہے۔ قتادہ نے کہا: یعنی جو اس نے عمل کیا۔ مجاہد اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝ (الانفطار) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُنَبَّؤُا الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ (القیامہ:13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:18) انسان کے اعمال جو باقی رہیں گے اور جنہیں ذکر کیا جائے گا خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، ان پر انہیں بدلہ دیا جائے گا اچھا عمل جیسے علم جس کی اس نے تعلیم دی، جیسے کتاب جو اس نے تصنیف کی یا وقف جو اس نے وقف کیا یا کوئی عمارت جو انہوں نے بنائی وہ مسجد ہو، سرائے ہو، پل وغیرہ۔ یا برا عمل ہو جس طرح کوئی ایسا ٹیکس ہو جو کسی ظالم حکمران نے مسلمانوں پر لگایا ہو یا کوئی چیز جو اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی ہو یا کوئی ایسی چیز جو اس نے مسلمانوں کو ذکر سے روکنے کے لیے بنائی ہو جس طرح گانے بجانے کے مراکز لہو ولعب کے میدان اسی طرح ہر بری سنت اور بری سنت جس پر عمل کیا جاتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو مسجد کی طرف چلنے والوں کے قدموں سے بنتے ہیں، اس آیت کا یہی معنی حضرت عمر، حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان کیا ہے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ وَآثَارَهُمْ کا معنی ہے مساجد کی طرف جاتے ہوئے ان کے قدم۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے ان سب میں سے یہ بہترین معنی ہے کیونکہ نحاس نے کہا: یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ انصار کے مکانات مسجد سے دور تھے ایک حدیث مرفوع میں ہے: يُكْتَبُ لَهُ بِرِجْلٍ حَسَنَةٌ وَتُحَطُّ

1۔ النکت والعیون، جلد 4، صفحہ 343

2۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی فضل المشی الی المسجد، حدیث نمبر 776، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

احصیناہ اسے مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ مبتدا بن سکتا ہے تاہم نصب دینا بہتر ہے تاکہ فعل جس پر عمل کر رہا ہے اس کا اس پر عطف کیا جائے جس پر فعل نے عمل کیا؛ یہ سیبویہ اور خلیل کا قول ہے۔ الامام سے مراد وہ کتاب ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے وہ حجت ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید نے کہا: امام سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک فرقے نے کہا: اس سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

"اور بیان فرمائیے ان کے سمجھانے کے لیے مثال اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے انہیں کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا: تم نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمٰن نے کوئی چیز نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا: ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچا دیں۔ وہ کہنے لگے: ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو حیرت ہے اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو"۔

خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اپنی قوم کے سامنے اصحاب قریہ کا واقعہ بیان کریں (1)۔ ماوردی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس بستی سے مراد انطاکیہ ہے یہ انطیخس کی طرف منسوب ہے یہ اس آدمی کا نام ہے جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا جب اسے عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس میں تبدیلی کر دی گئی؛ یہ قول امام سہیلی نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں ایک لفظ یہ بھی ہے انطاکیہ بھی عاد کی جگہ تھا۔ وہاں ایک بادشاہ تھا جسے انطیخس بن انطیخس کہا جاتا، وہ بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ابو جعفر نے اسے کعب اور وہب سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسولوں کو بھیجا وہ حضرت صادق، حضرت مصدوق اور حضرت شمعون تھے شمعون ہی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 10

تیسرا قول: یہ طبری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ حضرت شمعون اور حضرت یوحنا تھے۔ نقاش نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت شمعون اور حضرت یحییٰ تھے دونوں نے حضرت صادق اور حضرت مصدوق کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مثلاً اور اصحاب قریہ، اضرب کے دونوں مفعول ہوں یا اصحاب قریہ، مثلاً سے بدل ہو تقدیر کلام یوں ہوگی اضرب لہم مثلاً اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ ان مشرکین کو اس عذاب سے ڈرائیں کہ ان مشرکوں پر وہ عذاب نازل ہو سکتا ہے جو اس بستی کے کفار پر نازل ہوا تھا جن کی طرف تین رسول بھیجے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسل من اللہ مبتدا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان تین افراد کو انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بھیجنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے انہیں بھیجا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا تو لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے دونوں کو مارا اور دونوں کو قیدی بنا لیا تو ہم نے تیسرے کے ساتھ انہیں قوت بخشی اور تیسرے کے ساتھ رسالت کو پختہ کیا۔

ابوبکر نے عاصم سے یہ قراءت نقل کی ہے فعززنا بثالث جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے قوت بخشی اور مضبوط کیا اس حساب سے دونوں قراءتیں ایک معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تخفیف کی صورت میں یہ غلبنا اور قہرنا کے معنی میں ہے اس معنی میں وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ⊙ (ص) تشدید یہ قوینا اور کثرنا کے معنی میں ہے۔ ابو عمرو بن علاء نے متلمس کے لیے شعر پڑھا:

أُجُدٌ إِذَا رَحَلَتْ تَعَزَّزَ لَحْمُهَا ۔۔۔ وَإِذَا تُشَدُّ بِنِسْعِهَا لَا تَنْبِسُ

قصہ یہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف دو قاصد بھیجے وہ ایک بوڑھے کو ملے جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا وہ حبیب نجار صاحب یٰسین تھا دونوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجے گئے ہیں ہم تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اس نے دونوں سے معجزہ طلب کیا دونوں نے کہا: ہم مریض کو شفا دیتے ہیں۔ اس حبیب نجار کا ایک بیٹا مجنون تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بستر پر مریض پڑا تھا دونوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اللہ کے حکم سے صحیح و سالم اٹھ کھڑا ہوا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہی وہ آدمی تھا جو شہر کے دور دراز علاقے سے دوڑتا ہوا آیا تھا اس نے دونوں کے امر کو ظاہر کر دیا دونوں نے بہت سے لوگوں کو شفا عطا فرمائی۔

بادشاہ نے دونوں کو بلا بھیجا جبکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتا تھا تاکہ دونوں کے احوال کو سمجھے دونوں نے کہا: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا: تمہاری نشانی کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادر زاد اندھوں، کوڑھ کے مریضوں کو اور دوسرے مریضوں کو اللہ کے حکم سے درست کرتے ہیں اور ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں بادشاہ نے ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ وہب نے کہا: بادشاہ نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور دونوں کو سو کوڑے مارے یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے تیسرے قاصد کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ شمعون صفا تھا جو حواریوں کا سردار تھا دونوں کی

مدد کے لئے اسے بھیجا اس نے بادشاہ کے ہم نشین کے ساتھ راہ و رسم پیدا کیے یہاں تک کہ وہ ان کے ہاں ذیشان ہو گیا اور وہ لوگ اس سے مانوس ہو گئے انہوں نے اس کی بات بادشاہ تک پہنچائی وہ بھی اس سے مانوس ہو گیا پھر ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے ان دو افراد کو قید کر رکھا ہے جنہوں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تھی کاش! تو ان سے پوچھتا اس کا پس منظر کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا: غصہ میرے اور ان کے سوال کے درمیان غالب آ گیا تھا اس آدمی نے کہا: کاش! تو انہیں حاضر ہونے کا حکم دیتا؟ اس نے ایسا ہی کیا شمعون نے دونوں سے کہا: تم جو دعویٰ کرتے ہو اس پر دلیل کیا ہے؟ دونوں نے کہا: ہم مادرزاد اندھوں کو اور برص کے مریضوں کو شفایاب کرتے ہیں۔ ایک ایسا لڑکا لایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان ہی نہ تھے اس کی آنکھوں کی جگہ ایسی تھی جس طرح پیشانی ہوتی ہے دونوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی تو آنکھ کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے دو ڈھیلے لیے اور اس کے رخسار پر رکھ دیے تو دونوں اس کی آنکھیں بن گئیں جن کے ساتھ وہ دیکھنے لگا۔ بادشاہ متعجب ہوا اس نے کہا: یہاں ایک لڑکا ہے جو سات دن پہلے فوت ہو گیا ہے میں نے اسے دفن نہیں کیا یہاں تک کہ اس کا باپ آئے کیا: کیا تمہارا رب اسے زندہ کر سکتا ہے؟ دونوں نے اعلانیہ دعا کی اور شمعون نے آہستہ دعا کی وہ مردہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: میں سات دن پہلے مر گیا تھا مجھے مشرک کی حیثیت سے پایا گیا مجھے آگ کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا جس حالت پر ہوں اس سے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں پھر آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تو میں نے ایک خوبصورت چہرے والے جوان کو دیکھا جو ان تین افراد کے حق میں سفارش کر رہا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: یہ شمعون بھی انہیں کا ساتھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں یہ ان سے افضل ہے۔ شمعون نے لوگوں کو بتایا کہ اسے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف بھیجا تھا اس کی گفتگو بادشاہ پر اثر انداز ہوئی اس نے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی بادشاہ بے شمار لوگوں کے ساتھ مومن ہو گیا اور دوسرے بے شمار لوگوں نے کفر اختیار کیے۔

قشیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ بادشاہ تو ایمان لے آیا تھا لیکن اس کی قوم مومن نہ ہوئی تھی، حضرت جبریل امین نے ایک چیخ ماری تو باقی ماندہ سب کافر مر گئے۔

یہ روایت کی گئی ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس بستی کی طرف جائیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم ان لوگوں کی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی تو اسی جگہ پر سو گئے وہ نیند سے اٹھے تو فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور انطاکیہ میں جا پہنچایا تو ان میں سے ہر ایک ان کی زبان میں بات کر رہا تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرۃ: 87) کا یہی مفہوم ہے سب نے کہا: ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا: تم تو محض ہماری طرح انسان ہو تم کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی جس کے ساتھ وہ حکم دے یا منع کرے تم تو اپنی رسالت کے دعویٰ میں جھوٹ بولتے ہو، رسولوں نے کہا: ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝

"اور (اس اثنا میں) آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی، پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں بنالوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ ہرگز نہیں اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔ (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر پس میرا اعلان سن لو۔ حکم ہوا: جا جنت میں داخل ہو جا۔ وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کی شہادت کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے ہو کے رہ گئے۔"

رَجُلٌ سے مراد حبیب بن مری ہے وہ بڑھئی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسکاف (جوتا) بنانے والا تھا۔ ایک قول کیا گیا: وہ دھوبی تھا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور مقاتل نے کہا: وہ حبیب بن اسرائیل نجار تھا وہ بت تراشا کرتا تھا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جبکہ درمیان میں چھ سو سال کا عرصہ ہے جس طرح تبع اکبر ورقہ بن نوفل اور دوسرے لوگ ایمان لائے کوئی فرد کسی نبی پر ایمان نہیں لایا تھا مگر اس وقت جب وہ نبی ظاہر ہو چکا تھا (1)۔

وہب نے کہا: حبیب کو جذام کا مرض تھا اس کا گھر شہر کے دروازوں میں سے آخری دروازے کے پاس تھا وہ ستر سال تک بتوں کی عبادت میں مصروف رہا اور دعا کرتا رہا ممکن ہے وہ بت اس پر رحم کریں اور اس کی تکلیف رفع کر دیں تو بتوں نے اس کی کوئی دعا قبول نہ کی۔ جب قاصدوں نے اسے دیکھا تو اسے اللہ کی طرف دعوت دی تو اس نے پوچھا: کوئی نشانی بھی

1۔ [illegible] جلد 5، صفحہ 10

نکل آئیں اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا وہ کنواں رس ہے وہ اصحاب رس ہیں (1)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے: لوگوں نے ان تینوں افراد کو قتل کر دیا۔ سدی نے کہا: انہوں نے اسے پتھر مارے جبکہ وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہاں تک کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا (2)۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں اسے ڈال دیا اور اس پر مٹی ڈال دی اور وہ مٹی کے نیچے دب کر مر گیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اسے آگ میں جلا دیا (3) اسے شہر نصیبین سے لٹکا دیا اس کی قبر انطاکیہ کی دیوار میں ہے؛ یہ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ قشیری نے کہا: حضرت حسن بصری نے کہا: جب قوم نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان کی طرف اٹھا لیا تو وہ جنت میں ہے وہ نہیں مرے گا مگر جب آسمان فنا ہو جائے گا اور جنت ہلاک ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ جنت کو دوبارہ لوٹائے گا تو اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا (4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اسے آری کے ساتھ چیر دیا یہاں تک کہ وہ اس کی دو ٹانگوں کے درمیان سے نکل گئی اللہ کی قسم! اس کی روح نہیں نکلی مگر اسے جنت میں داخل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا یہی معنی ہے جب اس نے جنت کا مشاہدہ کیا تو اس نے کہا: ہائے کاش! میری قوم وہ کچھ جان لیتی جو میرے رب نے مجھے بخشا ما فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ الذی کے معنی میں ہے ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ استفہامیہ ہے جو تعجب کے معنی میں ہے گویا کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ کس وجہ سے میرے رب نے مجھے بخشا ہے؟ یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس نے کہا: اگر یہ صحیح ہوتو بم کا لفظ کہتا۔ فراء نے کہا کہ ما الف کے ساتھ کہا جائے یہ استفہامیہ ہے اور اس میں کئی اشعار پڑھے۔

زمخشری نے کہا: الف کے بغیر پڑھنا زیادہ اچھا ہے؛ اگرچہ الف کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد علمت بما صنعت هذا وبم صنعت۔ مہدوی نے کہا: استفہامیہ کی صورت میں الف کو ثابت رکھنا قبیح ہے اس صورت میں یعلمون پر وقف کیا جائے گا۔

ایک جماعت نے کہا: ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا معنی ہے تیرے لیے جنت ثابت ہو گئی۔ یہ خبر ہے تو جنت میں داخل ہو جا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا وہ اس میں زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۝ جس طرح آل عمران میں پہلے گزر چکا ہے۔

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ۝ سائل کے سوال کی وجہ سے کلام ذکر کی گئی ہے جو سوال اتنی بڑی کامیابی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا جو بخشش اور تکریم کی صورت میں متحقق ہوئی اسے جس مکرمین بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس تمنی میں دو قول ہیں:

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 10
2۔ زاد المسیر، جلد 5-6، صفحہ 278
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 344
4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 245

اسباب کسی اور کو عطا نہ فرمائے۔ اس کی وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے آسمان سے لشکر نازل فرمائے گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا وَمَا اَنْزَلْنَا... وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ کیونکہ لشکروں کو نازل کرنا عظیم امور میں سے ہے جن کا اہل تیرے سوا کوئی نہیں اور ہم تیرے سوا کسی اور کے لیے ایسا کرنے والے نہیں۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً عام قراءت واحدۃ نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ما کانت عقوبتهم الا صيحة واحدة۔

ابو جعفر بن القعقاع، شیبہ اور اعرج نے صیحۃ (مرفوع) پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةٌ وَّاحِدَةٌ میں کون کو وقع اور حدث کے معنی میں لیا ہے گویا یوں کلام کی: ما وقعت عليهم الا صيحة واحدة۔ ابو حاتم اور دوسرے بہت سے نحویوں نے تانیث کے سبب اس قراءت کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ یہ قول ضعیف ہے جس طرح ما قامت الا هند ضعيف۔ کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے معنی یہ ہے ما قام احد الا هند۔ ابو حاتم نے کہا: اگر بات اس طرح ہو جس طرح ابو جعفر نے قراءت کی ہے تو کلام یوں ہوتی ان کان الا صيحة۔ نحاس نے کہا: ان میں سے کوئی شے بھی ممتنع نہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما جاءتنی الا جاريتك تو اس کا معنی ہے ما جاءتنی امرأة او جارية الا جاريتك۔ رفع کی صورت میں قراءت میں تقدیر کلام یوں ہوگی جو ابو اسحاق نے کہا ہے کہا: اس کا معنی ہے ان كانت عليهم صيحة الا صيحة واحدة۔ دوسرے علماء نے اس کی یوں تقدیر کلام ذکر کی ہے ما وقعت عليهم صيحة الا صيحة واحدة۔ کان کا لفظ وقع کے معنی میں کلام عرب میں اکثر واقع ہوتا ہے۔ عبد الرحمن بن اسود نے اس کی یوں قراءت کی ہے۔ یہی قول کیا جاتا ہے: حضرت عبد اللہ کی قراءت میں بھی اسی طرح ہے ان كانت الا زقية واحدة یہ مصحف کے مخالف ہے مزید یہ بھی ہے کہ معروف لغت زقا يزقو ہے جس کا معنی ہے چیخا اسی معنی میں ضرب المثل ہے: اثقل من الزواقی۔ اس صورت میں تقدیر کی بنا پر زقوۃ کا لفظ ہوتا۔ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جوہری نے کہا: الزقو اور الزقی مصدر ہیں قد زقا الصدى يزقو زقاء اس نے چیخ ماری ہر چیخ مارنے والے کو زاق کہتے ہیں اور زقیہ کا معنی چیخ ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے کہا جاتا ہے زقوۃ اور زقیہ دونوں لغتیں ہیں قراءت صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ تو یکدم وہ مردہ تھے۔ انہیں ٹھنڈی راکھ کے ساتھ تشبیہ دی۔ قتادہ نے کہا: خٰمِدُوْنَ کا معنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ معنی سب کا ایک ہے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝

”صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگے۔ کیا

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان تین افراد نے یہ بات کہی تھی جب قوم نے اس آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھیجے گئے افراد ان سے جدا ہو گئے تھے یا انہوں نے تین بھیجے گئے افراد کے ساتھ اس آدمی کو بھی قتل کر دیا جس طرح روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے: ہائے ان بھیجے گئے افراد پر افسوس! اس آدمی پر افسوس کاش! قوم ان پر اس وقت ایمان لاتے جس وقت ایمان انہیں نفع دیتا۔

اس کے بارے میں گفتگو مکمل ہو چکی ہے پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کی فرمایا: مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ۔

ابن ہرمز، مسلم بن جندب اور عکرمہ نے یا حسرۃ علی العباد پڑھا ھاء کو ساکن پڑھا ہے مقصود بیان پر حرص دلانا اور نفس میں معنی کو پختہ کرنا ہے کیونکہ وہ وعظ و نصیحت کا مقام ہے عرب اس موقع پر اس قسم کا عمل کرتے ہیں اگرچہ وقف کا موقع نہ بھی ہو اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک حرف (1) قراءت کرتے مقصود بیان اور سمجھانے پر حرص دلانا تھا گویا حسرۃ پر وقف کو مقدر کیا اور ھاء کو کسرہ دیا پھر کہا: علی العباد یعنی میں بندوں پر حسرت کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس، ضحاک اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے یاحسرۃ العباد میں حسرۃ کا لفظ مضاف ہے اور علی کا لفظ محذوف ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو العباد اس کا فاعل ہوگا گویا جب انہوں نے عذاب کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے حسرت کا اظہار کیا تو یہ کلام تیرے اس قول کی طرح ہوگی: یا قیام زید۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول کی طرف مضاف ہونے سے تعلق رکھتی ہو اس صورت میں عباد کا لفظ مفعول ہوگا گویا بندوں پر وہ حسرت کا اظہار کرتا ہے جو ان پر شفقت کرتا ہے۔ جس نے یا حسرۃ علی العباد کی قراءت کی ہے وہ اس معنی کو قوت بخشتی ہے۔ سیبویہ نے کہا: أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ۝ میں ان، کم اھلکنا سے بدل ہے یہاں کم خبر یہ ہے اس وجہ سے اس سے اس چیز کو بدل بنانا جائز ہے جو استفہام نہ ہو معنی اس طرح بن جائے گا: کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ہے وہ ان کی طرف لوٹنے والے نہیں۔

فراء نے کہا: کم دو وجہ سے محل نصب میں ہے: (1) یروا کی وجہ سے اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے پیش کی ہے وہ قراءت اس طرح ہے الم یروا من اھلکنا (2) اَهْلَكْنَا کی وجہ سے کم منصوب ہے۔

نحاس نے کہا: پہلا قول محال ہے کیونکہ کم میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا کیونکہ یہ استفہام ہے اور یہ بات محال ہے کہ استفہام ماقبل کی خبر پر داخل ہو جب یہ خبر یہ ہو تو اس وقت بھی اس کی صورت حال یہی ہوگی اگرچہ سیبویہ نے ان میں سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور انھم کو کم سے بدل بنایا ہے۔ محمد بن یزید نے اس کا شدید رد کیا ہے اور کہا کم اھلکنا کی وجہ سے منصوب ہے اور انھم محل نصب میں ہے اس کے نزدیک معنی یہ ہوگا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں من اھلکنا ہے۔

حضرت حسن بصری نے اسے إنهم إليهم کسرہ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے (2)۔ یہ آیت اس آدمی کا رد ہے جو

---

1۔ جامع ترمذی، باب ماجاء کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 2847، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ تفسیر الکشاف، جلد 5، صفحہ 14

جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ اعمش نے یہ لفظ ثاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس بارے میں گفتگو الانعام میں گزر چکی ہے۔

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ میں ما کا لفظ محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف من ثمرہ پر ہے یعنی ومما عملته ایدیھم کوفیوں نے اسے ہاء کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے اسے اصل پر حذف کے بغیر پڑھا ہے۔ کلام میں ضمیر عائد کا حذف اکثر ہوتا ہے کیونکہ اسم طویل ہوتا ہے؛ کیونکہ اسم موصول صلہ کے ساتھ مل کر ایک اسم کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما نافیہ ہو اس کا اعراب میں کوئی محل نہ ہو اسے صلہ اور ضمیر عائد کی کوئی ضرورت نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اگائی ہے وہ ان کے ہاتھوں کے پیدا کردہ نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، ضحاک اور مقاتل کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کا معنی ہے ان پھلوں میں سے جو ان کے ہاتھوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں اور کھیتی اور کھانے کی مختلف اقسام میں سے اور وہ چیزیں جو کسی خاص طریقہ سے دانوں سے بناتے ہو جس طرح روٹی اور تیل جو کھوں اور زیتون سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس طرف راجع ہے جسے لوگ کھاتے ہیں، یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ کا مفعول نعمہ ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول سے اپنی پاکی بیان کی ہے کیونکہ کفار نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی قدرت کے آثار کو دیکھنے کے بعد غیر اللہ کی عبادت کی۔ اس کلام میں فعل امر کی تقدیر ہے مراد یہ ہے سبحوہ ونزھوہ عما لایلیق بہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تعجب کا معنی ہے یعنی ان کافروں کے کفر پر تعجب ہے جو ان آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو کسی چیز پر تعجب کا اظہار کرتا ہے تو وہ سبحان اللہ کہتا ہے۔ ازواج کا معنی انواع واصناف ہیں ہر زوج صنف ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ رنگ، ذائقہ، شکل، چھوٹے بڑے ہونے میں مختلف ہوتے ہیں ان کا اختلاف ہی ان کا ازدواج ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد مذکر اور مؤنث ہے۔

وَمِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ سے مراد نباتات ہیں کیونکہ اس کی اقسام ہوتی ہیں وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ سے مراد انکی اولاد ہے جو جوڑے جوڑے ہیں ان میں سے مذکر اور مؤنث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے خشکی، سمندر، آسمان اور زمین میں ایسی مخلوقات میں سے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے پیدا فرماتا ہے اسے کوئی انسان نہ جانتا ہو اور فرشتے اسے جانتے ہوں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس مخلوق کو کوئی دوسری مخلوق نہ جانتی ہو۔ اس آیت میں استدلال کی صورت یہ ہے کہ جب وہ پیدا کرنے میں منفرد ہے تو مناسب نہیں کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝

"اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو یوں وہ یکلخت اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ یہ آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے؛ اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز

سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا تو وہ مغرب کی جانب سے طلوع کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ کا یہی مفہوم ہے۔

ترمذی شریف کے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہیں (1): جب سورج غروب ہو گیا تو میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے ابوذر! کیا تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟" میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: "یہ جاتا ہے سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دی جاتی ہے گویا اسے کہا جاتا ہے جہاں سے آیا ہے وہاں سے طلوع ہو تو وہ مغرب سے طلوع کرتا ہے پھر آپ ﷺ نے اس کی تلاوت کی"۔ ذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَّهَا یہ حضرت عبداللہ کی قراءت ہے۔ امام ترمذی حضرت ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عکرمہ نے کہا: سورج جب غروب ہوتا ہے وہ عرش کے نیچے ایک محراب میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صبح کرتا ہے جب وہ صبح کرتا ہے تو باہر آنے سے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے: کس لیے؟ سورج عرض کرتا ہے: جب میں نکلوں گا تو تیرے سوا میری عبادت کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: نکل اس وجہ سے تجھ پر کوئی قدغن نہیں میں ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی طرف جہنم بھیجوں گا وہ اسے کھینچتے ہوئے لائیں گے یہاں تک کہ فرشتے ان سب کو جہنم میں داخل کریں گے"۔ کلبی اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا معنی ہے وہ غروب میں بعید ترین منزل کی طرف چلے گا پھر وہ قریب ترین منزل کی طرف لوٹے گا اس کا ٹھکانہ اس کا اس جگہ تک پہنچنا ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جاتا بلکہ اس جگہ سے لوٹ آتا ہے جس طرح ایک انسان ہے وہ مسافت طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری منزل تک پہنچتا ہے اور اپنا کام مکمل کرتا ہے پھر اس پہلی منزل کی طرف لوٹ آتا ہے جہاں سے اس نے اس سفر کا آغاز کیا تھا سورج کا اپنی آخری منزل تک پہنچنا جبکہ وہ اس کا مستقر ہے جب وہ سعد (یعنی تئیس 23 جون) کو طلوع ہوتا ہے یہ سال کا سب سے لمبا دن ہوتا ہے اور اس کی رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی ہوتی ہے پھر دن کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سورج لوٹ آتا ہے جب ثریا طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں تو رات اور دن میں سے ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں پھر وہ قریبی منزل تک پہنچ جاتا ہے اور نعائم (تئیس 23 دسمبر) کو طلوع ہوتا ہے۔ یہ سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے اور رات پندرہ گھنٹے کی ہوتی ہے یہاں تک کہ فرغ دوم فرا (تئیس 23 مارچ) کو طلوع کرتا ہے تو رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں ہر رات ان سے ہر روز گھنٹے کا تیسواں حصہ لیتی ہے ہر دس دن گھنٹے کا ایک تہائی لیتے ہیں اور ہر ماہ ایک گھنٹہ لیتا ہے یہاں تک کہ رات اور دن برابر ہو جاتے ہیں اور رات حصہ لیتی رہتی ہے یہاں تک کہ پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن بھی رات سے اسی طرح حصہ لیتا رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج کے سال میں تین سو ساٹھ مطلع ہوتے ہیں ہر روز ایک مطلع میں نزول کرتا ہے پھر ایک سال تک اس میں نزول نہیں کرتا وہ انہی منازل میں گردش کرتا رہتا ہے (2)۔ یہی

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، ومن سورۃ یٰسین، جلد 2، صفحہ 155۔ ایضاً حدیث نمبر 3151، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 345

قدرنٰہ اس بارے میں دو جواب ہیں: (1) اس سے مراد ہے ہم نے اسے منازل والا بنا دیا ہے جس طرح وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف:82) سے مراد اہل قریۃ ہے (2) اصل کلام یوں تھا قدرنا له منازل پھر لام کو حذف کر دیا گیا اس کا حذف بہت عجیب ہے کیونکہ فعل دو مفعولوں کی طرف واسطہ کے بغیر متعدی ہوتی ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا (الاعراف:155) منازل اٹھائیس ہیں۔ چاند ہر روز ایک منزل میں اترتا ہے وہ شرطان، بطین، ثریا، دبران، ہقعہ، ہنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبہ، خراتان، صرفہ، عوا، سماک، غفر، زبانیان، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم، بلدہ، سعد الذابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیہ، الفرغ المقدم، الفرغ المؤخر اور بطن الحوت (1)۔

جب چاند اس آخری منزل میں پہنچتا ہے تو پھر پہلی کی طرف لوٹ آتا ہے وہ فلک کو اٹھائیس راتوں میں طے کرتا ہے پھر چھپ جاتا ہے پھر ہلال کی صورت میں طلوع کرتا ہے اور فلک طے کرنے میں منازل کی طرف لوٹ آتا ہے یہ بروج پر منقسم ہے، ہر برج دو منزلیں اور ایک تہائی ہے حمل کے لیے شرطان، بطین اور ثریا ایک تہائی ہے، ثور کے لیے ثریا کے دو ثلث اور دبران اور ہقعہ کے دو تہائی ہیں ہر باقی کے لیے یہی صورت حال ہے۔ سورۂ حجر میں بروج کے ناموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ الحمد اللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو نور سے پیدا کیا ہے پھر طلوع کے وقت انہیں نور کا لباس عطا کیا جہاں تک سورج کے نور کا تعلق ہے تو وہ عرش کے نور سے ہے جہاں تک چاند کے نور کا تعلق ہے تو وہ کرسی کا نور ہے وہ ان کی پیدائش کی اصل اور یہ ان کا لباس ہے جہاں تک سورج کا تعلق ہے تو اس کے لباس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ شعاع والا اور روشن ہو جہاں تک چاند کا تعلق ہے روح الامین نے اپنے پروں کو اس کے چہرے پر پھیرا تو اس کی روشنی کو پروں کے غلبہ سے مٹا دیا کیونکہ وہ روح ہیں اور روح اس کی سلطان ہے جو تمام اشیاء پر غالب ہے اس کا نور باقی رہا جیسا اسے مخلوق دیکھتی ہے پھر اسے پانی کے غلاف میں رکھ دیا پھر اس کے لیے گذرگاہ بنائی ہر رات مخلوق کے لیے اس غلاف سے اس قدر چاند ظاہر ہوتا ہے جس قدر وہ ان کے لیے ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا ظہور ان کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور مخلوق اس چاند کو مکمل اور پورا گول دیکھتی ہے پھر ہر رات اس میں سے کچھ حصہ اس غلاف کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اسی مقدار سے دکھائی دینے میں کم ہوتا جاتا ہے جس قدر ظاہر ہونے میں ظاہر ہوا تھا اور اسی جانب سے نقصان میں کمی شروع ہو جاتی ہے جس جانب سورج اسے نہیں دیکھتا وہ اس کی مغرب کی جانب ہے یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتی ہے وہ قوس دار ہوتی ہے اس کی وجہ اس کا خشک ہونا اور باریک ہونا ہے۔ اسے قمر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی سفیدی کی وجہ سے فضا کو سفید کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ چھپ جاتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ زجاج نے کہا: یہ کھجور کی ٹہنی کی شاخ ہے جس پر چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں (2)۔ یہ انعراج سے فعلون کا وزن ہے۔ انعراج کا معنی مڑ جانا ہے یعنی وہ اپنی منازل میں چلتا ہے جب وہ آخری منزل میں پہنچتا ہے تو وہ باریک ہو جاتا ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 16

2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 17

رہتا یہاں تک کہ چاند طلوع ہوتا ہے لیکن جب سورج غروب ہوجاتا ہے تو چاند طلوع ہوجاتا ہے(1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: معنی ہے چودھویں رات کی چاند خاص کر سورج چاند کو نہیں پاتا کیونکہ چاند سورج کے طلوع ہونے سے قبل غروب ہونے میں جلدی کرتا ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ آسمان میں جمع ہوتے ہیں وہ منزل میں ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں دونوں ان میں شریک نہیں ہوتے(3)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: چاند آسمان دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان میں ہے سورج اس کو نہیں پاسکتا: یہ نحاس اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے معنی میں جو سب سے اچھا اور واضح قول کیا گیا ہے جس کا رد نہیں کیا جاسکتا کہ چاند کی رفتار تیز ہے سورج چال میں چاند کو نہیں پاسکتا؛ یہ مہدوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ (القیامہ) یہ اس وقت ہوگا جب سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا جائے گا جس کی وضاحت سورۃ الانعام کے آخر میں گزر چکی ہے اور سورۃ القیامۃ میں بھی آئے گی ان دونوں کا جمع ہونا یہ دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کی علامت ہوگی۔

سورج اور چاند اپنے فلک میں رواں دواں ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چکر لگا رہے ہیں یہاں تسبیح کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اسے فعل کے ساتھ صفت بیان کی جس کے ساتھ ذوالعقول کی صفت بیان کی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سورج، چاند اور ستارے آسمان و زمین کے درمیان فلک میں ہیں اس کے ساتھ چپکے ہوئے نہیں اگر یہ چپکے ہوئے ہوتے تو نہ چلتے(4)؛ یہ ثعلبی اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

بعض نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کہ دن کو رات سے قبل بنایا گیا رات خلق میں اس سے سبقت نہیں لے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے وقت پر آتا ہے ان میں سے کوئی اپنے ساتھی پر سبقت نہیں لے جاتا یہاں تک کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو جمع کردیا جائے گا جس طرح فرمایا: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ (القیامۃ) اس وقت یہ آگے پیچھے اس لیے آرہے ہیں تاکہ بندوں کے مصالح مکمل ہوں اور تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب کو جان لو، رات آرام کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ (النباء) یعنی نیند کو دن کے کام کاج سے تمہارے بدنوں کو آرام پہنچانے کے لیے بنایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ رات دن پر غالب آنے والی نہیں یہ تعبیر بولا جاتا ہے: سبق فلان فلانا۔ فلاں فلاں پر غالب آگیا۔ مبرد نے ذکر کیا ہے میں نے عمارہ کو ولا الیل سابق النہار پڑھتے ہوئے سنا میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے سابق النہار کا ارادہ بیان کیا ہے میں نے تنوین کو حذف کر لیا ہے کیونکہ یہ خفیف ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے النہار تنوین کے بغیر منصوب ہو اور تنوین اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو۔

وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 18   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً   4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 307

يَرْكَبُوْنَ ۝ وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

"اور ایک نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جا سکیں بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں"۔

اٰیَةٌ لَّهُمْ میں تین معانی کا احتمال ہے: (1) یہ ان کے لیے عبرت ہے کیونکہ آیات محل عبرت ہیں (2) ان پر نعمت ہے کیونکہ آیات میں انعام ہے (3) انہیں خبردار کرنا ہے کیونکہ آیات میں خبردار کرنے کا پہلو موجود ہوتا ہے (1)۔

اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ سورت میں مشکل ترین آیت ہے کیونکہ انہیں ہی کشتی میں سوار کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اہل مکہ کے لیے نشانی ہے کہ ہم نے سابقہ قوموں کی اولادوں کو بھری کشتی میں سوار کیا۔ دونوں ضمیریں مختلف ہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا ہے اور اس کی حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دونوں ضمیریں اہل مکہ کے لیے ہیں کہ ذُرِّیَّتَهُمْ سے مراد ان کی اولادیں اور ان کے ضعیف لوگ ہیں پہلے قول کے مطابق الفلک سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے اور دوسری تاویل کی بنا پر یہ اسم جنس ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و احسان کا ذکر کیا کہ اس نے کشتیوں کو پیدا کیا ان میں انہیں سوار کر دیا جن کے لیے چلنا اور سواری پر سوار ہونا مشکل ہوتا ہے جیسے اولادیں اور کمزور لوگ۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں ضمیریں متفق ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ذریۃ سے مراد آباء و اجداد ہیں (2) اللہ تعالیٰ نے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا آباء ذریت ہیں اور ابناء بھی ذریت ہیں اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے یہ ابو عثمان کا قول ہے۔ آباء کو ذریت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ انہیں میں سے بیٹوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے: ذریۃ سے مراد نطفے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹوں میں اٹھایا اور ان پیٹوں کو فلک مشحون سے تشبیہ دی؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سورۃ البقرہ میں لفظ ذریۃ کا اشتقاق اور اس کے بارے میں مفصل گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ مشحون کا معنی بھری ہوئی ہے۔ فلک کا لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ یونس میں اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

مَا یَرْكَبُوْنَ ۝ اصل میں ما یرکبونہ ہے اسم موصول کی طوالت کی وجہ سے صلہ کی ضمیر حذف ہے اور اس لیے بھی کہ یہ آیت کا سرا ہے اس کے معنی میں تین قول ہیں: (1) مجاہد، قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ من مثلہ سے مراد اونٹ ہے، اونٹ خشکی میں سواری کے لیے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح سمندر میں سواری کے لیے کشتی پیدا کی گئی ہے۔ عرب اونٹوں کو کشتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں طرفہ نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 19　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۙ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو عذاب سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو: کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا (اے احمقو!) تم تو بالکل بھٹک گئے ہو اور کافر کہتے ہیں: یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تو اس کا مقررہ وقت بتا دو۔ یہ انتظار نہیں کر رہے مگر ایک کڑک کا جو اچانک انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے پس نہ وہ اس وقت کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے"۔

قتادہ نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ سے مراد تم سے قبل کی امتوں کے واقعات ہیں (1) اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد آخرت ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور مجاہد نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ سے مراد سابقہ گناہ ہیں (2) اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد آنے والے گناہ ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ سے مراد جو تمہاری عمر گزر چکی ہے (3) اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد جو باقی ماندہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ سے مراد دنیا ہے اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد عذاب آخرت ہے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس قول نقل کیا ہے کہ مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ سے مراد امر آخرت اور اس کے لیے اعمال ہیں اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد دنیاوی امور ہیں ان سے بچو اور اس کے ساتھ دھوکہ میں مبتلا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ سے مراد جو تمہارے لیے ظاہر ہے اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد جو تم سے مخفی ہے (4)۔ جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: إذا قيل لهم ذلك أعرضوا اس کی دلیل بعد والا قول ہے: وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ جواب کی بجائے اس دلیل پر اکتفا کیا۔

أَنفِقُوا سے مراد فقراء پر صدقہ کرو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہودیوں کو جب فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضمیر کا مصداق مشرکین ہیں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ نے یہ کہا (5): تم اپنے اموال میں سے جن کے

---

1۔ جامع البیان تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 17 | 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 21 | 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 348

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 21 | 5۔ تفسیر ثعالبی، جلد 4، صفحہ 19

اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ (اللیل) نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت زنادقہ کے حق میں نازل ہوئی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زندیق تھے وہ اس کائنات کے صانع پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس قول کے ذریعے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے قشیری اور ماوردی نے اس کا ذکر کیا (1)۔

جب کفار کو یہ کہا گیا: اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ تو انہوں نے کہا: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ قیامت کب برپا ہوگی؟ یہ کفار کی جانب سے استہزاء تھا یعنی یہ وعید محقق نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ صرف حضرت اسرافیل کے نفخہ کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی جبکہ وہ دنیا کے امور میں جھگڑ رہے ہوں گے تو وہ اپنی جگہ مر جائیں گے، یہ صعق کا نفخہ ہے۔

یَخِصِّمُوْنَ میں پانچ قراءتیں ہیں: ابو عمرو اور ابن کثیر نے یَخَصِّمُوْنَ پڑھا ہے یعنی یاء اور خاء کو مفتوح اور صاد پر شد پڑھی ہے ورش نے نافع سے اسی طرح روایت کی ہے۔

یہ سب قراءات اور ورش کے سوا اصحاب نافع نے یَخْصِّمُوْنَ روایت کیا ہے یعنی خاء کو ساکن اور صاد کو مشدد پڑھا ہے یعنی دو ساکنوں کو جمع کر دیا ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش اور حمزہ نے اسے یَخْصِمُوْنَ پڑھا ہے خاء کو ساکن اور صاد کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ خصمہ سے مشتق ہے۔ عاصم اور کسائی نے اسے یَخِصِّمُوْنَ پڑھا ہے یعنی خاء مکسور اور صاد مشدد ہے اس کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفخہ انہیں آ پہنچے گا جبکہ وہ آپس میں یہ دلائل قائم کر رہے ہوں گے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (2)۔ ابن جبیر ابو بکر سے وہ عاصم سے اور حماد عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: پہلی قراءت ان سب سے واضح ہے اصل میں یہ یختصمون تھا تاء کو صاد میں مدغم کر دیا گیا اس کی حرکت خاء کی طرف منتقل کر دی گئی۔ ابی کی قراءت میں یختصمون ہے خاء کو ساکن کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں دو ساکنوں کا اجتماع ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حرف مد و لین نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: جنہوں نے خاء کو اپنے اصل پر رکھتے ہوئے ساکن پڑھا ہے معنی ہے وہ ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کلام اس معنی میں ہو یخصمون مجادلہم عند انفسہم تو مفعول کو حذف کر دیا گیا۔

ثعلبی نے کہا: یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: یخصّمون کی اصل یختصمون ہے تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے خاء کو کسرہ دیا گیا۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ یہ قراءت سب سے عمدہ اور اکثر مروی ہے اور جو صورت ہے جبکہ تم اس کو ترک کر دیا یعنی تاء کی حرکت خاء کو دی اور اس کے لیے ایک اور حرکت لے آیا اور پھر یاء اور کسرہ کو جمع کر دیا اور گمان یہ کیا یہ عمدہ اور اکثر مستعمل ہے۔ یہ اکثر کی قراءت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ فتحہ کے ساتھ قراءت اہل مکہ، اہل بصرہ اور اہل مدینہ کی قراءت ہے؟ عاصم سے یاء اور خاء کے کسرہ کے ساتھ جو مروی ہے وہ اتباع کی وجہ سے ہے۔ یخطف میں سورۂ بقرہ میں اور یہدی میں سورۂ یونس میں گزر چکی ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 21

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 20

مہدوی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً کے بارے میں کہا: اس سے مراد صور میں پھونکنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: لوگ بازاروں میں ہوں گے حتیٰ کہ دو آدمیوں کے درمیان کپڑا ہوگا، ابھی وہ دونوں کام کر رہے ہوں گے کہ صور پھونک دیا جائے گا۔

ثعلبی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت برپا ہو جائے گی جبکہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کے لیے اسے پھیلائے ہوئے ہوں گے وہ اسے ابھی لپیٹ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا تاکہ وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلائے ابھی وہ اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلا سکے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا ترازو نیچے جھکائے گا ابھی وہ اسے اوپر نہیں اٹھائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی، ایک آدمی اپنا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا ابھی وہ اسے نگل نہیں سکے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی"[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے: "سب سے پہلے جو آدمی صور کی آواز سنے گا وہ وہ آدمی ہوگا جو اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا وہ بے ہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے"[2]۔

وہ ایک دوسرے کو کوئی وصیت کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے بلکہ اپنے بازاروں اور جگہوں میں ہی مر جائیں گے جب وہ مر جائیں گے تو وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے[3]۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے کہ وہ ان کے لیے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ نہیں کہیں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ اپنے گھروں کی طرف نہیں لوٹیں گے کیونکہ ان کے ساتھ بہت جلد معاملہ کیا گیا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"اور (دوبارہ) جب صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے: ہائے ہماری بدبختی! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہوں سے اٹھا دیا؟ (آواز آئے گی) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا رسولوں نے۔ نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج ظلم نہیں کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر انہی اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے۔"

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 22
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، اشراط الساعۃ، جلد 2، صفحہ 403
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 22

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ یہ دوبارہ اٹھانے کے لیے دوسرا نفخہ ہے(1)۔ سورۂ نمل میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ نفخے دو ہیں تین نہیں ہیں۔ یہ آیت اس معنی پر دال ہے۔ مبارک بن فضالہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر زندہ چیز کو موت طاری فرمائے گا اور دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہر مردہ چیز کو زندہ کرے گا"(2)۔ قتادہ نے کہا: صور، صورۃ کی جمع ہے صورۃ اور صور دونوں طرح ہیں جس طرح عمارت کی سورۃ (دیوار) اور سور ہوا کرتی ہے۔ کلبی نے کہا:

سرت به في أعالي السور

میں اس کی طرف بلند دیواروں میں چلا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وَنُفِخَ فِي الصُّوَرِ قراءت کی۔ نحاس نے کہا: الصُّوْر یعنی واو ساکن ہے اس سے مراد سینگ ہے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح مروی ہے اور کلام عرب میں یہ اسی طرح مروی ہے۔ اہل لغت نے یوں کہا:

نحن نطحناهم غداة الغورين   بالضابحات في غبار النقعين
نطحا شديدا لا كنطح الصورين

ہم نے غورین کے دن آواز نکالنے والے گھوڑوں کے ساتھ شدید جنگ کی جبکہ غبار شدید تھا وہ جنگ سینگوں والے کی جنگ نہ تھی۔

یہ بحث سورۃ الانعام میں مفصل گزر چکی ہے۔ الاجداث سے مراد قبریں ہیں۔ الاجداف بھی پڑھا گیا ہے(3)۔ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: جدث، جدف۔ صحیح لغت جدث ہے اس کی جمع اجدث اور اجداث آتی ہے۔ ہذلی نے کہا: عرفت باجدث میں نے قبروں کو پہچان لیا۔ جدث کا معنی اس نے قبر بتائی۔

إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ وہ نکلتے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے(4) اسی معنی میں بچے کو نسل کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ جلدی کرتے ہیں کیونکہ نسلان اور عسلان جلدی جلدی چلنے کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں بھیڑیے کی چال ہے۔ شاعر نے کہا:

برد الليل عليه فنسل(5)

رات اس پر ٹھنڈی ہوئی اور وہ تیز چلا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نسل الذئب ینسل وینسل النسل والنسلان۔ یہ ضرب یضرب کے باب سے ہے ینسل بھی کہتے ہیں اس سے مراد تیز چلنا ہے معنی ہے وہ تیزی سے نکلتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: [illegible] وَلَا تَكَلَّمُ إِلَّا نَفْسٌ وَاحِدَةٌ (قرآن: 78) يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (القمر) اینما

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 23
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 438
3۔ جامع البیان للطبری، جلد 23، صفحہ 21
4۔ ایضاً
5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 21
6۔ ایضاً ... سے مروی ہے

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (المعارج) یعنی وہ بتوں کی طرف جلدی جاتے ہیں حدیث طیبہ میں ہے ہم نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کمزوری کی شکایت کی تو فرمایا: "علیکم بالنسل" تم جلدی چلا کرو کیونکہ یہ انسان کو چست بنا دیتا ہے (1)"۔

ابن انباری نے کہا: یٰوَیْلَنَا پر وقف اچھا ہے پھر مَنْۢ بَعَثَنَا سے آغاز کرے۔ بعض قراء سے مروی ہے یٰوَیْلَنَا مِنْ بَعْثِنَا، من کا میم اور بعثنا کا ثاء مکسور ہے۔ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے اس نقطہ نظر کے مطابق یٰوَیْلَنَا پر وقف کرنا اچھا نہیں یہاں تک کہ وہ پڑھے مِنْ مَّرْقَدِنَا۔

حضرت ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق مِنْ مَّرْقَدِنَا کے ساتھ وصل ہے تو یہ [illegible] کے مذہب کی صحت کی دلیل ہے۔ مہدوی نے کہا: ابن ابی لیلیٰ نے قالوا یاویلتنا قراءت کی ہے یہ ویلتی کا تانیث ہے اس کی مثل یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ (ہود: 72) حضرت علی شیر خدا نے یاویلنا من بعثنا قراءت کی ہے من ویل سے متعلق ہے یا ویلتنا سے حال ہے تو من محذوف سے متعلق ہوگا گویا کہا یاویلنا کائنا من بعثنا جس طرح جار مجرور ویل سے خبر بنانا صحیح ہے اسی طرح اس سے حال بنانا صحیح ہے من مرقدنا جار مجرور بعث کے متعلق ہے پھر یہ کہا گیا: انہوں نے یہ بات کیسے کی جبکہ وہ تو اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہوں گے؟ اس کا جواب ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا: وہ سوئے ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے: وہ کہیں گے ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا ہے؟ ابوبکر انباری نے کہا: یہ حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ ھبنا کا لفظ قرآن کا حصہ ہے جس طرح وہ آدمی کہتا ہے جو قرآن پڑھنے کا [illegible] بلکہ یہ تو بعثنا کی تفسیر ہے یا یہ اس کے کسی معنی کی تعبیر ہے۔

ابوبکر نے کہا: میں نے من ھبنا الف کے بغیر یاد کیا ہے جبکہ من کا نون ساکن ہے۔ لغت کے طریقہ کے مطابق یہ صحیح ہے من اھبنا نون کو فتحہ دیا کہ اھبنا کے ہمزہ کے فتحہ کو من کے نون کو دیا اور ہمزہ کو ساقط کر دیا جس طرح عرب کہتے ہیں: من اخبرك، من اعلمك وہ اس سے مراد من اخبرك لیتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اھببت النائم فھب النائم میں نے سونے والے کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا۔ احمد بن یحییٰ نحوی نے ہمیں یہ شعر سنایا:

وعاذلة ھبت بلیل تلومنی

مجھے ملامت کرنے والی اٹھی اور ملامت کرنے لگی۔

ابو صالح نے کہا: جب پہلا نفخہ ہوگا تو اہل قبور سے عذاب اٹھا لیا جائے گا تو وہ سو جائیں گے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا اسی وجہ سے ان کا یہ قول ہوگا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یہ حضرت ابن عباس، قتادہ کا قول ہے۔

اہل معانی نے کہا: کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی اقسام دیکھیں گے تو انہیں قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا [illegible]

1۔ [illegible] جلد 5، صفحہ 49

کے عذاب کے مقابلے میں نیند کی طرح ہوگا۔ مجاہد نے کہا: مومن انہیں کہیں گے: یہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جسے ہدایت دی ہوگی وہ ان کفار کو یہ کہیں گے: یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔ فراء نے کہا: فرشتے انہیں یہ کہیں گے۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال متفق ہیں کیونکہ ملائکہ مومنوں میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ (البینہ) اسی طرح یہ حدیث ہے: المومن عند الله خير من كل ما خلق (1) مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں اور دوسرے مومنوں نے انہیں یہ بات کہی ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا: جب کفار نے ایک دوسرے کو کہا: کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھایا تو انہوں نے جب اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس کی انبیاء نے انہیں خبر دی تھی تو انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی پھر انہوں نے کہا: یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور مرسلین نے سچ بولا تھا اور ہم نے اس کو جھٹلایا تھا۔ انہوں نے اس وقت اقرار کیا جب اقرار نے انہیں کوئی نفع نہ دیا۔ بعض قراء یعنی حفص مِنْۢ مَّرْقَدِنَا پر وقف کرتے اور پھر کلام کو شروع کرتے هٰذَا۔ ابوبکر بن انباری نے کہا: مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا پر وقف بہت اچھا ہے پھر تو کلام کو شروع کرے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ۔ یہ بھی جائز ہے کہ تو هٰذَا پر وقف کرے اور مرقد کی اتباع میں هٰذَا کو جر دے اور مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ سے کلام کا آغاز کرے معنی ہوگا ہمیں اٹھایا جانا رحمٰن کا وعدہ ہے۔ نحاس نے کہا: کلام مِنْ مَّرْقَدِنَا پر مکمل ہو جاتی ہے اور هٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اور اس کی خبر مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ ہے۔ یہ بھی جائز ہے هٰذَا، مَرْقَدِنَا کی صفت ہونے کی حیثیت سے مجرور ہو تو اس صورت میں کلام مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا پر مکمل ہوگی اور مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ تین وجوہات سے محل رفع میں ہوگی۔

ابو اسحاق نے اس کی دو وجوہ ذکر کی ہیں: (1) هٰذَا مضمر ہے (2) کلام اس معنی میں ہو حق ما وعد الرحمن بعثكم (3) کلام اس معنی میں ہو بعثكم ما وعد الرحمن۔

ان کو دوبارہ اٹھانا اور انہیں زندہ کرنا ایک چیخ کی صورت میں ہوگا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ کہنا ہے: اے بوسیدہ ہڈیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑو اور بکھرے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلے کے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔ حق کے قول کا بھی یہی معنی ہے يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ (ق) اور مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر: 8) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرات اگر وہ آپ سے ثابت ہے ان كانت الا زقية واحدة اس میں زقیۃ کا معنی چیخ ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ ھم ضمیر مبتدا ہے اس کی خبر جمیع ہے جو نکرہ ہے اور مُحْضَرُوْنَ اس کی صفت ہے محضرون کا معنی ہے انہیں جمع کیا جائے گا انہیں حساب کے موقف میں حاضر کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ (النحل: 77) کی طرح ہے۔

---

1۔ سنن ابن ماجہ، باب حرمۃ دم المومن ومالہ، حدیث نمبر 3936، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوتی یہاں تک کہ وہ عرش کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے ان بندوں پر سلام جنہوں نے میری اطاعت کی اور بن دیکھے میرے عہد کی حفاظت کی، میں نے تمہیں چن لیا، میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور میں نے تمہیں اختیار کیا ہے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ۔ نہ آج تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے وہ پل صراط سے اچکنے والی بجلی کی طرح گزر جائیں گے ان کے لیے دروازے کھول دیئے جائیں گے پھر مخلوق ابھی میدان محشر میں کھڑی ہوگی تو وہ ایک دوسرے کو کہیں گے: اے قوم! فلاں کہاں ہے؟ فلاں کہاں ہے؟ جس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے تو ایک منادی ندا کرے گا: اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ۝۔

شُغُل اور شُغْل اس میں دو لغتیں ہیں دونوں کے ساتھ اسے پڑھا بھی گیا ہے جس طرح رُعُب اور رُعْب، سُحُت اور سُحْت، یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: فٰكِهُوْنَ کا معنی مسرورون ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی فرحون ہے(2)۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی معجبون ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ناعمون ہے۔ سب کا معنی باہم قریب ہے۔ فکاہت کا معنی بھی مزاح اور اچھی گفتگو ہے۔

ابو جعفر، شیبہ اور اعرج نے کہا: فَكِهُوْنَ الف کے بغیر ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح فارہ اور فرہ اور حاذر اور حذر، یہ فراء کا قول ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہ نے کہا: الفاکہ سے مراد ذو الفاکہۃ ہے یعنی اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے جس طرح شاحم، لاحم، تامر اور لابن ہے اور فکہ سے مراد متفکہ اور متنعم ہے۔ فکهون، دو کے قول میں الف کے بغیر ہے جس کا معنی معجبون (خوش ہونے والے) ہے۔ ابو زید نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: رجل فکہ جب خوش ہونے والا اور مسکرانے والا ہو۔ طلحہ بن مصرف نے فاکہین پڑھا ہے یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ۝ مبتدا اور خبر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھم تاکید ہو اور ازواجھم کا عطف ضمیر پر ہو اور متکئون، فاکہون کی صفت ہو۔ عام لوگوں کی قراءت فِيْ ظِلٰلٍ ظاء کے کسرہ اور الف کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے اسے فی ظُلَل پڑھا ہے ظاء پر ضمہ ہے اور الف کے بغیر ہے ظلال، ظل کی جمع ہے اور ظُلَل، ظلۃ کی جمع ہے۔

ارائک سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں اس کا واحد اریکہ ہے جس طرح سفینہ کی جمع سفائن آتی ہے شاعر نے کہا:

كَاَنَّ احمرار الورد فوق غصونه بوقت الضحى في روضة المتضاحك

خدود عذارى قد خجلن من الحيا تهادين بالريحان فوق الارائك

گویا گلاب کے پھول کی سرخی اس کی ٹہنیوں پر چاشت کے وقت مسکراتے باغیچے میں کنواری عورتوں کے رخسار ہیں جو حیا کی وجہ سے شرمندہ ہیں جو پلنگوں پر ریحان کا پھول باہم تحفہ دیتی ہیں۔

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 35

2۔ احکام القرآن للعربی، جلد 23، صفحہ 25

مفعول مطلق ہے اگر تو یہ چاہے تو اسے حال کی حیثیت سے منصوب تسلیم کرے تقدیر کلام یوں ہوگی ولهم ما يدعون سلاما مراد مسلّمة و مسلما اس تاویل کی صورت میں مَا يَدَّعُونَ پر وقف اچھا نہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے سلام پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا: ذالك سلم لهم اس میں وہ کوئی تنازع نہیں کرتے تو اس صورت میں ولهم ما يدعون مکمل جملہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے سَلٰمٌ، وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ سے بدل ہو اور مَا يَدَّعُونَ کی خبر لهم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے سلام دوسری خبر ہو تو اس صورت میں کلام کا معنی ہو وہ انہیں کے لیے خالص ہے اس میں کوئی نزاع کرنے والا نہیں قَوْلًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قال الله ذالك قولا یا یقوله قولا فعل محذوف پر مصدر کا لفظ دلالت کرتا ہے اور دوسرے مذہب کی بنا پر مَا يَدَّعُونَ پر وقف کرنا اچھا نہیں۔ سجستانی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سَلٰمٌ پر وقف مکمل ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ قولاً ما قبل سے خارج ہے۔

یہ کہا جاتا ہے: تميزوا، امتازوا اور امتازوا کا معنی ایک ہی ہے اور مجرد سے یوں مطاوعت کا صیغہ آتا ہے مزته فامتاز و امتاز اور تفعیل سے یوں صیغہ آتا ہے میزته فتمیز جب جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا تو سوال کے لیے جب وہ کھڑے ہوں گے تو اس وقت انہیں یہ بات کہی جائے گی یعنی ان سے نکل جاؤ۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے یہ بھلائی سے الگ کر دیئے گئے (1)۔ ضحاک نے کہا: مجرم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے (2)، یہودی ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے نصاریٰ ایک جماعت کی صورت میں الگ ہوں گے، مجوسی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے، صابی ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے اور بت پرست ایک فرقہ کی صورت میں الگ ہوں گے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: ہر جماعت کا جہنم میں ایک گھر ہوگا جس میں اسے داخل کر دیا جائے گا اور دروازہ بند کر دیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ کسی کو دیکھیں گے اور نہ وہ کسی کو دکھائی دیں گے۔ داؤد بن جراح نے کہا: مسلمان مجرموں سے الگ ہو جائیں گے مگر خواہش کے پجاری مجرموں کے ساتھ ہوں گے (3)۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۚ أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾

"کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔

آیت کریمہ میں عہد سے مراد وصیت ہے کیا میں نے تم کو وصیت نہیں کی اور رسولوں کی زبانوں پر تمہیں پیغام حق نہیں

1۔ ... قرآن للطبری، جز 23، صفحہ 29
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 25
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 27

انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر وہ نہ آگے جا سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی قوتوں کو؛ کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے"۔

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کس وجہ سے میں ہنس رہا ہوں؟" ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "بندہ اپنے رب سے جس انداز میں خطاب کرتا ہے اس کی وجہ سے میں ہنسا ہوں، بندہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا تم نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیوں نہیں۔ بندہ عرض کرتا ہے: میں اپنے سوا کسی کو اپنے اوپر گواہ جائز نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آج تجھ پر تیرا نفس اور کراماً کاتبین ہی گواہ کافی ہیں۔ فرمایا: اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: بولو تو وہ اعضاء اس کے اعمال کے بارے میں بات کریں گے پھر اس کے اور اس کی گفتگو کے درمیان رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی تو وہ اعضاء کو کہے گا: تمہارے لیے ہلاکت ہو میں ان کے لیے تمہاری حفاظت کرتا رہا؟"(1)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے اس میں ہے: "پھر اسے کہا جائے گا: اب ہم تجھ پر کوئی گواہ لاتے ہیں وہ اپنے بارے میں سوچ و بچار کرے گا مجھ پر کون گواہی دے گا؟ تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: بولو تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بتائیں گی۔ یہی وہ شخص ہے جو گناہ کیا کرتا تھا، یہی منافق تھا اور یہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا"۔

امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: "یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں سوار اور پیدل جمع کیا جائے گا تمہیں قیامت کے روز کھینچا جائے گا تمہارے مونہوں پر چھینکے ہوں گے تم ستر امتوں کو پورا کرو گے تم ان میں سے بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہو تمہارے اعضاء میں سے سب سے پہلے جو اظہار کرے گی وہ اس کی ران ہوگی"۔ دوسری روایت میں: "اس کی ران اور اس کی ہتھیلی ہوگی"۔ فدام سے مراد وہ کپڑا ہے جو لوٹے کے اوپر باندھا جاتا ہے؛ یہ جوہری نے کہا۔

ابو عبید نے کہا: یعنی انہیں گفتگو سے روک دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی رانیں گفتگو کریں گی۔ تو گفتگو سے روکنے کے عمل کو اس کپڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے لوٹے پر باندھا جاتا ہے۔ منہ پر مہر لگانے کی چار وجوہ ذکر کی گئی ہیں: (1) انہوں نے کہا: اللہ کی قسم اے ہمارے رب! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مونہوں پر مہریں لگا دیں یہاں تک کہ ان کے اعضاء نے گفتگو کی؛ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے۔

(2) اس وقت انہیں پہچان لیں گے وہ ان سے ممتاز ہو جائیں گے؛ یہ ابن زیاد کا قول ہے۔

(3) غیر ناطق کا اقرار اس کے اقرار سے دلیل میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے جو گفتگو کر سکتا ہو کیونکہ اس کی گفتگو معجزہ کے حکم میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 409

ہوتی ہے اگرچہ اس دن کسی عضو کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(4) تاکہ وہ خود جان لے کہ اس کے اعضاء اس کے بارے میں مددگار تھے تو وہ اس کے رب کے حق میں گواہ ہو گئے اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیوں فرمایا: وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ ہاتھ کے اظہار کو کلام اور پاؤں کے اظہار کو گواہی قرار دیا؟ اس کا جواب دیا جائے گا: ہاتھ خود عمل کرتا ہے اور پاؤں حاضر ہوتا ہے اور حاضر کا قول غیر پر گواہ ہوتا ہے فاعل کا اپنے بارے میں قول اقرار ہوا کرتا ہے خواہ وہ قول کرے یا عمل کرے اسی وجہ سے ہاتھوں سے جو کچھ صادر ہوگا اس کو قول سے تعبیر کیا اور جو کچھ پاؤں سے صادر ہوا اس کو شہادت کہتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "جس روز منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز جو ہڈی سب سے پہلے کلام کرے گی وہ بائیں ٹانگ کی ران ہوگی" یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جو گمان کرتا ہوں کہ انسان کی ہڈی جو سب سے پہلے گفتگو کرے گی وہ اس کی دائیں ران ہوگی؛ یہ بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا: یہ احتمال موجود ہے کہ اعضاء میں سے پہلے ران گفتگو کرے گی کیونکہ وہ گناہوں کی لذت کا ادراک ان حواس سے کرتا ہے جو اس کے نچلے دھڑ میں ہوتے ہیں ان میں سے ران بھی ہے تو کیونکہ وہ قریب تر عضو ہے اس لیے وہ گواہی دینے میں سب سے پہلے ہوگی کہا: بائیں ران پہلے گواہی دے گی کیونکہ دائیں اعضاء میں شہوت بائیں اعضاء کی بنسبت قوی ہوگی اسی وجہ سے بائیں ران دائیں ران پر گواہی دینے میں مقدم ہوگی کیونکہ اس میں شہوت کم ہوتی ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: یا اس کے برعکس ہوگا کیونکہ شہوت کا غلبہ ہوگا یا دونوں رانیں اور ہتھیلی اکٹھے گواہی دیں گے کیونکہ اس کے مجموعے سے ہی شہوت اور لذت مکمل ہوتی ہے۔

کسائی نے یوں حکایت بیان کی ہے: طَمَسَ يَطْمِسُ، يَطْمُسُ اہل لغت کے نزدیک مطموس اور طمیس اس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں میں شق ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں ہدایت سے اندھا کر دیا وہ کبھی بھی حق کے راستے کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔ حضرت حسن بصری اور سدی نے کہا: ہم نے انہیں اندھا بنا کر چھوڑ دیا وہ متردد گھومتے پھرتے ہیں اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اندھا بنا دیا وہ اپنے گھروں اور دوسری جگہ اپنے تصرفات کے طریقہ کو نہیں دیکھتے۔ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

پس انہوں نے راستے کی طرف جلدی کی تاکہ وہ گزر جائیں تو وہ کہاں سے دیکھیں۔ عطاء، مقاتل اور قتادہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا: اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی گمراہی کی آنکھوں کو پھاڑ دیتے ہم انہیں ان کی گمراہی سے اندھے کر دیتے اور ان کی نظروں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر دیتے پس وہ ہدایت پا جاتے اپنی ہدایت کو دیکھ لیتے اور آخرت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 28

کے راستہ کی طرف جلدی کرتے جبکہ ہم نے ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا تو وہ کیسے ہدایت پا سکتے تھے جبکہ ہدایت کی آنکھ ہی بند تھی اور گمراہی پر پڑی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام سے سابقہ گفتگو سے مختلف مروی ہے انہوں نے یہ تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کہا: جب قیامت کا دن ہوگا پل کو بچھا دیا جائیگا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت کھڑی ہو جائے تو ان میں سے نیک و بد سب کھڑے ہو جائیں گے وہ سرور دو عالم ﷺ کے پیچھے چلیں گے تاکہ وہ پل صراط سے گزر جائیں پھر ایک منادی اعلان کرے گا: چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کھڑی ہو آپ علیہ السلام اور آپ کی امت کھڑی ہوگی تو نیک و گناہگار ان کے پیچھے چل پڑیں گے تو ان کا راستہ وہی ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہوگا باقی ماندہ انبیاء کی حالت بھی ایسے ہی ہوگی، نحاس نے یہ ذکر کیا ہم نے اس کا ذکر "تذکرہ" میں کیا ہے یہ اسی کے مناسب ہے جو ابن مبارک نے "رقائق" میں ذکر کیا ہے اور قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن جریج سے مروی ہے کہ اسود بن اسود نے ایک پتھر اٹھایا جبکہ اس کے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت بھی اس نے پتھر اس لیے اٹھایا تھا تاکہ نبی کریم ﷺ پر پھینکے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کو بند کر دیا، پتھر کو اس کے ہاتھ کے ساتھ چپکا دیا تو اس نے دیکھا اور نہ اس نے ہدایت پائی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ مطموس اسے کہتے ہیں جس کی پلکوں کے درمیان شق نہ ہو یہ طمس الریح الاثر سے مشتق ہے: یہ اخفش اور قتبی نے کہا۔

مسخ سے مراد خلقت کو تبدیل کر دینا ہے اسے پتھر، جماد یا چوپایا بنا دیا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: معنی ہے ہم نے انہیں جماد بنا دیا وہ طاقت نہیں رکھتے کہ آگے گزریں اور پیچھے ہٹیں اسی طرح جامد چیز آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتی بعض اوقات مسخ انسان کو چوپایہ بنانے کی صورت میں ہوتا ہے پھر وہ چوپایہ کسی ایسے موقع و محل کی کچھ نہیں رکھتا کہ جس کا وہ قصد کرے پس وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم ان کے مسکنوں میں ہی انہیں ہلاک کر دیتے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں اس جگہ پر مسخ کر دیتے جہاں انہوں نے نافرمانی کی جرات کی تھی۔ حضرت ابن سلام نے کہا: یہ سب کچھ قیامت کے روز ہوگا اللہ تعالیٰ پل صراط پر سے گزرتے وقت ان کی آنکھوں کو مسخ کر دے گا۔ حضرت حسن بصری، سلمی، زر بن حبیش اور عاصم نے ابو بکر کی روایت میں مکاناتھم جمع کا صیغہ ہے جبکہ باقی نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے ابو حیوہ نے فما استطاعوا مُضِیًّا قراءت کی ہے۔ المضی جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے جس کا معنی جانا ہے۔

عاصم اور حمزہ نے نُنَکِّسْهُ پڑھا ہے یہ تنکیس سے مشتق ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نَنْکُسْهُ پڑھا ہے یہ نکست الشیء انکسہ نکسا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے سر کے بل الٹایا تو وہ الٹ گیا۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ نے اسے اس بڑھاپے کی حالت کی طرف پھیرا جو بچے کی حالت کے مشابہ ہے۔ سفیان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جب انسان اسی سال کی عمر کا ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں تبدیلی آجاتی ہے اور اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے(3)۔ شاعر نے کہا:

1۔ [illegible]، جلد 4، صفحہ 353 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 29 3۔ ایضاً

من عاش أخلقت الأيام جدته ... وخانه ثقتاه السمع والبصر (1)

جو آدمی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے تو ایام اس کی تر و تازگی کو بوسیدہ کر دیتے ہیں اور اس کی دو قابل اعتماد چیزیں یعنی قوت سماعت اور قوت بصارت اس کے ساتھ خیانت کرتی ہیں۔

لمبی عمر جوانی کو بڑھاپے، قوت کو ضعف اور زیادتی کو نقص میں تبدیل کر دیتی ہے یہی غالب طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارذل عمر کی طرف لوٹائے جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی (2)۔ سورۂ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس نے ایسا کیا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ نافع اور ابن ذکوان سے تعقلون پڑھا جاتا ہے جبکہ باقی قراء نے یعقلون پڑھا ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام کردے کفار پر"۔

اس آیت میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حال کی خبر دی اور کفار کے قول کا رد کیا ہے کہ آپ ﷺ شاعر ہیں اور قرآن شعر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِيْ لَهٗ اسی طرح رسول اللہ ﷺ شعر نہیں کہتے تھے اور نہ موزوں کلام کیا کرتے تھے جب آپ کوئی مثال بیان کرنے کے لیے کوئی مصرعہ کہنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے وزن کو توڑ دیتے آپ صرف معانی کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ نے (3) طرفہ کا شعر پڑھا:

ستبدي لك الأيام ما كنت جاهلا ... ويأتيك من لم تزود بالأخبار (4)

زمانہ تیرے لیے وہ چیز ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف تھا اور تیرے لیے وہ خبریں لے آئے گا جس کو تو نے زاد راہ نہ دیا۔ ایک روز آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا:

ألم ترياني كلما جئت طارقا ... وجدت بها وإن لم تطيب طيبا (5)

ایک روز آپ نے یہ شعر پڑھا:

أتجعل نهبي ونهب العبيد ... بين الأقرع وعيينة (6)

---

1۔ [illegible] صفحہ 144 [illegible]

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الاستعاذة من ارذل العمر، جلد 2، صفحہ 943

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461

4۔ جامع ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی انشاد الشعر، جلد 2، صفحہ 108

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461

6۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المؤلفة، جلد 1، صفحہ 339

نبی کریم ﷺ نے شاید ہی کبھی کوئی شعر پڑھا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا شعر پڑھا:

يبيت يجافي جنبه عن فراشه　　إذا استثقلت بالمشركين المضاجع(1)

اس کا پہلو بستر سے الگ تھلگ رات گزارتا ہے جبکہ بستر مشرکین سے بوجھل ہوتے ہیں۔ حضرت حسن بن ابی الحسن نے کہا: نبی کریم ﷺ نے کہا:

كفى بالإسلام والشيب للمرء ناهيا(2)

اسلام اور بڑھاپا انسان کو خبردار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ شاعر نے تو کہا ہے:

هريرة ودع إن تجهزت غاديا　　كفى الشيب والإسلام للمرء ناهيا

حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ خلیل بن احمد سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے ہاں شعر سب سے مرغوب کلام تھا لیکن آپ ﷺ شعر کہتے نہیں تھے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** کبھی کبھی صحیح وزن سے کلام کرنا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ شعر جانتے تھے اسی طرح آپ نثر میں سے ایسا کلام کرتے تھے جو موزوں ہوتا جس طرح یوم حنین اور دوسرے مواقع پر فرمایا۔

هل أنت إلا إصبع دميت　　وفي سبيل الله ما لقيت(3)

تو تو محض ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی تو نے اللہ کی راہ میں دشمن سے ملاقات نہیں کی۔

اور آپ ﷺ کا یہ کہنا:

أنا النبي لا كذب　　أنا ابن عبد المطلب(4)

میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں ابن عبد المطلب ہوں۔

آپ قرآن کی آیات اور ہر کلام میں اسی طرح کا انداز اپناتے نہ وہ شعر ہوتا اور نہ ہی اس کے معنی میں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) اللہ تعالیٰ کا فرمان: نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (سبا: 13) اس کے علاوہ کئی اور آیات ہیں۔ ابن عربی نے ان میں سے آیات کا ذکر کیا ہے ان پر گفتگو کی اور وزن سے خارج کیا ہے۔ ابوالحسن اخفش نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد انا النبی لا کذب کے بارے میں کہا: یہ شعر نہیں۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ہجاء المشرکین، جلد 2 صفحہ 909　　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 353

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد و السیر، جلد 1 صفحہ 393

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من قاد دابۃ، جلد 1 صفحہ 401

شعر کی اصناف پر پیش کیا تو یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ وہ شعر ہے؛ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت انیس عربوں کے عمدہ شاعر تھے۔ اسی طرح عتبہ بن ربیعہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تو کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں، وہ کہانت نہیں، وہ جادو نہیں جس کی وضاحت سورۂ فصلت میں انشاء اللہ آئے گی۔ اس کے علاوہ بھی عرب کے فصحاء اور بلغاء نے یہی کہا ہے۔ زبان پر جو کلام موزوں جاری ہوتا ہے اسے شعر نہیں کہتے اس موزوں کلام کو شعر شمار کیا جاتا ہے جو شعر کے وزن پر ہو اور شعر کا قصد بھی کیا ہو۔ کوئی کہنے والا کہتا ہے: ایک بزرگ نے ہمیں بیان کیا بغدادی یا صاحب لکسان، اسے شعر شمار نہیں کیا جاتا۔ ایک آدمی اپنی مرض میں یوں ندا کیا کرتا تھا: اذھبوا بی الی الطبیب وقولوا قد اکتوی۔ یہ کوئی شعر نہیں۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے شعر کہنے کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: زیادہ شعر نہ کہا کرو اس کا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے پاس شعراء کو جمع کرو اور ان سے شعر کے بارے میں پوچھو کیا ان کے ہاں شعر کی پہچان باقی ہے؟ حضرت ابو موسیٰ نے لبید کو حاضر کیا کہا: اس نے انہیں جمع کیا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا: ہم شعر پہچانتے ہیں اور ہم شعر کہتے ہیں۔ انہوں نے لبید سے سوال کیا تو لبید نے کہا: جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام: الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ سنا ہے شعر نہیں کہا۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت شعر کا عیب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (العنکبوت: 48) کتابت کے عیب میں سے نہیں ہے جب امیت خط کے عیب میں سے نہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ سے شعر کی نفی شعر کا عیب نہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مامون نے ابو علی منقری سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو امی ہے، تو شعر صحیح نہیں کہہ سکتا اور تو تلفظ میں غلطی کر جاتا ہے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! جہاں تک غلطی کا تعلق ہے بعض اوقات سبقت لسانی سے ایسا ہو جاتا ہے جہاں تک امی ہونے اور شعر کو توڑنے کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ بھی تو نہیں لکھتے تھے اور شعر درست نہیں پڑھتے تھے تو مامون نے کہا: میں نے تجھ سے تین عیبوں کے بارے میں پوچھا تھا تو نے چوتھے کا اضافہ کر دیا ہے وہ جہالت ہے اے جاہل! جہاں تک نبی کریم ﷺ کی اس وصف کا تعلق ہے وہ فضیلت ہے جبکہ تجھ میں اور تیرے جیسے دوسرے افراد میں نقص ہے، نبی کریم ﷺ کو اس سے روکا گیا تھا تا کہ آپ ﷺ سے ایک تہمت کو ختم کیا جائے، شعر اور کتابت میں کسی عیب کی وجہ سے ایسا نہیں کیا گیا تھا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** شعر کہنا آپ کے لیے مناسب نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے نبی کریم ﷺ کی علامات میں سے ایک علامت بنایا ہے جس کی طرف آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے انہیں اشتباہ نہ ہو تو اس سے یہ گمان پیدا ہو کہ آپ قرآن پر اس لیے قادر تھے کیونکہ آپ کو شعر کہنے کی قوت حاصل ہے لیکن اس بنا پر اعتراض کرنے والے کو کوئی حق حاصل نہیں کہ قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں وزن اتفاقاً پایا جا رہا ہے کیونکہ جس کا وزن شعر کے وزن کے موافق ہے جبکہ شعر کا قصد نہیں کیا تو وہ شعر نہیں ہوتا تو عام لوگوں میں سے جو بھی موزوں کلام کرتا وہ شعر ہوتا جبکہ لوگ اسے شعر نہیں کہتے جس کی وضاحت پہلے

نحوی کوفیوں نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب کہتے ہیں: امراۃ صبور، شکور، ان کے آخر میں ھا ذکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں شاۃ حلوبۃ، ناقۃ رکوبۃ کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر میں فرق کریں کہ کس کا فعل ہے اور کس پر فعل واقع ہورہا ہے؟ فاعل سے انہوں نے ھا کو حذف کر دیا ہے اور مفعول میں اسے ثبت رکھا جس طرح شاعر نے کہا:

فیہا اثنتان و اربعون حلوبۃ سودا کخافیۃ الغراب الاسحم(1)

"ان میں بیالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جنہیں دوہا گیا ہے وہ سیاہ رنگ کی ہیں جس طرح سیاہ کوے کے پر ہیں"۔ اس تعبیر کی بنا پر رکوبتھم ہونا واجب ہے۔ جہاں تک بصریوں کا تعلق ہے وہ کہتے ہیں: ھا تانیث نسبت کی وجہ سے حذف ہے۔ پہلے قول کی دلیل وہ ہے جو جرمی نے ابو عبیدہ سے نقل کی ہے کہا: رکوبۃ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے ہے اور رکوب صرف جمع کے لیے ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ جمع کے ذکر ہونے کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا: فَمِنْهَا رُكُوبُهُمْ را کے ضمہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصدر ہے اور رکوب ما ہے۔ کہتے ہیں جس پر سوار ہوا جاتا ہے فراء نے اسے جائز قرار دیا ہے یعنی را کے ضمہ کے ساتھ جو تو قرار دیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: فمنہا اکلھم و منہا شربھم ان میں سے بعض ان کا کھانا ہے اور ان میں سے بعض ان کا مشروب ہے اور ان کے گوشت تم کھاتے ہو ان کے کئی اور منافع بھی ہیں یعنی اون، بال وغیرہ ان کی چربیاں اور گوشت وغیرہ۔ مشارب سے مراد ان کے دودھ ہیں(2)۔ یہ منصرف نہیں کیونکہ دونوں جمع ہیں واحد میں ان کی کوئی مثال نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ۝ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

"اور ان ظالموں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو اے حبیب! ان کا قول، ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں"۔

ان لوگوں نے ہماری قدرت کی ان نشانیوں کو دیکھا ہے پھر انہوں نے ہمیں چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کسی فعل پر قدرت نہیں رکھتے جبکہ وہ ان کی اس وقت مدد کی امید رکھتے ہیں اگر ان پر عذاب نازل ہو عرب یوں کلام کرتے ہیں لعلہ ان یفعل جبکہ وہ معبود ان باطل ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ بتوں کے لیے فعل اور نون کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں خبر دی گئی ہے جس طرح انسانوں کے بارے میں خبر دی جاتی ہے۔

جبکہ کفار ان جھوٹے معبودوں کے حاضر لشکر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان معبودوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں(3)۔ قتادہ نے کہا: کفار دنیا میں ان کے لیے غضبناک ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں پس کفار ان کے لیے لشکر کے حکم میں ہوتے ہیں جبکہ یہ

1۔ زاد المسیر، جلد 12 2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 293 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 357

معبود ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معبودان باطلہ اپنے عبادت گزاروں کے لشکر ہوں گے ان کے ساتھ جہنم میں حاضر ہوں گے ان میں سے بعض کا دفاع نہیں کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس کا معنی ہے بت جہنم میں ان کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کے لشکر ہوں گے کیونکہ یہ بت ان مشرکوں پر لعن طعن کریں گے اور ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معبودان باطلہ ان کے لشکر ہوں گے قیامت کے روز انہیں حاضر کیا جائے گا تاکہ یہ بت ان کے ٹھکانوں میں ان کی مدد کریں۔ حدیث طیبہ میں ہے: "ہر قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کیا کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت دی جائے گی وہ قوم جہنم کی طرف اس معبود کے پیچھے پیچھے چلے گی یہ وہ کفار ان کے حاضر لشکر ہوں گے"۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی جو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ترمذی شریف میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا پھر رب العالمین ان کی طرف جھانکے گا ارشاد فرمائے گا: خبردار ہر انسان اس کے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ صلیب کی پوجا کرنے والے کے لیے صلیب کو مثالی صورت دی جائے گی تصاویر کی پوجا کرنے والے کے لیے تصویر کو مثالی صورت دی جائے گی اور آگ کی پرستش کرنے والے کے لیے آگ کو مثالی صورت دی جائے گی تو جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے وہ ان کے پیچھے چلیں گے اور مسلمان باقی رہ جائیں گے(1)" اور طویل حدیث ذکر کی۔

اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گفتگو غمگین نہ کرے۔ یَحۡزُنۡكَ کو مجرد سے معروف پڑھا یہ فصیح لغت ہے عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں یُحۡزِنۡكَ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے یعنی ان کا یہ کہنا وہ شاعر ہے یا جادوگر ہے تجھے غمگین نہ کرے گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ۝ یعنی اللہ تعالیٰ قول و عمل کو جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور جسے وہ ظاہر کرتے ہیں ہم اس کے مطابق انہیں بدلہ دیں گے۔

اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ۝

"کیا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ کھلا دشمن بن بیٹھا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے(2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ عاص بن وائل سہمی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ابی بن خلف جمحی ہے: یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ ابن وہب نے اسے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

نطفہ سے مراد تھوڑا سا پانی ہے نطفہ سے مراد ہے جب وہ ٹپکا۔ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ۝ سے مراد ہے(3) وہ خصومت میں

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ما جاء فی خلود اہل الجنۃ و اہل النار، جلد 2، صفحہ 79۔ ایضاً، حدیث 2480، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع البیان للطبری، جز 23، صفحہ 36

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 33

لغت میں بہت زیادہ ہے اور شریعت میں بھی موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں: ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ضرورت ہو جبکہ یہاں کوئی ضرورت نہیں جو اس اضمار کا باعث ہو یہاں تک کہ اس تقدیر کلام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور وہ اس پر قادر ہے حقیقت اس کی گواہی دیتی ہے کیونکہ احساس جو زندگی کی علامت ہے اس میں موجود ہے، ایسا ابن عربی کا قول ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

"جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ قادر مطلق جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی مخلوق؟ بے شک وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ہر عیب سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر متنبہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کے ساتھ اپنی کمال قدرت پر دلیل قائم کی اس چیز سے جسے وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ تر لکڑی سے ایسی چیز نکالی جو جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور خشک ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے کہا: نطفہ زندگی کی طبیعت کی وجہ سے گرم تر ہے اور ہڈی موت کی طبیعت کی بنا پر ٹھنڈی اور خشک ہے تو اس سے زندگی کیسے نکل سکتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ سبز درخت پانی سے ترو تازہ ہوتا ہے پانی ٹھنڈا تر ہے جو آگ کی ضد ہے یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ نے اس سے آگ کو پیدا کیا تو وہ اس پر قادر ہے کہ ضد کو ضد سے نکالے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد مرخ اور عفار ہیں جو آگ ہے یہ عربوں کی زناد ہے اسی سے ان کا قول ہے: فی کل شجر نار واستمجد المرخ والعفار (1) ہر درخت میں آگ ہے مرخ اور عفار نے خوب حصہ لیا۔ عفار مؤنث ہے یہ اوپر والی لکڑی ہے مرخ تو مذکر ہے یہ نیچے والی لکڑی ہے۔ دونوں سے دو ٹہنیاں لی جاتی ہیں جبکہ وہ سبز ہوتے ہیں دونوں پانی گرا رہی ہوتی ہیں ایک کو دوسری کے ساتھ رگڑا جاتا ہے تو ان دونوں سے آگ نکلتی ہے۔

الشجر الاخضر فرمایا الخضراء نہیں فرمایا جبکہ یہ جمع ہے (2) کیونکہ یہ (الاخضر) کے لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ عربوں میں سے کچھ یہ بھی کہتے ہیں: الشجر الخضراء جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُونَ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 31
2۔ زاد المسیر، جلد 6-5، صفحہ 296

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ (الواقعہ) پھر اللہ تعالیٰ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔ مثلہم سے مراد بعث کا انکار کرنے والوں کی مثل ہے۔ سلام، ابو مجلز اور یعقوب حضرمی نے يَقْدِرُ علی ان يخلق مثلهم پڑھا ہے کہ یہ فعل ہے۔ بَلٰى: کیوں نہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق ان کو پیدا کرنے سے بہت بڑھ کر ہے وہ ذات پاک جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ انہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وہ خلاق علیم ہے حضرت حسن بصری نے اسے خالق پڑھا ہے (1)۔

کسائی نے فیکون نصب کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا عطف یقول پر ہے یعنی جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مشقت و تھکاوٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی عجز و انکساری سے پاکی بیان کی ہے ملکوت اور ملکوتی عربوں کے کلام میں ملک کے معنی میں ہے عرب کہتے ہیں: جبروتی خیر من رحموتی۔ میرا جبروت، میرا رحموت سے بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ سے مراد ہر شے کی چابیاں ہیں۔ طلحہ بن مصرف، ابراہیم تیمی اور اعمش نے اسے ملكة پڑھا ہے یہ ملکوت کے معنی میں ہے مگر یہ مصحف کے خلاف ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ تمہاری موت کے بعد اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے اور خطاب کا صیغہ ہے۔ سلمی، زر بن حبیش اور حضرت عبد اللہ کے شاگردوں نے يرجعون پڑھا ہے۔

---

1۔ زاد المسیر، جلد 5-6، صفحہ 295

# سورۃ الصافات

آیاتہا ۱۸۲

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ

"قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر خوب جھڑکنے والوں کی، پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا"۔

ان تین آیات کی جو قرات مروج ہے یہی اکثر قراء کی قرات ہے۔ حمزہ نے ان میں ادغام کے ساتھ قرات کی ہے یہ وہ قرات ہے جب امام احمد بن حنبل نے اسے سنا تو اسے ناپسند کیا۔ نحاس نے کہا: تین وجوہ سے لغت عربی میں یہ بعید ہے: (1) تا صاد کے مخرج میں سے نہیں، زاء کے مخرج میں سے نہیں، ذال کے مخرج میں سے نہیں نہ ہی ان کے اخوات کے مخرج میں سے ہے اس تاء کی اخت طاء اور دال ہے زاء کی اخت صاد اور سین ہے ذال کی اخت ظاء اور ثاء ہے۔ (2) تاء ایک کلمہ میں ہے اور دوسرے حروف دوسرے کلمہ میں ہیں۔ (3) جب تو انہیں جمع کرے گا تو تو دو کلموں کے دو ساکنوں کو جمع کرے گا اس جیسی صورت میں دو ساکنوں کو اسی وقت جمع کرنا جائز ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں جس طرح دابۃ، شابۃ۔

حمزہ کی قرات کے جواز کی صورت یہ بھی ہے کہ تاء ان حروف کا قریب المخرج ہے۔ وَالصّٰٓفّٰتِ یہ قسم ہے یہاں واؤ باء کا بدل ہے معنی ہے صافات کے رب کی قسم۔ فَالزّٰجِرٰتِ کا اس پر عطف ہے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ یہ جواب قسم ہے کسائی نے قسم میں ان کے ادغام کو جائز قرار دیا ہے الصافات سے لے کر التالیات تک سے مراد فرشتے ہیں (1)۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ فرشتے آسمان میں اسی طرح صف باندھتے ہیں جس طرح دنیا میں مخلوقات نماز کے لیے صفیں باندھتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فضا میں اپنے پروں کو صف در صف کیے ہوتے ہیں (2) وہ فضا میں کھڑے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز کا حکم دیتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح غلام اپنے مالکوں کے سامنے صفیں بنائے کھڑے ہوتے ہیں۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 429

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36

حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے وہ اپنے رب کے حضور نماز کے لیے صفیں بناتے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: صافات سے مراد پرندے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ (الملک: 19) صف کا معنی ہے جمعیت کو ایک لائن میں ترتیب دینا جس طرح نماز میں صف باندھی جاتی ہے۔ الصافات اس کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: جماعۃ صافۃ پھر اس کی جمع صافات بنائی جاتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصّٰٓفّٰتِ سے مراد مومنوں کی جماعت ہے (1) جب وہ نماز یا جہاد میں صف بنا کر کھڑے ہوتے ہیں؛ یہ امام قشیری نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، مسروق اور دوسرے علماء کے نزدیک فَالزّٰجِرٰتِ سے مراد فرشتے ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں اور انہیں ہانکتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے یا اس لیے کیونکہ نصیحتوں کے ذریعے معاصی سے جھڑکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن کے زواجر ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد، ابن جبیر اور سدی کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے سب سے بڑے ہیں تو وہ لشکروں اور معاونین سے خالی نہیں ہوتے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اس کی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں، آیات کی صفت تلاوت سے اسی طرح لگائی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (نمل: 76) قرآن کی آیات کو تالیات کہنا اس لیے بھی جائز ہے کیونکہ بعض حروف بعض کے پیچھے ہوتے ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے کہ تالیات سے مراد انبیاء ہیں جو وحی کو اپنی اپنی امت کی طرف تلاوت کرتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ صفات میں فاء عاطفہ کس حیثیت سے آئی ہے؟ اسے کہا جائے گا: یا تو یہ وجود (پائے جانے) میں موصوفی کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے جس طرح یہ شعر ہے:

یالهف زیابة للحارث الصابح فالغانم فالآیب (3)

زیابہ کا حارث کے لیے افسوس جس نے صبح کے وقت حملہ کیا غنیمت حاصل کی اور صحیح و سالم واپس لوٹ گیا۔ یا بعض اوصاف کے باہم فرق کی بنا پر انہیں مرتب کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح تمہارا یہ قول ہے: خذ الافضل فالاکمل، و اعمل الاحسن فالاجمل۔ افضل کو پھر اکمل کو لو، احسن پھر اجمل کام کرو یا صفات کے موصوفات میں ترتیب ثابت کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: رحم اللہ المحلقین فالمقصرین (4) حلق کرانے والوں پر رحم کرے پھر قصر کرانے والوں پر۔ بہرحال ان تینوں وجوہ کی بنا پر صفات میں فاء عاطفہ لایا جاتا ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 358
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 34
4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تفضیل الحلق علی التقصیر، جلد 1، صفحہ 420

مطلب ہے: "یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور جب بھی غروب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتا ہے، شیطان اس کے پاس اسے سجدے سے روکنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے نیچے جلا دیتا ہے"۔ یہ امام بخاری کے الفاظ ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی صلت کے اس شعر کی تصدیق کی۔

زُحَلٌ وثورٌ تحتَ رِجْلِ يمينِه ... والنسرُ للأخرى وليثٌ مُرْصَدُ

والشمسُ تطلعُ كلَّ آخرِ ليلةٍ ... حمراءَ يُصبحُ لونُها يتورّدُ

ليست بطالعةٍ لهم في رِسْلِها ... إلّا مُعذَّبةً وإلّا تُجلَدُ

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: اے میرے آقا! کیا سورج کو بھی کوڑے مارے جاتے ہیں؟ فرمایا: اسے میرا ابی نے کوڑوں پر مجبور کر دیا لیکن وہ عقاب سے ڈرتا ہے۔ مطلع کا ذکر مغارب پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) مشارق کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ طلوع غروب سے پہلے ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمن میں ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ مشرقین سے مراد دو دور دراز کا مطلع ہے جہاں سے طویل ترین دن سورج طلوع ہوتا ہے اور سال کے چھوٹے ترین دن میں جہاں سے طلوع ہوتا ہے جس طرح سورۃ یٰس میں گزرا ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

"بے شک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور اسے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان کی رسائی سے نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لیتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ"۔

قتادہ نے کہا: ستارے تین مقاصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں (1) شیاطین کو رجم کرنے کے لیے (2) ایسے نور کے لیے جس کے ساتھ راہنمائی حاصل کی جاتی ہے (3) آسمان دنیا کی زینت کے لیے۔ مسروق، اعمش، نخعی، عاصم اور حمزہ نے بزینۃ پڑھا ہے یعنی مجرور اور منون اور الکواکب کو زینۃ سے بدل کے طور پر مجرور پڑھا ہے کیونکہ کواکب ہی زینت ہیں۔ ابو بکر نے اسی طرح پڑھا ہے مگر الکواکب کو زینۃ مصدر کی وجہ سے نصب دی ہے اس کا معنی ہے ہم نے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنی کی وجہ سے منصوب ہو گویا کہا: ہم نے اسے زینت سے مزین کیا ہے یعنی ستاروں سے مزین کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زینۃ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے زینۃ الکواکب پڑھا جائے معنی ہوگا اس کی زینت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 38

بعثت سے قبل نہیں مارا جاتا تھا پھر انہیں مارا جانے لگا یعنی انہیں ایسا نہیں مارا جاتا تھا جو انہیں سننے سے روک دے لیکن انہیں کسی وقت مارا جاتا اور کسی وقت نہ مارا جاتا، ایک جانب سے مارا جاتا اور دوسری طرف سے نہ مارا جاتا۔ شاید اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے انہیں بعض جوانب سے ہی مارا جاتا تھا تو اب ان کے لیے دائمی عذاب ہے اس سے قبل وہ انسانوں کی جانب سے جو سوال کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی ان کی حاجت پوری کر دیتا اور کوئی اسے پورا نہ کر سکتا کوئی محفوظ رہتا اور کوئی محفوظ نہ رہتا بلکہ اسے پکڑ لیا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔

جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آسمان کی حفاظت میں اضافہ کر دیا گیا ان کے لیے ایسے شہاب تیار کیے گئے جو پہلے تیار نہیں کیے گئے تھے تاکہ آسمان کی تمام جوانب سے انہیں پتھر مارے جائیں پہلے جن جگہوں پر وہ بیٹھتے تھے وہاب وہاں نہ بیٹھ سکیں جو چیز آسمان میں جاری ہوتی اب وہ اس کے سماع پر قادر نہیں مگر یہ کہ کوئی چیز تیزی سے اچک لیں تو زمین کی طرف آنے اور اپنے دوستوں تک اسے القاء کرنے سے قبل کوئی شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرے اور اسے جلا دے اس طرح کہانت باطل ہو گئی اور رسالت و نبوت حاصل ہو گئی۔

اگر سوال کیا جائے: اگر یہ شہابیوں کے ساتھ مارنا نبوت کی وجہ سے تھا تو نبی کریم ﷺ کے بعد بھی یہ سلسلہ کیوں جاری رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت دائمی ہے۔ اس لیے یہ سلسلہ بھی قائم و دائم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کہانت کے باطل ہونے کی خبر دی ہے فرمایا: لیس منا من تکھن جس نے کہانت کی وہ ہم میں سے نہیں۔

اگر سرور دو عالم ﷺ کے بعد حفاظت و نگہبانی کا سلسلہ نہ ہوتا تو جن پھر سننا شروع کر دیتے اور کہانت لوٹ آتی تو یہ باطل ہونے کے بعد جائز نہیں کیونکہ جب حفاظت نبوت کی وجہ سے ہوئی تھی تو حفاظت و نگہداشت کا ختم ہونا اور کہانت کا دوبارہ شروع ہونا ضعیف مسلمانوں کے لیے شبہ کا باعث ہوتا اور اس کا خوف موجود تھا کہ لوگ یہ گمان کرتے کہ کہانت اس لیے لوٹ آئی ہے کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو یہ بات صحیح ہے کہ حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی اس کی حفاظت ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ واصب کا معنی دائم ہے۔ یہ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی شدید ہے۔ کلبی، سدی اور صالح نے اس کا معنی موجع کیا ہے یعنی جس کا درد دل تک جا پہنچتا ہے۔ یہ وصب سے ماخوذ ہے جس کا معنی مرض ہے(1)۔

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ یہ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء غیر وحی کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۝ فرشتے ایک دوسرے کو جو بات پہنچاتے یہ ان میں سے کوئی چیز چوری چھپے سن لیتے یہ ان امور میں سے ہوتے جو عالم میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے جبکہ اہل زمین کو اس کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 39

ابھی علم نہ ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا کیونکہ شیاطین کے اجسام خفیف ہوتے تو اس وقت انہیں شہابیوں سے مارا جاتا۔

اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں کی طرف بلند ہوتے (1) وہ ایک دوسرے کے اوپر سننے کے لیے بیٹھتے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا آسمان کے زیادہ قریب ہوتا پھر اس طرح یکے بعد دیگرے دوسرے ہوتے اللہ تعالیٰ اہل زمین کے بارے میں حکم دیتے اہل سموات اس کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے تو قریبی شیطان اسے سن لیتا اور وہ اسے نیچے والے کی جانب القا کرتا کبھی شہاب اسے جلا دیتا اور بعض اوقات وہ کلام القا کر لیتا اور شہاب اسے نہ جلاتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو وہ بات کاہنوں تک جا پہنچتی وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے اور وہ بات سچی ہوتی جس طرح ہم نے سورۃ الانعام میں بیان کیا ہے جاہل سب کو سچ تسلیم کر لیتے۔

جب اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا تو آسمان کی شدت سے حفاظت کی گئی تو کوئی شیطان نہ بچا جس نے کوئی خفیہ بات سنی مارے جانے والے ستارے وہی ہیں جنہیں لوگ ٹوٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نقاش اور مکی نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے نہیں جو آسمان میں جاری ہیں کیونکہ ان کی حرکت نہیں دیکھی جاتی یہ پھینکے جانے والے ستارے ہیں جن کی حرکت دیکھی جاتی ہے کیونکہ یہ ان ستاروں میں سے قریب ترین ہیں۔ سورۂ حجر میں اس کے بارے میں کافی وضاحت گزر چکی ہے۔ ہم نے سورۂ سبا میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے اس میں ہے: ''شیاطین ایک دوسرے کے اوپر تھے''۔(2) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''شیاطین تیزی سے اچک لیتے ہیں (3) تو انہیں شہاب مارے جاتے ہیں وہ ان باتوں کو اپنے دوستوں کی طرف القا کرتے ہیں جو وہ بات اس طریقہ پر کریں تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں'' کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ خطف کا معنی تیزی سے کسی چیز کو لے لینا ہے۔ یہ لفظ یوں استعمال ہوتا ہے خَطِفَ، خَطَفَ، خَطَّفَ، خِطِّفَ اور یَخِطِّفُ مشدد میں اصل اختطف ہے، تا کو طا میں مدغم کیا گیا کیونکہ یہ اس کی اخت ہے خا کو فتحہ دیا گیا ہے کیونکہ تا کی حرکت اس پر ڈالی گئی ہے۔ جس نے اسے کسرہ دیا تو وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے جس نے طا کو کسرہ دیا ہے تو اس نے کسرہ کو کسرہ کے تابع کیا ہے۔

ثاقب سے مراد روشن ہے: یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد آگ کے ستارے ہیں جو ان کا پیچھا کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سمندر میں گرا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الشہب کے بارے میں فرمایا: وہ ان شیاطین کو موت کے بغیر جلاتے ہیں وہ شہاب جن کے ساتھ لوگوں کو مارا جاتا ہے وہ ان ثابت ستاروں سے نہیں ہوتے اس پر ان کی حرکات کا دکھائی دینا دلالت کرتا ہے ثابت کواکب چلتے ہیں ان کی دوری کی وجہ سے ان کی حرکات دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ بحث بھی گزر چکی ہے۔

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 466
2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ سبا، جلد 2، صفحہ 154
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 155، ایضاً باب و من سورۃ سبا، حدیث 3148، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شہاب کی جمع شہب ہے جبکہ قلت میں قیاس شہبۃ ہے اگرچہ عربوں سے یہ جمع اور وزن نہیں سنا گیا۔ ثاقب کا معنی روشن ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابو مجلز کا قول ہے۔ اسی معنی میں یہ قول ہے:

وزندك أثقب أزنادها

یعنی تیری زند (چقماق) جس سے آگ روشن کی جاتی تھی، تمام چقماقوں سے زیادہ روشن ہے۔ اخفش نے اس کی جمع کے بارے میں کہا: شہب ثقب، ثواقب اور ثقاب۔ کسائی نے کہا: ثقبت النار تثقب ثقابۃ و ثقوبا جب وہ روشن ہو۔ اثقبتھا میں نے اسے روشن کیا۔ زید بن اسلم نے ثاقب کے بارے میں کہا: وہ روشن ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: اثقب زندك یعنی اپنی آگ روشن کر؛ یہ اخفش کا قول ہے اور شاعر کا قول پڑھا:

بينما المرء شهاب ثاقب ضرب الدهر سناه فخمد (1)

اس شعر میں یہ ہے کہ انسان ایک روشن ستارہ ہوتا ہے، زمانہ اس کی چمک کو ضرب لگاتا ہے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝

"پس آپ ان سے پوچھئے: کیا یہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا وہ دوسری چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا، بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں چپکنے والے گارے سے۔ بلکہ آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں قدرت کے کرشمے دیکھ کر اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟"۔

یعنی ان مکہ والوں سے پوچھیے؛ یہ فتویٰ طلب کرنے سے ماخوذ ہے۔ أَمْ مَنْ خَلَقْنَا سے مراد آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر ہیں (2)؛ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں فرشتے اور سابقہ امتیں داخل ہیں، اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسے من کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: من سے مراد سابقہ امتیں ہیں (3)؛ جو ہلاک ہو چکیں وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ یہ آیت اشد بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسے ابو الاشد اس لیے کہا گیا کیونکہ اس کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اس کا ذکر سورۃ البلد میں آئے گا۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن: 57) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ (نازعات: 27)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 39
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 40
3۔ ایضاً

معجبت کا معنی ہے بلکہ ان کا فعل میرے ہاں عظیم ہے۔ بیہقی نے کہا: یہ بھی امکان ہے کہ یہ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث کے معنی کے مشابہ ہو۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: عجب ربك من شاب ليس له صبوة[1] تیرے رب کے ہاں اس نوجوان کا معاملہ عظیم ہے جس میں خواہش نفس کی طرف میلان نہ ہو۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے: "اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قوم کا معاملہ عظیم ہے جو جنت میں بیڑیوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے"۔ بیہقی نے کہا: یہ حدیث اور جو اس کی مثل احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو کرم اور شفقت فرماتا ہے اس کے فرشتے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں جب انہیں برا بھلا کیا کہ وہ ایمان لائیں یہ صورت قتال اور بیڑیوں میں جکڑنے کے ساتھ واقع ہوئی یہاں تک کہ جب وہ ایمان لائے تو انہیں جنت میں داخل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بل عجبتُ کا معنی ہے بلکہ میں نے اسے عجیب و غریب جانا۔ نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعجب سے مراد کسی شے کو عجیب و غریب جاننا اور اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ یہ عربوں کی لغت ہے حدیث طیبہ میں آیا ہے: عَجِبَ رَبُّكُمْ مِنْ إِلِّكُمْ وَقُنُوطِكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ و زاری اور تمہاری مایوسی کو عجیب و غریب پایا۔

وَيَسْخَرُوْنَ۝ میں واؤ حالیہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی عجبت منهم في حال سخريتهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: بل عجبت پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: وَيَسْخَرُوْنَ یعنی وہ اس کا تمسخر اڑاتے جو آپ لائے جب تو نے اسے ان پر تلاوت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعوت دیتے ہیں تو وہ تیرا مذاق اڑاتے ہیں۔

وَإِذَا ذُكِّرُوْا قتادہ کے قول کے مطابق جب انہیں قرآن کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے لَا يَذْكُرُوْنَ۝ تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے[2]۔ سعید بن جبیر نے کہا: جب ان کے سامنے اس عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان سے قبل جھٹلانے والوں پر نازل ہوا تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں تدبر نہیں کرتے۔

وَإِذَا رَأَوْا اٰيَةً جب وہ کسی معجزہ کو دیکھتے ہیں تو وہ مذاق اڑاتے ہیں: یہ قتادہ کا قول ہے۔ وہ کہتے: یہ جادو ہے استسخر اور سخر دونوں کا ایک ہی معنی ہے[3] جس طرح استقر اور قر کا معنی ایک ہی ہے اور استعجب اور عجب کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: يَسْتَسْخِرُوْنَ۝ کا معنی ہے وہ غیروں سے مذاق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت مذاق ہے۔ وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ جب وہ معجزات کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ جادو، خیال اور دھوکہ ہے۔ ءَاِذَا مِتْنَا جب ہم مر جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ استفہام انکار اور مذاق کے لیے ہے اور ہمارے آباء کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے۔ اَوَ اٰبَآؤُنَا نافع نے اَوْ کو واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى (اعراف: 98)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 467 | 2۔ زاد المسیر، جلد 5-6، صفحہ 300 | 3۔ ایضاً، جلد 5-6، صفحہ 301

هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ۝ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ۝ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝

"اے فرشتو! جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر دکھا دو انہیں جہنم کی راہ کی طرف اور (ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی، تمہیں کیا ہو گیا ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے جائیں گے اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف اور سوال و جواب کیے جائیں گے۔ بدکار سرداروں سے کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفر سے (اور ہمیں کفر پر مجبور کیا کرتے تھے) وہ جواب دیں گے: بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم اب (خواہ مخواہ) ہم عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اسی طرح سلوک کرتے تھے مجرموں کے ساتھ (کفار کا یہ حال ہے کہ) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں"۔

اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے لیے فرمان ہے یعنی مشرکوں اور شرک میں جو ان کے ساتھی تھے انہیں اکٹھا کرو۔ شرک سے مراد ظلم ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ (لقمان) کافر کو کافر کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ قتادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: بدکار کو بدکار کے ساتھ، شرابی کو شرابی کے ساتھ اور چور کو چور کے ساتھ اٹھایا جائے گا (1)۔ حضرت ابن عباس بنیہ نے کہا: أَزْوَاجَهُمْ سے مراد ان کی مثل ہیں یہ حضرت عمر بنیہ کے قول کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَزْوَاجَهُمْ سے مراد ان کی وہ بیویاں ہیں جو شرک میں ان کے موافق ہیں (2)؛ یہ مجاہد اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ نعمان بن بشیر نے حضرت عمر بن خطاب سے یہی روایت کی ہے ضحاک نے کہا: أَزْوَاجَهُمْ سے مراد شیاطین میں سے ان کے ساتھی ہیں (3)؛ یہ مقاتل کا بھی قول ہے۔ ہر کافر اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر اٹھایا جائے گا۔ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ سے مراد بت، شیطان اور ابلیس ہے (4)۔ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝ انہیں جہنم کی طرف لے چلو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 43 — 2۔ ایضاً — 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 39 — 4۔ زاد المسیر، جلد 5-6، صفحہ 302

ان کی رہنمائی کرو، یوں کہا جاتا ہے: هديته الى الطريق، یعنی میں نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی
اسی طرح هديت الهدية وهديت العروس اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: اهديتها، یعنی میں نے اسے ہدیہ کے قائم مقام بنا دیا۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝ کے بارے میں عیسیٰ بن عمر نے کہا: ان فتحہ کے ساتھ ہے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے: لانهم، بانهم، یوں باب بیان کیا ہے: وقفت الدابة اقفها وقفا فوقفت هي وقوفا۔ کبھی یہ فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی استعمال ہوتا ہے یعنی انہیں روک۔ یہ انہیں جہنم کی طرف ہانکے جانے سے قبل ہوگا۔ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی انہیں حساب کے لیے روکو پھر انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جاؤ۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: پہلے انہیں آگ کی طرف ہانکا جائے گا پھر وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو انہیں سوال و جواب کے لیے روک لیا جائے گا۔ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝ ان سے ان کے اعمال، اقوال و افعال کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ یہ قرظی، کلبی اور ضحاک نے کہا: ان سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہیں مخلوق پر ظلم کی جانب سے پوچھا جائے گا۔ ان سب میں یہ دلیل موجود ہے کہ کفار سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سورۃ الحجر میں اس کے بارے میں گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ان سے سوال یہ ہوگا کہ ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے؟ یہ حجت تمام کرنے کے لیے ہوگا انہیں کہا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ کیا وجہ ہے تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ یہ شرمندہ کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا کہ تم میں سے بعض بعض کی مدد کرتا اور اسے اللہ کے عذاب سے محفوظ کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: غزوہ بدر کے موقع پر ابو جہل کے قول کی طرف اشارہ ہے (1) نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ (القمر) اصل میں تتناصرون تھا تخفیف کے طریقہ پر ایک تاء کو حذف کر دیا گیا۔ بزی نے وصل کی صورت میں تاء کو مشدد پڑھا ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ذلیل و عاجز ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اطاعت شعار ہوں گے۔ سب کا معنی قریب ہے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ رؤسا اور پیروکار باہم جھگڑنے لگیں گے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اصل میں لا یتساءلون ہے لا ساقط ہو گیا۔

نحاس نے کہا: لغت سے ناواقف آدمی نے غلطی کی ہے اس نے یہ وہم کیا ہے اس کلام کا تعلق بھی اس قول سے ہے فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ (مومنون) جبکہ یہ اصل میں لا یتساءلون بالارحام ہے ان میں سے ایک کہتا ہے: میں تجھ سے اس رشتہ داری کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے جس کے باعث تو نے مجھے نفع دیا یا میرا حق جو مجھ پر تھا اسے ساقط کر دیا یا تو نے مجھے نیکی ہبہ کر دی۔ یہ واضح ہے کیونکہ اس سے قبل فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (مومنون: 101) ہے یعنی وہ اس نسب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے جو ان کے درمیان ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا

1۔ [illegible]

انہوں نے کہا بلکہ تم تو مومن ہی نہ تھے یہ شیاطین کا ان لوگوں کے حق میں اعلان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رؤسا کا قول ہے یعنی تم تو کبھی بھی مومن نہ تھے کہ ہم تمہیں ایمان سے کفر کی طرف منتقل کرتے بلکہ تم تو کفر پر ہی تھے اور اس کے ساتھ مانوس ہو گئے اور عادت کی وجہ سے اسی پر قائم رہے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور حق کو ترک کرنے میں ہمیں تم پر کوئی غلبہ نہ تھا۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ۝ بلکہ تم گمراہ اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ہم پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہو گیا۔ یہ بھی پیروکاروں کا قول ہے یعنی ہم پر اور تم پر ہمارے رب کا حکم ثابت ہو گیا ہم میں سے ہر ایک عذاب چکھنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے اور رسولوں کی زبانوں سے ہمیں خبر دار کیا ہے: لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ (ص) یہ حدیث کے موافق ہے "اللہ تعالیٰ نے جہنم کے اہل لکھ دیے ہیں اور جنت کے اہل لکھ دیے ہیں نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی"۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ یعنی جس کفر پر تم تھے ہم نے اسے ہی تمہارے لیے مزین کر کے پیش کیا تھا۔ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ۝ ہم تو وسوسہ اور استدعا کر کے گمراہ کیا کرتے تھے پھر ان سب کے بارے میں خبر دی کہ اس روز گمراہ اور گمراہ کرنے والے عذاب میں شریک ہوں گے ہم مشرکوں کے ساتھ اسی قسم کا فعل کرتے ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں یہاں قول مضمر ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْنَ۝ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ ان کی خبر ہے اور کان ملغا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی وفات اور قریش کے اجتماع کے موقع پر کہا: قولوا لا اله الا الله تملكوا بها العرب وتدين لكم بها العجم، لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو اس کلمہ کے واسطہ سے تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا اور اس سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ۝ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (فتح: 26) کلمہ تقویٰ سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے مشرکوں نے حدیبیہ کے موقع پر اس سے تکبر کا اظہار کیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی مدت کے حوالے سے یہ کلمہ لکھوایا تھا، اس خبر کو بیہقی نے ذکر کیا ہے اور اس سے قبل قشیری نے ذکر کیا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ۝ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۝

"اور کہتے ہیں: کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے (وہ دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو یہ حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔ اے مجرمو! تم ضرور چکھو

گے دردناک عذاب کا اور تمہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے البتہ اللہ کے مخلص بندے
اس عذاب سے محفوظ رہیں گے"۔

کیا ہم شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو ترک کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قول کو رد کر دیا۔ بل جاء بالحق سے مراد قرآن اور توحید ہے بلکہ وہ جو قرآن لایا اور توحید کا سبق دیا اور رسول جو توحید کا پیغام لائے تھے ان کی تصدیق کی۔ انکم لذائقوا العذاب الالیم تم عذاب الیم چکھنے والے ہو۔ لذائقوا اصل میں لذائقون تھا نون اضافت کے لیے حذف کر دی گئی اور اضافت کی وجہ سے العذاب الالیم کو کسرہ دیا گیا۔ اس میں نصب پڑھنا بھی جائز ہے جس طرح سیبویہ نے شعر کو پڑھا۔

فالفیته غیر مستعتب ولا ذاکر اللہ الا قلیلا

"میں نے اسے پایا کہ وہ رضامندی کا طالب نہیں تھا اور وہ اللہ کا ذکر بھی تھوڑا کرتا تھا" سیبویہ نے اسی وجہ سے والمقیمی الصلوۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور تم جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہو اس کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ الا عباد اللہ المخلصین○ جو عذاب چکھتا ہے اس سے یہ مستثنیٰ ہیں۔ اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی قراءت المخلصین ہے یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت، اپنے دین اور اپنی دوستی کے لیے خالص کر لیا ہے باقی قراء نے اسے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا جنہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی اے مجرمو! تم عذاب کا ذائقہ چکھنے والے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے عذاب نہیں چکھیں گے۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

"وہی ہیں جنہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا اور وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے زرنگار پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے دودھ سے زیادہ سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لیے نہ اس میں سر چکرانے کی کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (حوریں) گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈے ہیں جو گرد و غبار سے محفوظ ہیں"۔

لھم سے مراد مخلصین ہیں یعنی ان کے لیے معلوم عطیہ ہے جو ختم نہ ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد جنت کا رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ پھل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ اس کی خواہش کریں گے۔ ابن سائب نے کہا: صبح اور شام کے کھانے کی مقدار کے مطابق ہوں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ (مریم) فواکہ، فاکھۃ کی جمع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ

(طور: 22) اس سے مراد سب پھل ہیں وہ تر ہوں یا خشک ہوں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے درجات کی بلندی، کلام کے سننے اور اس کی ملاقات کے ذریعے اکرام ہے۔ جنات نعیم سے مراد ایسے باغات ہیں جن میں وہ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جنتیں سات ہیں۔ سورۂ یونس میں ان کا ذکر ہو چکا ہے، ان میں سے نعیم بھی ہے۔

عکرمہ اور مجاہد نے کہا: وہ باہمی تعلق اور باہمی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پلنگ جس طرح وہ چاہیں گے گھومتے پھریں گے ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایسے پلنگوں پر ہوں گے جن پر موتیوں، یاقوت اور زبرجد کے تاج ہوں گے چارپائی صنعاء سے جابیہ تک ہوگی اور عدن سے ایلہ تک ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک منزل کے اہل پر وہ گھومتی رہے گی۔ واللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانوں کا ذکر کیا تو ان کے مشروبات کا بھی ذکر کیا۔ اہل لغت کے نزدیک کاس سے مراد وہ برتن ہے جس میں مشروب بھی ہو اگر وہ برتن مشروب سے خالی ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی کاس کا ذکر ہے اس سے مراد شراب ہے۔ عرب اس برتن کو کاس کہتے ہیں جس میں شراب ہو جب اس میں مشروب نہ ہو تو اسے اناء اور قدح کہتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل لغت میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب پیالے کو اس وقت کاس کہتے ہیں جب اس میں شراب ہو، جب اس میں شراب نہ ہو تو اسے قدح کہتے ہیں جس طرح دسترخوان پر جب کھانا ہو تو اسے مائدہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا نہ ہو تو اسے مائدہ نہیں کہتے۔ ابو الحسن بن کیسان نے کہا: اسی سے ظعینہ کا لفظ ہے جب ہودج میں عورت ہو۔ زجاج نے کہا: بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿45﴾ سے مراد ہے کہ شراب یوں جاری ہوگی جس طرح چشمے زمین پر جاری ہوتے ہیں۔ معین سے مراد وہ جاری پانی ہے جو ظاہر ہے۔ بیضاء یہ کاس کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد شراب ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ زجاج نے کہا: لذۃ سے مراد ذات لذۃ ہے تو مضاف کو حذف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اصل میں مصدر ہے جسے اسم بنا دیا گیا ہے یعنی وہ سفید اور لذیذ ہوگی، یوں قول کیا جاتا ہے: شراب لذ، شراب ملتذ، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: نبات نفس، غضیض۔

جہاں تک شاعر کا شعر ہے:

ولذ كطعم الصرخدي تركته بأرض العدا من خشية الحدثان (1)

کتنی ہی نیندیں ہیں جو صرخدی شراب کی مانند تھیں جن کو میں نے دشمن کے علاقہ میں حادثے کے ڈر سے ترک کر دیا۔

یہاں لذ سے مراد نیند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے انہیں اپنے قدموں سے پامال نہیں کیا۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 42

اس جنت میں ان کی عقلیں خراب نہ ہوں گی انہیں کوئی مرض اور سر درد نہیں ہو گا اور اس شراب کے پینے کی وجہ سے ان کی عقلیں ضائع نہ ہوں گی: یہ قول کیا جاتا ہے: الخمر غول للحلم والحرب غول للنفوس یعنی شراب حلم کو ختم کر دیتی ہے اور جنگ نفوس کو تباہ کر دیتی ہے: یہ قول بھی کیا جاتا ہے: نُزِف الرجل یُنْزَفُ فهو منزوف ونزیف یہ اس وقت کہتے ہیں جب اسے نشہ ہو جائے۔ امرؤ القیس نے کہا:

وإذ هي تمشي كمشي النزيـ　　ـف يصرعه بالكثيب البهر

جب وہ مدہوش کی چال کی طرح چلتی ہے تو چھوٹے ٹیلے پر سانسوں کا انقطاع اسے گرا دیتا ہے۔

بعد والے شعروں میں بھی نزیف اسی معنی میں ہے:

نزيفٌ إذا قامت لوجهٍ تمايلت　　تُراشي الفؤادَ الرخصَ ألّا تخترا

فلثمتُ فاها آخذًا بقرونها　　شُرْبَ النزيفِ ببرد ماء الحشرج (1)

حمزہ اور کسائی نے زاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ أنزف القوم سے مشتق ہے جب ان کے نشہ کا وقت ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أحصد الزرع جب فصل کاٹنے کا وقت ہو گیا۔ أقطف الکرم جب انگوری بیلوں کو کاٹنے کا وقت آ گیا۔ أرکب المهر جب ان پر سوار ہونے کا وقت ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اپنی شراب کو ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کی عادت ہے یہ جملہ یوں بولا جاتا ہے: أنزف الرجل، فهو منزوف یہ اس وقت کہتے ہیں: جب اس کی شراب ختم ہو جائے۔ حطیئہ نے کہا:

لعمري لئن أنزفتم أو صحوتم　　لبئس الندامى كنتم آل أبجرا (2)

میری زندگی کی قسم! اگر شراب کو ختم کر دو یا تم ہوش میں آ جاؤ تو تم کتنے برے شرابی ہو اے آل ابجر۔

نحاس نے کہا: پہلی قراءت معنی میں زیادہ واضح ہے اور صحیح ہے کیونکہ جلیل القدر مفسرین کے نزدیک ینزفون کا معنی ہے ان کی عقلیں ختم نہیں ہوں گی، ان مفسرین میں سے مجاہد بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب سے ان آفات کو ختم کر دیا جو دنیا میں شراب کی وجہ سے سر درد اور نشہ وغیرہ کی صورت میں آ پہنچتی ہیں۔

ینزفون کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے: أنزف الرجل جب اس کی شراب ختم ہو جائے۔ یہ بعید ہے کہ جنت کی شراب کی یہ صفت ذکر کی جائے لیکن مجازی معنی اس کا یہ ہے کہ یہ اس معنی میں ہے کہ وہ کبھی بھی ختم نہ ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ینزفون کا معنی ہے انہیں نشہ نہیں ہو گا؛ یہ معنی زجاج اور ابو علی نے ذکر کیا ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نشہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے قبل لا فیہا غول ہے یعنی ان کی عقلوں میں خلل نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں تکرار آتا ہے جب کہ سورۃ الواقعہ میں یہ معنی کرنا درست ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہے لا فیہا غول وہ مریض نہ ہوں گے تو معنی ہو گا انہیں نشہ نہ ہو گا اور نہ ان کی شراب ختم ہو گی۔ قتادہ نے کہا: غول کا معنی پیٹ کا درد ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے لا فیہا غول کا یہ معنی نقل کیا ہے اس میں پیٹ درد نہیں ہو گا (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا یہ قول حضرت ابن عباس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 472　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 47　　3۔ ایضاً

ہم مریں گے اور ہم مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائے گی؟ ارشاد ہوگا: کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟ جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا: خدا کی قسم! تو تو مجھے ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ جنتی کہے گا: کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں اب عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے"۔

وہ آپس میں گفتگو شروع کر دیں گے جو دنیا میں ہوا کرتی تھی۔ یہ جنت میں ان کے سرور اور انس کا اظہار ہے اس کا عطف يَطَافُ عَلَيْهِمْ کے معنی پر ہے معنی یہ ہے کہ وہ پئیں گے اور شراب پر باہم گفتگو کریں گے جس طرح شراب نوشوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وما بقيت من اللذات إلا أحاديث الكرام على المدام (1)

لذتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر یہ کہ کریم لوگ شراب پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور جو دنیا میں ان کی صورتحال گزری ہوگی اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے مگر اسے ماضی کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا خبر دیتے وقت معمول ہے۔

ایک جنتی کہے گا: میرا ایک دوست تھا وہ کہتا تھا تو دوبارہ اٹھائے جانے اور جزا کی تصدیق کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرینہ سے مراد اس کا ساتھی ہے۔ سورۂ کہف میں ان کا ذکر، ان کا قصہ اور ان کے ناموں میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے فرمان: اضرب لهم مثلا رجلين (کہف: 32) کے تحت گزر چکا ہے ان دو کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۙ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۙ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان دوست ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا وسوسہ پیدا کرتا تھا۔ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسے علی بن کیسہ نے سلیم سے وہ حمزہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

نحاس نے کہا: یہاں اسے المصدقین پڑھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں صدقہ کا کوئی معنی نہیں۔

قشیری نے کہا: حمزہ کی قرات میں ائنك لمن المصدقين ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ تصدیق سے ہے تصدق سے نہیں جبکہ اعتراض باطل ہے کیونکہ قرات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ تو ثواب کی طلب کے لیے مال کو صدقہ کرنے والا ہے۔

1۔ تفسیر اندلسی، جلد 4، صفحہ 44

کیا جب ہم مر جائیں گے مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہمیں بدلہ دیا جائے گا یعنی موت کے بعد ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں سے فرمایا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن جنت میں اپنے مومن بھائیوں سے کہے گا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو تاکہ ہم دیکھیں تو کہ اس دوست کا کیا حال ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے اور هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ۝ استفہام نہیں یہ تو امر کے معنی میں ہے یعنی جھانکو؛ یہ ابن عربی اور دوسرے لوگوں کا نقطہ نظر ہے۔ اسی معنی میں ہے جب شراب کے حکم والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا پھر کہا: اے میرے رب! شراب کے بارے میں ایسا حکم نازل فرما جو اس سے بھی زیادہ واضح ہو تو فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ) نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: اے ہمارے رب! ہم رک گئے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ۝ مشدد نہیں اور فَاُطْلِعَ پڑھا یعنی ہمزہ قطعی ہے اور مخفف ہے معنی ہو گا هل انتم مقبلون فاقبل۔ نحاس نے کہا: فاطلع قراءۃ میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فعل مستقبل ہے اس کا معنی ہو گا میں جھانکوں گا تو یہ استفہام کے جواب میں ہونے سے منصوب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے؛ اطلع اور اطلع ایک ہے۔ زجاج نے کہا: طلع، اطلع اور اطلع سب کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بھی حکایت بیان کی گئی ہے هَلْ اَنْتُمْ مُطْلِعُوْنِ۝ یعنی نون مکسور ہے۔ ابو حاتم اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ سراسر غلط ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں نون اور اضافت کو جمع کر دیا گیا ہے اگر یہ مضاف ہوتا تو یہ ہوتا هل انتم مطلعي اگرچہ سیبویہ اور فراء نے اس کی مثل حکایت بیان کی ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

هُمُ الْقَائِلُوْنَ الْخَيْرَ وَالْاٰمِرُوْنَهٗ     وہ بھلائی کی بات کہنے والے اور اس کا حکم دینے والے ہیں۔

فراء نے والفاعلونه پڑھا۔ سیبویہ نے اکیلے یہ پڑھا: ولم يرتفق والناس محتضرونه کی استدلال محتضرونه ہے۔

یہ شاذ ہے اور کلام عرب سے خارج ہے۔ جو اس قسم کا کلام ہے اس کے ذریعے کتاب اللہ میں استدلال نہیں کیا جا سکتا اور یہ کلام فصیح میں داخل بھی نہیں۔

اس کی توجیہ میں ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسم فاعل کو فعل مضارع کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب ہے پس مطلعون کو يطلعون کے قائم مقام رکھا: یہ ابو الفتح عثمان بن جنی نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا: اَيْمَنُ احضروا اَشْهِدُوْا کی قسم یہ کہو کہ گواہوں کو حاضر کرو۔ کی استدلال القائلونہ ہے جو یقولون کے معنی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جنت میں ایک روشن دان ہے جس سے جنتی جہنم اور جہنمیوں کو دیکھیں گے۔

ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے اس میں کعب نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہا: جنت اور دوزخ میں ایک روشن دان ہے جب کوئی

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر 2975، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مومن ارادہ کرتا ہے کہ اس دشمن کو دیکھے جو دنیا میں اس کا دشمن تھا تو وہ اس روشن دان سے جھانکے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ سے مراد جہنم کا وسط ہے جبکہ کانٹے دار پودے اس کے اردگرد ہوں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعبت حتی انقطع سوائی میں تھکا یہاں تک کہ میری کمر ٹوٹ گئی؛ یہاں بھی سواء سے مراد وسط ہے۔

قتادہ سے مروی ہے کہ بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ اس جنتی کی اس جہنمی کو پہچان نہ کرائے تو وہ اسے نہ پہچان سکے گا اس کا رنگ اور اس کی حالت بدل جائے گی (1) اس موقع پر وہ کہے گا: تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ اس میں ان مثقلہ سے مخففہ ہے یہ کاد پر اسی طرح داخل ہے جس طرح کان پر داخل ہے اسی کی مثل اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا (الفرقان: 42) ہے لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی جہنم میں حاضر ہوتا۔ کسائی نے کہا: لتردین کا معنی ہے تو مجھے ہلاک کر دیتا۔ الردی کا معنی ہلاکت ہے مبرد نے کہا: اگر کہا جاتا لَتُرْدِيْنِ یعنی تو ضرور مجھے آگ میں گرا دیتا تو یہ بھی جائز تھا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عصمت اور اسلام کو مضبوطی سے پکڑنے کی اور برے دوست سے براءت کی توفیق مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں جہنم میں ہوتا۔ لولا کا مابعد سیبویہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ فراء نے کہا: تو میں بھی جہنم میں تمہارے ساتھ حاضر ہوتا۔ احضر کا لفظ صرف شر میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (2)۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ کو بمائتین بھی پڑھتے ہیں الف ہمزہ استفہام کے لیے ہے جو فاء عاطفہ پر داخل ہے معطوف اس کا محذوف ہے اس کا معنی ہوگا: کیا ہم ہمیشہ رہیں گے نعمتیں دیے جاتے رہیں گے ہمیں موت نہ آئے گی اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى یہ استثناء ہے یہ پہلی کلام سے استثناء نہیں۔ موتۃ سے مصدر ہے کیونکہ یہ موصوف ہے یہ جنتیوں کی فرشتوں کے سامنے گفتگو ہوگی جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا: اے جنتیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں اور اے جہنمیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کی گفتگو تحدیث نعمت کے طور پر ہوگی کہ وہ نہ مریں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی یہ ہماری حالت اور ہماری صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن کی کافر کے لیے گفتگو ہوگی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا اور موت صرف دنیا کی ہی موت ہے جنت میں جو کچھ ہوگا مومن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ھو مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اور جملہ ان کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ھو ضمیر فصل ہو۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مومن کا کلام ہو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں جو کچھ تیار کیا اور جو کچھ اسے عطا کیا جب اسے دیکھا تو یہ کہا: لِمِثْلِ هٰذَا سے مراد عطا اور فضل ہے فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ یہ اسی کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 50

2۔ ایضاً

میں دو قول ہیں: (1) یہ وہی درخت ہے جو دنیا میں معروف ہے۔ جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان میں بھی اختلاف ہے۔ قطرب نے کہا: یہ سخت کڑوا درخت ہے جو تہامہ میں ہوتا ہے اور خبیث ترین درخت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ قاتل نبات ہے۔ (2) دنیا کے درختوں میں یہ معروف نہیں۔ جب زقوم کے درخت کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی تو قریش نے کہا: ہم تو اس درخت کو نہیں پہچانتے تو افریقہ کا ایک آدمی ان کے پاس آیا قریش نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: ہمارے نزدیک تو اس سے مراد مکھن اور کھجور کے مجموعے کو کہتے ہیں تو ابن زبعری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم کی کثرت کرے۔ ابو جہل نے اپنی لونڈی سے کہا: ہمیں زقوم کھلاؤ تو وہ اس کے پاس مکھن اور کھجور لے آئی پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: زقوم سے لطف اندوز ہو یہ وہ چیز ہے جس سے "محمد" تمہیں ڈراتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ آگ درخت کو اگاتی ہے جبکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔

فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ۝ میں ظالمین سے مراد مشرکین ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے؟ یہ بحث سبحان کے لفظ کے ضمن میں گزر چکی ہے انہوں نے اس کو خفیف اسی طرح جانا تھا جس طرح انہوں نے عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۝ (المدثر) کو خفیف جانا تھا وہ کیا معاملہ ہے جس نے اس عدد کو خاص کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا تھا: سب آدمیوں کو تو تمہاری طرف سے کافی ہوں باقی کو تم میری طرف سے کافی ہو جانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (مدثر: 31) فتنہ کا معنی آزمائش ہے۔ ان کی طرف سے یہ قول سراسر جہالت تھی کیونکہ عقلاً یہ محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ آگ میں اس کی جنس سے ایسا درخت پیدا کرے جسے آگ نہ کھاتی ہو جس طرح جہنم میں اللہ تعالیٰ بیڑیاں، طوق، سانپ، بچھو اور جہنم کے داروغے پیدا فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تعجب جس طرح کفار کو ہوا تھا اسی طرح اس وقت ملاحدہ کو بھی ہے یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو انہوں نے ایسی نعمت اور عقاب پر محمول کیا ہے جس میں روحیں راحت محسوس ہوتی ہیں انہوں نے اعمال کے وزن کرنے، صراط، لوح اور قلم کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو انہوں نے خود اپنے دلوں میں تصور کیے ہیں، اس کی وہ تعبیر کرتے ہیں جو مسلمان شرعی دلائل سے سمجھتے ہیں۔ جب صادق و امین کی خبر ایسی چیز کے بارے میں وارد ہو جس کا عقل وہم ہی کر سکے تو اس کی تصدیق واجب ہے اگرچہ یہ جائز ہو کہ اس کی کوئی تاویل کی جا سکے پھر ایسی تاویل باطل ہوگی جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ تاویل باطل ہے مسلمان ان اشیاء کو حاصل ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اسے باطن کے علم کی طرف نہیں پھیرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظالمین کے لیے سزا ہے جس طرح فرمایا: ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝ (ذاریات)

اَصْلِ الْجَحِيْمِ۝ سے مراد جہنم کی گہرائی ہے یہاں سے ہی یہ جنم لے گا پھر یہ جہنم میں پھیل جائے گا۔ طلعھا سے مراد اس کا پھل ہے۔ پھل کو طلع کا نام اس لیے دیا کیونکہ یہ طلوع کرے گا۔

رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ۝ سے مراد شیاطین کی ذاتیں ہیں ان کی قباحت کی وجہ سے ان پھلوں کو سروں سے تشبیہ دی گئی شیاطین کے سروں کا تصور نفوس میں ہی ہوگا اگرچہ وہ دکھائی نہ دیں گے اس معنی میں عربوں کا قول ہے کہ ہر قبیح کے لیے ایسے

کہتے ہیں: ھو کصورۃ الشیطان اور خوبصورت شے کو کہتے ہیں: ھو کصورۃ الملک اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس نے ان عورتوں کے قول کی حکایت کے طور پر کہا: اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ (یوسف: 31)

یہ تشبیہ تخییل ہے: یہی معنی حضرت ابن عباس اور قرظی سے منقول ہے اسی معنی میں امراء القیس کا قول ہے:

مسنونۃ زرق کانیاب اغوال

مسنونۃ زرق سے مراد ایسے تیر ہیں جنہیں تیز کیا گیا ہو اغوال (غول کی جمع) معروف نہیں لیکن نفوس میں ان کی قباحت مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (انعام: 112) انسانوں میں سے تمرد کرنے والے شیاطین ہیں جو فساد کرتے ہیں حدیث صحیح میں ہے فکان نخلها رءوس الشیاطین(1) گویا اس کی کھجوریں شیاطین کے سر ہیں۔ بعض عربوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے شیاطین اور جنوں کو دیکھا ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: شیاطین سے مراد سانپ ہیں جن کے سر اور کلغیاں ہوتی ہیں یہ سانپوں میں سے قبیح ترین، خبیث ترین اور جسموں میں سے سب سے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اسی وجہ سے کہا: عورت کو ایسے سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کی کلغی ہو۔

عنجرد تحلف حین احلف کمثل شیطان الحماط اعرف

کلغی والی عجرد حماط کے شیطان کی مثل ہے وہ اس وقت قسم اٹھاتی ہے جب میں قسم اٹھاتا ہوں۔

شاعر اپنی اونٹنی کی صفت بیان کرتا ہے:

تلاعب مثنی حضرمی کانه تعمج شیطان بذی خروع قفر

تعمج سے مراد چال میں ٹیڑھا پن ہے۔ کہا جاتا ہے اس وقت کہتے ہیں جب وہ چلتے وقت مڑ جاتا ہے تعمجت الحیۃ۔ جو چلتے ہوئے مڑ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس قبیح بوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو یمن میں ہوتی ہے جسے استن اور شیطان کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربوں کے ہاں معروف نہ تھا۔ زمخشری نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو کڑوا اور ناپسندیدہ صورت والا ہے اس کے پھل کو رؤوس الشیاطین کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شیاطین سے مراد بوٹیوں کی ایک قسم ہے جو بہت ہی قبیح ہوتی ہے۔

اہل جنت کے مقابلہ میں ان کا یہ کھانا ہوگا، وہ پھل ہوگا جو سورۂ غاشیہ میں آیا ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ اس کا ذکر بعد میں آئے گا اس درخت کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر پلایا جائے گا شوب سے مراد ملانا ہے شوب اور شوب سے مراد دونوں لغتیں ہیں جس طرح فقر اور فقر ہے اور فتحہ زیادہ مشہور ہے۔ فراء نے کہا: شاب طعامه وشرابه یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ان دونوں کے ساتھ کوئی چیز ملائی جائے اس کا مصدر شوبا اور شیابۃ آتا ہے یہ خبر دی گئی ہے کہ ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کو ملایا جائے گا حمیم سے مراد گرم پانی ہے تاکہ یہ کھانا ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الادب، باب بیان ...، جلد 2، صفحہ 836

فرمان ہے: وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿ (محمد)

سدی نے کہا: ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ان کی آنکھوں کے پانی ان کی پیپ اور ان کے خون کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے زقوم کو کھولتے ہوئے پانی میں ملایا جائے گا تاکہ ان کے لیے زقوم کی کڑواہٹ اور کھولتے ہوئے پانی کی گرمی کو جمع کر دیا جائے مقصود ان کے عذاب میں سختی اور ان کی آزمائش میں جدت پیدا کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿ اس امر پر دلالت کرتا ہے جب وہ جہنم کے عذاب کے علاوہ زقوم کو کھا لیں گے پھر انہیں جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا: حمیم، جحیم سے باہر ہوگا وہ پانی پینے کے لیے کھولتے ہوئے چشمے پر وارد ہوں گے پھر انہیں جہنم (جحیم) کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿ (رحمٰن) حضرت ابن مسعود نے مرجعهم کی بجائے منقلبهم پڑھا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ثم کا لفظ واو کے معنی میں ہو۔ قشیری نے کہا: شاید حمیم جہنم کی ایک طرف میں ہو۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿

"انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے اور بھٹک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے پس (اے مخاطب!) دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے"۔

یعنی انہوں نے آباء کو گمراہ پایا تو ان کی اقتدا کی تو یہ ان کے پیچھے تیزی سے بھاگے جا رہے ہیں؛ یہ قتادہ سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے هرولة (چال کا انداز) کے انداز میں جا رہے ہیں۔ فراء نے کہا: اهراع سے مراد کانپتے ہوئے تیز چلنا۔ ابو عبیدہ نے کہا: يهرعون کا معنی ہے پیچھے سے ان پر تیزی ڈالی جا رہی ہوگی اسی کی مثل مبرد کا قول ہے۔ المهرع سے مراد ہے جس کو تیزی سے چلایا جا رہا ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان يهرع الى النار، فلاں آیا اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جایا جا رہا تھا یا اس وقت بولتے ہیں جب سردی اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تیزی کی سختی کی وجہ سے دھتکارا جا رہا ہوگا؛ یہ مفضل کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے هرع و اهرع جب اسے پیچھے سے تیز چلایا جائے اور دھتکارا جائے۔

اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿ سے مراد ہے سابقہ امتیں۔ مُّنْذِرِيْنَ ﴿ سے مراد ہے ایسے رسول جنہوں نے ان لوگوں کو عذاب سے ڈرایا تھا تو ان لوگوں نے کفر کیا۔ عَاقِبَةُ سے مراد ان کے امر کا انجام ہے۔ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿ سے مراد ہے اللہ

تعالیٰ نے انہیں کفر سے بچا لیا۔ یہ بحث گزر چکی ہے پھر یہ کہا گیا یہ الّا عباد اللہ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ
لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سے مستثنیٰ ہے۔

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝

"اور فریاد کرتے ہوئے پکارا ہمیں نوح نے تو ہم کیا خوب فریاد رس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو اس مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی اور ہم نے بنا دیا فقط اس کی نسل کو باقی رہنے والا اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو۔"

یہاں ندا سے مراد استغاثہ ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے دعا کی اور یہ عرض کی: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ (نوح)
ہم کتنے ہی اچھے دعا قبول کرنے والے تھے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے فلنعم المجیبون له کنا۔ ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے بیوی بچوں کو نجات دی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لا چکے تھے جس طرح پہلے گزر چکا ہے ان کی تعداد اسی تھی۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ سے مراد غرق ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلے تو جو مرد اور عورتیں آپ کے ساتھ تھے سب فوت ہو گئے صرف آپ کا بیٹا اور اس کی بیویاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝ سے یہی مراد ہے۔

حضرت سعید بن مسیب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے(1) لوگ سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں سام عرب، فارس اور رومیوں کا باپ ہے اور یہود و نصاریٰ بھی ان میں سے ہیں۔ حام سوڈان کا باپ ہے جو مشرق سے مغرب تک ہیں جیسے سندھی، ہندی، نوبی، زنجی، حبشی، قبطی اور بربری وغیرہ۔ یافث صقالبہ، ترک، لان، خزر، یاجوج اور ماجوج کے جد امجد ہیں۔

ایک قوم نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ بھی نسل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ (بنی اسرائیل: 3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 53

وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿ ہود ﴾ اس معنی پر یہ آیت ہے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾ یہ کافروں کی اولاد سے الگ ہیں کیونکہ ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ یعنی ہر قوم میں اس کے لیے ہم نے اچھی تعریف چھوڑی ہے کیونکہ وہ سب کا محبوب ہے یہاں تک کہ مجوسی بھی انہیں کہتے ہیں وہ افریدون ہے؛ یہی معنی مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے گمان کیا ہے اس میں دو تقدیریں ہیں: (1) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ یقال سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ یعنی ہم نے اس کے لیے اچھی تعریف چھوڑی ہے؛ یا ابو العباس مبرد کا قول ہے یعنی ہم نے اس پر یہ کلمہ باقی چھوڑا ہے یعنی لوگ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ یہ اس کلام میں سے ہے جس کی حکایت بیان کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا (نور: 1)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ہم نے اس پر باقی رکھا اور گفتگو مکمل ہو گئی پھر کلام نئے انداز میں شروع کی اور کہا سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ یعنی اس کے لیے سلامتی ہے اس چیز سے کہ اس کے بارے میں بعد کے لوگوں میں برا ذکر ہو۔

کسائی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں سلاما منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہے ترکنا علیہ ثناء حسنا سلاما۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْآخِرِينَ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انبیاء میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا گیا کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں کیا گیا مگر اسے حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا (شوریٰ: 13)

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جو شام کے وقت یہ کہے: سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ اسے بچھو نہیں کاٹے گا۔ ابو عمر نے اسے التمہید میں ذکر کیا ہے۔ موطا میں حضرت خولہ بنت حکیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو آدمی کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو وہ یہ پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تو اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی یہاں تک کہ وہ اس سے کوچ کرے گا"۔ اس میں یہ روایت بھی ہے کہ بنو اسلم کے ایک آدمی نے کہا: میں رات سو نہ سکا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کس وجہ سے؟" عرض کی: مجھے ایک بچھو نے ڈس لیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خبردار! اگر تو شام کے وقت یہ پڑھ لے تو تجھے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق"(1)۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ یعنی ہم ان پر اچھی جزا باقی رکھیں گے۔ کاف محل نصب میں ہے یعنی جزاء کذالک۔ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ یہ اس کے احسان کا بیان ہے۔

جنہوں نے کفر کیا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ دوسروں کی جمع آخر ہے۔ اس میں اصل تو یہ ہے من الآخرین مگر من کو حذف کر دیا کیونکہ معنی معروف ہے۔ آخر کوئی نہیں ہو سکتا مگر اس سے پہلے اس کی جنس میں سے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ثم

1۔ موطا امام مالک، باب ما یؤمر بہ من التعوذ، صفحہ 722 ☆ عبارت اسی طرح لکھی ہوئی ہے مگر صحیح ہے افریدون یہ تعریفی ہی ہے۔

یہاں تراخی کے لیے نہیں بلکہ یہ نعمتوں کا شمار کرنے کے لیے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البلد) پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں نے دوسروں کو غرق کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝

"اور ان کی جماعت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو؟ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔ جو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف پھر کہا: میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر پیٹھ پھیرتے چلے گئے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ شِيْعَتِهٖ سے مراد ہے ان کے دین والے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے طریقہ اور سنت پر ہیں (2)۔ اصمعی نے کہا: شیعہ سے مراد حامی اور مددگار ہیں (3)۔ یہ شیاع سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چھوٹی لکڑیاں ہیں جو بڑی کے ساتھ جلائی جاتی ہیں تاکہ آگ روشن ہو۔

کلبی اور فراء نے کہا: معنی ہے حضرت محمد ﷺ کے اعوان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (4)۔ شیعتہ میں ضمیر سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ پہلی تعبیر کی صورت میں ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں یہ تعبیر زیادہ نمایاں ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی پہلے ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو نبی تھے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا عرصہ ہے؛ یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

قلب سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے۔ عوف اعرابی نے کہا میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہو۔ طبری نے غالب قطان سے، عوف اور دوسرے علماء نے محمد بن سیرین سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حجاج کو کہتے ہیں: وہ مسکین ہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا تو اس کے گناہ کے باعث دے گا اور اگر اسے بخش دے تو اس کے لیے مبارک ہے اگر اس کا دل سلیم ہے تو گناہ تو اسے بھی پہنچے ہیں جو اس سے بہتر تھے۔ عوف نے کہا: میں نے محمد سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت قائم ہونے والی ہے قبروں میں جو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھانے والا ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 54　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

ہشام بن عروہ نے کہا: ہمارے والد ہمیں کہا کرتے تھے: اے بیٹو! تم لعن طعن کرنے والے نہ ہو جانا، کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی کسی چیز پر لعن طعن نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۝ ان کا اپنے رب کی طرف آنا (1) اس کی دو صورتیں ہیں: (1) وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی دعوت دیتے تھے (2) جب آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ میں اب سے مراد آزر ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے مَاذَا تَعْبُدُوْنَ میں ما مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور ذا اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ماذا، تعبدون کی وجہ سے منصوب ہو۔ اَئِفْكًا یہ مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہے یہ کلام اس معنی میں ہے اتریدون افکا کیا تم بہتان کا ارادہ کرتے ہو۔ مبرد نے کہا: افک یہ بہت برا جھوٹ ہوتا ہے۔ یہ وہ جھوٹ ہوتا ہے جو ثابت نہیں ہوتا اور مضطرب رہتا ہے اس سے ائتفکت بھم الارض ہے۔ آلِهَةً یہ افک سے بدل ہے۔ تریدون کا معنی ہے تم عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو معنی ہو کیا تم بہتان لگاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہو جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو تمہارے بارے میں کیا گمان ہوگا جبکہ تم نے دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہوگی؟ یہ خبردار کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ۝ (الانفطار) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کس وجہ سے تم وہم کا شکار ہوئے یہاں تک کہ تم نے دوسروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا دیا؟

ابن زید نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے ہمارے ساتھ چلیے تو آپ علیہ السلام نے ایک طلوع ہونے والے ستارے کی طرف دیکھا فرمایا: یہ ستارہ میری بیماری کے ساتھ طلوع ہوتا ہے (2)۔ علم نجوم ان لوگوں میں مستحسن ہوتا تھا اس میں نظر و فکر کی جاتی تھی تو آپ نے انہیں اس طریقہ سے وہم میں مبتلا کر دیا اور ان کے اعتقادات کے باعث اپنے لیے عذر پیش کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مویشی پالنے اور زراعت کیا کرتے تھے یہ دونوں ذریعہ معاش ایسے تھے جن میں ستاروں کی چال میں نظر و فکر کی ضرورت ہوا کرتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: علم نجوم بھی نبوت میں سے تھا جب اللہ تعالیٰ نے سورج کو حضرت یوشع بن نون پر روک دیا تو اس علم کو باطل کر دیا (3)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں علم نبوی کی حیثیت سے غور کیا تھا۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: علم نجوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھا یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی جگہ داخل ہوتے جس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ تھی (4)۔ حضرت مریم نے لوگوں سے پوچھا: تم نے اس کی جگہ کا علم کیسے حاصل کیا؟ تو لوگوں نے بتایا: ستاروں کے ذریعے۔ اس وقت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: اے اللہ! انہیں علم نجوم کا فہم نصیب نہ کرنا تو کوئی بھی علم نجوم کو نہیں جانتا۔ شریعت میں اس کا حکم منسوخ ہو گیا اور لوگوں میں اس کا علم مجہول ہو گیا۔ کلبی نے کہا: وہ لوگ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک دیہات میں رہتے تھے جو ہرمزجرد کہا جاتا وہ ستاروں میں نظر و فکر کیا کرتے تھے: یہ ایک قول ہے۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 55　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 56　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 55　4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 55-58

حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جب لوگوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ ان کے ساتھ چلیں تو آپ نے اپنے معمولات میں غور و فکر کیا اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو رستے ظاہر ہوئے اس میں غور و فکر کیا تو آپ کو علم ہوا کہ زندہ آدمی بیمار ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں۔ خلیل اور مبرد نے کہا: جب کوئی آدمی کسی چیز میں غور کرتا ہے تو اس آدمی کے بارے کہا جاتا ہے: نظر فی النجوم ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گھڑی جس میں انہوں نے آپ کے ساتھ جانے کو کہا تھا یہ وہ گھڑی تھی جس میں آپ کو بخار نے آلیا تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اشیاء میں سے جو چیزیں ظاہر ہوئیں تو ان میں آپ نے غور و فکر کیا تو آپ کو علم ہو گیا کہ ان کا ایک خالق اور مدبر ہے اور ان میں اسی طرح تبدیلی واقع ہوتی جس طرح ان اشیاء میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ ضحاک نے کہا سقیم کا معنی ہے مجھے عنقریب موت کی بیماری لگے گی کیونکہ جس پر موت لکھ دی گئی ہو عموماً وہ بیمار ہوتا ہے پھر وہ مر جاتا ہے۔ یہاں توریہ اور تعریض کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح آپ نے بادشاہ سے اس وقت کہا تھا: میری بہن ہے جب اس نے سارہ کے بارے میں پوچھا تھا یعنی دینی اخوت ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور ضحاک نے یہ بھی کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے اپنی مرض اور سقم کو اشارہ کیا جو متعدی ہوتا ہے جس طرح طاعون۔ وہ لوگ طاعون سے بھاگتے تھے وہ اس عدوی کے خوف سے آپ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ترمذی حکیم نے یہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے باپ نے روایت کی انہیں عمرو بن حماد نے انہیں اسباط نے انہیں سدی نے انہیں ابو مالک اور ابو صالح نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے۔ مرہ نے ہمدانی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو ابراہیم نے کہا: ہماری ایک عید ہوتی ہے کاش! تم ہمارے ساتھ نکلتے تو ہمارا طریقہ تمہیں خوش کرتا۔ جب عید کا دن ہوا تو وہ لوگ عید کے لیے نکلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ نکلے ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ آپ گر گئے اور فرمایا: میں تو بیمار ہوں، میری ٹانگ میں تکلیف ہے۔ انہوں نے آپ کی ٹانگ پر قدم رکھے جبکہ آپ نیچے گرے پڑے تھے جب وہ آگے چلے گئے تو پیچھے آپ نے آواز دی: وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (انبیاء: 57) ابو عبداللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے جو کچھ کہا تھا یہ اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے لیے دو امر جمع ہو گئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین خلاف واقع باتیں کی تھیں (1)'' سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے جو اس بات پر دال ہے کہ آپ مریض تو نہ تھے آپ نے تعریض سے کام لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (زمر)

اس کا معنی ہے زمانہ آئندہ میں میں مریض ہوں انہوں نے یہ گمان کیا آپ اس وقت بیمار ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ کلام میں تعریض کی صورت ہے اس معنی میں مشہور مثل ہے کفی بالسلامۃ داء وسلامتی بیماری کے طور پر کافی ہے۔ حمید کا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا، جلد 1، صفحہ 474

بھی ایک شعر ہے:

فدعوت ربي بالسلامة جاهدا ليصحني فإذا السلامة داء (1)

میں نے کوشش کرتے ہوئے اپنے رب سے سلامتی کی دعا کی تاکہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے کیونکہ سلامتی بھی بیماری ہے۔

ایک آدمی اچانک مر گیا تو لوگوں نے اس پر بھیڑ کر لی لوگوں نے کہا: وہ مر گیا ہے جبکہ وہ صحت مند تھا تو ایک بندے نے کہا:

اصحیح من الموت فی عنقہ۔ کیا وہ آدمی جس کی گردن میں موت ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے تھے مگر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اور وہ چنے ہوئے تھے تو اسے بھی گناہ شمار کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (شعراء) اس کی مفصل بحث گزر چکی ہے الحمد للہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے فکر کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں اضطراب تھا۔ نجوم یہ نجم کی جمع ہے واحد ہو تو اصل میں یہ مصدر ہے۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۝ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

"پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا: کیا تم یہ مٹھائیاں نہیں کھاؤ گے؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں۔ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر دائیں ہاتھ سے۔ رنگ رلیاں منانے کے بعد آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو"۔

سدی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کی طرف گئے (2)۔ ابو مالک نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام متوجہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: وہ ان کی طرف مائل ہوئے۔ کلبی نے کہا: ان کی طرف آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: راغ کا معنی ہے پھرے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ راغ یروغ روغا وروغانا جب وہ جھک جائے۔ طریق رائغ یعنی ایسا راستہ جو ایک طرف جھکا ہوا ہو۔ شاعر نے کہا:

ويريك من طرف اللسان حلاوة ويروغ عنك كما يروغ الثعلب

وہ زبان کی ایک جانب سے تیرے لیے مٹھاس دکھاتا ہے اور تم سے یوں مکر کرتا ہے جس طرح لومڑی کرتی ہے۔

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یوں خطاب کیا جس طرح عقل مند کو خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ بت پرست بتوں کو عقل مند وجود کیا کرتے تھے اسی طرح: مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ میں عقل مندوں جیسا خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں کے سامنے کھانا پڑا ہوا تھا لوگوں نے وہ کھانا ان کے لیے رکھ چھوڑا تھا تاکہ جب وہ عید سے واپس لوٹیں گے تو وہ

1۔ [illegible] جلد 4 صفحہ 49
2۔ تفسیر ماوردی جلد 5 صفحہ 57

اس کھانے کو کھائیں گے انہوں نے یہ کھانا اس لیے رکھا تھا تاکہ ان کے اعتقاد کے مطابق کھانے میں بتوں کی برکت حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کھانا بتوں کے خدام کے لیے چھوڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استہزاء کے طور پر وہ کھانا بتوں کے قریب کیا اور کہا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ (صافات)

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ دائیں ہاتھ سے ضرب کو خاص کیا کیونکہ اس کی ضرب قوی اور سخت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یمین کا معنی عدل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ (الحاقہ) عدل یمین کے لیے اور جور شمال کے لیے استعمال ہوتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ دشمنی اور معاصی کا ذکر کرنا ہو تو شمال کا ذکر کرتے ہیں اور طاعت کا ذکر کرنا ہو تو یمین کا ذکر کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ (صافات) یعنی طاعت کے طریقہ پر۔ یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال ظلم کی جگہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم میثاق کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پس بیعت دائیں ہاتھ سے ہوئی اسی وجہ سے قیامت کے روز کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی کیونکہ اس نے بیعت کا حق ادا کیا بیعت کو توڑنے والے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والے کو بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی کیونکہ وہاں ظلم کا تصور موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ یعنی اس عدل کے ساتھ جس پر یوم میثاق اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پھر اسے یہاں پورا کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جس طرح جذٰذا ہے اس سے مراد یہی ہے۔ یہاں یمین قوت کے معنی میں نہیں۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ حمزہ نے پڑھا یُزِفون باقی قراء نے یَزِفون پڑھا ہے وہ تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے؛ یہ ابن زید نے کہا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: معنی ہے وہ چلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب آرام سے چل رہے تھے وہ اس سے بے خوف تھے کہ کسی نے ان کے معبودوں کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال میں چلتے ہیں اسی سے زفیف النعامہ ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ دوڑتے ہیں(1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ غصہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تکبر کے انداز میں چلتے ہیں(3)؛ یہ مجاہد کا قول ہے: اسی معنی میں یہ قول ہے: زفاف العروس الی زوجها، دلہن کا اپنے خاوند کی طرف ناز و ادا سے چلنا۔ فرزدق نے کہا:

وجاء قريع الشول قبل إفالها ... يزف وجاءت خلفه وهي زفف

جس نے اسے یُزِفون پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا وہ دوسرے لوگوں کو تزفیف پر ابھارتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر مفعول محذوف ہے۔ اصمعی نے کہا: ازففت الابل میں نے اونٹ کو تیز چلنے پر برانگیختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں یوں کہا جاتا ہے: زف القوم و ازفوا، زففت العروس ازفها و ازففتها۔ سب کا ایک ہی معنی ہے، مزفہ سے مراد وہ پالکی ہے جس میں دلہن کو لایا جاتا ہے؛ یہ خلیل سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: یُزِفون یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا ہے: یہ لغت معروف نہیں جبکہ علماء کی ایک جماعت اس معنی سے آگاہ ہے ان میں فراء بھی ہے اس نے اسے اس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 57
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً

وهو السلام سبحانه الله تعالیٰ ہر مالک اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی خالق وصانع ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے یہ تمام چیزیں الکتاب الأسنیٰ فی شرح أسماء اللہ الحسنیٰ میں بیان کر دی ہیں۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝

"انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا: بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔"

جس طرح یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر دلیل کے ساتھ غالب آ گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ جس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اسے دہکاؤ پھر اسے اس آگ میں پھینک دو یہی جحیم ہے۔ حضرت ابن عباس بنیﷺ نے کہا: انہوں نے پتھر کی ایک دیوار بنائی اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی انہوں نے اسے آگ سے بھر دیا اور اس آگ میں پھینک دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: جب آپ آگ میں پہنچے تو کہا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ الجحیم میں الف لام ضمیر پر دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہو گی فی جحیمہ یعنی اس مکان کی آگ میں۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

طبری نے یہ ذکر کیا ہے: اس کہنے والے کا نام ہیزن تھا جو فارس کے دیہاتی علاقوں کا تھا جو ترک ہیں وہ وہی آدمی ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے "اسی اثنا میں ایک آدمی اپنے حلہ میں چل رہا ہو گا وہ اس حلہ میں تکبر کر رہا ہو گا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو بروز قیامت تک وہ زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا" (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مکر کیا۔ کید سے مراد مکر ہے یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تو ہم نے ان لوگوں کو مقہور و مغلوب بنا دیا کیونکہ ان پر اس کی جگہ سے اس کی حجت نافذ ہو گئی جہاں سے اسے دور کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کا مکر اور خفیہ تدبیر نافذ نہ ہوئی۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝

"اور آپ نے کہا: میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ دعا مانگی: میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یہ آیت ہجرت میں اصل ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ عمل کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے یہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، جلد 2، صفحہ 861

اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے چھٹکارا دیا تو آپ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔ یعنی میں اپنی قوم کے شہر اور جائے پیدائش سے ہجرت کرنے والا ہوں جہاں میرے لیے اپنے رب کی عبادت کرنا ممکن ہوگا میں نے جب صحیح عمل کی نیت کی ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کی ہدایت دینے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مخلوقات میں سے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ ارض مقدس یعنی شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں اپنے عمل، اپنی عبادت، اپنے دل اور نیت کو اپنے رب کی طرف لے جانے والا ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ عمل کو لے جانے والے تھے، بدن کو لے جانے والے نہیں تھے۔ سورت کہف میں اس کی وضاحت مکمل گزر چکی ہے۔ پہلی ہجرت شام اور بیت المقدس کی طرف تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ حران کی طرف نکلے وہاں ایک عرصہ تک رہے پھر یہ کہا گیا: یہ بات آپ نے اس شخص سے کی تھی جو آپ کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور دین نے آپ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ یہ قول اس کے لیے توبیخ کے طور پر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے یہ بات اس شخص سے کی تھی جس نے آپ کی معیت میں ہجرت کی تھی مقصود اسے رغبت دلانا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات آپ نے آگ میں پھینکے جانے سے قبل کی تھی۔ اس قول کی بنا پر اس میں دو تاویلیں ہیں: (1) میرے رب نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے میں اس کی طرف جانے والا ہوں (2) میں مرنے والا ہوں جس طرح آدمی فوت ہو جائے اسے کہا جاتا ہے: قد ذهب الى الله، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ آگ میں پھینکے جانے سے ہی وہ مر جائیں گے کیونکہ آگ کے بارے میں معمول یہی ہے کہ جس آدمی کو آگ میں پھینکا جاتا ہے وہ مر جاتا ہے یہاں تک کہ آگ کو فرمایا گیا: كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا (الانبیاء: 69) اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام محفوظ ہو گئے۔

اس تاویل کی بنا پر سَیَهْدِیْنِ میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں: (1) اس آگ سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی صورت پیدا فرمائے گا (2) جنت کی طرف جانے کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

سلیمان بن صرد نے کہا: یہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو وہ آپ کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے، ایک بوڑھی عورت اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھائے ہوئی تھی اور بڑبڑا رہی تھی: اذهب بها الى هذا الذي يذكر آلهتنا میں یہ اس کی طرف لے جارہی ہوں جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے جایا گیا تاکہ آگ میں پھینکا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: انی ذاهب الى ربی جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ۝ (آل عمران) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا تو حضرت لوط علیہ السلام کے باپ نے کہا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچازاد تھا۔ اسے آگ نے اس لیے نہیں جلایا کیونکہ اسے مجھ سے قرابت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگ سے ایک شعلہ بھیجا جس نے اسے جلا دیا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے پہچان کرادی کہ وہ حضرت ابراہیم کو چھٹکارا دلانے والا ہے تو حضرت ابراہیم

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 59

دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ مجاہد نے کہا: جب وہ جوان ہو گیا اور اس کی قد و کاوش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد و کاوش تک جا پہنچی۔ فراء نے کہا: وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ اپنے باپ کے ساتھ چلے (1)۔ حضرت حسن بصری اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد وہ عمل اور کچھ بوجھ ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو۔ ابن زید نے کہا: جب وہ عبادت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب انہوں نے نماز اور روزہ رکھنا شروع کر دیا (2) کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنتے: وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (بنی اسرائیل: 19)

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کس کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا؟ اکثر کی رائے یہ ہے اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ قول جنہوں نے کیا ان میں حضرت عباس بن عبد المطلب، ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ ہیں۔ حضرت عبد اللہ سے صحیح یہی ہے۔ ثوری اور ابن جریج حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی یہی منقول ہے ایک آدمی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: یابن الاشیاخ الکرام تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں کہا: وہ حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حماد بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ان الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں (3)۔ یعنی کریم بن کریم بن کریم بن کریم حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی قول حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ یہ سات صحابہ ہیں۔ تابعین اور دوسرے علماء نے بھی یہ قول کیا ہے جن میں علقمہ، شعبی، مجاہد، سعید بن جبیر، کعب الاحبار، قتادہ، مسروق، عکرمہ، قاسم بن ابی بزہ، عطاء، مقاتل، عبد الرحمن بن سابط، زہری، سدی، عبد اللہ بن ہذیل اور امام مالک بن انس ہیں سب نے کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی نقطہ نظر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ کئی علماء نے اسی کو اختیار کیا ان میں حضرت نحاس، طبری اور دوسرے علماء ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دکھائے گئے آپ قربان گاہ میں آئے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرائی یہاں تک کہ منیٰ میں بیٹے کو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بیٹے کو ذبح کیا آپ نے ایک ماہ کی مسافت ایک رات میں مکمل کی آپ کے لیے وادیاں اور پہاڑ لپیٹ دیے گئے تھے؛ یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے نقل کرنے میں بہت قوی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا: ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن علماء نے یہ بات کی ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ ہیں یہی قول حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے تابعین میں سے سعید بن مسیب، شعبی،

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 60 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ام کنتم شہداء، جلد 1، صفحہ 478

یوسف بن مہران، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی، کلبی اور علقمہ سے مروی ہے۔ ابو سعید ضریر سے ذبیح کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

إنَّ الذَّبِيحَ هُدِيتَ إِسْمٰعِيلُ ... نَطَقَ الكِتَابُ بِذَاكَ وَالتَّنْزِيلُ

شَرَفٌ بِهِ خَصَّ الإِلٰهُ نَبِيَّنَا ... وَأَتَى بِهِ التَّفْسِيرُ وَالتَّأْوِيلُ

إِنْ كُنْتَ أُمَّتَهُ فَلَا تُنْكِرْ لَهُ ... شَرَفًا بِهِ قَدْ خَصَّهُ التَّفْضِيلُ

تجھے ہدایت نصیب ہو بے شک ذبیح حضرت اسماعیل ہیں کتاب و سنت اس کے بارے میں ناطق ہیں یہ ایسا شرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو خاص کیا تفسیر و تاویل اس بارے میں آئی ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تو تو ان کے لیے ایسے شرف کا انکار نہ کر جسے فضیلت نے خاص کیا ہے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ابو عمرو بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تیری عقل تجھ سے کہاں چلی گئی؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کہاں تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ تھے انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ مکرمہ میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ”ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے“۔

پہلی تعبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین سے بہت زیادہ سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

ان علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی تو آپ نے شام کی جانب اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی فرمایا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، مجھے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ اے اللہ! مجھے ایک صالح بچہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ (مریم: 49) اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ۝ اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ فدیہ حلیم بچے میں ہوا جس حلیم بچے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی کیونکہ ارشاد فرمایا: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ اور یہاں فرمایا: بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ۝ یہ واقعہ اس سے قبل کا ہے جب آپ نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ قرآن میں صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی گئی۔

جس نے یہ کہا: اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صبر سے بیان کی حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت بیان نہیں کی ارشاد فرمایا: وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ۝ (الانبیاء) اور ان کا ذبح پر صبر کرنا تھا اس کی صفت صدق وعدہ سے بیان کی فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس نے اپنے باپ سے صبر پر وعدہ کیا اور اسے پورا کیا؛ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا

تو آپ ذبح کرنے کا کیسے حکم دے سکتے تھے جبکہ ان کے بارے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نبی ہوں گے نیز یہ ارشاد فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (ہود: 71) تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں وعدہ پورا ہونے سے قبل کیسے انہیں ذبح کا حکم ہوسکتا تھا۔

نیز یہ بھی وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگ کو بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا۔ یہ استدلال نزاع کو ختم نہیں کرتا۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نبی ہوں گے؟ کیونکہ اس کے بارے میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ذبح کے حکم کے بعد ان کے لیے نبوت کی بشارت دی گئی ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئے گی ممکن ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ہو تو یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں یہ تو مذکور نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوگی۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا؟ اس کا جواب وہ ہے جو سعید بن جبیر نے دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون ہے؟ یہ تیسرا مذہب ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین راتیں پے در پے خواب دیکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولوں کے پاس وحی بیداری اور نیند کی حالت میں آتی ہے کیونکہ انبیاء کے دل نہیں سوتے یہ حدیث صحیح ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہم گروہ انبیاء کی جماعت ہیں ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ سدی نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت سے قبل ہی ان کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: پھر وہ اللہ کے لیے ذبیح ہے۔ انہیں خواب میں کہا گیا: تو نے ایک نذر مانی تھی تو اپنی نذر پوری کرو[1]۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا گویا کہنے والا کہہ رہا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو آپ نے اپنے دل میں سوچا کیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے ہے؟ تو اس دن کو یوم ترویہ کا نام دیا گیا جب اگلی رات ہوئی تو آپ نے وہی خواب دیکھا تو آپ کو وعدہ دلایا گیا جب صبح کی تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی جانب سے ہے تو اسے یوم عرفہ کا نام دیا گیا پھر تیسری رات کو بھی خواب دیکھا تو آپ نے ذبح کا ارادہ کیا تو اسے یوم نحر کا نام دیا گیا۔

---

1۔ تفسیر بغوی

یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تو حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت ذبیح علیہ السلام نے کہا: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ اکبر وللہ الحمد۔ تو یہ تکبیر سنت بن گئی۔ اس امر کے وقوع میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اہل سنت نے کہا: نفس ذبح واقع نہیں ہوا ذبح کا امر ذبح کے وقوع سے پہلے واقع ہو گیا اگر یہ ذبح کا عمل ہو جاتا تو اس کے اٹھانے کا تصور نہ ہوتا یہ چیز عمل کے وقوع سے پہلے نسخ کے باب سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اگر ذبح کے امر کی اطاعت سے فراغت حاصل ہو جاتی تو فدیہ کا ثبوت نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو جس سے آگاہ کیا اس کو آپ نے ثابت کر دیا جو آپ کے لیے ممکن تھا وہ آپ کر گزرے پھر جب ہم نے تجھے روک دیا تو تم رک گئے۔ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صحیح ترین ہے۔

ایک طائفہ نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو کسی وجہ سے منسوخ ہو کیونکہ وذبحت الشیء کا معنی ہے میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ مجاہد کے قول سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم سے عرض کی: لا تنظر الی فترحمنی ولکن اجعل وجھی الی الارض میری طرف مت دیکھنا کہیں تمہیں مجھ پر رحم آ جائے بلکہ میرا چہرہ زمین کی طرف کر دینا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری لی اسے حضرت اسحاق کے حلق پر پھیرا تو وہ الٹی ہو گئی تو حضرت اسحاق نے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ فرمایا: چھری الٹ گئی ہے۔ حضرت اسحاق نے کہا: اسے نیزے کی طرح مجھ میں چبھو دیں۔ بعض نے کہا: جب بھی آپ کوئی حصہ کاٹتے تو وہ جڑ جاتا۔ ایک طائفہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا حلق تانبے کا پایا یا تانبے سے ڈھکا ہوا پایا جب آپ اسے کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اسے محفوظ پاتے۔ یہ سب قدرت الٰہیہ میں جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سند صحیح ہو کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کو نظر و فکر سے نہیں جانا جا سکتا اس کے جاننے کا طریقہ خبر ہی ہے اگر یہ ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے ضرور بیان کرتا اور فدیہ کو بیان کرنے سے اس کی وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہوتی۔

بعض علماء نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح حقیقی کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس سے مراد رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لیے لٹایا ہے تو انہیں وہم ہوا کہ اسے ذبح حقیقی کا حکم دیا گیا ہے جب آپ نے وہ کام کر دیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یعنی پہلو کے بل لٹانے کا تو آپ کو کہہ دیا گیا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ یہ تعبیر مفہوم سے خارج ہے۔ اضجاع اور ذبح کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں اس امر سے دو مختلف چیزوں کا تعلق ہی معنی و مفہوم نہ ہو یہاں تک کہ دونوں کو وہم ہو جاتا۔ اگر یہ چیز صحیح ہو تو فدیہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ عاصم کے علاوہ دوسرے کوفہ کے علماء نے اسے ماذا تُرٰی پڑھا ہے یعنی تا مضموم ہے اور را مکسور ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے دیکھو تو کسی تو اپنے صبر اور جزع میں سے کیا دکھاتا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ قول اس کے علاوہ کسی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 67

دوسرے نے نہیں کیا۔ علماء نے کہا: تو کیا رائے رکھتا ہے۔ ابو عبیدہ نے تری کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ آنکھ کے ساتھ دیکھنے کو خاص ہے۔ ابو حاتم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ آنکھ سے اور دوسری چیز سے دیکھنا ہے؛ یہی مشہور ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: أریت فلانا الصواب اریته رشده تو نے فلاں کو صحیح خیال کیا ہے تو نے اسے ہدایت یافتہ خیال کیا ہے؛ یہ آنکھ سے دیکھنا تو نہیں۔ باقی قراء نے تَرٰی پڑھا ہے جو رأیت کا مضارع ہے۔ ضحاک اور اعمش سے تُرٰی مجہول کا صیغہ مروی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں یہ بات اس لیے نہیں کہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں مشورہ کریں آپ نے ان سے اس لیے مشورہ کیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بارے میں اس کے صبر کو جان لیں یا تاکہ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کو دیکھیں۔

قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اصل میں ماتومر به ہے یہاں سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اس قول سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے

أمرتك الخير فافعل ما أمرت به (1)

اصل میں بالخیر تھا فعل کو ضمیر کے ساتھ ملا دیا گیا تو یہ تؤمرہ ہو گیا پھر ضمیر کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (النمل: 59) اصل میں اصطفاهم تھا جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے ما، الذی کے معنی میں ہے یعنی الذی تؤمرہ۔ [illegible] نے کہا: جب ان شاء اللہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق دی۔ یا ابت اور یا بنی کے بارے میں گفتگو پہلے سورۂ یوسف وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ جب دونوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم نے فلما سلما قراءت کی انہوں نے اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے جب دونوں نے تابعداری کی۔ قتادہ نے کہا: جب ان دونوں میں سے ایک نے اپنا آپ اللہ کے سپرد کیا اور دوسرے نے اپنا بیٹا سپرد کر دیا۔ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ قتادہ نے کہا: اسے منہ کے بل گرایا اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا۔ بصریوں کے نزدیک لما کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فلما اسلما وتله للجبين فديناه بكبش۔ کوفیوں نے کہا جواب: نادینه ہے واو زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ (یوسف: 15) یہ اوحینا ہے واو زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ (الانبیاء) یہ بھی اقترب تھا واو زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ (الزمر: 73) اصل میں قال تھا واو زائدہ ہے یعنی قال لهم۔ امرؤ القیس نے کہا:

فلما اجزنا ساحة الحي

اصل میں انتحی تھا واو زائدہ ہے یہ بھی کہا:

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 54

حتّٰی إذا حملت بطونکم ورأیتم أبناءکم شبّوا
وقلبتم ظهر المجن لنا إن اللئیم الفاجر الخبّ

یہاں تک کہ تمہارے پیٹوں نے اٹھایا اور تم نے اپنے بیٹوں کو دیکھا کہ وہ جوان ہو گئے۔ اور تم نے ہمارے لیے اپنی دشمنی کو ظاہر کر دیا بے شک کمینہ فاجر نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے۔

یہاں بھی اصل میں قلبتم تھا واؤ زائدہ ہے۔

نحاس نے کہا: واؤ حروف معانی میں سے ہے اسے زائد کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ ذبیح نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اے میرے والد! میرے اعضا کو باندھ دو تا کہ میں نہ پھڑکوں، اپنے کپڑوں کو سمیٹ لو تا کہ میرے خون کا کوئی چھینٹا اس پر نہ پڑے کہ میری ماں دیکھے اور وہ غمگین ہو جائے، چھری کو میرے حلق پر جلدی چلانا تا کہ مجھ پر موت آسان ہو جائے، مجھے منہ کے بل لٹانا تا کہ تو میرے چہرے کو نہ دیکھے کہ تجھے مجھ پر رحم آ جائے اور میں چھری کو نہ دیکھوں کہ میں گھبرا جاؤں، جب تو میری ماں کے پاس جائے تو اسے میرا سلام کہنا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن پر تانبا چڑھا دیا چھری نے کچھ عمل نہ کیا پھر اس کی پیشانی پر مارا اور پھر اس کی گدی میں اسے چلایا تو چھری نے کچھ عمل نہ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کا یہی معنی ہے! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس کا معنی ہے اسے اس کے منہ کے بل گرا دیا تو ندا دی گئی: يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ آپ متوجہ ہوئے تو وہاں ایک مینڈھا کھڑا تھا، یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی عدم صحت کے بارے میں اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجوب کا اعتقاد کر لیا اور عمل کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ ذبح کی حالت ہے اور یہ مذبوح کی صورت ہے دونوں نے ذبح کی جگہ فدیہ دے دیا وہاں چھری کا چلنا نہیں۔ اس تاویل کی بنا پر فعل کے بجا لانے سے قبل نسخ کا ثبوت متحقق ہوتا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جوہری نے کہا: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ یعنی اسے پچھاڑا جس طرح تو کہتا ہے: کبه لوجهه اسے منہ کے بل گرا دیا۔ مہدوی نے کہا: تل کا معنی دھکا دینا اور گرانا ہے، اسی معنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: وتركوك لمتلك یہ لمصرعك کے معنی میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: فجاء بناقة كوماء فتلها وہ اونچی کہان والی اونٹنی لایا تو اسے بٹھایا۔ حدیث طیبہ میں ہے بینا أنا نائم أتيت بمفاتيح خزائن الأرض فتلت في يدي[1] اسی اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو وہ میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں ہیں۔ ابن انباری نے کہا: میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے تللت الرجل جب تو اسے گرائے۔ ابن اعرابی نے کہا: تو تیرے ہاتھ میں ڈال دی گئیں۔ تل کا معنی ڈالنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تل يتل جب اسے اٹھایا جائے تل يتل جب وہ گر جائے۔

بعض اہل اشارہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا پھر اپنے بچے کو محبت کی نظر سے دیکھا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب رؤیا اللیل جلد 2، صفحہ 1036

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبوب مشترک محبت پر راضی نہ ہوا تو اسے حکم دیا گیا: اے ابراہیم! میری رضا کی خاطر اپنے بیٹے کو ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آستین چڑھا لیں، چھری پکڑ لی، اپنے بیٹے کو پہلو کے بل لٹا دیا پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اپنی رضا کی خاطر مجھ سے یہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے ابراہیم! مقصود بیٹے کو ذبح کرنا نہیں تھا، مقصود یہ تھا کہ تو اپنے دل کو میری طرف پھیر دے جب تو نے اپنے دل کو کلیۃً میری طرف پھیر دیا تو ہم نے تیرا بیٹا تیری طرف لوٹا دیا ہے۔

کعب اور دوسرے علماء نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ان کے بیٹے کے ذبح کو دکھایا گیا تو شیطان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے اس مرحلہ میں آل ابراہیم کو آزمائش میں مبتلا نہ کیا تو میں ان میں سے کسی کو بھی آزمائش میں مبتلا نہ کر سکوں گا۔ شیطان نے ان کے سامنے ایک انسان کی شکل اختیار کی پھر اس بچے کی ماں کے پاس آیا، پوچھا: کیا تو جانتی ہے ابراہیم تیرے بیٹے کو کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ اس کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: ہرگز نہیں، وہ اس کے بارے میں اس سے زیادہ مشفق ہے۔ شیطان نے کہا: ابراہیم کا خیال ہے اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: اگر اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے تو اس کا اپنے رب کی اطاعت کرنا بہت اچھا ہے۔ پھر شیطان بچے کے پاس آیا کہا: کیا تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہا: وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اس کا گمان ہے کہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ بچے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے وہ اسے ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا: تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اللہ کی قسم! میرا گمان ہے کہ شیطان تیرے پاس نیند کی حالت میں آیا ہے اس نے تجھے تیرا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو پہچان گئے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! مجھ سے دور ہو جا، اللہ کی قسم! میں اپنے رب کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ ملعون نے ان سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، پھر درمیانی جمرہ کے پاس شیطان آیا، آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر آخری جمرہ کے پاس شیطان ان کے سامنے آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائے (1)۔

اس جگہ کے بارے میں اختلاف ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم پر۔ ایک قول یہ کیا گیا: منیٰ میں قربان گاہ میں جمروں کے پاس جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکریاں ماری تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے! یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، محمد بن کعب اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔

---

1۔ تفسیر بغوی ... جمرہ عقبہ کے پاس شیطان کے سامنے آیا تو آپ نے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔

سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ آپ نے منیٰ میں ثبیر پہاڑ کے نیچے چٹان پر ذبح کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: آپ نے شام میں ذبح کیا تھا جو بیت المقدس سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

پہلا قول اکثر بیان کیا گیا ہے کیونکہ احادیث میں یہ وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو کعبہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں ذبح کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اسلام کی ابتدائی دور میں اس مینڈھے کا سر اپنے دونوں سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا وہ خشک تھا۔

جس نے یہ کہا کہ ذبح کا عمل شام میں ہوا تھا اس نے سر کے لٹکانے کا یہ جواب دیا: ممکن ہے یہ شام سے مکہ کی طرف لایا گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ دنیا و آخرت میں شدائد سے چھٹکارے کے ساتھ انہیں جزا دیں گے یہ ظاہری و باطنی نعمت ہے یہ بلاء کہا جاتا ہے: ابلاہ اللہ ابلاء وبلاء جب وہ اس پر احسان کرے۔ بعض اوقات بلاء بھی کہا جاتا ہے زہیر نے کہا:

**فابلاھما خیر البلاء الذی یبلو** اس نے ان دونوں پر بہترین احسان وانعام کیا۔

ایک قوم کا گمان ہے یہ دونوں لفظوں کے ساتھ آیا ہے، دوسرے علماء نے کہا: بلاہ یبلوہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس کا امتحان لے اختبار کے لیے بلاہ یبلوہ استعمال کرتے ہیں اور ابتلاہ کے لیے یبلوہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ ابتلاء کی اصل یہ ہے کہ وہ بھلائی کی صورت میں ہو یا شر کی صورت میں جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً** (الانبیاء: 35) ابوزید نے کہا: یہ بھی اس آزمائش میں سے تھا کہ ان پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ کہا: یہ ایسی آزمائش تھی جو پسندیدہ نہ تھی۔

**مسئلہ نمبر 7**۔ ذبح مذبوح کا اسم ہے اس کی جمع ذبوح آتی ہے جس طرح طحن مطحون کا اسم ہے۔ ذبح فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے۔ عظیم سے مراد قدر و منزلت کی عظمت ہے اس سے عظیم الجثہ مراد نہیں اس کی قدر کو عظیم قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ذبح کا فدیہ دیا اس وجہ سے اس کی عظیم صفت ذکر کی کیونکہ وہ عمل قبول ہوا۔ نحاس نے کہا: لغت میں عظیم کا لفظ کبیر اور شریف کے لیے بولا جاتا ہے۔ اہل تفسیر نے کہا: یہاں یہ شریف کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا جو قبول ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو حضرت ہابیل نے قربانی کے طور پر پیش کیا تھا یہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت اسماعیل کا فدیہ دیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد مینڈھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا یہ چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ پہاڑی بکروں میں سے نر کو دیا گیا جو ثبیر پہاڑ سے نیچے اترا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اپنے بیٹے کے فدیہ کے طور پر ذبح کیا تھا؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا اسے پکڑا اسے ذبح کیا اور اپنے بیٹے کو آزاد کر دیا اور کہا: بیٹے! آج تو مجھے ہبہ کیا گیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ آپ

کیا گیا ہے آپ نے ذبح فدیہ یا ہوگی سے مراد پہاڑی نر ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ مینڈھے کو فدیہ کے طور پر دیا گیا۔

**مسئلہ نمبر 8**۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ غنم (بھیڑ بکری) کی قربانی اونٹ اور گائے سے افضل ہے؛ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، انہوں نے کہا: قربانیوں میں سے بہترین بھیڑوں میں سے نر ہے بھیڑوں میں سے مادہ، بکری کے نر سے بہتر ہے اور بکریوں میں سے نر اونٹ اور گائے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ یعنی جس کا جسم بھاری اور موٹا تھا یہ مینڈھا تو ہو سکتا ہے اونٹ اور گائے نہیں ہو سکتی۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا: میں نے نذر مانی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو قربان کروں؟ فرمایا: تیرے لیے ایک مینڈھا کافی ہے پھر یہ آیت پڑھی: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔

بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں مینڈھے سے افضل حیوان ہوتا تو اس کے ساتھ حضرت اسحاق کا فدیہ دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمگیں مینڈھوں کی قربانی دی جس کی اکثر قربانی دی جاتی ہے وہ مینڈھا ہی ہوتا ہے۔

ابن ابی شیبہ ابن علیہ سے وہ لیث سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ذبح سے مراد بڑی بکری ہے۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کونسی چیز افضل ہے قربانی یا اس کی قیمت کا صدقہ؟ امام مالک اور آپ کے شاگردوں کا نقطہ نظر ہے: قربانی افضل ہے مگر منیٰ میں کیونکہ وہ قربانی کی جگہ نہیں؛ یہ ابو عمر نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن منذر نے کہا: اسے ہم نے بلال سے روایت کیا ہے کہ کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ایک مرغے کی قربانی کروں ایک یتیم کے ہاتھ میں دے رہا جو خاک نشین ہے۔ محدث نے اس طرح کہا ہے، مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کی قربانی دوں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے کہ صدقہ افضل ہے یہی امام مالک اور ابو ثور کا قول ہے۔ اس میں دوسرا قول بھی ہے ابو عمر اور امام احمد بن حنبل نے کچھ اضافہ کیا ہے انہوں نے کہا: قربانی صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی نماز عید کی طرح سنت مؤکدہ ہے اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ نماز عید تمام نوافل سے افضل ہے اسی طرح سنن تمام نوافل سے افضل ہے۔ ابو عمر نے کہا: قربانی کی فضیلت میں آثار حسن مروی ہیں ان میں سے ایک سعید بن داؤد سے مروی ہے وہ ابو زبیر سے وہ مالک سے وہ ثور بن زید سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صلہ رحمی کے بعد کوئی نفقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے (قربانی کرنے) سے افضل نہیں" (1)۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے جو مالک سے مروی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: اے لوگو! قربانی دو اور خوش دلی سے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "جس نے بھی اپنی قربانی کو قبلہ رو کیا اس کا خون، اس کے سینگ اور اس کی اون قیامت کے روز اس کے میزان میں حاضر کیے جائیں گے کیونکہ خون اگرچہ مٹی میں واقع ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز قربانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا حساب دیا جاتا ہے"۔ ابو عمر نے یہ روایت کتاب "التمہید" میں ذکر کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یوم نحر کے اعمال

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 102

میں سے کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے (قربانی دینے) سے بہتر نہیں قیامت کے روز وہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذیشان مقام تک جا پہنچتا ہے خوش دلی سے قربانی دیا کرو"(1)۔ کہا: اس باب میں عمران بن حصین اور زید بن ارقم سے بھی یہ روایت مروی ہے یہ حدیث حسن ہے(7)۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ قربانی واجب نہیں بلکہ سنت اور معروف ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانی والے دن دو درہم دے کر مجھے بھیجتے میں ان کے لیے گوشت خرید کر لاتا اور کہتے: جس سے تو ملے تو اسے کہنا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قربانی ہے۔

ابو عمر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو مروی ہے کہ وہ قربانی نہیں دیا کرتے تھے اہل علم کے نزدیک اس کا مصداق یہ ہے کہ اس عمل پر دوام سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ عمل واجب و فرض ہے، وہ ائمہ تھے، بعد والے ان کی اقتدا کیا کرتے تھے دینی معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا کیونکہ یہ ہستیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے درمیان واسطہ تھیں ان کے لیے اس بارے میں ایسا اجتہاد جائز تھا جو کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

امام طحاوی نے اپنی مختصر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا: قربانی مقیم لوگوں پر واجب ہے جو قربانی پاتے ہوں اور شہروں میں مقیم ہوں مسافر پر واجب نہیں۔ کہا: آدمی پر اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے قربانی اسی طرح واجب ہے جس طرح اس پر اپنی ذات کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔

ابو عمر نے کہا: یہ امام مالک کا قول ہے۔ کہا: کسی کے لیے اسے ترک کرنا مناسب نہیں وہ مسافر ہو یا مقیم ہو اگر اسے ترک کیا تو اس نے بہت برا عمل کیا ہاں جب اس نے حج کیا ہو تو منیٰ میں حاجی کے لیے اسے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام شافعی نے کہا: تمام لوگوں پر سنت ہے منیٰ میں حاجیوں پر قربانی کرنا سنت ہے یہ واجب نہیں جو علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ قربانی دے کیونکہ جو واجب نہ ہو اس کے دوبارہ بجالانے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسرے علماء نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی دینے کا ارادہ کرے"(3)۔ انہوں نے استدلال کیا: اگر قربانی واجب ہوتی تو اس امر کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت بلال کا نقطہ نظر ہے۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، باب ما جاء فی فضل الاضحیۃ، جلد 1، صفحہ 180

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، باب ما جاء فی فضل الاضحیۃ، حدیث نمبر 1413، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، من اراد ان یضحی، صفحہ 234

**مسئلہ نمبر 11**۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جن جانوروں کی قربانی دی جا سکتی ہے ان کی آٹھ قسمیں ہیں: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (یعنی ان میں سے نر اور مونث)۔ ابن منذر نے کہا: حسن بن صالح سے مروی ہے کہا: جنگلی گائے کی سات افراد کی جانب سے قربانی دی جا سکتی ہے۔ ہرن کو ایک آدمی کی جانب سے قربانی دیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگر جنگلی بیل یا گائے پر واقع ہوتا ہے یا پالتو بیل جنگلی گائے پر واقع ہوتا ہے تو ان سے جنم لینے والا جانور قربانی نہیں دیا جا سکتا۔ اصحاب رائے نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ اس کا بچہ ماں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ابو ثور نے کہا: اس کی قربانی جائز ہے جب وہ اپنے رب کی طرف منسوب ہے (یعنی جب وہ انعام میں داخل ہے)۔

**مسئلہ نمبر 12**۔ ذبح کے وقت اور قربانی کا گوشت کھانے کے بارے میں مفصل گفتگو سورۃ الحج میں گزر چکی ہے۔
صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے دو سرمگیں سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے بسم اللہ شریف پڑھی اور تکبیر کہی اور اپنے پاؤں کو اس کی پہلیوں پر رکھا (1)"۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کہہ رہے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر۔ سورۃ الانعام میں حضرت عمران بن حصین کی حدیث گزر چکی ہے اور سورۃ مائدہ میں ذبح کرنے کا طریقہ اس کی وضاحت جس کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے مفصل گزر چکا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا۔ فرمایا: "اے عائشہ! چھری لاؤ" پھر فرمایا: "اسے پتھر پر تیز کرو" تو میں نے ایسا ہی کیا پھر حضور ﷺ نے چھری پکڑی اور اس مینڈھے کو پکڑا اسے پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا پھر کہا: بسم اللہ اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد (2) بسم اللہ، اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد (ﷺ) کی جانب سے قبول فرما پھر اسے چاشت کے وقت کھایا۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے حضرت حسن بصری قربانی کے بارے میں کہا کرتے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر ھذا منک ولک تقبل من فلان۔ بسم اللہ اللہ اکبر، یہ تیری جانب سے ہے تیرے لیے ہے اے اللہ فلاں سے قبول فرما۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے یہ کیا تو بہت اچھا کیا اگر اس نے اس طرح نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا تو یہ اسے کافی ہو جائے گا۔

امام شافعی نے کہا: ذبیحہ پر تسمیہ صرف بسم اللہ کے الفاظ ہیں اگر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے کسی چیز کا اضافہ کیا یا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر درود شریف پڑھا تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا یا کہا: اے اللہ! اسے مجھ سے قبول فرما یا فلاں کی جانب سے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لینا میرے نزدیک مکروہ ہے میرے نزدیک یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت کہے: اے اللہ! فلاں کی جانب سے اسے قبول فرما اگر اس نے بسم اللہ کہنے سے قبل یا ذبح کے لیے لٹانے سے قبل ایسا کہا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ کی حدیث اس قول کا رد کرتی ہے یہ بات پہلے گزر

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، التکبیر عند الذبح، جلد 2، صفحہ 835

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30

گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو کہا تھا: اللہ اکبر والحمد للہ تو یہ سنت کے طور پر باقی رہا۔

**مسئلہ نمبر 13**۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کن کن جانوروں کی قربانی سے بچنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہا: "چار" حضرت براء اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور کہتے میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے چھوٹا ہے لنگڑی: "جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو کانی جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، کمزور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو"(1)۔ امام مالک کے الفاظ ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں تھوڑے سے عیب میں اختلاف ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو غور سے دیکھیں اور ہم مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی نہ دیں کہا: "مقابلہ سے مراد ہے جس کے کان کی ایک طرف کٹی ہو، مدابرہ جس کے کان کی جانب کٹی ہوئی ہو، شرقاء جس میں شق ہے، خرقاء جس میں سوراخ ہو(2)" کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

موطا شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر ایسی قربانی اور بدن سے بچتے جو مسنہ نہ ہوں اور جن میں کوئی عیب ہو۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ قتبی نے کہا: لم تسنن کا معنی ہے جس کے دانت نہ نکلے ہوں گویا اسے دانت دیئے ہی نہیں گئے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: فلان لم یلبن یعنی اسے دودھ نہیں دیا گیا، لم یسمن اسے گھی نہیں دیا گیا، لم یعسل اسے شہد نہیں دیا گیا یہ ایسے ہی ہے جیسے قربانیوں میں ہتماء (جس کے اگلے دانت جڑ سے ٹوٹے ہوئے ہوں) سے منع کیا گیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی بکری کو قربانی دیا جائے جس کے سامنے کے دانت جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں جبکہ اس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے ٹوٹے ہوں اور وہ موٹی ہو: یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے اگر وہ بکری ابھی جوان ہو اور اس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اسے قربانی دینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا عیب خفیف نہیں نقصان سب کا سب کرر رہا ہے اس کی وضاحت اور تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے "اپنی سواریوں کو موٹا کرو کیونکہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں" (3)۔

**مسئلہ نمبر 14**۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس آدمی نے نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو نحر کرے گا یا اسے ذبح کرے گا تو وہ ایک مینڈھا اس کا فدیہ دے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے دوسری روایت بھی مروی ہے: وہ سو اونٹ ذبح کرے جس طرح عبد المطلب نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا تھا۔ امام شافعی نے یہ دونوں روایتیں ان سے نقل کی ہیں۔ قاسم بن محمد نے ان سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ وہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، ما لا یجوز من الاضاحی، جلد 1، صفحہ 181۔ ایضاً، حدیث 1417، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ ایضاً، سنن ابو داؤد، جلد 2، صفحہ 242، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ موطا امام مالک، کتاب الضحایا، صفحہ 485

3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 55

یمین کوئی ہو جائے گا۔ مسروق نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ امام شافعی نے کہا: یہ معصیت ہے وہ اس کی نذر ماننے پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے اولاد کے حق میں تو اس پر بکری ذبح کرنا لازم ہوگی اولاد کے علاوہ میں کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ امام محمد نے کہا: جس نے اپنے غلام کو نحر کرنے کی قسم اٹھائی تو اس پر اسی قسم کی چیز لازم ہوگی جیسی چیز اپنے بیٹے کو نحر کرنے کی وجہ سے لازم ہوتی تھی جب وہ اس قسم کو توڑے۔

ابن عبدالحکم نے امام مالک سے اس آدمی کے بارے میں روایت نقل کی ہے جو یہ کہتا ہے: میں اپنا بچہ مقام ابراہیم پر ذبح کروں گا، وہ یہ قسم اٹھاتا ہے پھر وہ اس قسم کو توڑ دیتا ہے تو اس پر ہدی لازم ہوگی۔ کہا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرے گا اور مقام ابراہیم کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ کہا: جس نے اپنے بیٹے کو ہدی بنایا تو اس کی جانب سے ہدی دے۔ قاضی ابن عربی نے کہا: اس پر بکری لازم ہوگی جس طرح امام ابو حنیفہ نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعی طور پر بچے کے ذبح کرنے کو بکری کا ذبح کرنا بنادیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بچے کو ذبح کرنا لازم کیا تھا اور مینڈھے کے ذبح کرنے کے ساتھ اسے اس حکم سے فارغ کر دیا اسی طرح جو کوئی غلام اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ بکری بھیڑ وغیرہ ذبح کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِّلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج: 78) ایمان ایسی چیز ہے جو اصلاً لازم ہے اور نذر ایسی چیز ہے جو شرعی طور پر لازم ہے تو ضروری ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے ذبح کا حکم دیا جا سکتا ہے جبکہ یہ معصیت ہے اور معصیت کا حکم جائز نہیں ہوتا؟

ہم کہتے ہیں: یہ کتاب اللہ پر اعتراض ہے جو آدمی اسلام پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ حلال و حرام کے بارے میں کیسے فتویٰ دے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اس بارے میں جو چیز لوگوں کے دلوں سے اس التباس کو دور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ معاصی اور طاعات اعیان کے ذاتی اوصاف نہیں۔ بے شک طاعات وہ چیزیں ہیں کہ جس فعل کے ساتھ امر متعلق ہو اور معصیت سے مراد وہ چیز ہے کہ جس فعل کے ساتھ نہی متعلق ہو جب امر اس چیز سے متعلق تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں تو یہ طاعت اور آزمائش ہوگی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۞ کیونکہ بچے اور نفس کو ذبح کرنے پر صبر کرنا تھا جب ہمارے بارے نہی اس چیز سے متعلق ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں تو یہ معصیت ہوگی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ نذر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ معصیت ہے؟ ہم اس کا جواب یوں دیں گے: یہ معصیت ہوتی اگر وہ نذر کی وجہ سے بچے کے ذبح کا قصد کرتے اور وہ فدیہ کی نیت نہ کرتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر ایسا واقع ہو جائے اس نے معصیت کا قصد کیا ہو اور فدیہ کی نیت نہ کی ہو؟ ہم کہیں گے: اگر اس نے اس کا قصد کیا ہو تو یہ چیز اس کے قصد میں اسے کوئی نقصان نہ دے گی اور اس کی نذر میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ بچے کی نذر شرعی طور پر بھیڑ بکری کے ذبح کی صورت بن گئی ہے۔

**مسئلہ نمبر 15۔** وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۞ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی ہم نے

ان کے بعد کی امتوں میں اچھی تعریف چھوڑی ہے کوئی بھی امت نہیں مگر وہ آپ پر درود پڑھتی ہے اور ان سے محبت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ (الشعراء) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہے یعنی ہماری طرف سے سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے آفات سے سلامتی ہے جس طرح ارشاد فرمایا: سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ یعنی ان مومن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عبودیت کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کے مستحق بن گئے۔

**مسئلہ نمبر 16** - وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی نبوت کی بشارت دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بشارت دو دفعہ دی گئی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کہ انہیں نبوت کی بشارت اس بنا پر دی گئی کہ انہوں نے صبر کیا اپنے رب کے حکم پر راضی ہوئے اور سر اطاعت خم کر دیا تو جزا کے طور پر یہ انعام ہوا۔

وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ یعنی ہم نے ان دونوں پر نعمت کو دگنا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کی اولاد کو زیادہ کر دیا یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر برکتیں نازل کیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو ان کی پشت سے نکالا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ میں ضمیر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ مفضل نے کہا: صحیح جس پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیح کے قصہ کو بیان کیا جب قصہ کے آخر میں کہا: وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ پھر فرمایا: سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ فرمایا: وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ۔ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا تھا پھر کہا: وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا یہ اس امر پر دال ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے۔ راوی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کرتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑے تھے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی جب نص سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی تو بے شک ذبیح بھی حضرت اسحاق علیہ السلام ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دو دفعہ دی گئی: (1) بچے کی ولادت کی (2) اس کی نبوت کی جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اور نبوت بڑھاپے میں ہوئی۔

نَبِيًّا حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور عَلَيْهِ میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں تک کہ ضمیر ان کی طرف لوٹے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ کی سند سے یہ مروی ہے کہا میں نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یوں خطاب کرتے ہوئے سنا: یا ابن الذبیحین نبی کریم ﷺ ہنس پڑے پھر حضرت معاویہ نے کہا: حضرت عبدالمطلب نے جب بئر زمزم کو کھودا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس معاملہ کو آسان کر دیا تو وہ ضرور اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کنویں کے معاملہ کو ان کے لئے آسان کر دیا تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ ان کے ماموؤں نے حضرت عبدالمطلب کو اس امر سے روکا انہوں نے کہا: اپنے بیٹے کا فدیہ دو۔ حضرت عبدالمطلب نے سو اونٹوں کا فدیہ دیا پھر حضرت عبداللہ ذبیح ہوئے حضرت اسماعیل دوسرے ذبیح ہیں۔ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کی سند ثابت نہیں جس طرح ہم نے کتاب الاعلام فی معرفۃ مولد المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ (البقرۃ:133) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ (یوسف:100) وہ دونوں اس کے والد اور اس کی خالہ تھی اسی طرح فرزدق شاعر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس کی سند صحیح ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرزدق کی ذات میں ہی اعتراض کی گنجائش موجود ہے؟

**مسئلہ نمبر 17۔** وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ جب اولاد میں کثرت اور برکت کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے کچھ سیاہ کار ہو گئے، سیاہ کار کو نبی کا بیٹا ہونا کوئی نفع نہ دے گا (1) یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اور عرب اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں تب بھی محسن اور مسیٔ، مومن اور کافر میں فرق ضروری ہے قرآن حکیم میں ہے: وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ:18)

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ نَجَّیْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ اٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ هَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

"ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر۔ اور ہم نے بچا لیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم والم سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخشی دی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیکوکار

1۔ ظاہر: ظاہری صورت میں ہی یہ شعر کوئی نفع نہ دے گا اور نہ گناہگار کے لئے قرابت ثابت ہے۔ (مترجم)

سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یہی قراءت کی وان ادریس؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ کہا: حضرت عبداللہ کے مصحف میں وان ادریس لمن المرسلین تھا حضرت عبداللہ بن مسعود یہ قول کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اس سے مراد حضرت یسع کے چچا ہیں(1)۔ ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات کے نگران حضرت کالب بن یوقنا تھے پھر حضرت حزقیل تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل کی روح قبض کر لی تو بنی اسرائیل میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو نبی بنا کر مبعوث کیا اور حضرت یسع ان کے پیچھے آئے وہ حضرت الیاس پر ایمان لائے جب بنو اسرائیل نے ان پر سرکشی کی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان سے نجات عطا کریں تو انہیں کہا گیا: فلاں دن فلاں جگہ کی طرف نکلو جو چیز بھی تیرے سامنے آئے اس پر سوار ہو جاؤ اور اس سے خوفزدہ نہ ہونا۔ آپ نکلے اور ان کے ساتھ حضرت یسع بھی تھے عرض کی: اے الیاس! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت الیاس نے اوپر کی جانب سے ان کے اوپر اپنی چادر پھینک دی۔ یہ بنی اسرائیل پر انہیں نائب بنانے کی علامت تھی۔ یہ حضرت الیاس کا حضرت یسع کے ساتھ آخری وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام سے کھانے اور پینے کی لذت کو ختم کر دیا اسے پر عطا کیے اور نور کا لباس پہنایا اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ گئے وہ انسان، فرشتہ آسمانی اور زمینی ہو گئے(2)۔

ابن قتیبہ نے یہ ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا: مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی: تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے اور مجھ سے موت کے ذائقے کو مؤخر کر دے تو وہ فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے۔ بعض نے کہا: آپ پریشان ہوئے اور موت کی آہٹ کو محسوس کیا اور روئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: تو کیوں روتا ہے؟ دنیا کی حرص میں یا موت کی گھبراہٹ سے یا آگ کے ڈر سے؟ عرض کی: نہیں، تیری عظمت و جلال کی قسم! ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ میری گھبراہٹ یہ ہے میرے بعد حمد کرنے والے کیسے حمد کریں گے جبکہ میں تیری حمد نہیں کروں گا؟ میرے بعد ذکر کرنے والے کیسے تیرا ذکر کریں گے جبکہ میں تیرا ذکر نہیں کروں گا؟ میرے بعد روزے دار کیسے روزے رکھیں گے جبکہ میں روزہ نہ رکھوں گا؟ وہ کیسے تیری نماز پڑھیں گے جبکہ میں نماز نہیں پڑھوں گا؟ اسے کہا گیا: اے الیاس! میری عزت کی قسم میں تجھے اس وقت تک مہلت دوں گا جس میں کوئی ذاکر میرا ذکر نہیں کرے گا یعنی قیامت کے دن تک تجھے مہلت دوں گا۔

عبدالعزیز بن ابی رواد نے کہا: حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت المقدس میں رمضان شریف کے مہینہ کے روزے رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں۔ ابن ابی دنیا نے ذکر کیا ہے کہ جب حج کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ما شاء اللہ ما شاء اللہ جو نعمت بھی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ما شاء اللہ ما شاء اللہ توکلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل سورۂ کہف میں گزر چکا ہے۔

---

1۔ تفسیر بغوی

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 64

کو کہتے ہوئے سنا جو منیٰ میں اونٹنی بیچ رہا تھا: من بعل هذه یعنی اس کا مالک کون ہے؟ اسی وجہ سے خاوند کو بعل کہتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا:

ورأیت بعلك في الوغى متقلدا سیفا ورمحا

میں نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزہ لٹکائے ہوئے تھا۔

مقاتل نے کہا: بعل سے مراد وہ بت ہے جسے حضرت الیاس نے توڑا اور ان لوگوں کے پاس سے بھاگ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بت سونے کا تھا اس کی لمبائی بیس ہاتھ تھی اس کے چار منہ تھے اس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہوئے، لوگوں نے اس بت کی تعظیم کی یہاں تک کہ اس کی خدمت پر سو آدمی لگائے اور ان افراد کو اس کے انبیاء بنایا۔ شیطان بعل کے پیٹ میں داخل ہوتا اور گمراہی کی باتیں کرتا خدام انہیں یاد کرتے اور لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتے۔ یہی لوگ شام کے علاقہ میں بعلبک کہلاتے اسی وجہ سے ان کے شہر کا نام بعلبک پڑ گیا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ ۝ اس کو چھوڑ دیتے ہو جو تمام ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بہترین خالق ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ بہترین صانع ہے کیونکہ لوگ بناتے ہیں تخلیق نہیں کرتے۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ تینوں اسماء منصوب ہیں۔ ربیع بن خثیم، حسن بصری، ابن ابی اسحاق، ابن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابو عبید نے کہا: یہ صفت تھا۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ بدل کی حیثیت سے منصوب ہیں یہاں صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہاں تحلیہ نہیں۔

ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم، ابو جعفر، شیبہ اور نافع نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے هو الله ربکم نحاس نے کہا: جو بات اس میں سے بہترین ہے وہ یہ ہے کلام مبتدا خبر ہے بغیر اضمار کے اور نہ ہی حذف ہے۔

میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا کہ وہ اس طرف گئے ہیں: رفع دینا زیادہ بہتر اور اچھا ہے کیونکہ اس سے قبل آیت کا سرا ہے جس کے بعد سے کلام شروع کرنا اولیٰ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے نصب دی یا رفع دیا اس نے اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ پر مکمل وقف نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس سے مراد ہے۔

حضرت الیاس کی قوم کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے حضرت الیاس کو جھٹلایا وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے مگر ان کی قوم کے مخلص لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اسے المخلصین پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اعرج، شیبہ اور نافع کی قراءت آل یاسین ہے۔ عکرمہ، ابو عمرو، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الیاسین قراءت کی ہے حضرت حسن بصری نے سلام علی الیاسین الف کو وصلی کرتے ہوئے پڑھا ہے گویا اصل میں یاسین تھا اس پر الف، لام تعریف کا داخل ہوا ہے اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں انہی پر سلام واقع ہوا ہے لیکن یہ عجمی اسماء میں منصوب ہو جاتے ہیں اور آخر اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 65

ابن جنی نے کہا: عرب عجمی اسماء میں کھیلتے رہتے ہیں یاسین، الیاس اور یاسین ایک ہی چیز ہے۔ زمخشری نے کہا: جب وصل کرتے تو نصب دیتے اور جب وقف کرتے تو رفع دیتے اسے علی الیاسین، ادریسین، ادرسین اور ادراسین پڑھتے یہ الیاس اور ادریس کی لغتیں ہیں شاید سریانی زبان میں یاء اور نون کی زیادتی کی کوئی علت ہو۔ جہاں تک اس نے کہا: جس نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس نے اس کا نام الیاس اور یاسین بتایا ہے پھر اس کی آل سے مراد اس کے شہر والوں اور دوسرے قریب والے تھے ان پر سلام بھیجا اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جب اس کی وجہ سے ان کی آل پر سلام بھیجا گیا تو وہ بھی سلامتی میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوئے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللھم صل علی آل ابی اوفی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (غافر) جس نے الیاسین پڑھا ہے علماء نے اس میں کئی قول کیے۔ ہارون نے ابن ابی اسحاق سے روایت نقل کی ہے کہ الیاسین ابراہیم کی مثل ہے وہ اسی طرف گیا ہے کہ یہ نام ہے۔ ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ جمع سالم ہے کیونکہ ان سے مراد ان کے اہل بیت پر سلام بھیجا گیا ہے اس نے یہ شعر پڑھا ہے:

قدنی من نصر الخبیبین قدی

یہ کہا جاتا ہے قدنی اور قدی دو لغتیں ہیں ان کا معنی حسب ہے (کافی ہے) وہ اس سے عبداللہ بن زبیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کو جمع بنایا کہ جو بھی ان کے طریقہ پر تھا وہ اس کے ساتھ ہے۔ ابو عبیدہ کے علاوہ نے اسے الخبیبین تثنیہ کے ساتھ نقل کیا ہے اس سے مراد عبداللہ اور مصعب ہیں علی بن سلیمان اس سے زیادہ وضاحت کرتے ہیں کہا: عرب کسی قوم کا نام اپنے میں سے کسی ایک مشہور آدمی کے نام پر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: مہالبہ انہوں نے اپنے میں سے ہر آدمی کا نام مہلب کے نام پر رکھا۔ اسی طرح سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ۝ ہے۔ ان میں سے ہر ایک الیاس کا نام دیا گیا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس میں سے کچھ ذکر کیا ہے مگر اس نے یہ ذکر کیا عرب یائے نسبت کے طریقہ پر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اشعرون یہ اس سے وہ نسبت کا ارادہ کرتے ہیں۔

جوہری نے کہا: جس نے الیاسین پڑھا تو یہ جمع کا صیغہ ہے جس طرح جمع تکسیر میں سے یائے نسبت حذف ہو جاتی ہے جس طرح مہالبہ، مہلبی کی جمع ہے اسی طرح جمع سالم میں بھی اسی طرح حذف ہے۔ یہی مہلبون کہا ہے۔ سیبویہ نے حکایت کی ہے۔ اشعرون، نمیرون اس سے وہ اشعریین اور نمیریین مراد لیتے ہیں۔

سہیلی نے کہا: یہ صحیح نہیں بلکہ یہ الیاس میں لغت ہے جو کچھ انہوں نے کہا اگر اس کا ارادہ ہوتا تو الف لام داخل کیا جاتا جس طرح المہالبہ اور الاشعریین میں داخل کیا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ؛ کیونکہ علم جب جمع بنا دی جاتی ہے تو وہ نکرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر الف لام داخل کیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہا جاتا سلام علی زیدین بلکہ تو کہتا ہے: سلام علی الزیدین۔

الیاس کے لفظ میں تین لغتیں ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ نے اپنی قرأت میں سلام علی الیاسین سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ بھی آپ کا نام ہے جس طرح الیاس ان کا نام ہے کیونکہ صورت میں ان کے علاوہ کسی آل پر سلام نہیں جس طرح دوسرے انبیاء کا نام ذکر کیا گیا ہے اسی طرح ان کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استدلال اصل میں ابو عمرو کا ہے جو غیر لازم ہے

کیونکہ اہل لغت کے قول کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا جائے تو اس کی ذات پر بھی سلام ہوتا ہے۔ یہ قول کہ اس کا نام الیاسین تھا وہ دلیل اور روایت کا محتاج ہے اس معاملہ میں اشکال واقع ہو گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے سلام علی یاسین اس میں الف اور لام کو ساقط کر دیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (1) اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (2) اس سے مراد حضرت یاسین کی آل ہے اس تعبیر کی بنا پر یاسین میں زیادتی میں دو حکمتیں ہیں: (1) اس لئے زیادتی کی گئی تاکہ آیات برابر ہو جائیں جس طرح ایک موقع پر طور سینا اور دوسرے موقع پر طور سینین فرمایا، اس صورت میں سلام ان کے اہل پر ہوگا اور ان کی ذات پر نہیں ہوگا اس صورت میں اضافت شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

(2) جمع کرنے کے لیے داخل ہوا ہے پس حضرت یاسین بھی ان میں داخل ہیں پس سلام ان پر اور ان کی آل پر ہوگا کلبی نے کہا: متکلمین نے معانی القرآن میں کہا: آل یاسین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ اس قول کی طرف وہ گئے ہیں جنہوں نے یٰسٓ کی تفسیر میں کہا: یا محمد! یہ قول بہت سی وجوہ سے باطل ہے۔

(1) یہاں کلام الیاسین کے قصہ میں ہے تو لازم ہے کہ یہ اس طرح ہو جس طرح حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصہ میں ہے اور سلام ان پر لوٹ رہا ہے یہاں بھی سلام الیاس کی طرف لوٹنے کا کلام کو مقصود سے نکالنے کا کوئی معنی نہیں۔ اگر یہ قول کیا بھی جائے تو یہ کسی اور آیت میں بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ اس قول میں ضعف موجود ہے کیونکہ یٰسٓ، حٰمٓ اور الٓمٓ وغیرہ ان سب میں ایک قول ہے وہ یہ کہ یہ حروف مقطعات ہیں، یا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ماخوذ ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یا قرآن کی صفات سے ماخوذ ہیں یا اس طرح جس طرح امام شعبی نے کہا ہے: اللہ کی ہر کتاب میں راز ہیں قرآن حکیم میں اس کا راز سورتوں کے آغاز ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لی خمسۃ اسماء(1) میرے پانچ نام ہیں ان میں یٰسٓ کا ذکر نہیں ہے نیز یٰسٓ میں تلاوت سکون اور وقف کی صورت میں آتی ہے اگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہوتا تو یہ مضموم ہوتا یاسین جس طرح فرمایا: یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ (یوسف: 46) پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ سے یہ قول باطل ہو گیا تو الیاسین وہ مذکور الیاس ہے اور اسی پر سلام ہے۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا: یہ ادریس اور ادراسین کی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ اس طرح ہے وان ادریس لمن المرسلین پھر فرمایا: سلام علی ادراسین۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

"اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ یاد کرو جب ہم نے بچا لیا انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 501

کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان کے اجڑے دیاروں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے"۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ پہلے گزر چکا ہے یعنی بعد والوں کو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا و إنكم میں عربوں کو خطاب ہے یعنی تم صبح کے وقت ان کے مکانات اور آثار کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کے وقت بھی تم گزرتے رہتے ہو کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور تدبر نہیں کرتے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

"اور بے شک یونس بھی ہمارے رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف سوار ہونے کے لئے پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے پس نگل لیا انہیں مچھلی نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ حضرت یونس ہی ذوالنون ہیں جو متی کے بیٹے ہیں یا ای بوڑھی کے بیٹے ہیں جس کے پاس حضرت الیاس علیہ السلام ٹھہرے تھے چھ ماہ تک حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپے رہے جبکہ حضرت یونس دودھ پیتے بچے تھے حضرت یونس علیہ السلام کی والدہ خود ہی ان کی خدمت کرتی اور مؤانست کیا کرتی تھی اور جس پر بھی قادر ہوتی حضرت الیاس کی تکریم کی خاطر ذخیرہ نہ کرتی۔ حضرت الیاس علیہ السلام گھر والوں کی تنگی سے اکتا گئے اور پہاڑوں کی طرف نکل دیئے۔ اس عورت کا بیٹا حضرت یونس فوت ہو گیا وہ عورت حضرت الیاس کے پیچھے نکل کھڑی ہوئی وہ ان کے پیچھے پہاڑوں میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ انہیں تلاش کر لیا اس عورت نے سوال کیا کہ وہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے بیٹے کو زندہ کر دے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بچے کی وفات کے چودہ دن بعد آئے وضو کیا نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی کو حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے زندہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینویٰ کی جانب بھیجا جو موصل کے علاقہ میں بستی تھی وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر وہ غائب ہوئے جیسا کہ اس کی وضاحت سورۂ یونس میں اور سورۂ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ کی حالت میں وہاں سے نکل جانے کے بارے میں گزر چکی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس سے قبل تھی جب مچھلی نے انہیں نگلا تھا یا اس کے بعد ہوئی تھی۔

طبری نے شہر بن حوشب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئے فرمایا: نینویٰ کے پاس جاؤ انہیں خبردار کرو کہ عذاب ان کے پاس آنا چاہتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں سواری تلاش کر لوں حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں جوتے تلاش کر لوں؟ حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں آگئے کشتی کی طرف چلے اور اس میں سوار ہو گئے جب کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی رک گئی جاتی تھی اور نہ پیچھے ہوتی تھی کہا: انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا مچھلی دم ہلاتی ہوئی آئی تو مچھلی کو ندا کی گئی: اے مچھلی! ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کے لئے پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے مچھلی نے انہیں وہاں سے لقمہ بنا لیا یہاں تک کہ وہ ابلہ سے گزری پھر وہ انہیں لے کر چلی یہاں تک کہ دجلہ کے پاس سے گذری پھر وہ چلی یہاں تک کہ انہیں نینویٰ میں جا پھینکا۔

حارث، حسن سے وہ ابو ہلال سے، وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت شروع ہوئی تھی جب مچھلی نے انہیں باہر پھینکا تھا۔ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ رسول، اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر نہیں نکلتا جو کچھ ہوا وہ نبوت سے پہلے تھا۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: یہ واقعہ اس کے بعد ہوا کہ آپ نے لوگوں کو دعوت دی جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا تھا آپ نے لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا انہیں رسالت کی تبلیغ کی تھی لیکن ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب جس سے تمہیں وہ ڈرا رہے ہیں ایک مخصوص وقت میں ان پر نازل ہوگا۔ جب لوگ توبہ تائب نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف نہ لوٹے تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو گئے جب قوم پر عذاب سایہ فگن ہو گیا اور ان پر چھا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سے عذاب کو اٹھا لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا اس عذاب کے اٹھ جانے اور ان کی سلامتی کی خبر پہنچی تو اس وجہ سے وہ غضبناک ہو گئے کہا: میں نے ان سے وعدہ کیا تھا تو اس نے مجھے جھٹلا دیا اور زیادتی کی۔ وہ اپنے رب سے سخت ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور ان کی طرف لوٹنے کو ناپسند کیا جبکہ لوگوں نے ان کے جھوٹے ہونے کا تجربہ کر لیا تھا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے اور وہی صحیح ہے جس طرح اس کا ذکر ہوا۔ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں آنے کا لفظ یونس منصرف نہیں کیونکہ یہ عجمی نام ہے اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا اگرچہ اس کے آغاز میں یاء ہے کیونکہ افعال میں یفعل کا وزن نہیں جس طرح تو کسی کا نام یعفر رکھے تو تو اسے منصرف پڑھے گا اگر تو کسی کا نام یعفر رکھے تو تو اسے منصرف نہیں پڑھے گا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ مبرد نے کہا: ابق کا اصلی معنی دور ہونا ہے اسی سے غلام آبق ہے دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: حضرت یونس علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر لوگوں سے چھپتے ہوئے نکل گئے تھے۔

مشحون کا معنی ہے بھری ہوئی۔ فلک مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے، واحد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ترمذی حکیم نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کا نام آبق رکھا کیونکہ وہ عبودیت سے بھاگ گئے تھے کیونکہ عبودیت کا مفہوم ہے خواہش نفس کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کے امور کے موقع پر اپنی جان قربان کر دینا۔ جب فرشتے کی جانب سے سختی ہوئی تو انہوں نے اپنے نفس کی قربانی نہ دی جس کی وضاحت سورۃ الانبیاء میں پہلے گزر چکی ہے اور اپنی خواہش نفس کا لحاظ رکھا تو ان پر آبق کا نام لازم آ گیا۔ فرشتوں کی جانب سے سختی اللہ تعالیٰ کے امر میں تھی، اپنی ذات کے امر میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حق سے سختی اپنے حق کے متعلق نہ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو درست بات تھی اس کو نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے سے آبق اور ملیم کا نام دیا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** مبرد نے فساہم کا معنی کیا ہے اس نے قرعہ اندازی کی اس کی۔ مدحضین وہ تیر ہیں جو قرعہ سے جاتے رہیں۔ وہ مغلوبین میں سے ہو گیا (1)۔ فراء نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے دحضت حجتہ وادحضہا غیرہ۔ اس کا اصل معنی پھسلنا ہے۔ شاعر نے کہا:

قتلنا المدحضین بکل فج ... فقد قرت بقتلہم العیون (2)

ہم نے ہر ایک راستہ پر مغلوبین کو قتل کیا، ان کے قتل سے آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

**مسئلہ نمبر 4۔** مچھلی نے اسے نگل لیا جب اس نے ایسا کام کیا جس پر ملامت کی جاتی ہے۔ ملیم سے مراد ہے جس کی ملامت کی جائے وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملیم کا معنی جس میں عیب ہو۔ جب کوئی آدمی گناہ کرے اور اس عمل کی وجہ سے عیب دار ہو جائے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے: الام الرجل۔

**فَلَوْلَآ اَنَّهٗ** کسائی نے کہا: یہاں ان کے ہمزہ کو لام کے داخل ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں دیا کیونکہ یہ لام ان کے لئے نہیں۔ نحویوں نے کہا: بات اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہی، لام یہ تو لولا کے جواب میں ہے۔ **مسبحین** کا معنی ہے نماز پڑھنے والے۔

اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتا تو بطور سزا قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتا حتی کہ مچھلی کا پیٹ قیامت تک اس کی قبر ہوتا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ سدی، کلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: چالیس دن۔ ضحاک نے کہا: بیس دن۔ عطا نے کہا: سات دن (3)۔ مقاتل بن حیان نے کہا: تین دن (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک ساعت۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** طبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس کو محبوس کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی کی کہ تو انہیں پکڑ لے اور ان

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 67 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 68 | 4۔ ایضاً

کے گوشت کو خراش نہ لگانا اور اس کی ہڈی کو نہ توڑنا۔ مچھلی نے اسے پکڑ لیا پھر سمندر میں اپنے مسکن میں جا پہنچی جب وہ سمندر کے انتہائی گہرے حصہ میں پہنچی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کچھ آواز محسوس کی تو اپنے دل میں خیال کیا یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ تو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی فرشتوں نے اس کی تسبیح سنی انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقے سے ایک کمزور سی تسبیح سن رہے ہیں فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے اس نے میری نافرمانی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: تیرا وہ نیک بندہ جس کے ہر روز تیری بارگاہ میں نیک اعمال بلند ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں، فرشتوں نے اس کے حق میں سفارش کی، مچھلی کو حکم دے دیا گیا کہ اسے ساحل پر اس بچے کی طرح پھینک دے جس کا نفس ہو جس کا گوشت اور ہڈیاں ایک ہو چکی ہوں۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اس نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا ہوا تھا جس میں حضرت یونس علیہ السلام سانس لے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کر رہے تھے وہ مچھلی ان سے جدا نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ خشکی تک جا پہنچی مچھلی نے آپ کو صحیح و سالم باہر پھینک دیا ان کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی تو سب لوگ مسلمان ہو گئے؛ زمخشری نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مجھے کئی ساتھیوں نے امام الحرمین ابوالمعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف جوینی سے یہ واقعہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس سمت میں ہے؟ فرمایا: نہیں وہ اس سے بالا ہے۔ پوچھا گیا: اس پر دلیل کیا ہے؟ فرمایا: اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی تم مجھے حضرت یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔ ان سے پوچھا گیا: اس حدیث میں دلیل کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: میں وہ نہیں بتاؤں گا یہاں تک کہ میرا یہ مہمان ہزار دینار لے لے جس کے ساتھ اپنا قرضہ ادا کر لے۔ دو آدمی اٹھے انہوں نے کہا: یہ ہم پر لازم ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ دو کا پیچھا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پر شاق گزرے گا ان میں سے ایک نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے۔

آپ نے فرمایا: حضرت یونس بن متی نے اپنے آپ کو سمندر میں پھینکا مچھلی نے انہیں لقمہ بنا لیا وہ سمندر کی گہرائی میں تین تاریکیوں میں جا پہنچے اور یوں ندا کی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سبز رفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے بلندیوں پر چڑھے یہاں تک کہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سے قلموں کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے مناجات کی جو مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جو وحی کی اس وقت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ قریب نہ تھے جبکہ وہ سمندر کی تاریکی میں مچھلی کے پیٹ میں تھے۔

**مسئلہ نمبر 6**۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس کے سواروں کو سخت ہوا نے آلیا انہوں نے کہا: یہ تم میں سے کسی کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا جبکہ وہ جان چکے

تھے کہ غلطی انہی کی ہے، یہ میری غلطی ہے مجھے سمندر میں پھینک دو، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ قرعہ اندازی کر لیں انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ان کے نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ مصیبت میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ دوبارہ قرعہ ڈالیں تو قرعہ انہیں کے نام نکلا انہوں نے پھر بھی انہیں سمندر میں پھینکنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ تیسری بار قرعہ ڈالیں تو پھر بھی قرعہ انہیں کے نام نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا یہ رات کا وقت تھا تو ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو نقاب اوڑھ لیا اور سو گئے کشتی والے چلے ابھی تھوڑی دور بھی نہ گئے تھے کہ ہوا نے انہیں آلیا قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی کشتی والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی انہوں نے کہا: اس سوئے آدمی کو جگاؤ یہ بھی ہمارے ساتھ دعا مانگے حضرت یونس نے ان کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو دور کر دیا حضرت یونس علیہ السلام پھر اپنی جگہ کی طرف چلے گئے اور سو گئے پھر ہوا آگئی قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو بیدار کیا اور سب نے دعا کی تو ہوا ختم ہو گئی کہا: وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک مچھلی جس کا سر بہت بڑا تھا بلند ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ کشتی کو ہی نگل جائے تو حضرت یونس علیہ السلام نے لوگوں کو کہا: اے میری قوم! یہ میری وجہ سے ہے اگر تم مجھے سمندر میں پھینک دو تو تم چلتے رہو گے اور تم سے ہوا اور خوف دور ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی کر لیں۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اسے سمندر میں پھینک دیں گے لوگوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت آئی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم ایک دفعہ پھر قرعہ ڈال لیں انہوں نے ایسا ہی کیا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی نکلا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت پہنچی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿﴾ کا یہی معنی ہے یعنی قرعہ ان کے نام پڑا ہوا۔ وہ انہیں لے کر کشتی کے سامنے والے حصہ کی طرف گئے تا کہ اسے پھینک دیں کیا پاتے ہیں ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی پھر وہ اسے کشتی کی ایک طرف لے گئے تو وہاں ایک مچھلی تھی پھر اسے لے کر دوسری جانب گئے تو وہاں بھی ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی جب یہ دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا تو مچھلی نے انہیں نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی: میں نے اسے تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کا برتن بنا دیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے تو انہوں نے تاریکیوں میں یہ دعا کی: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے (1)، پھر بھی آئے گی۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتوں میں قرعہ کا عام معمول تھا ہماری شریعت میں بھی یہ معمول ہے جس طرح سورۂ آل عمران میں آیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 67

ابن عربی نے کہا: شریعت میں تین مقامات پر قرعہ کا ذکر آیا ہے (1): (1) نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(2) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک آدمی نے چھ غلام آزاد کر دیئے ان کے علاوہ اس کا کوئی مال نہ تھا نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو دو کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رہنے دیا۔

(3) دو آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں میراث کا جھگڑا کیا جس کے آثار مٹ چکے تھے فرمایا: "دونوں جاؤ حق کو تلاش کرو قرعہ ڈالو اور تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے اس کو حلال کر دے"۔ یہ تین مواقع ہیں وہ نکاح میں باری، آزادی اور تقسیم ان میں قرعہ کا جاری ہونا اشکال کو دور کرنے اور خواہش کی مرض کو ختم کرنے کے لئے ہے۔

جنگ کے موقع پر بیویوں میں قرعہ اندازی نکالنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے (2) اس بارے میں دو قول ہیں: (1) صحیح یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی جائے؛ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کو سفر پر لے جانا ممکن نہیں ان میں سے ایک کا انتخاب ترجیح بلا مرجح ہے اس لیے قرعہ کی صورت ہی رہ جاتی ہے، چھ غلاموں میں بھی یہی صورتحال تھی کیونکہ ان میں سے دو ایک تہائی بنتا ہے یہ وہ مقدار ہے جس کی مرض موت میں آزادی جائز ہے بعض کو خواہش نفس اور حسن پسندی شرعاً جائز نہیں تو قرعہ کے بغیر کوئی صورت باقی نہ رہی اسی طرح وہ جھگڑا جو وراثت کے مال کی ذات میں ہوا تھا تو قرعہ کے بغیر حق کو کوئی امتیاز عطا نہیں کرتا تھا پس جب مشکل پڑ جائے تو قرعہ ہی مستحق کی تعیین میں اصل بن گیا۔

کہا: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہر مشکل میں یہ جاری ہو گا پس یہی اس کو زیادہ واضح کرنے والا، حکم میں قوی، اشکال کی صورت کو دور کرنے میں نمایاں ہو گا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: بیویوں میں طلاق میں قرعہ لونڈی میں آزادی میں قرعہ کی طرح ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** سمندر میں کسی آدمی کو پھینکنے کے لئے قرعہ اندازی کرنا جائز نہیں یہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے زمانہ میں دلیل کے ثبوت اور ایمان کی زیادتی کی وجہ سے تھا جو آدمی گناہ گار ہوتا ہے قتل کرنا اور اسے آگ یا سمندر میں پھینک دینا جائز نہیں بلکہ اس کے جرم کے مطابق حد یا تعزیر جاری ہو گی۔ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ سمندر جب قوم کو خوفزدہ کر دے وہ کشتی کو ہلکا کرنے پر مجبور ہو جائیں تو قرعہ ڈالا جائے گا اور کچھ کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ قول فاسد ہے کیونکہ بعض افراد کو سمندر میں پھینک دینے سے بوجھ ہلکا نہیں ہو گا۔ یہ صرف اموال کو پھینکنے میں اپنایا جائے گا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں میں سے تھے اور ان کی تسبیح ہی ان کی نجات کا باعث بنی تھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عمل صالح عمل کرنے والے کو اوپر اٹھاتا ہے جب وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ کا معنی ہے نمازیوں میں سے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی نماز اس لیے پڑھا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1622 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1623

ربیع بن انس نے کہا: اگر انہوں نے اس سے قبل عمل صالح نہ کیا ہوتا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے کہا: حکمت میں لکھا ہوا ہے جب کوئی بندہ پھسلتا ہے تو عمل صالح اسے اٹھا دیتا ہے۔

مقاتل نے کہا: مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ سے مراد ہے وہ معصیت سے پہلے نمازیوں اور اطاعت شعاروں میں سے تھے۔ وہب نے کہا: معنی ہے وہ عبادت گزاروں میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مچھلی کے پیٹ میں ان کی کوئی نماز تھی نہ۔ انہوں نے آسودگی کے دور میں اچھا عمل کیا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حالت آزمائش میں اس کا ذکر کیا ہے بے شک عمل صالح عامل کو اٹھاتا ہے جب وہ لغزش کھاتا ہے تو یہ عمل اس کا سہارا بن جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من استطاع منكم أن تكون له خبيئة من عمل صالح فليفعل (1) جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ اس کے لیے عمل صالح میں سے کوئی پوشیدہ عمل ہو تو وہ ایسا کرے۔ پس بندے کو یہ کوشش کرنی چاہیے اور عمل صالح میں سے کسی عمل پر حریص ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان خالص ہو اپنی ضرورت کے دن کے لئے وہ اسے ذخیرہ کرے اپنی کوتاہی کے ساتھ اسے چھپائے تو اس سے چھپانے اس کا نفع اسے پہنچے گا جبکہ وہ اس کا زیادہ ضرورت مند ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس اثنا میں کہ تین آدمی چل رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ تم سے قبل کے زمانہ میں انہیں بارش نے آ لیا انہوں نے ایک پہاڑی ایک غار میں پناہ لی جا ئی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان گر پڑی جس نے ان پر غار کا منہ بند کر دیا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: ان اعمال پر غور و فکر کرو جو تم نے اچھے اعمال کئے ہیں ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس مصیبت کو دور کر دے" (2)۔ یہ حدیث مشہور ہے اس کی شہرت نے تمام حدیث کو بیان کرنے سے ہمیں مستغنی کر دیا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانبیاء) مچھلی نے انہیں پھینک دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ سے مراد مچھلی کے پیٹ میں نماز پڑھنے والے تھے۔

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ زبان سے تسبیح تھی جو دل کے موافق تھی۔ اسی پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ذکر طبری نے کیا۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی تو فرشتوں نے اس کی تسبیح کو سنا فرشتوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزور سی تسبیح کی آواز سنتے ہیں۔ اس قول کی بنا پر کان زائدہ ہے کلام اس طرح ہوگی فلولا انه من المسبحین۔

ابو داؤد کی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعوہ

1۔ العلل دارقطنی، جلد 4، صفحہ 254
2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اجابة دعاء من بر والديه

ذی النون فی بطن الحوت لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔

جب مسلمان نے کسی بھی مصیبت پر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ یہ بحث سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی نمازی اور تسبیح کرنے والے تھے مچھلی کے پیٹ میں بھی معاملہ اسی طرح ہے حدیث میں ہے: "مچھلی کو وحی کی گئی: ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کی جائے پناہ اور مسجد بنایا ہے"۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۚ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۚ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۚ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۚ

"پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور ان کی حفاظت کے لئے ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک"۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مچھلی نے انہیں موصل کی ایک دیہات کے ایک ساحل پر پھینک دیا۔ ابن قسیط نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: "حضرت یونس علیہ السلام کو خالی جگہ پھینک دیا گیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی بیل اگا دی ہم نے پوچھا: اے ابوہریرہ! یقطینہ کیا ہے؟ کہا: کدو کا درخت۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری ان کے لیے تیار کر دی جو زمین کا گھاس پھوس کھاتی وہ ان پر اپنی ٹانگیں پھیلا دیتی اور صبح و شام انہیں دودھ پلایا کرتی یہاں تک کہ وہ پروان چڑھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مچھلی انہیں لے کر نکلی یہاں تک کہ انہیں سمندر کے ساحل پر پھینکا اللہ تعالیٰ نے آپ پر کدو کی بیل اگا دی۔ اس کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے شجرۃ القرع کے الفاظ ہیں جو اس پر دودھ ٹپکاتا یہاں تک کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوت لوٹ آئی پھر ایک روز وہ بیل کی طرف لوٹے تو اسے خشک پایا وہ غمگین ہو گئے اور اس پر روئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو عتاب کیا گیا ان سے کہا گیا: تم ایک بیل پر غمگین ہوئے اور اس پر روئے اور ایک لاکھ سے زیادہ افراد کی ہلاکت پر غمگین نہ ہوئے جو میرے خلیل حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو دشمنوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور تو نے سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول کیا گیا ہے کہ وہ کیلے کا درخت تھا جو اپنے پتوں سے اسے ڈھانپتا، آپ اس کی شاخوں سے سایہ حاصل کرتے اور اس کے پھل سے افطار کرتے۔ اکثر علما کی رائے ہے وہ کدو کی بیل تھی جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور صالحین میں سے بنا دیا پھر اسے حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کا قصد کیا یہاں تک کہ ایک چرواہے سے ملے حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اور ان کے حال کے بارے میں پوچھا اس چرواہے نے

انہیں بتایا کہ وہ بہت بہتر حالت میں ہیں اور وہ اس امید میں ہیں کہ ان کا رسول ان کی طرف لوٹ آئے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس چرواہے سے فرمایا انہیں بتا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تو اس چرواہے نے کہا: میں گواہی کے بغیر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے ریوڑ میں سے ایک بکری کو منتخب کیا فرمایا: یہ تیرے حق میں گواہی دے گی تو وہ بکری حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا اور کیا؟ کہا: زمین کا قطعہ تمہارے حق میں گواہی دے گا کہ تو نے حضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات کی اس نے کہا اور کیا؟ فرمایا: یہ درخت تیرے حق میں گواہی دے گا کہ تو حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا۔ وہ چرواہا اپنی قوم کی طرف آیا اور انہیں بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے تو قوم کے افراد نے اسے جھٹلایا اور اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اس نے کہا: مجھ پر جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں صبح کروں جب اس نے صبح کی تو وہ انہیں اس قطعہ زمین پر لے آیا جہاں اسے حضرت یونس علیہ السلام ملے تھے اس نے قطعہ زمین سے بولنے کا مطالبہ کیا تو اس قطعہ زمین نے خبر دی کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے اس نے بکری اور درخت سے بولنے کا مطالبہ کیا تو دونوں نے اسے بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے پھر اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آ گئے، یہ اور اس سے ماقبل محمد طبری نے بیان کی ہے فَنَبَذْنٰهُ ہم نے اسے پھینک دیا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے صحرا میں چھوڑ دیا، یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ اخفش نے کہا: کھلی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: کھلی زمین۔ فراء نے کہا: خالی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: عراء سے مراد وسیع زمین ہے۔ خزاعہ کے ایک آدمی نے یہ شعر پڑھا:

ورفعت رجلا لا اخاف عثارها ونبذت بالبلد العراء ثيابي (1)

میں نے قدم اٹھایا جس کی لغزش کا مجھے خوف نہیں اور میں نے کھلی زمین پر اپنے کپڑے پھینک دیے۔

اخفش نے وَ هُوَ سَقِيْمٌ کے بارے میں حکایت بیان کی ہے سقيم کی جمع سقمى، سقامى اور سقام ہے اس سورت میں فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ کہا اور سورۃ القلم میں لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ۝ آیت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی کہ انہیں کھلی جگہ پھینکا گیا جبکہ وہ مذموم نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ۝ اس میں علیہ، عندہ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ (الشعراء: 14) اس میں بھی حرف علی عندی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے علیہ، لہ کے معنی میں ہے يَّقْطِيْنٍ سے مراد کدو کی بیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن اعرابی نے اس کا ذکر کیا ہے حدیث میں یہ بھی ہے "کدو اور تربوز جنت کے پھل ہیں" ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

مبرد نے کہا: ہر وہ پودا جس کا تنا نہ ہو جس کے پتے زمین پر بچھ جائیں اسے یقطینہ کہتے ہیں جس طرح کدو، تربوز اور خربوزہ اور حنظلہ اگر اس کا تنا ہو جو اسے اٹھائے ہوئے ہو تو اسے شجرہ کہتے ہیں اگر بھی ہوئی جڑوں پر کھڑا ہو تو اسے نجم کہتے ہیں جس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 68

کی جمع تجمع آتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ (رحمن) اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور مقاتل سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہر جڑی بوٹی جو بغیر تنے کے ہو اور زمین پر بچھ جائے وہ سال بھر باقی رہے اور اس کا تنا نہ ہو جس طرح ککڑی، خربوزہ، تربوز، کدو، وہ سب تو وہ یقطین ہوگی۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہر وہ شے جو اگے پھر اسی سال مر جائے اس تعریف کی بنا پر کیلا بھی اس میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: یقطین اسے کہتے ہیں جس کا تنا ہو۔ جوہری نے کہا: یقطین اسے کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو جس طرح کدو کی بیل۔ زجاج نے کہا: یقطین، قطن سے مشتق ہے یہ قطن بالمکان سے مشتق ہے جب وہ اسی جگہ مقیم ہو یہ یفعیل کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عجمی نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یقطین کا خصوصاً ذکر ہوا ہے کیونکہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی یقطین نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے اگا دیا آیت میں ایسی چیز کا ذکر ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ چیز اگی ہوئی تھی تاکہ اس کا سایہ ہو۔

ثعلبی نے کہا: وہ اسے سایہ عطا کرتی تھی حضرت یونس علیہ السلام نے اس کی سرسبزی کو دیکھا تو اس کی سرسبزی نے اسے خوش کر دیا تو وہ خشک ہوگئی تو آپ اس پر غمگین ہونے لگے اسے کہا گیا: اے یونس! نہ تو تو نے اسے پیدا کیا، نہ تو نے اسے پانی دیا اور نہ ہی تو نے اسے اگایا تو ایک چھوٹے سے درخت پر غمگین ہوتا ہے جبکہ میں نے ایک لاکھ سے زائد افراد پیدا کیے تو مجھ سے یہ ارادہ کرتا تھا کہ میں انہیں ایک لمحہ میں جڑ سے اکھیڑ دوں انہوں نے توبہ کی اور میں نے ان کی توبہ قبول کر لی تو میری رحمت کہاں گئی اے یونس! جبکہ میں تو ارحم الراحمین ہوں☆۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ گوشت اور کدو کے ساتھ بنایا گیا ثرید کھاتے تھے آپ کدو کو پسند کرتے آپ فرماتے: یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شوربہ پیش کیا گیا جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے آپ پیالے کے اطراف میں کدو کو تلاش کرتے تھے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو ائمہ نے روایت کیا ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس کے بعد شروع ہوئی جب مچھلی نے انہیں پھینک دیا تھا اس کی سند حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اسناد کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جو علی بن حسین سے مروی ہے کہ حسن بن محمد، عمرو بن عنقزی سے وہ اسرائیل سے وہ ابو اسحاق سے وہ عمرو بن میمون سے وہ عبداللہ بن مسعود سے وہ نبی کریم ﷺ سے وہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ عذاب تین دن میں آجائے گا لوگوں نے ہر والدہ اور اس کے بچے کو الگ کر دیا وہ بستی سے باہر نکلے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور اس سے مغفرت کے طالب ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک دیا حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ وہاں کا قانون تھا جو آدمی جھوٹ بولے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو

---

1۔ … ، کتاب الاطعمہ، … صفحہ 509

☆ … جلد … صفحہ 413-414

اسے قتل کر دیا جاتا ہے ☆ تو میرے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت اور یہ قطعہ زمین۔ اس نے عرض کی: ان دونوں کو حکم دیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے دونوں سے کہا: جب تم دونوں کے پاس یہ لڑکا آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا۔ دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ وہ لڑکا آپ کی قوم کے پاس آیا اس کے پاس قوت تھی اور اس کے بھائی تھے وہ بادشاہ کے پاس آیا اس نے کہا: میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں وہ تجھے سلام کہتے تھے۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لوگوں نے کہا: اس کے پاس گواہ ہیں لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دو وہ درخت اور اس قطعہ زمین کے پاس آیا اور دونوں سے کہا: میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے حق میں گواہی دو کہ واقعی میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں؟ دونوں نے کہا: ہاں لوگ گھبرائے ہوئے واپس آئے کہہ رہے تھے: درخت اور زمین نے اس کے حق میں گواہی دی ہے۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دی۔

حضرت عبداللہ نے کہا: بادشاہ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ بٹھایا اور کہا: تو میری نسبت اس جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اس لڑکے نے چالیس سال تک ان کے امور مملکت چلائے۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے مبعوث کیا گیا تھا یہ امر قیاس سے نہیں کہا جا سکتا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان لے آئی تھی اور شرمندگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ اس میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ عذاب تین دن تک ان پر آ جائے گا تو انہوں نے ہر والدہ اور بچے کو الگ الگ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی۔ اس باب میں یہ صحیح ہے ان کے بارے میں حق دوسروں کے حکم جیسا نہیں تھا ارشاد باری

---

☆ حضرت یونس علیہ السلام جب ناراض ہو کر نکل پڑے تو آپ ایک کشتی میں لوگوں کے پاس آئے۔ لوگوں نے آپ کو کشتی پر سوار کر لیا اور آپ کو پہچان لیا۔ جب کشتی میں داخل ہوئے تو کشتی رک گئی کشتی دائیں بائیں نہ ڈولتی۔ لوگوں نے کہا: تمہاری کشتی کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اس میں ایک غلام اپنے رب سے بھاگا ہوا ہے یہ کشتی نہیں چلے گی یہاں تک کہ تم اس کو پھینک دو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی ہم آپ کو نہیں پھینکیں گے آپ نے فرمایا: تم قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے تو دریا میں پھینک دو۔ لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام نکلے۔ لوگوں نے آپ کو پھینکنے سے انکار کر دیا آپ نے فرمایا: تین دفعہ قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے اسے دریا میں پھینک دو۔ لوگوں نے قرعہ ڈالا تو تینوں دفعہ قرعہ آپ کے نام نکلا۔ آپ نے چھلانگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مچھلی کے سپرد کر دیا اور مچھلی آپ کو نگل گئی اور زمین کی تہہ تک آپ کو لے گئی حضرت یونس علیہ السلام نے کنکریوں کی تسبیح سنی تو فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ (الانبیاء) تین تاریکیاں: رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ فرمایا: فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ کہا: آپ اس پرندے کے بچے کی طرح تھے جس کے پر ابھی نہیں نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی ایک بیل کو اگا دیا تو وہ اس کے سائے میں آ گئے۔ حضرت یونس اس کے سایہ میں آرام کرتے وہ بیل خشک ہو گئی تو آپ اس پر رو دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کیا تو ایک درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے اور ایک لاکھ سے زائد افراد پر نہیں روتا جن کو تو نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نکلے تو وہ ایک چرواہے بچے کے پاس پہنچے۔ پوچھا: اے بچے تو کون ہے؟ اس نے عرض کی: یونس علیہ السلام کی قوم سے۔ فرمایا: جب تو قوم کے پاس جائے تو انہیں بتا کہ تو یونس علیہ السلام سے ملا ہے۔ بچے نے کہا: اگر آپ یونس ہیں تو آپ کو علم ہے کہ جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

تعالیٰ ہے: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا (الغافر) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ (النساء: 18)

بعض علماء نے کہا: انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ کر لی یہ کوئی ممنوع نہیں اس بارے میں علماء کی آراء سورۂ یونس میں گزر چکی ہیں وہاں دیکھ لو۔

أَوْ يَزِيدُونَ سورۂ بقرہ میں أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً میں او کے بارے میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: او، بل کے معنی میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ او واؤ کے معنی میں ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

فلما اشتد أمر الحرب فينا تأملنا رياحا أو رزاما(1)

اس شعر میں او واؤ کے معنی میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس زبان کی طرح ہے: وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ (النحل: 77)

جعفر بن محمد نے إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ وَيَزِيدُونَ ۝ ہمزہ کے بغیر صرف واؤ پڑھی ہے يَزِيدُونَ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں کلام یوں تھی وهم يزيدون. نحاس نے کہا: بصریوں کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح نہیں انہوں نے او کو بل اور واؤ کے معنی میں لینے سے انکار کیا ہے بلکہ بل پہلے کلام سے اضراب اور مابعد کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے یا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف نکلنے کے لیے ہوتا ہے یہ بھی اس کا موقع محل نہیں واؤ کا معنی او کے خلاف ہے اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے معنی میں ہو تو معانی باطل ہو جائیں گے اگر ایسا جائز ہوتا تو وأرسلناه إلى أكثر من مائة ألف زیادہ مختصر ہوتا۔

مبرد نے کہا: معنی ہے ہم نے اسے ایسی جماعت کی طرف بھیجا اگر تم انہیں دیکھتے تو تم کہتے یہ ایک لاکھ یا اس سے زائد ہیں کیونکہ لوگوں کو خطاب اس انداز سے کیا جاتا ہے جس سے وہ واقف ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: جاءنی زید او عمرو جبکہ تو جانتا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون تیرے پاس آیا ہے مگر تو نے مخاطب پر اس معاملہ کو مبہم کر دیا ہے۔

اخفش اور زجاج نے کہا: معنی ہے یہ تمہارے اندازے کے مطابق اس سے زائد ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے مرفوع نقل کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے وہ تیس ہزار تھے۔ حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: وہ تیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ستر ہزار تھے۔ إِلَى حِينٍ سے مراد ان کی عمروں کی انتہا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ۝ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝ أَلَآ إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 70

2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الصافات، حدیث نمبر 3153، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۵۷﴾

"ذرا پوچھیے ان نادانوں سے: کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ کیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے اور وہ یقیناً جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں اپنے لئے بیٹیاں بیٹوں کو چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو۔ کیا تم غور وفکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو"۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے سابقہ قوموں کی خبروں کو ذکر کیا تو اب کفار کے قول کے خلاف استدلال کیا جا رہا ہے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ فَاسْتَفْتِهِمْ سورت کے آغاز میں جو اس قسم کا کلام ہے اس پر معطوف ہے اگرچہ دونوں میں طویل مسافت ہے۔ اے محمد ﷺ! اہل مکہ سے پوچھو کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہینہ، خزاعہ، بنو ملیح، بنو سلمہ اور بنو عبد الدار نے یہ گمان کیا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ سوال زجر و توبیخ کے لئے ہے۔

شَاهِدُونَ کا معنی ہے جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا اس وقت وہ حاضر تھے؟ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ (الزخرف: 19)

إِفْكِهِمْ کا معنی ہے وہ بڑا جھوٹ تھا وہ اس بات میں جھوٹے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے۔ الا کے بعد ان کا ہمزہ مکسور ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ سیبویہ نے یہ کہا ہے کہ اَمَا کے بعد ان کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے یا مکسور ہوتا ہے جب ہمزہ مفتوح ہو تو اما حقا کے معنی میں ہوگا جب ہمزہ مکسور ہو تو اما الا کے معنی میں ہوگا۔

نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: الا کے بعد ان کے ہمزہ کو فتحہ دینا جائز ہے اس صورت میں الا اما کے مشابہ ہوگا جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں ہمزہ کے نیچے کسرہ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے بعد لام مرفوع ہے الکاذبون پر کلام مکمل ہو جاتی ہے پھر اصطفی سے نئی کلام شروع ہو جاتی ہے مقصود تقریع و توبیخ ہے۔ ([illegible])

گویا فرمایا: تم پر افسوس اس نے بیٹیاں منتخب کیں اور بیٹوں کو ترک کر دیا۔ عام قراء کی قراءت اصطفی ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے کیونکہ یہ ہمزہ استفہام ہے جو ہمزہ وصلی پر داخل ہے ہمزہ وصلی حذف ہو گیا اور ہمزہ استفہام مفتوح باقی رہا جس طرح أَطَّلَعَ الْغَيْبَ (مریم: 78) ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع اور حمزہ نے ہمزہ وصلی کے ساتھ اسے پڑھا ہے یہ جملہ خبریہ ہے یہاں استفہام نہیں کیونکہ اس کا مابعد مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ہے کلام توبیخ کے طریقہ پر دو جملوں سے جاری ہے ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے جو جھوٹ بولا ہے یہ اس کا بیان تفسیر ہو اور مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ

ملائکہ کو علم ہے کہ ایسا قول کرنے والے جہنم میں موجود ہوں گے۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ حساب کے لئے حاضر ہوں گے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت میں احضار کا لفظ مطلق ہے اور وہاں سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔

جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں وہ جہنم سے نجات پائیں گے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

"پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو تم سب خدا کے خلاف کسی کو نہیں بہکا سکتے مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو۔"

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے یعنی تم اور تمہاری ان بتوں کی عبادت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے ان معبودوں کے ساتھ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ کہا جاتا ہے: جاء فلان و فلان، جاء فلان مع فلان دونوں کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

عَلَيْهِ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بِفٰتِنِيْنَ یعنی گمراہ کرنے والے۔ فراء نے کہا: جتنا مجھے علم ہے اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مقدر کر دے کہ وہ اسے گمراہ کریں۔ شاعر نے کہا:

فرد بنعمته كيده عليه وكان لنا فاتنا (1)

اس نے اپنی نعمت سے اس کا مکر اسی پر لوٹا دیا جبکہ وہ ہمیں گمراہ کرنے والا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت میں قدریہ کا رد ہے۔ عمرو بن ذر نے کہا: ہم حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس حاضر ہوئے ان کے سامنے تقدیر کا ذکر کیا گیا حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو وہ ابلیس کو پیدا نہ فرماتا جبکہ وہ گناہوں کی جڑ ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں علم ہے اسے پہچان لیا جس نے پہچان لیا اور جاہل رہ گیا جو جاہل رہ گیا پھر یہ آیت پڑھی فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ مگر وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل ہونے کے بارے میں لکھ دیا فرمایا: اس آیت نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا ہے اس میں یہ راز ہے شیاطین کسی کو بھی گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو کہ وہ ہدایت نہ پائیں اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا کہ وہ ہدایت پائے گا تو اس بندے اور شیطان کے درمیان حائل ہو جاتا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ (الاسراء: 64) یعنی تو ان تک کوئی چیز نہیں پہنچا سکتا مگر جو میرے علم میں ہے۔

لبید بن ربیعہ نے تقدیر کی حقانیت کے بارے میں کہا اور خوب کہا:

إن تقوى ربنا خير نفل وبإذن الله ريثي وعجل

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 72

أحمد الله فلا ند له بيديه الخير ما شاء فعل

من هداه سبل الخير اهتدى ناعم البال ومن شاء أضل

بے شک تقویٰ کی بہترین احسان ہے اللہ کے اذن سے میری سستی اور تیزی ہے میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اس کا کوئی ہمثل نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں خیر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے وہ بھلائی کے راستوں کی طرف ہدایت دے وہ بڑی آسانی سے ہدایت پا جاتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی مقدر کر دیتا ہے۔

فراء نے کہا: اہل حجاز کہتے ہیں فتنت الرجل میں نے انسان کو گمراہ کر دیا۔ اہل نجد افتنتہ کا فعل ذکر کرتے ہیں افتنتہ میں نے اسے گمراہ کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ پڑھا: اِلَّا مَنْ هُوَ صَالُ الْجَحِيْمِ یعنی لام مضموم ہے۔ نحاس نے کہا: مفسرین کی جماعت کا کہنا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ یہ کہنا جائز نہیں: هذا قاض المدينة۔ اس بارے میں میں نے علی بن سلیمان سے سنا ہے وہ سب سے بہترین ہے کہا: ھو معنی پر محمول ہے کیونکہ من کا معنی جماعت ہے تقدیر کلام یوں بنتی صالون اضافت کی وجہ سے نون حذف ہے اور واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں یہ فاعل کے وزن پر تھا مگر اسے صال سے صائل کی طرف قلب کیا گیا یاء کو حذف کر دیا گیا اور لام مضموم ہی رہ گیا شفا جرف ھار (التوبہ:109) کی مثل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صال کا لام کلمہ تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا گیا اور اعراب اس کے عین کلمہ پر جاری ہوا جس طرح عربوں کے اس قول سے حذف ہے ما بالیت به بالة اصل میں یہ بالیة تھا یہ بالی سے ماخوذ ہے جس طرح عافیة عافی سے ماخوذ ہے اسی کی مثل اس کی قراءت ہے وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (الرحمٰن) اور وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ (الرحمٰن: 24) یہاں بھی عین کلمہ پر اعراب جاری کیا گیا ہے جماعت کی قراءت میں صال یاء کے ساتھ ہے کاتب نے تحریر میں اسے حذف کر دیا کیونکہ تلفظ میں یہ ساقط ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۚ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝

"اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں اور بے شک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں"۔

یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کہا ہے اور جنہوں نے ان کی عبادت کی تھی ان کے انکار کے لیے ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ تین آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے حضرت جبریل امین پیچھے ہٹ گئے تو نبی کریم ﷺ نے کہا: "یہاں تو مجھے چھوڑ جائے گا" حضرت جبریل امین نے عرض کی کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں اپنے مقام سے آگے بڑھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے ان

1۔ [illegible]

آیت کو نازل فرمایا: وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۔

کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وما منا الا من له مقام معلوم تو اسم موصول کو حذف کر دیا گیا۔ بصریوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے وما منا ملک الا له مقام معلوم یعنی عبادت میں اس کا معین مکان ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں بالشت بھر ایسی زمین نہیں مگر اس پر ایک فرشتہ نماز پڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں مگر وہاں ایک فرشتہ سجدہ ریز ہے یا کھڑا ہے“ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے اس کا حق ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگلی کے برابر جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہے اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے، بستروں پر تم اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے تم پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے میں تو خواہش کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا(1)“۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس بارے میں کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے ایک دوسری سند سے یوں مروی ہے کہ حضرت ابوذر نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ حضرت ابوذر سے یہ موقوف مروی ہے۔

قتادہ نے کہا: آپ مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ کہا: تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

کلبی نے کہا: فرشتوں کی صفیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح زمین میں اہل دنیا کی صفیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسجد میں تھے فرمایا: ”کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں(2)“ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ ”پہلی صفوں کو مکمل کرتے اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے: اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور سیدھے ہو جاؤ(3) اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اس ہدایت کا ارادہ کرتا ہے جو فرشتوں کو ان کے رب کے ہاں حاصل ہے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ اے فلاں پیچھے ہٹ، اے فلاں آگے ہو پھر آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے؛ سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ابو مالک نے کہا: لوگ الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، فضل البکاء من خشیۃ اللہ، جلد 2، صفحہ 55۔ ایضاً، حدیث نمبر 2234، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، الامر بالسکون فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 181    3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 72

تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو صفیں بنانے کا حکم دیا۔ شعبی نے کہا: جبریل امین یا ایک فرشتہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: آپ رات کے دو تہائی اس کا نصف اور اسکا ایک تہائی قیام کرتے ہیں فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آسمان میں کوئی فرشتہ فارغ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں ہم انتظار کرتے ہیں کہ ہمیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم عرش کے ارد گرد صفیں بنائے ہوئے ہوتے ہیں

وانا لنحن المسبحون اور ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں یہ قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اس کی طرف جو بات منسوب کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پاکی بیان کرتے ہیں (1) مراد یہ ہے وہ خبر دیتے ہیں کہ وہ تسبیح اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ فرشتے معبود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ یہ رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کا مشرکین کے لیے قول ہے یعنی ہمارا اور تمہارا آخرت میں معین مقام ہے اور وہ مقام حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام خوف ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام رجا ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام اخلاص ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام شکر ہے الخیر وغیرہ۔ میں یہ کہتا ہوں یہ ملائکہ کے قول وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے: اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں (جب نصیحت آئی تو اسے ماننے سے) انکار کر دیا وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے"۔

مشرکین نے جو باتیں کہیں ان کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا یعنی جب حضور ﷺ کی بعثت سے قبل انہیں جہالت کے ساتھ عار دلائی جاتی تو مشرکین مکہ کہتے: لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یعنی وہ کہتے اگر ہماری طرف کوئی نبی مبعوث کیا جاتا جو شرعی احکام کی وضاحت کرتا تو ہم اس کی اتباع کرتے جب ان کو مخفف کیا تو وہ فعل پر داخل ہوا اور اسے لام لازم ہو گیا تا کہ نفی اور ایجاب میں فرق ہو۔ کوفی کہتے ہیں: ان، ما کے معنی میں ہے اور لام الا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارے پاس انبیاء کی کتب میں سے ایک کتاب ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے یعنی ہمارے پاس ذکر آتا جس طرح پہلے لوگوں کے پاس ذکر آیا ہے تو عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے تو انہوں نے ذکر کا انکار کیا۔ فراء حذف کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 73

صورت میں تقدیر کلام کرتے ہیں یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ ذکر لائے تو انہوں نے انکار کر دیا ان پر تعجب کا اظہار ہے یعنی ان کے پاس نبی آیا اور ان پر کتاب نازل کی گئی۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ متمنی تھے پس انہوں نے کفر کیا اور جو بات کہی تھی اسے پورا نہ کیا۔

زجاج نے کہا: وہ اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝

"اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور ملاحظہ فرماتے رہیے ان کے حالات کو وہ خود بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب کے اترنے کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جا چکا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور قدرت الٰہی کا تماشا دیکھتے رہیے۔ وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے"۔

فراء نے کہا: سبقت کا لفظ مقدر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ: 21) حضرت حسن بصری نے کہا: صاحب شریعت کو کبھی بھی قتل نہیں کیا گیا۔ حجت اور غلبہ کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے آیت میں الغالبون کا لفظ ذکر ہوا ہے جند کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ اگر لفظ کا اعتبار ہوتا تو جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (ص) شیبانی نے کہا: یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔

آپ ان سے موت کے وقت تک اعراض کریں۔ قتادہ نے حِیْنٍ کا معنی موت کیا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: اس وقت تک ان سے اعراض کریں جتنا عرصہ انہیں مہلت دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت آیت سیف سے منسوخ ہے۔

قتادہ نے کہا: وہ عنقریب سب کچھ دیکھ لیں گے جب انہیں دیکھنا کچھ نفع نہ دے گا (2) جب اللہ تعالیٰ کی جانب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 73
2۔ کتابت میں سہو ہوا لگتا ہے حرف، کیونکہ متن میں منفی ہونے کا حرف لا ہے۔

سے ہو تو یہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ ابصار کے ساتھ اسے تعبیر کیا گیا تاکہ امر کی تقریب کا اظہار ہو یعنی وہ قریب ہی دیکھ لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔

وہ جھٹلانے کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے متیٰ هذا العذاب یہ عذاب کب ہوگا یعنی تم عذاب کے بارے میں جلدی نہ کرو وہ ضرور وقوع پذیر ہوگا۔

جب عذاب ان کے آنگن میں اترے گا۔ زجاج نے کہا: ان لوگوں کا عذاب قتل کی صورت میں تھا۔ بِسَاحَتِهِمْ کا معنی ہے ان کے گھر میں۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: ساحة اور الصحنة سے مراد گھر کا وسیع آنگن ہے۔ فراء نے کہا: ان پر عذاب برابر طور پر نازل ہوا۔

جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کتنی بری ہوئی۔ اس میں مضاف ہے یعنی فساء الصباح صباحهم۔ صباح کا خصوصاً ذکر ہوا ہے ان پر عذاب اسی وقت آیا تھا اس معنی میں وہ حدیث ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر آئے تو وہ لوگ اپنی اپنی کھیتیوں کی جانب جا رہے تھے ان کے ہاتھوں میں کدالیں تھیں انہوں نے کہا: محمد اور بڑا لشکر اور وہ اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الله اكبر خربت خيبر اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين[1] اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح کتنی بری ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ساحہ کا معنی وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں مراد لیا ہے۔

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِیْنٍ ۝ اسے تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا اسی طرح وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ۝ بھی تاکید کے لیے ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

"پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان (بے ہودہ) باتوں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے"۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1**۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان چیزوں سے پاکی زیادہ بیان کی ہے جو مشرکوں نے اس کی طرف منسوب کی تھیں۔ رَبِّ الْعِزَّةِ یہ ربک سے بدل ہے مدح کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور رفع پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت یہ هو رب العزة کے معنی میں ہوگا۔

عَمَّا یَصِفُوْنَ یعنی بیوی اور بچے سے پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان اللہ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوہ خیبر، جلد 2، صفحہ 604

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ثعلبی نے حضرت علی شیر خدا کے واسطے سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** اَلْمُرْسَلِیْنَ سے مراد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام کہو تو مرسلین پر بھی سلام کیا کرو بے شک میں رسولوں میں سے ایک رسول ہوں“ (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کے لیے امن ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر جو بھیجا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر جو انعامات کیے ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کے ہلاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس کی دلیل فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانعام) ہے۔

میں کہتا ہوں: سب مراد ہے اور حمد عام ہے یَصِفُوْنَ کا معنی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی عما یصفون من الکذب۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 137

# سورۂ ص

﴿ آیاتہا ۸۸ ﴾ ﴿ ۳۸ سورۃ ص مکیۃ ۳۸ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۵ ﴾

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے اس کی چھیاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اٹھاسی آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝

"ص قسم ہے قرآن سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو گئے ہیں۔ بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا"۔

عام قراءت دال کی جزم کے ساتھ وقف کی صورت میں ہے کیونکہ یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے جس طرح الٓمٓ اور الٓمٓرٰ ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور نصر بن عاصم نے صادِ پڑھا ہے یعنی دال کے نیچے کسرہ ہے اور تنوین نہیں۔ اس کی قراءت کی وجہ سے دو مذہب ہیں: (1) یہ مصادات یصادی سے مشتق ہے جب یہ عارض کے معنی میں ہو اسی سے فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۝ (عبس) ہے یعنی تو اس کا سامنا کرتا ہے مصادات کا معنی معارضہ ہے اسی سے ایک لفظ صدی ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو خالی جگہوں میں آواز کے مقابل ہوتی ہے اس کا معنی ہے قرآن کے مقابل ہو اپنے عمل کے ساتھ اور اس کے اوامر پر عمل کر اور اس کی نواہی سے رک جا۔

نحاس نے کہا: یہ مذہب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے ان کی قراءت صحیح روایت ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور اس کی قراءت کا سامنا کیجئے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دال اجتماع ساکنین کی وجہ سے مکسور ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے صادَ یعنی دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی مثل قافَ اور نونَ ہے اس کا آخر مفتوح ہے اس بارے میں بھی تین مذہب ہیں: (1) یہ اُتْلُ کے معنی میں ہو (2) تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہو اور فتحہ کو اتباع کی وجہ سے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حرکات میں سے خفیف ترین حرکت ہے (3) یہ قسم کی بنا پر منصوب ہے اور فعل قسم موجود نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: اللّٰہ لافعلن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کے دلوں کو شکار کیا اور انہیں مائل کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔

ابن ابی اسحاق نے صادٍ پڑھا ہے یعنی دال مکسور ہے اور اس پر تنوین ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حرف قسم کے

حذف کی وجہ سے مجرور ہے۔ یہ قول بعید ہے اگرچہ سیبویہ نے اس کی مثل کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے ان اصوات کے مشابہ قرار دیا گیا ہو جو غیر متصرف ہیں ہارون اعور اور محمد بن سمیقع نے اسے صاد، قاف اور نون پڑھا ہے کیونکہ یہ اکثر مبنی ہوتا ہے جس طرح منذ، قط، قبل، بعد۔

ص کو جب تو سورت کا نام بنائے تو یہ منصرف نہ ہوگا جس طرح جب تو کسی مؤنث کا نام اسم مذکر سے رکھے تو وہ منصرف نہیں ہوتا اگرچہ اس کے حروف قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے ص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ص کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ص مکہ مکرمہ میں ایک سمندر تھا اس پر رحمٰن کا عرش تھا جب رات اور دن نہیں تھا۔

حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ص سے مراد وہ سمندر ہے جس کے ذریعے دو نفخوں کے درمیان اللہ تعالیٰ مخلوقات کو زندہ کرے گا۔

ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ص ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے: یہ سدی نے کہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے جو صمد، صانع المصنوعات اور صادق الوعد ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ رحمٰن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے(1)۔ مجاہد نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ واؤ کی وجہ سے یہ اسم مجرور ہے واؤ باء کا بدل ہے۔ قرآن کی قسم اٹھائی مقصود اس کی عظمت شان پر آگاہی تھی کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے یہ سینوں میں موجود ہر مرض کی شفا ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

ذِی الذِّكْرِ ۞ صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامت یاء ہے یہ ایسا اسم ہے جس میں حرف علت ہے اس میں اصل ذوی ہے جو فعل کا وزن ہے۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: ذِی الذِّكْرِ کا معنی ہے ذی البیان۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے ذی الشرف یعنی جو اس پر ایمان لایا وہ اس کے لیے دارین میں شرف کا باعث ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) اس آیت میں ذِكْرُكُمْ سے مراد تمہارے لیے شرف ہے۔ قرآن بذات خود شریف ہے کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور ان چیزوں پر مشتمل ہے جس پر غیر مشتمل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِی الذِّكْرِ سے مراد ہے اس میں اس چیز کا ذکر ہے امور دین میں سے جس چیز کے وہ محتاج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِی الذِّكْرِ سے مراد ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی عظمت کا ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موعظت اور ذکر والا ہے جواب قسم محذوف ہے۔ کئی وجوہ سے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم ص ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 75

کیونکہ اس کا معنی ہے حق یہی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالْقُرْاٰنِ کا جواب ہے جس طرح تو کہتا ہے: حقا واللہ، نزل واللہ، وجب واللہ۔ اس صورت میں وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ پر عطف کرنا بہت اچھا ہے اور فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ پر وقف تام ہوگا؛ یہ ابن انباری کا قول ہے اور ثعلبی نے یہی معنی فراء سے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ ہوگا کیونکہ بل ماقبل امر کی نفی اور اس کے غیر کے اثبات کے لیے ہے، یہ قتبی نے کہا گویا یوں کلام کی: وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ۝ یعنی وہ حق قبول کرنے اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی میں مگن ہو گئے ہیں یا وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ کا معنی ہے معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ تو جادوگر جھوٹا ہے کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور امانت کو پہچانتے ہیں بلکہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کر رہے تھے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب كَمْ اَهْلَكْنَا ہے گویا کلام یوں ہوگی: والقرآن لکم اھلکنا، جب کم کو مؤخر کیا تو لام کو حذف کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ (الشمس) پھر فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ (الشمس: 9) اصل میں لقد افلح تھا۔

مہدوی نے کہا: یہ فراء کا مذہب ہے۔ ابن انباری نے کہا: اس توجیہ کی بنا پر فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ پر وقف مکمل نہ ہوگا۔ اخفش نے کہا: جواب قسم اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ ہے؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الشعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ (الطارق) ابن انباری نے کہا: یہ قبیح ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کلام طویل ہو گئی ہے اور آیات اور قصص بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ کسائی نے کہا: جواب قسم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۔

ابن انباری نے کہا: یہ پہلے سے بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ کلام قسم اور جواب قسم میں بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝ ہے۔ قتادہ نے کہا: جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ لتبعثن ہے۔

فِیْ عِزَّةٍ یعنی وہ تکبر میں مبتلا ہیں اور حق کو قبول کرنے سے رکے ہوئے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرة: 206) عربوں کے ہاں عزت سے مراد غلبہ اور قہر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: عزہ یعزہ عزا یعنی غالب ہوا اور مال سلب کر لیا اسی معنی میں وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ۝ ہے یعنی وہ مجھ پر غالب آ گیا، جریر نے کہا:

يَعُزُّ عَلَى الطَّرِيقِ بِمَنْكِبَيْهِ

وہ اونٹ اپنے دونوں کندھوں کے ساتھ راستے پر غالب آ جاتا ہے۔

شِقَاقٍ یعنی اختلاف اور جدائی کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ یہ شق سے ماخوذ ہے گویا یہ ایک حصہ میں ہیں اور وہ دوسرے حصہ میں ہیں اور سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔

قَرْنٍ سے مراد قوم ہے جو ان سے زیادہ طاقتور تھے کم کثرت کا معنی دے رہا ہے۔ انہوں نے مدد چاہتے ہوئے اور توبہ

کرتے ہوئے ندا کی۔ ندا کا اصل معنی آواز کا بلند کرنا ہے اس معنی میں حدیث ہے: أَلْقِهِ عَلَى بِلَالٍ فَإِنَّهُ أَنْدَى مِنْكَ صَوْتًا بلال پر یہ کلمات پیش کرو کیونکہ اس کی آواز تجھ سے بلند ہے☆۔

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ آواز کو بلند کیا جبکہ یہ توبہ کا وقت نہ تھا اور نہ ہی یہ وہ وقت تھا جب عمل نفع دے۔ نحوی نے کہا: یہ حضرت حسن بصری کی جانب سے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کی تفسیر ہے جہاں تک اعراب کا تعلق ہے اس نے جو اتفاق سے وہ تفسیر کی ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کا معنی ہے یہ کوئی بھاگنے کا وقت نہیں۔ کہا: تمام قوم دوڑ پڑی۔ کلبی نے کہا: جب وہ جنگ کرتے اور بے بس ہو جاتے تو وہ ایک دوسرے کو کہتے مَنَاصٍ یعنی تم پر بھاگ جانا لازم ہے جب ان پر عذاب آیا تو انہوں نے کہا: بھاگ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ۔ قشیری نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی فنادوا مناص کیونکہ باقی کلام مقدر پر دلالت کرتی تھی اس لیے اسے حذف کر دیا گیا یعنی جو تم آواز دے رہے ہو یہ اس کا وقت نہیں۔ اس میں ایک قسم کا تجوز ہے کیونکہ یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ سابقہ قوموں میں سے جو بھی ہلاک ہوا وہ اضطرار کے وقت یہ کہتا ہو۔ مناص میں ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ کا معنی یہ ہو یعنی کوئی چھٹکارے کی صورت نہیں اس کو نصب اس لیے دی گئی ہے کیونکہ اس پر لا واقع ہے۔

قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے کیونکہ اس صورت میں وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ میں واؤ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ جرجانی نے کہا: معنی ہے انہوں نے اس گھڑی کی ندا کی جس ساعت کوئی نجات نہیں جب ظرف کو مقدم کیا اور حین کو موخر کیا تو اس نے واؤ کا تقاضا کیا جس طرح حال تقاضا کرتا ہے جب اسے مبتدا اور خبر بنا دیا جائے جس طرح تیرا یہ قول ہے: جاء زید راكبا۔ جب تو اسے مبتدا اور خبر بنا دے گا تو یہ واؤ کا تقاضا کرے گا جس طرح جاءنی زید وهو راکب ہے حین یہ فنادوا کی ظرف ہے مناص یہ پیچھے ہٹنے بھاگ جانے اور چھٹکارا پانے کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے اس وقت نجات پانے کے لیے ندا کی جس وقت میں ان کے لیے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ فراء نے کہا:

أَمِنْ ذِكْرِ لَيْلَى إِذْ نَأَتْكَ تَنُوصُ (1)

کیا لیلیٰ کو یاد کر کے جب وہ تجھ سے دور ہو گئی تو اس کی طرف آگے بڑھتا ہے کہا جاتا ہے: ناص عن قرنه ينوص نوصا ومناصا یعنی بھاگ کھڑا ہوا۔ نحاس نے کہا: کہا جاتا ہے ناص ينوص جب وہ آگے بڑھے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کی بنا پر یہ اضداد میں سے ہے۔ نوص سے مراد وحشی گدھے ہیں۔ استناص یعنی پیچھے ہٹ گیا۔ نحویوں نے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ اور اس پر وقف کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے کتاب القراءات میں اس کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے سوائے چند باتوں کے جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے وہ سب مردود ہے۔ سیبویہ نے کہا: لات یہ مشابہ بلیس ہے اس میں اسم ضمیر ہے تقدیر کلام یوں ہے لیست احیاننا حین مناص۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 77

☆ سنن ابی داؤد، باب کیف الاذان، حدیث نمبر 421، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حکایت بیان کی گئی ہے کہ عربوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے ساتھ اسم کو رفع دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ولات حینُ مناصٍ۔ یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ رفع قلیل ہے اور خبر محذوف ہے جس طرح کہ نصب اسم میں محذوف تھا۔ معنی تقدیر کلام یوں تھی ولات حین مناص لنا۔ سیبویہ اور فراء کے نزدیک ولات کی تاء پر وقف ہوگا پھر حین مناص سے تو کلام شروع کرے گا۔ یہ ابن کیسان اور زجاج کا قول ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے کہا: قیاس کی طرح ہے جس طرح سیبویہ نے کہا کیونکہ اس نے اسے لیس کے مشابہ قرار دیا تو جس طرح لیست کہا جاتا ہے اسی طرح لات کہا جاتا ہے۔ کسائی کے نزدیک اس پر وقف ہاء پر ہوگا یعنی ولاہ یہی مبرد، محمد بن یزید کا قول ہے۔ علی بن سلیمان نے اس سے حکایت بیان کی کہ اس میں دلیل یہ ہے کہ اس پر ہاء کو تانیث کے لیے داخل ہوئی ہے جس طرح ثمہ اور ربہ کہا جاتا ہے۔ قشیری نے کہا: بعض اوقات ثمت، ثمہ کے معنی میں کہا جاتا ہے اور ربت، ربہ کے معنی میں کہا جاتا ہے گویا انہوں نے لا میں ہاء کا اضافہ کر دیا اور انہوں نے لاہ کہا جیسے انہوں نے ثم میں ثمہ کہا ہے جب وصل ہو تو یہ تاء ہوگی۔

ثعلبی نے کہا: اہل لغت نے کہا: ولات حین دونوں مفتوح ہیں گویا یہ دونوں ایک کلمہ ہیں بے شک یہ اصل میں لا ہے جس میں تاء کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس طرح رب اور ربت، ثم اور ثمت۔ ابوزبید طائی نے کہا:

طَلَبُوا صُلْحَنَا وَلَاتَ أَوَانٍ    فَأَجَبْنَا أَنْ لَيْسَ حِينَ بَقَاءِ

انہوں نے ہماری صلح کا مطالبہ کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا ہم نے جواب دیا کہ یہ بقا کا وقت نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تَذَكَّرَ حُبَّ لَيْلَى لَاتَ حِينًا    وَأَضْحَى الشَّيْبُ قَدْ قَطَعَ الْقَرِينَا

اس نے لیلیٰ کی محبت کو یاد کیا جبکہ وہ اس کا وقت نہ تھا بڑھاپے نے رشتوں کو قطع کر دیا۔

کچھ عرب اس لفظ کے ساتھ مابعد اسم کو جر دیتے ہیں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَلَتَعْرِفُنَّ خَلَائِقًا مَشْمُولَةً    وَلَتَنْدَمُنَّ وَلَاتَ سَاعَةِ مَنْدَمِ

تو جمع شدہ تفکرات کو پہچان لے گا اور تو شرمندہ ہوگا جبکہ وہ شرمندگی کا وقت نہیں۔

کسائی، فراء، خلیل، سیبویہ اور اخفش اس طرف گئے ہیں: ولات حین میں تاء حین سے منقطع ہے وہ کہتے ہیں: اس کا معنی لیست ہے۔ مصاحف جدد اور عتق میں اسی طرح ہے یعنی حین سے تاء کو الگ کر دیا گیا ہے۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنی اسی طرف گیا کہا ہے۔

ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا: میرے نزدیک ولا پر وقف ہے اور ابتدا تحین مناص سے ہے اس صورت میں تاء حین کے ساتھ ہوگی۔ بعض نے کہا: لات پھر وہ کلام کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے: حین مناص۔ مہدوی نے کہا: ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ مصحف میں تاء حین کے ساتھ متصل ہے جبکہ نحویوں کے نزدیک یہ غلط ہے اور مفسرین کے قول کے خلاف ہے۔ ابوعبید کی حجت یہ ہے کہ اس نے کہا: ہم عربوں کو پاتے ہیں کہ وہ اس تاء کو زائد کرتے ہیں مگر وہ تحین، اوان اور الآن میں زائد کرتے

ہے کیونکہ اس میں ولات اوان مجرور مروی ہے جبکہ لات کے بعد جو چیز واقع ہے وہ مرفوع یا منصوب ہے۔ اگرچہ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے یعنی لات کی تاء اور حین کی نون پر کسرہ پڑھا ہے جبکہ ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ولات حین مناص پڑھا ہے لات کی تاء پر کسرہ اور حین کو نصب دی گئی جہاں تک ولات اوان کا تعلق ہے اس میں دو تقدیریں ہیں۔

اخفش نے کہا: اس میں لفظ مضمر ہے یعنی کلام یوں تھی ولات حین اوان۔ نحاس نے کہا: اس قول میں واضح خطا موجود ہے ابو اسحاق سے دوسری تقدیر مروی ہے ولات اواننا مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو ضروری ہو گیا کہ اس کو معرب نہ بنایا جائے اور اس پر کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے۔ محمد بن یزید نے ولات اوان رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک تیسرے شعر کا تعلق ہے یہ دور اسلام کے شاعر کا شعر ہے جس کے قائل کا کوئی پتہ نہیں اس کے ساتھ دلیل قائم کرنا صحیح نہیں کہ محمد بن یزید نے اسے روایت کیا ہے کہ ازمنت اتت الان اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے کہ ازمنت اتت الان پس لفظ اتت سے ہمزہ اور نون کو حذف کر دیا ہے۔

جہاں تک ان کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال ہے جب آپ نے اس آدمی کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا ذکر کیا تو اسے کہا اذهب بها تلان الی اصحابک تو اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ محدث اس حدیث کو بالمعنی روایت کر رہا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ مجاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے اور اس میں ہے اذهب فاجهد جهدك ایک اور نے اسے روایت کیا ہے اذهب بها الان معک جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے امام میں تحین پایا ہے تو اس میں بھی ان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے کہ وہ مصاحف کا امام ہے اگر وہ مصاحف کے خلاف ہو گا تو وہ مصاحف کا امام نہ ہوا تمام مصاحف میں ولات ہے اگر اس میں صرف یہی استدلال ہوتا تو یہ کافی ہوتا مناص کی جمع مناوص ہے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝

"اور وہ اس پر حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے۔ کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے"۔

اَنْ جَآءَهُمْ میں اَنْ محل نصب میں ہے اس کا معنی ہے من ان جاءهم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا تعلق فی عزة و شقاق کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ ہے کہ بل فی عزة و شقاق وعجبوا اور کم اهلکنا جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ یہاں سے کلام کا آغاز ہے یعنی ان کی جہالت میں سے یہ بات ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔

کافروں نے کہا: یہ جادوگر ہے یہ آراستہ کلام لاتا ہے جس کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے جادو کے ذریعے والد اور اس کے بیٹے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے کَذَّابٌ یعنی دعوئ نبوت میں جھوٹا ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یہ دونوں مفعول ہیں یعنی اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے بے شک یہ تو عجیب و غریب چیز ہے سلمی نے عُجّاب پڑھا ہے عُجَاب، عُجّاب اور عجیب سب کا معنی ایک ہی ہے۔ خلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے کہ عجیب، عجب تو ہے مگر عجاب عجیب کی حد کو تجاوز کرتا ہے۔ طویل جس میں طول ہو طوال اسے کہتے ہیں جس نے طول کی حد کو تجاوز کیا ہو۔

جوہری نے کہا: عجیب اس امر کو کہتے ہیں جس سے تعجب کا اظہار کیا جائے اسی طرح عجاب ضمہ کے ساتھ ہے عجّاب جب شد کے ساتھ ہو تو وہ اس سے بڑھ کر ہے اسی طرح اعجوبہ ہے۔ مقاتل نے کہا: عجاب یہ ازدشنوءہ کی لغت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابو طالب مریض ہوئے (1) تو قریش ان کے پاس آئے اور نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے جبکہ ابو طالب کے سر کی طرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل اپنی جگہ سے اٹھا تاکہ آپ ﷺ کو اس جگہ سے روکے قریش نے ابو طالب کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی۔ ابو طالب نے کہا: اے بھتیجے! تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے؟ فرمایا: "اے میرے چچا جان! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کی خواہش کرتا ہوں جس کے باعث تمام عرب ان کی اطاعت کریں گے اور عجمی جزیہ دیں گے"۔ پوچھا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قریش نے کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا تو ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِکُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ امام ترمذی نے بالمعنی روایت کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو قریش پر ان کا اسلام بڑا شاق گزرا تو قریش ابو طالب کی خدمت میں جمع ہوئے کہا: ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا: اے بھتیجے! یہ تیری قوم مجھ سے انصاف کا تقاضا کرتی ہے اپنی قوم پر ظلم نہ کر۔ پوچھا: وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دو ہم تجھے اور تیرے معبود کو چھوڑ دیتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم مجھے ایک کلمہ دیتے ہو جس کے باعث تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہاری اطاعت کریں گے" ابو جہل نے کہا: تیرا بھلا ہو ہم تجھے وہ کلمہ اور دس اس جیسے اور کلمات دیتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ ص، جلد 2، صفحہ 155، ایضاً، حدیث نمبر 3158، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ارشاد فرمایا کہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ اس سے بدک گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: کیا اس نے تمام خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے اس تمام مخلوق کو ایک خدا کیسے پورا ہو سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ تک آیات کو نازل فرمایا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ؕ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۚ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝

"اور تیزی سے چل دیے قوم کے سردار رسول کے پاس سے (اور قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جمے رہو اپنے خداؤں پر بے شک اس میں اس کا کوئی (ذاتی) مدعا ہے۔ ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ کیا نازل کیا گیا ہے اس پر الذکر (قرآن) ہمارے درمیان میں سے، بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا ہے بے حساب عطا کرنے والا ہے۔ کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے؟ انہیں چاہیے کہ چڑھ جائیں (آسمانوں پر) اس کی راہوں سے۔ (درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے اس بدر میں شکست دی جائے گی"۔

الْمَلَاُ کا معنی اشراف ہیں، انْطَلَقَ کا معنی تیزی سے جانا ہے یعنی یہ کفار رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نکلے وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: جس طریقہ پر تم پہلے ہو اسی پر گامزن رہو اور اس کے دین میں داخل نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ابوطالب بن ہشام، شیبہ اور عتبہ جو ربیعہ بن عبد شمس کے بیٹے تھے، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور ابو معیط تھے وہ ابو طالب کے پاس آئے تھے انہوں نے کہا: تو ہمارا سردار ہے اور ہمارے بارے میں بہتر انصاف کرنے والا ہے اپنے بھتیجے اور اس کے ساتھ جو بے وقوف لوگ ہیں ان کے ساتھ ہمارے بارے میں معاملات اپنے ہاتھ میں لیں انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا اور ہمارے دین میں طعن کیا۔ ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا: تیری قوم تجھے انصاف کی طرف دعوت دیتی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں انہیں ایک بات کی دعوت دیتا ہوں"۔ ابو جہل نے کہا: ایک کیا دس۔ فرمایا: تم کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔

اَنِ امْشُوْا میں اَنْ محل نصب میں ہے معنی بان امشوا یعنی با حرف جار محذوف ہے اور اس کے حذف کی وجہ سے محل

نے کہا: یعنی وہ ان معبودوں کے شکست خوردہ لشکر ہیں وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے معبودان باطل سے کسی چیز کا مطالبہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں سے اپنے لیے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ ہی آسمانوں اور زمین سے کسی چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّأَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۚ أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ۝ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝

"جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے، یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر لازم ہو گیا میرا عذاب"۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعزیت اور آپ کی تسلی کے لیے کیا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تیری قوم کے لوگ ہیں متعدد قوموں کے لشکر ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کے خلاف لشکر کشی کی وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے پس انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم کو تانیث کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا(1) علماء عرب نے اس بارے میں دو قول نقل کیے ہیں:

(1) اس میں مذکر و تانیث جائز ہے (2) یہ مذکر ہے اس کی تانیث جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ معنی عشیرہ اور قبیلہ پر واقع ہو تو لفظ میں اس معنی کا حکم غالب ہوگا جو معنی مضمر ہے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ (عبس) یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ جب اس پر مضمر معنی مذکر تھا تو اسے مذکر ذکر کیا گیا اگرچہ لفظ تانیث کا تقاضا کرتا ہے۔

فرعون کی صفت ذُو الْأَوْتَادِ سے ذکر کی اس کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے مضبوط عمارتوں والا۔ ضحاک نے کہا: وہ بے شمار عمارتوں والا تھا اور عمارتوں کو اوتاد کہتے ہیں(2)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور عطا سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے کیل، رسیاں اور کھیل کے میدان تھے جن پر اس کے لیے کھیلا جاتا تھا۔ ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ قوت و پکڑ والا تھا۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: وہ لوگوں کو کیلوں کے ذریعے عذاب دیا کرتا تھا جب وہ کسی پر ناراض ہوتا تو زمین پر چار کیل گاڑھ کے ان کے درمیان چت لٹا دیتا تھا اور اس پر بچھو اور سانپ چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عذاب دیے جانے والے شخص کو چار ستونوں پر تان دیتا اس انسان کی ایک جانب ایک ستون کی طرف ہوتی جس میں لوہے کا ایک کیل گڑا ہوتا اور اسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذو الاوتاد سے مراد کثیر لشکروں والا ہے۔ جنود کو اوتاد کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس امر کو قوی بناتا ہے جس طرح کیل گھر کو قوی بناتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: هم في عز ثابت الاوتاد وہ ارادہ کرتے ہیں ان کے لیے دائمی اور قوی عزت ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ گھر بالوں کے خیمے ہوتے وہ میخوں کے ساتھ ہی مضبوط اور قوی ہوتے۔ اسود بن یعفر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 80	2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 81

اسے صاحب من فُواق پڑھا ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

جوہری نے کہا: فَواق اور فُواق سے مراد دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو عرصہ ہوتا ہے کیونکہ جانور کو دوہا جاتا ہے پھر اسے تھوڑا ترک کیا جاتا ہے تاکہ بچہ دودھ پیے تاکہ جانور دودھ اتارے پھر اسے دوبارہ دوہا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما اقام عنده الا فواقا یعنی وہ تھوڑی دیر اس کے پاس ٹھہرا۔ حدیث طیبہ میں ہے العیادۃ قدر فواق الناقۃ(1) عیادت اونٹنی دوہنے کے وقت تک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ اسے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی اس کے واقع ہونے پر راحت اور افاقہ کی صورت نہ ہوگی۔ الفیقۃ اس دودھ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان جمع ہو جاتا ہے واؤ یاء ہو گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مکسور ہے۔ اعشیٰ گائے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

حتى إذا فيقة في ضرعها اجتمعت　　جاءت لترضع شق النفس لو رضعا

یہاں تک کہ اس کی تھیری میں دودھ جمع ہو جاتا تو آئی تاکہ نفس کے حصہ کو دودھ پلائے۔

فیقۃ کی جمع فیق ہے پھر اس کی جمع افواق ہے جس طرح شبر کی جمع اشبار ہے پھر اس کی جمع افاویق ہوتی ہے؛ ابن ہمام سلولی نے کہا:

وذموا لنا الدنيا وهم يرضعونها　　أفاويق حتى ما يدر لها ثعل

وہ ہمارے سامنے دنیا کی مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ خود اس کے جمع شدہ دودھ چوستے ہیں یہاں تک کہ ثعل اس کے لیے دودھ نہیں دیتا۔

افاویق اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو بادل میں جمع ہو جاتا ہے وہ کچھ وقفہ بعد تھوڑے تھوڑے بارش برساتا ہے أفاقت الناقة إفاقة اونٹنی کی تھیری میں دودھ جمع ہو گیا اس سے اسم فاعل مفیق اور مفیقہ ہے۔ ابو عمرو سے مروی ہے کہ اس کی جمع مفاویق ہے فراء، ابو عبیدہ اور دوسرے علماء نے کہا: من فواق ہے یعنی فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی راحت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی یہ طویل ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا جبکہ ہم آپ کے صحابہ کے ایک طائفہ میں تھے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو نفخہ اولیٰ کا حکم دے گا ارشاد فرمائے گا: نفخہ فزع پھونکو تو تمام آسمان و زمین والے خوف زدہ ہو جائیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا وہ اسے پھیلائے گا اسے دوام دے گا اور اسے طویل کرے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۞ اور حدیث کو ذکر کیا اسے علی بن معبد اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

مجاہد نے کہا: قِطَّنَا کا معنی ہے ہمارا عذاب؛ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے یعنی عذاب میں سے ہمارا حصہ۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جنت میں ہمارا حصہ تاکہ دنیا میں اس سے لطف اندوز ہوں یہی سعید بن جبیر نے کہا: لغت میں یہ معروف ہے کہ

1۔ النہایہ لابن الاثیر، جلد 3، صفحہ 479

نصیب (حصہ) کو قط کہتے ہیں اور وہ کتاب جو تحائف کے لیے لکھی گئی ہو اسے بھی قط کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں قط سے مراد حصہ ہے اسی معنی میں رجسٹری کو قط کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور کسائی نے کہا: قط سے مراد وہ تحریر ہے جو انعامات کے لیے لکھی گئی ہو اس کی جمع قطوط ہے۔ اعشی نے کہا:

ولا الملك النعمان يوم لقيته بغبطته يعطي القطوط ويأفق (1)

قطوط سے مراد انعامات کی تحریریں ہیں۔ بغبطته کی جگہ بنعمته کے الفاظ ہیں یعنی اپنے احسان کے ساتھ یا اچھی حالت کے ساتھ یأفق یعنی احسان افضال کرتا ہے قط کی جمع میں قططة کہتے ہیں اور جمع قلت اقط اور اقطاط ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ جنت میں ان کی جو منازل ہیں ان کی مثالی شکل دکھائی جائے تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: معنی ہے ہمارے رزق ہمیں جلدی دے دیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمیں وہ چیز جلدی دی جائے جو ہماری ضروریات کے لیے کافی ہو یہ عربوں کے قول قطنی سے ماخوذ ہے یعنی یہ میرے لیے کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ بات ان کتابوں کے بارے میں کہی تھی جو ان کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں دی جاتی تھیں جب ان پر یہ قرآن پڑھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فاما من اوتی کتابہ بیمینہ، و اما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ۔ قط کا اصل معنی کاٹنا ہے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے قط القلم قلم کو کاٹا کسی شے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس طرح قسم اور قسم ہے اس کا اطلاق نصیب، کتاب اور رزق پر ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر سے الگ ہوتا ہے مگر اس کا اطلاق کتاب (تحریر) میں زیادہ استعمال ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے قوی ہے۔ امیہ بن ابی صلت نے اسی معنی میں یہ شعر کہا ہے:

قوم لهم ساحة العراق وما يجبى إليه والقط والقلم (2)

وہ ایسی قوم ہیں جن کے لیے عراق کا علاقہ اور جو اس کے لیے اکٹھا کیا جاتا ہے اور ان کے لیے تحریر اور قلم ہے۔

قبل یوم الحساب یعنی دنیا میں ہی قیامت سے قبل اگر معاملہ اس طرح ہے جس طرح محمد ﷺ کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی جانب سے استہزاء کے طور پر تھا۔

**اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝**

"(اے حبیب!) صبر کرو ان کی نامعقول باتوں پر اور یاد فرمایئے ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا"۔

جب کفار نے مذاق کیا تو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دیا۔ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے واقعات اور ان کی دشمنی کا ذکر کیا اور سابقہ قوموں کی ہلاکت کا ذکر کر کے انہیں خبردار کیا تو نبی کریم ﷺ کو ان کی اذیتوں پر صبر کا حکم دیا اور جو پہلے مذکور ہوا اس کے ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دی۔ پھر حضرت داؤد علیہ

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 496
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 83

السلام اور دیگر انبیاء کا ذکر شروع کیا تا کہ جن لوگوں نے صبر کیا ان کے صبر سے آپ کو تسلی پہنچے اور آپ کو یہ علم ہو جائے کہ آخرت میں آپ کے لیے کتنا اجر ہوگا اس اجر کی جنس جو حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو عطا کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قول پر صبر کیجئے اور ان کے لیے انبیاء کے قصے بیان کیجئے تا کہ وہ قصے آپ کی نبوت کی صحت پر دلیل بن جائیں۔

ذَا الْاَیْدِ سے مراد "عبادت میں قوی" ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ روزہ سب سے افضل اور سب سے فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات نماز پڑھا کرتے تھے جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو نہیں بھاگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے میں بڑے قوی تھے۔ عَبْدَنَا کا قول اضافت کے ساتھ شرف کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

الاید اور الآد بھی کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: العیب والعاب شاعر نے کہا:

لم یك ینآد فامسی انآدا — وہ لکڑی ٹیڑھی نہیں تھی وہ اب ٹیڑھی ہو گئی۔

اسی سے رجل اید ہے یعنی قوی آدمی۔ تاید الشیء شئی قوی ہو گئی اس معنی میں شاعر نے کہا:

اذا القوس وترھا اید رمی فاصاب الکلی والذرا

شاعر کہتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اس کی کمان کی تانت کو کسا جو دونوں میں ہے اور اسے پھینکا تو وہ اونٹوں کے گردوں کو جا لگا اور انہیں چربی کے ساتھ موٹا کر دیا۔ مراد اس سے نباتات ہے جو بارش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ضحاک نے کہا: اس کا معنی توبہ کرنے والا (1)۔ اور دوسروں سے مروی ہے کہ جب بھی وہ کسی لغزش کو یاد کرتے یا ان کے دل میں ان کے بارے میں کھٹکا پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوتے جس طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں دن اور رات میں سو دفعہ استغفار کرتا ہوں۔" آب یئوب اس وقت کہتے ہیں جب وہ لوٹ آئے: جس طرح شاعر نے کہا:

وکل ذی غیبۃ یئوب وغائب الموت لا یئوب

ہر غائب لوٹ آتا ہے اور موت کی وجہ سے غائب ہونے والا نہیں لوٹتا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا کی طرف لوٹنے والے تھے وہ اس لائق تھے کہ ان کی اقتدا کی جائے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۟

"ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یُسَبِّحْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے جو دو برہان اور معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صلاۃ الاوابین حین ترمض الفصال۔ اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرمی محسوس کرنے لگیں۔ فصال اور فصلان، فصیل کی جمع ہے اس سے مراد اونٹ کا وہ بچہ ہوتا ہے جسے دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ رمضاء سے مراد زمین میں گرمی کی شدت ہے۔ یہاں فصال کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس وقت گرمی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ابھی گرمی کی شدت اتنی نہیں ہوتی جس وقت ان کی مائیں گرمی محسوس کرتی ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان میں قوت برداشت کم ہوتی ہے یہ چاشت کے وقت اور اس کے تھوڑا وقت بعد ہوتا ہے۔ یہ سورج کے طلوع ہونے اور زوال کے درمیان کا وقت ہوتا ہے؛ یہ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: لوگوں میں سے اس سے کچھ پہلے نماز پڑھتے ہیں کیونکہ انہیں جلدی ہوتی ہے کیونکہ انہیں کوئی مصروفیت ہوتی ہے لیکن اس وجہ سے عمل میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ممنوع وقت میں نماز پڑھتا ہے اور وہ ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے خلاف چلا جاتا ہے وہ اس کے لئے نہیں ہوتا۔

**مسئلہ نمبر 4۔** امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من صلى الضحى ثنتى عشرة ركعة بنى الله له قصرا من ذهب فی الجنة (1) جو چاشت کے بارہ نوافل پڑھے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک محل بنا دے گا۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”تمہاری ہڈیوں میں سے چھوٹی ہڈی پر صدقہ ہے پس ہر تسبیح (سبحان اللہ) صدقہ ہے ہر تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) صدقہ ہے ہر تکبیر (اللہ اکبر) صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے برائی سے منع کرنا صدقہ ہے اور دو رکعتیں ان کے قائم مقام ہو جاتی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھتا ہے“ (2)۔

ترمذی نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے چاشت کے دو نفلوں میں مواظبت اختیار کی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں“ (3)۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ”میرے خلیل نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی، میں اپنی موت تک انہیں نہیں چھوڑوں گا ہر ماہ تین روزے، چاشت کی نماز اور وتر پڑھ کر سونا“ (4)۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے: چاشت کے دو نفل ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوالدرداء سے روایت نقل کی ہے جس طرح امام بخاری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ یہ سب بحث اس پر دلالت کرتی ہے کہ چاشت کی نماز کی کم سے کم رکعتیں دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، باب ما جاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، جلد 1، صفحہ 62

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، استحباب صلوٰۃ الضحیٰ، جلد 1، صفحہ 250

3۔ جامع ترمذی، کتاب الوتر، باب ما جاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، جلد 1، صفحہ 63

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، صلوٰۃ الضحیٰ فی الحضر، جلد 1، صفحہ 157

سلامی کا اصل معنی انگلیوں، ہتھیلیوں اور پاؤں کی ہڈیاں ہیں پھر اس کا استعمال جسم کی تمام ہڈیوں اور جوڑوں میں ہونے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بنی آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے جس نے اللہ اکبر، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ، استغفر اللہ کہا، راستے سے کوئی پتھر، کوئی کانٹا یا راستے سے کوئی ہڈی ہٹائی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اس نے یہ عمل تین سو ساٹھ کی تعداد کے برابر کیا تو وہ اس روز چلے گا جبکہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا ہوگا (1)" ابوتوبہ نے کہا: بعض اوقات یمسی کا لفظ ذکر کیا۔ امام مسلم نے اسی طرح نقل کیا ہے ان کا قول ہے ویجزئ من ذلک رکعتان یعنی ان اعضاء کی جانب سے ان صدقات کے لیے دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک ایسا عمل ہے جس کو جسم کے تمام اعضاء کے ساتھ کیا جاتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جسم کا ہر عضو وہ فریضہ سرانجام دیتا ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝**

"اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے اور سب ان کے لیے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ"۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً اس کا عطف الجبال پر ہے۔ فراء نے کہا: اگر اسے والطیر محشورۃ پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں فعل ظاہر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تو پہاڑ انہیں جواب دیتے اور پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ تسبیح کرتے۔ ان کا آپ کے پاس جمع ہونا ہی ان کا حشر ہے معنی ہے کہ ہم نے پرندوں کو مسخر کیا کہ وہ آپ کے پاس جمع ہوتے تاکہ وہ آپ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے ہوا کو مسخر کیا تاکہ پرندے ان کے پاس جمع ہوں تاکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں یا ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ پرندوں کو جمع کریں ہر ایک حضرت داؤد علیہ السلام کا تابعدار تھا یعنی ان کے پاس آتا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ یعنی ہم نے اسے قوی کیا یہاں تک کہ وہ پختہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ہیبت اور دلوں میں رعب ڈال کر ان کی حکومت کو پختہ کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لشکروں کی زیادتی کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو پختہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تائید اور نصرت کے ساتھ ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا۔ یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی بادشاہ تھے ہر رات ان کی عبادت گاہ کی تیس ہزار لوگ نگہبانی کیا کرتے تھے جب آپ صبح کرتے تو کہا جاتا واپس چلو تم سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ ملک کا معنی ملکیت کی زیادتی ہے آدمی کی ملکیت ہوتی ہے مگر اس وقت ملک نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی ملکیت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اسم الصدقۃ، جلد 1، صفحہ 325 — 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84

چیزیں کثیر ہو جاتی ہیں اگر ایک آدمی گھر اور بیوی کا مالک ہو جائے تو وہ اس وقت تک ملک نہیں کہلاتا یہاں تک کہ اس کے پاس خادم ہو جو مصالح میں تصرف کی ذمہ داری کو کافی ہو جس کا ایک انسان محتاج ہوا کرتا ہے یہ معنی سورۂ براءہ میں گزر چکا ہے اور ملک کی حقیقت سورۂ نمل میں گزر چکی ہے۔

وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ حکمت سے مراد نبوت ہے (1) یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد عدل ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سنت ہے۔ شریح نے کہا: اس سے مراد علم اور فقہ ہے۔ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ابو عبد الرحمن سلمی اور قتادہ نے کہا: قضا میں فیصلہ ہے: یہ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بیان کلام ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے کہا: اس سے مراد یہ ارشاد ہے البينة على المدعي واليمين على من انكر شریح، قتادہ اور شعبی کا قول ہے: ابو موسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا: یہ ان کا قول اما بعد ہے۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا کلمہ استعمال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ فَصْلَ الْخِطَابِ سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا بیان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کثیر معانی کا قلیل الفاظ میں سمو دینا ہے۔ ان اقوال کے معنی قریب قریب ہیں۔ حضرت علی شیر خدا کا قول اس کو جامع ہے کیونکہ فیصلہ کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول اس سے مختلف ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: جہاں تک علم قضا کا تعلق ہے (2) تیرے معبود کی قسم! یہ علم کی ایک نوع کی قسم ہے اور اس کی موکد فضیلت ہے، یہ احکام کی معرفت اور حلال و حرام کی بصیرت سے الگ ہے حدیث طیبہ میں ہے أقضاكم علي وأعلمكم بالحلال والحرام معاذ بن جبل (3) تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی ہیں اور تم میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کے مسائل جاننے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض اوقات ایک آدمی افعال کے احکام کو جانتا ہے حلال و حرام کو پہچانتا ہے وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو لوگوں نے شیر کو شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اس میں شیر گر پڑا لوگ اس گڑھے پر اکٹھے ہو گئے اس گڑھے میں ایک آدمی گرا وہ ایک اور آدمی کے ساتھ چمٹ گیا وہ ایک آدمی کے ساتھ چمٹ گیا یہاں تک کہ وہ کل چار آدمی ہو گئے شیر نے انہیں زخمی کر دیا تو وہ ہلاک ہو گئے لوگوں نے اسلحہ تھام لیا قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ ہو جاتی فرمایا: میں ان کے پاس آیا اور میں نے کہا: کیا تم چار آدمیوں کی وجہ سے دو سو آدمیوں کو قتل کرتے ہو آؤ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر تم اس پر راضی ہو تو وہ تمہارے درمیان فیصلہ ہوگا اگر تم وہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دو تم وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت علی شیر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 84
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1627-28-29
3۔ سنن ابن ماجہ، باب فضائل خباب، جلد 1، حدیث نمبر 150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خدا نے پہلے کے لیے چوتھائی دیت، دوسرے کے لیے ایک تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے پوری دیت کا فیصلہ کیا اور تمام دیتیں ان افراد پر لازم کر دیں جنہوں نے وہ گڑھا کھودا تھا اور اسے ان پر قبائل پر تقسیم کر دیا۔ کچھ لوگ راضی ہو گئے اور کچھ لوگ ناراض ہو گئے پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات بیان کیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا“ ایک آدمی نے عرض کی: حضرت علی شیر خدا نے ہمارے درمیان ایک فیصلہ کیا ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے جو فیصلہ کیا تھا اسے بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فیصلہ تو وہی ہے جو حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کیا ہے“۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا کا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اسی طرح المعرفۃ بالفصلہ میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک آدمی آیا عرض کی کہ ابن ابی لیلیٰ جو کوفہ کے قاضی تھے نے ایک مجنونہ عورت کو دو حدیں جاری کرتے ہوئے کوڑے مروائے جس نے ایک آدمی کو کہا: اے دو بدکاری کرنے والوں کے بیٹے جبکہ وہ عورت کھڑی تھی حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس نے چھ وجوہ سے غلطی کی ہے۔

ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ نے یہ قول بدیہی طور پر کر دیا علماء کے علاوہ کوئی آدمی روایت کو نہیں جانتا۔ جہاں تک حضرت علی شیر خدا کے فیصلہ کا تعلق ہے اس کو تھوڑا علم رکھنے والا نہیں پا سکتا اور احکام میں تجربہ رکھنے والا اس کا ادراک نہیں کر سکتا مگر وہ جو طویل عرصہ تک اس پر اپنی توجہ کو مرکوز کیے ہوئے ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ جو چار مقتول ہیں خطاً قتل ہوئے کیونکہ جو لوگ وہاں حاضر تھے ان میں دھکم پیل ہوئی اور جن لوگوں نے اس گڑھے کو کھودا ان پر ان مرنے والوں کی دیت خطا لازم ہوگی مگر جو پہلا ہے دھکم پیل کی وجہ سے مقتول ہے جس نے تین دوسرے افراد کو کھینچتے ہوئے قتل کیا اس کے لیے قتل ہونے کی وجہ سے دیت ہوگی اور اس پر تین چوتھائی دیت لازم ہوگی ان افراد کی جن کو اس نے کھینچ کر قتل کیا ہے جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے اس کے لیے ایک تہائی دیت ہوگی اور اس پر ان دو افراد کی دو تہائی دیت لازم ہوگی جن دو کو اس نے کھینچ کر قتل کیا۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے اس کے لیے نصف دیت ہوگی اور اس پر بھی نصف دیت ہوگی کیونکہ اس نے ایک آدمی کو کھینچ کر قتل کیا تھا اسی طرح ان میں تقسیم ہوگی اور عاقلہ جاری قصاص کے بعد اسی طرح چٹی بھریں گے یہ بہت عمدہ استنباط ہے۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ کا تعلق ہے تو آپ نے متعلقہ اسباب کو دیکھا تو آپ نے غلطی کی چھ وجوہ کو دیکھا۔

(1) مجنون پر کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ جنون احکام کے مکلف ہونے کے حکم کو ساقط کر دیتا ہے یہ اس وقت ہوتا جب تہمت جنون کی حالت میں لگائی ہو جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جسے کسی وقت جنون لاحق ہوتا ہو اور کسی وقت افاقہ ہوتا ہو تو اسے افاقہ کی حالت میں حد قذف لگائی جائے گی۔ (2) اس کا قول: اے دو بدکاروں کے بیٹے! تو اس کے کوڑے دو حدوں کی صورت میں لگنے چاہئیں تھے ہر ایک کی وجہ سے ایک حد جاری ہوتی تھی امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کے مطابق اسے غلط قرار دیا ہے کیونکہ حد قذف میں تداخل واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس طرح شراب اور بدکاری کی حد ہے جہاں تک امام شافعی اور امام مالک کا تعلق ہے دونوں کی رائے یہ ہے کہ حد قذف یہ بندے کا حق ہے اس وجہ سے

جب وہ افراد متعدد ہیں جن پر تہمت لگائی گئی ہے تو حدیں بھی متعدد ہوں گی۔ (3) قاضی نے مقذوف کے مطالبہ کے بغیر حد لگائی ہے اور امت کا اجماع ہے کہ حد قذف مطالبہ کے بعد ہی جاری ہوتی ہے خواہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اسی تعبیر کی بنا پر یہ مثل قائم ہو جاتی ہے کہ جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بندے کا حق ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا تو مطالبہ پر موقوف نہ ہوتی جس طرح کہ حد زنا ہے۔ (4) آپ نے پے در پے دو حدیں جاری کیں جبکہ جس پر حدیں واجب ہوں انہیں پے در پے جاری نہیں کیا جاتا بلکہ ایک حد جاری کی جاتی ہے پھر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ زخم مندمل ہو جائیں پھر اس پر دوسری حد جاری کی جائے گی۔ (5) اس نے عورت پر حد جاری کی ہے جبکہ وہ کھڑی تھی جبکہ عورت پر حد اس وقت جاری کی جاتی ہے جبکہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور پردے میں ہو۔ (6) اس نے مسجد میں حد جاری کی ہے جبکہ مسجد میں حد جاری نہیں کی جاتی جبکہ اس پر اجماع ہے کہ حدود مسجد میں جاری نہیں کی جاتیں۔

مسجد میں فیصلہ کرنے اور تعزیر کرنے میں اختلاف ہے۔

قاضی نے کہا: یہی منفصل خطاب اور علم قضا ہے حدیث انقضاکم علی کی جو تاویلیں کی گئی ہیں ان میں سے ایک تاویل کی بنا پر اسی علم کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا: اس سے مراد ایجاز ہے۔ تو وہ عربوں کے لیے ہے عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا اسی طرح ایجاز سرور دو عالم ﷺ کے لیے ہوگا دوسرے عربوں کے لیے نہ ہوگا نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے: اوتیت جوامع الکلم(1) مجھے جوامع کلم سے نوازا گیا۔ جس نے کہا: اس سے مراد اما بعد ہے تو نبی کریم ﷺ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: اما بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دور جاہلیت میں سب سے پہلے جس آدمی نے یہ لفظ استعمال کیا وہ سحبان بن وائل تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جو بعث بعد الموت پر ایمان لایا تھا اور وہی پہلا شخص ہے جس نے عصا پر ٹیک لگائی تھی اور اس کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی اگر یہ درست ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کہا تھا تو وہ عربی زبان میں نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کی اپنی زبان میں ہوگا۔

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ إِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هٰذَآ أَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ ۖ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۗ وَإِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٥﴾

1۔ مشکوۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

"اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر تو آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھا دیجئے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا: بے شک اس نے ظلم کیا تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آگیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے"۔

اس میں چوبیس مسائل ہیں۔

**مسئلہ نمبر 1۔** خصم کا لفظ ایک، دو اور جماعت پر واقع ہوتا ہے(1) کیونکہ اصل میں یہ مصدر ہے۔ شاعر نے کہا:

وخصم غضاب ينفضون لحاهم    كنفض البراذين العراب المخاليا

وہ غصیلے دشمن ہیں وہ اپنی داڑھیوں کو یوں جھاڑتے ہیں جس طرح ترکی عربی گھوڑے توبڑوں کو جھاڑتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں خصم سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تَسَوَّرُوْا یہ لفظ خصم پر محمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے اگرچہ جھگڑا کرنے والے دو تھے کیونکہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ ہے اور اس کے مشابہ ہے جس طرح الرکب اور الصحب ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہو گی کہ دو کے لیے ذوا خصم ہو گی اور جماعت کے لیے ذوو خصم ہو گی۔

تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس آئے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تسور الحائط وہ دیوار پر چڑھا السور شہر کی فصیل کو کہتے ہیں یہ ہمزہ کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح السور ہے یہ سورۃ کی جمع ہے جس طرح بسرۃ کی جمع بسر آتی ہے یہ تعمیر کی ہر منزل کو کہتے ہیں اسی سے سورۃ القرآن ہے کیونکہ یہ بھی ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہوتی ہے جو دوسری سے الگ ہوتی ہے اس کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ نابغہ کا قول ہے:

الم تر ان الله اعطاك سورة    ترى كل ملك دونها يتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مرتبہ عطا کیا ہے تو ہر بادشاہ کو اس مرتبہ سے نیچے متذبذب دیکھے گا۔

اس شعر میں سورۃ سے مراد شرف اور منزلت ہے۔

جہاں تک اس سؤرۃ کا تعلق ہے جو ہمزہ کے ساتھ ہے اس سے مراد برتن میں بچا کچھا کھانا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 85

ابن عربی نے کہا: فارسی زبان میں سور سے مراد ولیمہ ہے حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر کہا تھا: ان جابرا قد صنع لکم سورا فحی هلا بکم (1)۔

یہاں محراب سے مراد کمرہ ہے کیونکہ وہ کمرہ میں ہی ان کے پاس آئے تھے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد صدر مجلس ہے؛ اسی معنی میں مسجد کا محراب ہوتا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ یہاں اذ دو دفعہ آیا ہے کیونکہ یہ دونوں فعل ہیں۔ فراء نے گمان کیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک لما کے معنی میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دوسرا اذ اپنے مابعد سے مل کر اپنے ماقبل کا بیان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں انسان تھے؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔

ایک جماعت نے ان دونوں کو معین کیا ہے انہوں نے کہا: وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو فرشتے تھے جو دو انسانوں کی صورت میں تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کے روز ان کے پاس بھیجے تھے نگہبانوں نے انہیں اندر جانے سے روکا تھا تو وہ دیوار کے اوپر سے ان کے پاس حاضر ہو گئے حضرت داؤد علیہ السلام کو محسوس تک نہ ہوا کیونکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے وہ دونوں ان کے سامنے بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی دیوار پر چڑھے اور عبادت والے کمرے کے اوپر سے نیچے اترے؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا۔

اس کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس ؓ نے بیان کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اپنا بچاؤ کر لیں گے اگر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہیں کہا گیا: تجھے آزمایا جائے گا تو اس دن کو جان لے گا جس میں تجھے آزمایا جاتا ہے تو اپنی احتیاط کر لینا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور لی، عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور کسی کو بھی اندر داخل ہونے سے منع کر دیا اس اثنا میں کہ وہ زبور پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک پرندہ آیا جو پرندوں میں سے حسین ترین تھا وہ پرندہ آپ سے قریب ہونے لگا حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ اس پرندے کو پکڑ لیں وہ مزید آگے ہوا یہاں تک کہ وہ عبادت گاہ کے روشن دان میں جا گرا حضرت داؤد علیہ السلام اس کے قریب ہوئے تاکہ اسے پکڑ لیں تو وہ اڑ گیا آپ جھانکے تاکہ اس پرندے کو دیکھیں تو آپ کی نظر ایک عورت پر جا پڑی جو غسل کر رہی تھی جب عورت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے جسم کو اپنے بالوں سے ڈھانپ لیا۔ سدی نے کہا: وہ عورت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: اس کا خاوند اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا غازی تھا جس کا نام اوریا بن حنان تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے مجاہدین کے امیر کو خط لکھا کہ وہ اس کے خاوند کو تابوت اٹھانے والوں میں معین کرے تابوت اٹھانے والوں کو یا تو اللہ تعالیٰ فتح عطا کرتا ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں امیر نے اسے آگے رکھا تو وہ قتل ہو گیا جب اس عورت کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دعوت نکاح دی اس عورت نے یہ شرط لگائی: اگر اس کا لڑکا ہوا تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کا

1۔ دلائل النبوۃ، باب ما ظهر فی الخندق، جلد 3، صفحہ 428

ساتھ امتحان نہیں لیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: میرا بھی امتحان لے جس طرح ان کا امتحان لیا اور مجھے بھی وہ مقام عطا کر جو تو نے انہیں مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی: تیرا فلاں مہینہ میں جمعہ کے روز امتحان ہوگا جب وہ دن آیا تو آپ عبادت گاہ میں چلے گئے دروازہ بند کر لیا نماز پڑھنے لگے اور زبور کی تلاوت کرنے لگے اسی اثنا میں کہ آپ یہ کام کر رہے تھے کہ شیطان نے ان کے لیے سونے کی کبوتری کی صورت اختیار کی اس میں ہر قسم کا خوبصورت رنگ موجود تھا وہ آپ کے قدموں کے ساتھ ٹھہر گئی آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تا کہ اسے پکڑ لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیں وہ تھوڑی دور تک اڑ گئی مگر اپنی ذات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو مایوس نہ کیا حضرت داؤد علیہ السلام اس کی طرف بڑھے تا کہ اسے پکڑ لیں تو وہ تھوڑی اور دور چلی گئی حضرت داؤد علیہ السلام اس کے پیچھے ہوئے وہ اڑی یہاں تک کہ وہ روشن دان میں جا گری حضرت داؤد علیہ السلام آگے بڑھے تا کہ اسے پکڑیں تو وہ اڑ گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اس کے پیچھے بلند ہوئی تھی تا کہ اس کے پیچھے کسی کو بھیجیں جو اسے پکڑ لے تو آپ نے ایک تالاب کے کنارے ایک عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا؛ یہ کلبی کا قول ہے۔

سدی نے کہا: وہ عورت چھت پر بے لباس غسل کر رہی تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے بہت خوبصورت پایا اس عورت نے آپ کا سایہ دیکھا تو اس نے اپنے بالوں کو بکھیر دیا تو اپنے بدن کو ڈھانپ لیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اور بھی بھلا لگا اس عورت کا خاوند اوریا بن حنان تھا جو ایوب بن صوریا کے ساتھ جنگ میں شامل تھا حضرت ایوب حضرت داؤد علیہ السلام کے بھانجے تھے حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت ایوب کی طرف خط لکھا کہ اوریا کو فلاں فلاں جگہ متعین کرے ایوب نے اسے تابوت کے سامنے متعین کر دیا۔ جس آدمی کو تابوت کے سامنے متعین کیا جاتا اس کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا کہ وہ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا شہید ہو جائے۔ ایوب نے اسے آگے رکھا تو اسے فتح نصیب ہوئی تو ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام حالات لکھ بھیجے۔

کلبی نے کہا: اوریا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں اللہ تعالیٰ کی تلوار تھے جب وہ کوئی وار کرتے اور اللہ اکبر کہتے تو حضرت جبریل ان کی دائیں جانب اور حضرت میکائیل ان کی بائیں جانب اللہ اکبر کہتے اور اس کی تکبیر کی وجہ سے آسمان کے فرشتے بھی اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عرش تک جا پہنچتا تو عرش کے فرشتے اس کی تکبیر سے اللہ اکبر کہتے اللہ تعالیٰ کی تلواریں تین تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کالب بن یوقنا، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اوریا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

جب ایوب نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اوریا کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایوب کو خط لکھا کہ اسے فلاں لشکر میں بھیج دو اور تابوت کے آگے متعین کرو اللہ تعالیٰ نے اس مہم میں بھی آپ کو فتح عطا فرمائی اور تیسری دفعہ وہ شہید ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے عدت ختم ہونے کے بعد شادی کر لی۔ یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے دل میں سوچا کہ وہ ایک دن بغیر کوئی چیز کھائے گزار سکتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عورتوں کے لیے، ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ بنی اسرائیل کے لیے وہ آپ کے ساتھ مذاکرہ کرتے اور آپ ان کے ساتھ مذاکرہ کرتے وہ آپ کو رلاتے اور آپ ان کو رلاتے تھے اور ایک حصہ فیصلوں کے لیے۔ بنی اسرائیل نے آپ سے گفتگو کی: کیا انسان پر کوئی ایسا دن بھی گزر سکتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ کرے حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں خیال کیا کہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں آپ نے عبادت والے دن دروازہ بند کر لیا اور حکم دیا کہ آج ان کی خدمت میں کوئی حاضر نہ ہو آپ نے زبور کی تلاوت میں اپنی توجہات مرکوز کر لیں تو سونے کی ایک چڑیا آپ کے سامنے گری اور اسی طرح کا واقعہ ذکر کیا جو پہلے مذکور ہو چکا ہے اور سے علماء نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے (2) کہ حاکم پر کوئی لازم نہیں کہ ہر روز وہ لوگوں کے لیے متعین کرے اور انسان کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیویوں سے باری کرنا ترک کرے اگرچہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔ سورۃ النساء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کعب احبار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ کی موجودگی میں اسی امر کا فیصلہ کیا نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرمایا: ان لزوجك عليك حقاً بے شک بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ حضرت حسن بصری اور دیگر نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا جب انہیں خلیفہ بنایا گیا اللہ کی قسم! میں تمہارے درمیان عدل کروں گا اور ان شاء اللہ نہ کہا تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ ابوبکر وراق نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام بہت زیادہ عبادت کیا کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنے آپ پر عجب کا اظہار کیا اور کہا: کیا زمین میں کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ جیسا عمل کر رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو ان کی طرف بھیجا فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے فرماتا ہے: تو نے اپنی عبادت پر عجب کا اظہار کیا ہے، عجب عبادت کو یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اگر تو نے دوبارہ عجب کا اظہار کیا تو میں تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! ایک سال تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دے فرمایا: یہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔ عرض کی: ایک مہینہ تک مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: یہ بھی زیادہ عرصہ ہے عرض کی: ایک دن۔ فرمایا: یہ بھی زیادہ ہے۔ عرض کی: یا رب مجھے ایک ساعت کے لیے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے فرمایا: ایک ساعت کے لیے تیرا نفس تیرے حوالے ہے۔ آپ نے معاملہ نگہبانوں کے حوالے کر دیا خود اون کا لباس پہنا اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے زبور اپنے ساتھ رکھ لی تا کہ وہ عبادت میں مصروف رہیں کہ ایک پرندہ آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تو عورت کا واقعہ ہوا جو ہوا۔

سفیان ثوری نے کہا: ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور التجا کی: اے میرے رب! کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر داؤد کے خاندان میں سے کوئی فرد روزے سے ہوتا ہے اور کوئی رات نہیں ہوتی مگر آل داؤد میں سے کوئی تیرے حضور قیام کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: اے داؤد! یہ تیری وجہ سے ہے یا میری وجہ سے ہے میری عزت کی قسم! میں ضرور تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب!

مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک سال تک کے لیے تجھے تیرے نفس کے حوالے کر دیتا ہوں عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ماہ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک ہفتہ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک دن عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! ایک گھنٹہ عرض کی: نہیں تیری عزت کی قسم! فرمایا: ایک لحظہ شیطان نے کہا: ایک لحظہ کی کیا حیثیت ہے؟ عرض کی: ایک لحظہ کے لیے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لحظہ کے لیے اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا اسے کہا گیا: فلاں دن فلاں وقت میں جب وہ دن آیا تو آپ نے وہ دن عبادت کے لیے خاص کر دیا آپ نے نگہبانوں کو اس مکان کے ارد گرد متعین کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ تیس ہزار یا تینتیس ہزار تھے۔ اپنے رب کی عبادت کے لیے خلوت گزیں ہو گئے اور اپنے سامنے زبور کو پھیلا دیا ایک کبوتری آئی اور آپ پر آ گری تو اس لمحہ اس عورت کا معاملہ ہوا جو ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ولادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ان کی طرف بھیجے ان دونوں نے انبیاء کی مثال پیش کی جب مثال کو سنا تو اپنی خطا یاد آئی حتیٰ کہ چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے جس کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ** آپ ان سے گھبرا گئے کیونکہ دونوں رات کے وقت اس وقت داخل ہوئے جس وقت جھگڑنے والے لوگ داخل نہیں ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس لیے گھبرائے تھے کیونکہ وہ بغیر اجازت کے داخل ہوئے تھے ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ عبادت گاہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دیوار پھلانگ کر آئے تھے دروازے سے داخل نہ ہوئے تھے۔

ابن عربی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت خانہ اوپر چڑھ کر داخل ہونے سے محفوظ تھا کیونکہ آدمی کسی حیلہ سے بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا مگر اس صورت میں کہ وہ کئی دنوں یا کئی مہینوں تک اس کے پیچھے دوڑ کرتا جبکہ اس کے ساتھ کئی مددگار بھی ہوں اور مختلف انواع کے آلات ہوں۔ اگر ہم کہیں کہ وہ محراب کے دروازے سے اس تک پہنچے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خبر دینے کے لیے یہ ارشاد نہ فرماتا تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ کیونکہ جو آدمی سیڑھی کی جانب سے اور پیچھے کی جانب سے اوپر آئے تو اس کے لیے تسور المحراب و الغرفۃ کا لفظ استعمال نہیں کرتے مگر بطور مجاز ایسا کہا جا سکتا ہے جب تو روشن دان کو دیکھے جس سے وہ جھگڑا کرنے والے داخل ہوں تو تجھے قطعی طور پر علم ہو جائے گا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے اور وہاں تک کوئی عام بشر رسائی نہیں کر سکتا مگر فرشتے ہی پہنچ سکتے ہیں۔ ثعلبی نے کہا ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہونے والے بنی اسرائیل میں سے دو حقیقی بھائی تھے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو ایک فرشتے نے کہا: اے داؤد! تو نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کیوں نہ کیا۔ پہلی تعبیر زیادہ اچھی ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا جو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اکثر اہل تاویل نے یہی کہا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے۔ یہ کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ فرشتے کہیں: خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ یہ تو سراسر جھوٹ ہے اور فرشتے اس قسم کے جھوٹ سے منزہ ہیں۔

اسکا جواب یہ ہوگا: کلام میں تقدیر ضروری ہے گویا دونوں نے کہا: تقدیرنا کاننا خصمان بغی بعضنا علی بعض ہمارے بارے میں مقدر کیجئے گویا ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر بغاوت کی ہے۔ اسی معنی پر ان دونوں کے قول کو محمول کیا جائے گا اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً کیونکہ یہ اگرچہ خبر کی صورت میں تھا مگر مقصود تقریر میں لانا تھا تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس پر انہیں آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ اگر یہ سوال کیا جائے: حضرت داؤد علیہ السلام کیوں گھبرائے جبکہ وہ نبی تھے جبکہ ان کا نفس نبوت کے ساتھ قوی ہو گیا تھا اور وحی کی وجہ سے مطمئن تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقام و مرتبہ آپ کو عطا کیا تھا اس پر پورا بھروسہ تھا آپ کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر فرمائے تھے اور شجاعت میں بڑے مقام و مرتبہ پر فائز تھے؟

اسے جواب دیا جائے گا: ان سے قبل کے انبیاء کا طریقہ بھی یہی تھا وہ قتل اور اذیت سے محفوظ نہ تھے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام تو ان سے خوفزدہ ہوئے تھے کیا تم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو نہیں دیکھتے دونوں نے کیسے کہا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ۝ (طٰہٰ) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا تَخَفْ (ہود: 70) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو فرمایا: یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ (ہود: 81) اسی طرح دو فرشتوں نے یہاں کہا لَا تَخَفْ محمد بن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے جبکہ آپ اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت تھے ایک ایسی مثال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اور اوریا کے لیے بیان فرمائی آپ نے دونوں کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا پوچھا کونسی چیز تمہیں میرے پاس لے آئی؟ دونوں نے کہا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے آپ نے دونوں کو نکل جانے کا حکم کیوں نہ دیا جبکہ آپ نے آنے کا مدعا بیان کیا تھا ان دونوں کو ادب کیوں نہ سکھایا جبکہ دونوں اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے؟۔

اس کا جواب چار طریقوں سے دیا جا سکتا ہے: (1) ہم نہیں جانتے کہ حجاب اور اذن کے کیا احکام تھے جواب اسی کے مطابق ہوگا جیسے احکام ہوں گے ہماری شریعت کے آغاز میں اسکے بارے میں واضح احکام موجود نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح کیا۔ (2) اگر ہم حجاب کے احکام پر جواب دینا چاہیں تو یہ احتمال موجود ہے کہ وقتی گھبراہٹ نے آپ کو اس چیز سے غافل کر دیا ہو جو امر اس بارے میں آپ پر واجب تھا۔ (3) آپ نے ارادہ کیا کہ آپ ان کی پوری گفتگو سن لیں جس وجہ سے وہ دونوں داخل ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کی حقیقت سے آپ آگاہ ہو جائیں اور یہ دیکھیں کہ کیا بغیر اجازت کے داخل ہونا لازم آتا ہے یا کہ نہیں، کیا اس کے ساتھ ساتھ کوئی عذر بھی ہوا ہے یا ان کے لیے کوئی عذر نہیں آخری صورت حال یہ ظاہر ہوئی کہ یہ تو کل آزمائش اور امتحان تھا اور مثال تھی جو اللہ تعالیٰ نے قصہ میں بیان کرنا چاہی اور یہ ایک ادب تھا جو ان کی عصمت واقع ہوا تھا۔ (4) یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مسجد میں ہوا ہو اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کسی کو روکنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ پانچواں قول ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں نے کہا: جب پہرے داروں نے ہمیں اجازت نہ دی تو ہم دیواریں پھلانگ کر پہنچ گئے اور ہمیں ڈر تھا کہ معاملہ ہمارے درمیان مرنے/قتل کا باعث بن جائے گا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عذر کو قبول کیا اور ان کے قول کی طرف توجہ کی۔

**مسئلہ نمبر 6۔** خَصْمٰنِ اگر یہ سوال کیا جائے کہ خَصْمٰنِ کیسے فرمایا جبکہ اس سے قبل فرمایا تھا اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو دو بھی جمع ہے۔ خلیل نے کہا: جس طرح تو کہتا ہے: نحن فعلنا جب تم دو ہوتے ہو۔ کسائی نے کہا: جب خبر تھی تو جمع کا ذکر کیا جب خبر ختم ہوگئی اور مخاطبہ شروع ہوا تو دونوں نے اپنے بارے میں خبر دی تو کہا خَصْمٰنِ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے نحن خصمان دوسرے علماء نے کہا: قول محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقول خصمان بغی بعضنا علی بعض۔ کسائی نے کہا: اگر کلام یوں ہوتی بغی بعضہما علی بعض تو یہ بھی جائز ہوتا۔ ماوردی نے کہا: دونوں فرشتے تھے وہ نہ جھگڑا کرنے والے تھے اور نہ ہی باغی تھے اور نہ ہی ان سے کوئی جھوٹی بات واقع ہوئی تھی (1)۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ارایت ان اتاک خصمان قالا بغی بعضنا علی بعض۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے نحن فریقان من الخصوم بغی بعضنا علی بعض اس بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ خصومت دو افراد کے درمیان ہو اور ہر ایک کے ساتھ ایک جمعیت ہو۔ یہ احتمال بھی موجود ہے ایک فریق کے ہر ایک فرد کی دوسرے فریق کے ہر ایک فرد کے ساتھ خصومت ہو وہ اپنی اپنی خصومتوں کے لیے حاضر ہوئے ہوں لیکن ان میں سے دو افراد نے آغاز کیا ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام نکاح کے ذکر سے تمام قصہ سے آگاہ ہو گئے ہیں اور اس چیز نے انہیں دوسری خصومات سے مستغنی کر دیا ہے۔ بغی کا معنی تعدی کرنا اور فریضہ سے نکلنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے بغی الجرح۔ جب درد بڑھ جائے اور بہت بڑا ہو جائے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: بغت المراۃ۔ جب وہ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ یعنی ناانصافی نہ کیجئے: یہ سدی نے کہا ہے۔ ابو عبید نے کہا: شططت علیہ واشططت۔ میں نے اس پر ظلم کیا۔ تمیم داری کی حدیث میں ہے انک لشاطی یعنی تو حکم میں مجھ پر ظلم کرنے والا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تو مائل نہ ہو۔ اخفش نے کہا: آپ اسراف سے کام نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ افراط سے کام نہ لیں۔ معنی قریب ہے۔ اس کا اصل معنی دور ہونا ہے یہ شطت الدار سے ماخوذ ہے یعنی گھر دور ہے شطت الدار تشط وتشط شطا وشطوطا گھر دور ہے اشط فی القضیۃ۔ اس نے فیصلہ میں ظلم کیا اشط فی السوم واشتط۔ بھاؤ لگانے میں بہت دور چلا گیا۔ اشتطوا فی طلبی انہوں نے میری طلب میں بہت کوشش کی۔ ابو عمرو نے کہا شطط کا معنی ہے بڑھنے میں حد سے بڑھنا حدیث طیبہ میں ہے لہا مہر مثلہا لاوکس ولا شطط اس کے لیے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن حکیم میں ہے: لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا۝ (الکہف) یعنی ہم نے ظلم کیا اور حق سے بہت بعید بات کی اور ہماری سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی فرما۔ سواء الصراط سے مراد قصد السبیل ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88

بنی زمعہ کے خلاف اس کا قول قبول کیا کہ وہ ولد زنا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک اور شخص کے بارے میں خبر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی ایک آدمی کا اقرار کسی دوسرے فرد کے خلاف قبول نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت داؤد اور فرشتوں کے قصہ میں اسی کی مثل ذکر کیا ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا: خوف زدہ نہ ہوں ہم دو جھگڑا کرنے والے ہیں، جبکہ وہ جھگڑا کرنے والے نہ تھے نہ ان میں سے ایک کی ننانوے دنبیاں تھیں لیکن انہوں نے ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو کی تاکہ وہ پہچان لیں جس کی پہچان کرانے کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس قصہ میں سوال کے بارے میں حکم لگایا ہو اگرچہ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حدیث میں اس تاویل پر میری موافقت کرتا ہو کیونکہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ کَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً یعنی اس آیت میں کان اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء) جہاں تک اس آیت میں انثیٰ کا تعلق ہے تو یہ تاکید کے لیے ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے: ھو رجل ذکر یہ بھی تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ کہا جائے ھذہ مائۃ نعجۃ اگرچہ ان میں کچھ تھوڑے سے مذکر بھی ہوں تو یہ کہنا جائز ہوگا، انثیٰ تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان میں کوئی بھی مذکر نہیں۔ تفسیر میں ہے اس کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ابن عربی نے کہا: اگر وہ ساری آزاد ہوں تو یہ ان کا شرعی حکم ہوگا اگر وہ لونڈیاں ہوں تو یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ ہم سے قبل شریعتوں میں یہ حکم کسی عدد میں محصور نہ تھا یہ صرف حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شریعت میں ہے کیونکہ بدن کمزور ہیں اور عمریں کم ہیں۔

قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ معین عدد نہ ہو بلکہ مقصود ضرب المثل ہو جس طرح تو کہتا ہے: لو جئتنی مائۃ مرۃ لم اقض حاجتک مراد ہے اگر آپ کئی دفعہ آئیں تو تب بھی میں تمہارا کام نہ کروں گا۔

ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں نہ تھیں ننانوے کا ذکر بطور مثال ہے معنی ہے یہ بیوی سے غنی ہے اور میں بیوی کا محتاج ہوں یہ دو وجوہ سے فاسد ہے: (1) بغیر دلیل کے ظاہر معنی سے عدول کسی بھی حوالے سے درست نہیں اور ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ ہم سے قبل کی شریعتیں عورتوں کی تعداد کے بارے میں محصور حکم رکھتی ہوں جس طرح ہماری شریعت میں ہے۔ (2) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات سو عورتوں پر چکر لگاؤں گا ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ یعنی میری ایک بیوی ہے اب اس نے کہا ہے میرے لیے اس سے الگ ہو جا یہاں تک کہ میں اس کی کفالت کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو یہ مجھے دے دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے تو میرے لیے اس سے الگ تھلگ ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی کہا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے میرے حوالے

کر دے تاکہ میں اس کا کفیل بن جاؤں۔ ابن کیسان نے کہا: اسے میرا حصہ بنا دے۔

وَعَزَّنِیْ یعنی وہ مجھ پر غالب آگیا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے اگر یہ گفتگو کرے تو یہ مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اگر یہ جنگ کرے تو مجھ سے زیادہ طاقتور ہے یوں کہا جاتا ہے عزہ یعزہ عزا۔ اس پر غالب آگیا۔ ضرب المثل ہے من عزبز۔ جو غالب آیا اس نے مال سلب کر لیا اسی سے اسم عزۃ ہے جس کا معنی قوت اور غلبہ ہے۔ شاعر نے کہا:

قطاۃ عزہا شرک فباتت تجاذبہ وقد علق الجناح

کونج پر پھندا غالب آگیا اس نے بال کو کھینچتے ہوئے رات گزاری جبکہ پر پھندے سے بندھے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبید بن عمیر نے وعازنی فی الخطاب قراءت کی جس کا معنی ہے اس نے مجھ پر غلبہ پایا یہ معازہ سے مشتق ہے جس کا معنی مغالبہ ہے عازہ اس پر غلبہ پایا۔ ابن عربی نے کہا: غلبہ کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اچھے بیان کے ذریعے مجھ پر غالب آ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی حکومت کی وجہ سے مجھ پر غالب ہے کیونکہ جب یہ اس سے سوال کرے تو وہ اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہمارے شہر میں ایک امیر تھا جسے سیر بن ابی بکر کہتے میں نے اس سے گفتگو کی کہ وہ میرے لیے ایک آدمی سے ضرورت کا سوال کرے اس نے مجھے کہا: کیا تجھے علم نہیں کہ حاکم کا کسی کام کا مطالبہ اس کا غصب ہوا کرتا ہے میں نے کہا: جب وہ عادل ہو تو وہ غصب نہیں ہوگا میں اس کے عجمی ہونے، ضرب المثل کے یاد کرنے اور اس کی ذہانت پر متعجب ہوا جس طرح وہ میرے جواب سے متعجب ہوا اور اسے غریب جانا۔

**مسئلہ نمبر 11۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ** نحاس نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا تھی کیونکہ آپ نے کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ کیونکہ دعویٰ گواہوں سے ثابت نہ ہوا تھا اور نہ ہی خصم کا اقرار ہوا تھا کہ یہ بات اسی طرح ہوئی تھی یا نہ ہوئی تھی۔ یہ ایک بحث ہے۔

اس کے بعد مسئلہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ وہ بہت اچھی گفتگو ہوگی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: جہاں تک ان علماء کے قول کا تعلق ہے جس کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ میرے لیے اپنی بیوی سے الگ ہو جا۔ ابو جعفر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو عتاب کیا اور اس پر انہیں متنبہ کیا یہ گناہ کبیرہ نہیں۔ جس نے اس کے علاوہ بھی گفتگو کی تو بے شک وہ ایسی بات لاتا ہے جو عالم سے صحیح تصور نہیں کی جا سکتی اور اس کی وجہ سے عظیم گناہ بھی لاحق ہوتا ہے اسی کتاب اعراب القرآن میں کہا: اور اپنی کتاب معانی القرآن میں بھی اسی کی مثل کہا۔ کہا: حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کے بارے میں جو قصے اور روایات آئی ہیں ان میں سے اکثر صحیح نہیں اور ان کی سند متصل نہیں جب تک ان کی صحت کی پہچان نہ ہو ایسی گفتگو پر جرأت نہیں کرنی چاہیے تھی۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1833

☆ اس واقعہ کے حوالے سے جو بھی روایات مروی ہیں ان کے بارے میں یہی تجزیہ موزوں ہے۔ مترجم

ان روایات میں سے صحیح ترین وہ ہے جسے مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کلام نہیں کی اَكْفِلْنِيهَا یعنی میرے لیے اس سے الگ ہو جا۔ منہال نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے زائد کچھ نہیں کہا اَكْفِلْنِيهَا یعنی اسے میرے حوالے کر دے اور اسے میرے ساتھ ملا دے (1)۔ ابو جعفر نے کہا: اس بارے میں روایات مروی ہیں ان میں سے سب سے عظیم روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا سے سوال کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ وہ اپنی لونڈی بیچ دے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگاہ کیا اور اس لیے عتاب فرمایا کیونکہ ان کی ننانوے بیویاں تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ مطالبہ اس لیے ناپسند کیا کہ وہ عورتوں میں اضافہ کے ساتھ دنیا میں مشغول ہو جائیں جہاں تک اس کے علاوہ واقعات کا تعلق ہے اس میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جب وہ عورت آپ کو اچھی لگی تو آپ نے اس کے خاوند کے بارے میں حکم دیا کہ جہاد میں اسے آگے رکھا جائے سب باطل ہے (2) کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام محض اپنی ذاتی غرض سے کسی کا خون بہانے والے نہ تھے صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے کسی ساتھی سے کہا میرے لیے اپنے گھر والے سے لاتعلق ہو جاؤ۔ اور اس بارے میں پختہ عزم کیا جس طرح ایک آدمی دوسرے سے سچی رغبت کے ساتھ کسی ضرورت کا مطالبہ کرتا ہے خواہ وہ ضرورت اہل میں ہو یا مال میں ہو۔

حضرت سعید بن ربیع نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا تھا میری دو بیویاں ہیں میں تیرے لیے ان میں سے سب سے زیادہ خوبصورت سے الگ ہو جاتا ہوں تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تیرے اہل میں تیرے لیے برکت رکھے جو عمل ابتداءً جائز ہو اس کی طلب بھی جائز ہوتی ہے قرآن حکیم میں ہے کہ ایسی کوئی تصریح نہیں نہ اس کی وضاحت ہے کہ اس مرد کی موت کے بعد آپ نے شادی کی ہو نہ یہ تصریح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس عورت سے ولادت ہوئی تھی یہ کس سے روایت کی جاتی ہے اور کس کی سند چلتی ہے کس کی نقل پر اعتبار کیا جاتا ہے کوئی آدمی بھی ثقہ لوگوں سے اسے بیان نہیں کرتا۔

سورۃ احزاب میں ایک نکتہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک عورت حضرت داؤد علیہ السلام کی بیوی بنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۚ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: 38) یعنی ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جس کو آپ نے دیکھا تھا جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی مگر حضرت زینب سے شادی اس کے علم ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے زینب کے خاوند سے جدائی کا مطالبہ کیا ہو نبی کریم ﷺ کو حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضیلت ان فضائل عالیہ کی طرف

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 87

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 37-1636

منسوب ہے جو نبی کریم ﷺ کو حاصل ہیں۔

لیکن یہ بات کہی جا سکتی ہے سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: 38) کا معنی یہ ہو کہ انبیاء نے ان عورتوں سے مہر کے بغیر شادیاں کی ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو انبیاء کے حضور پیش کیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وہ طریقہ ہے جو نکاح اور دوسرے معاملات اللہ تعالیٰ کے جائز کردہ فرائض کی بجا آوری میں کرتے ہیں؛ یہ قول صحیح ترین ہے۔

مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سو عورتوں سے شادی کی یہ قرآن کی نص سے ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ تیرا رب خوب جانتا ہے۔

طبری نے احکام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ میں بیان کیا ہے، محققین جو انبیاء کے بارے میں گناہ کبیرہ سے پاک ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ایسی عورت کو دعوت نکاح دی جس کو ایک اور آدمی نے دعوت نکاح دی تھی جو "اوریا" تھا اس عورت کے رشتہ داروں نے حضرت داؤد علیہ السلام میں رغبت اور پہلے مرد سے اعراض کی وجہ سے اس عورت کی شادی آپ سے کر دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ اس سے آگاہی حاصل کرتے تو اس رغبت سے اعراض کرتے اور اس رغبت سے اعراض کرتے اس دعوت نکاح سے اعراض کرتے مگر آپ نے ایسا نہ کیا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ عورت آپ کو اچھی لگی تھی یا تو کسی نے اس کے اوصاف بیان کیے تھے یا بغیر ارادہ کے مشاہدہ کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کثیر بیویاں تھیں دوسرے دعوت نکاح دینے والے کی کوئی بیوی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے دیوار پھلانگ کر اندر آنے سے اس امر پر آپ کو آگاہ کیا اور انہوں نے جو مثال بیان کی بطور تعریض حضرت داؤد علیہ السلام کو اس امر پر آگاہ کیا تا کہ اس کے واسطے وہ عتاب کے موقع کو پہچان لیں اور اس طریقہ سے ہٹ جائیں اور اس چھوٹے گناہ سے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔

**مسئلہ نمبر 12۔** قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهِ اس جھگڑے میں ایک فریق کی گفتگو سننے اور دوسرے کی گفتگو سننے سے قبل فتویٰ دے دیا اس قول کا ظاہر مفہوم یہی ہے (1)۔

ابن عربی نے کہا: یہ طریقہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، کسی ملت میں جائز نہیں اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں تقدیر کلام یہ ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا اور دوسرے نے دعویٰ کو تسلیم کر لیا تو اس کے بعد فتویٰ واقع ہوا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا جلس الیک الخصمان فلا تقض لاحدهما حتی تسمع من الآخر (2) جب تیرے پاس دو جھگڑنے والے آ جائیں تو آپ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کریں یہاں تک کہ آپ دوسرے کی بات سنیں۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1637

2۔ سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء، روایت باحق، حدیث نمبر 3111، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جامع ترمذی، باب ما جاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین، حدیث نمبر 1252، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے کے حق میں فیصلہ نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرے فریق نے اعتراف نہیں کر لیا (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے لقد ظلمك ان كان كذالك اگر معاملہ اس طرح ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا۔

میں نے کہا: ان دونوں توجیہات کا ذکر قشیری، ماوردی اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ قشیری نے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ خصم کا کلام سے بغیر فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے: آپ نے یہ بات دوسرے فریق کی گفتگو سننے اور اس کے اعتراف کے بعد فیصلہ کیا ہو یہ بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی روایت ثابت نہیں یہ قرائن حال سے مفہوم ہے۔ یا یہ ارادہ کیا ہو اگر بات اس طرح ہو جس طرح تو کہتا ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا آپ نے یہ قول کر کے اس کو خاموش کرایا ہو اور اسے صبر کی تلقین کی تا کہ دوسرے فریق سے بات پوچھ لیں۔ کہا: یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے ان کا قانون یہ ہو جب مدعی علیہ خاموش ہو جائے تو مدعی کے قول پر اعتماد کیا جائے جب قول کا انکار ظاہر نہ ہو۔

حلیمی ابو عبداللہ نے کتاب منہاج الدین میں کہا: وہ نعمت جس کا انتظار ہو جب وہ حاضر ہو یا پوشیدہ ہو تو ظاہر ہو جائے تو اس کے شکر میں حکم آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرنا ہے۔ کہا: اس میں اصل وَهَلْ أَتَاكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ --- وَحُسْنَ مَآبٍ۝ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے مظلوم بننے والے فرد کی گفتگو سنی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کسی دوسرے سے سوال کیا یہ بیان کیا کہ اس نے ظلم کیا ہے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آپ نے گفتگو کرنے والے میں کمزوری کی علامات دیکھیں تو آپ نے اس کے معاملہ کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ مظلوم ہے جس طرح وہ کہتا ہے اس چیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس طرف دعوت دی کہ آپ خصم سے نہ پوچھیں تو آپ نے جلدی کرتے ہوئے اسے کہا: لَقَدْ ظَلَمَكَ جبکہ یہ امکان تھا کہ اگر آپ اس سے پوچھتے تو وہ کہتا: میری سو دنبیاں تھیں اور اس کی کوئی چیز نہ تھی اس نے میری ایک دنبی چوری کی تھی۔ جب میں نے وہ دنبی اس کے پاس پائی تو میں نے اسے کہا: اسے میری طرف لوٹا دو میں نے اسے اَكْفِلْنِيهَا نہیں کہا: اسے علم تھا کہ میں یہ مسئلہ آپ کی بارگاہ میں پیش کروں گا تو قبل اس کے کہ میں اسے آپ کے پاس لاتا یہ مجھے آپ کے پاس کھینچ کر لے آیا ہے اور میرے حاضر کرنے سے پہلے یہ مظلوم بن کر آ گیا ہے تا کہ آپ یہ گمان کریں کہ یہ حق پر ہے اور میں ظالم ہوں جب حضرت داؤد علیہ السلام نے محسوس کیا جس گفتگو پر جلد بازی نے آپ کو مجبور کیا تھا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لمحہ اسے اور اس کے نفس کو آزاد چھوڑ دیا تھا وہی آزمائش تھی جس کا ہم نے ذکر کیا اور یہ امر ان کی ایک لغزش سے ہوا تھا تو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے کہ اس نے انہیں محفوظ رکھا کہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں ظالم ہونے کے قول پر اکتفا کیا اس سے بڑھ کر انہیں جھڑکنا، مارنا وغیرہ کا عمل نہیں کیا جو اس کے مناسب تھا جو دل میں سوچا ہے کہ واقعی وہ ظالم ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی معاف کر دی پھر عتاب کے انداز میں اس کی طرف توجہ کی فرمایا: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

1۔ درایت عدیدہ کتاب الحکم، باب استماع جواب الخصمین واجب علی القاضی، جلد 4، صفحہ 83

فہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تمام لوگ تجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 15**۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ یعنی ہم نے اسے آزمایا (1) وظن کا یہاں معنی ہے اسے یقین ہو گیا۔ ابو عمرو اور فراء نے کہا: ظن۔ ایقن کے معنی میں ہے مگر فراء نے یہ وضاحت کی ہے جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو اس میں ظن یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ قراءت نون کی تشدید کے ساتھ ہے جبکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فتنّاہ پڑھا ہے یہ مبالغہ کے لیے ہوگا۔ قتادہ، عبید، ابن عمیر اور ابن سمیقع نے فتنہ پڑھا ہے۔ علی بن نصر نے ابو عمرو سے اسی طرح روایت کی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

**مسئلہ نمبر 16**۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد میں دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور ہنس پڑا، حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ نہ سکے دونوں نے پسند کیا کہ ان دونوں کو پہچان کرائیں تو دونوں ان کے سامنے آسمان میں بلند ہو گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا ہے اور اس آزمائش پر حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کر دیا۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو مسجد میں فیصلہ پر دلالت کرتی ہو مگر یہ آیت دلالت کرتی ہے جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مسجد میں فیصلہ کرنا درست ہے وہ اسی آیت سے استدلال کرتا ہے امام شافعی جس طرح کہتے ہیں اس طرح اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضرت داؤد علیہ السلام انہیں وہاں نہ ٹھہراتے بلکہ ارشاد فرماتے: فیصلہ کی جگہ چلو۔ نبی کریم ﷺ اور خلفاء مساجد میں فیصلہ کرتے۔ امام مالک نے فرمایا: مسجد میں فیصلہ قدیم معاملہ ہے (2) یعنی بہت سے امور میں ایسا کیا جاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد کے صحن میں قاضی بیٹھے تاکہ کمزور، مشرک اور حائضہ عورت وہاں تک پہنچ سکے اس میں حدود قائم نہ کرے تھوڑی بہت تنبیہ میں کوئی حرج نہیں۔ اشہب نے کہا: وہ اپنے گھر میں اور جہاں چاہے فیصلہ کرے۔

**مسئلہ نمبر 17**۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خلفاء خود فیصلے کیا کرتے تھے۔ امراء میں سے سب سے پہلے جس نے فیصلہ کرانا چاہا وہ حضرت امیر معاویہ تھے۔ امام مالک نے کہا: قاضیوں کو چاہیے کہ علماء سے مشورہ لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: وہ فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ گزشتہ قاضیوں کے آثار سے آگاہ ہو، اصحاب رائے سے مشورہ لے، حلیم، پاکدامن ہو۔ کہا: وہ متقی ہو۔ امام مالک نے کہا: مناسب یہ ہے کہ وہ بیدار مغز ہو، حیلوں بہانوں سے بہت زیادہ بچنے والا ہو، وہ شروط سے واقف ہو، جتنی عربی کے بغیر چارہ نہ ہو اتنا اسے جانتا ہو کیونکہ عبارات، دعووں، اقرار، شہادت جو محکوم علیہ کے حقوق پر مشتمل ہو ان کے مختلف ہونے سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وہ مطلوب کو حکم نافذ کرنے سے پہلے کہے: کیا تیری کوئی دلیل باقی ہے؟

اگر وہ کہے کہ کوئی دلیل باقی نہیں تو وہ اس پر حکم لگا دے وہ حکم کے نفاذ کے بعد کوئی دلیل قبول نہیں کرے گا مگر اس صورت میں کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا دلیل ہو۔ فقہا اور قاضیوں کے احکام جو ان کے حق میں ہیں یا خلاف ہیں کسی اور جگہ مذکور ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 88
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1636

ثعلبی نے کہا: حرث اعور نے حضرت علی شیر خدا سے روایت نقل کی ہے جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ اس انداز میں بیان کیا جس طرح قصہ گو آدمی بیان کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا، کیونکہ اس نے اس ہستی جس کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے ایسی گفتگو کی ہے۔ جس پر راضی ہوا ہے تو اسے دونوں جہانوں کے لیے رحمت اور مجتہدین کے لیے حجت بنایا ہے اس نے جس پر اس نے تہمت لگائی ہے تو اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ روایت ان میں سے نہیں جو حضرت علی شیر خدا سے صحیح منسوب ہے(1) اگر یہ سوال کیا جائے: تمہارے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟

ہم کہتے ہیں: جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو یہ کہے: نبی نے بدکاری کی ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس نے اس سے کم درجہ کا جرم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جیسے دیکھنا اور ہاتھ سے چھونا جبکہ لوگوں سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں، اگر ایک آدمی آپ کے بارے میں قطعی رائے کا اظہار کرے اور اس امر کو ان کی طرف منسوب کرے تو میں اسے قتل کر دوں گا کیونکہ یہ اس تعزیر کے خلاف ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی نظر ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور ننگی تھی۔ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے بال بکھیر لیے اور اپنے جسم کو ڈھانپ لیا، اجماع امت کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ پہلی نظر نے ان کے لیے دیکھی جانے والی چیز کو ظاہر کیا اسے دیکھنے والا گناہگار نہ ہوگا۔ جہاں تک دوسری نظر کا تعلق ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو وہ اس عورت سے شادی کر لیں گے تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ آپ نے اسے موت کے لیے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ نے اوریا کی موت نکاح کے بعد طلب کی تو یہ باطل ہے۔ قرآن اور تمام تفسیری آثار اس کو رد کرتے ہیں۔

اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ چھوٹی سی کبوتری آئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب تر ہو کر بیٹھ گئی تھی جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو اچھی لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اٹھے تاکہ اسے پکڑ لیں وہ ہاتھ بھر ہی دور تھی پھر آپ نے یہ عمل دو دفعہ کیا پھر وہ اڑ گئی آپ کی نظر اس کے پیچھے گئی تو آپ کی نظر اس عورت پر جا پڑی جبکہ وہ عورت غسل کر رہی تھی اور اس کے لمبے بال تھے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ چالیس دن تک سجدہ ریز رہے یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی آنسوؤں سے گھاس اگ آئی۔

ابن عربی نے کہا: جہاں تک مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک پرندہ آپ کے پاس داخل ہوا آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا آپ نے اس کا پیچھا کیا تو یہ عبادت کے منافی نہیں کیونکہ اس کا کرنا مباح ہے خصوصاً وہ چیز حلال ہو اور حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ آپ نے اس کا پیچھا اس پرندے کی ذات کی وجہ سے کیا تھا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں کیا تھا کیونکہ خوبصورتی بھی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1639

اس کی قراءت کی تو پھر سجدہ کے لیے تیار ہوئے (1)۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ ایک نبی کی توبہ تھی لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نے سجدہ کا ارادہ کیا ہے" آپ اترے اور سجدہ کیا؛ یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں (2)۔

بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: سورۂ ص کا سجدہ قرآن کے فرائض میں سے نہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "ص" کا سجدہ ایک نبی کی توبہ تھی اور آپ اس میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ ایک نبی اور تمہارے نبی کی توبہ ہے؛ جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ سجدہ کی جگہ نہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا تو ہم نے آپ کی اقتدا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ سجدہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے ہوئے اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنی خطا سے توبہ کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ جب کوئی اس میں سجدہ کرے تو اسی نیت سے اس میں سجدہ کرے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اتباع کے واسطہ سے اس کے گناہ بخش دے۔ یہ مسئلہ برابر ہے کہ ہم کہیں کہ ہم سے قبل کی شریعت ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو ہر امت میں ہر ایک کے لیے مشروع ہے۔

**مسئلہ نمبر 21۔** ابن خویز منداد نے کہا: وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ میں یہ دلیل موجود ہے کہ اکیلا سجدۂ شکر جائز نہیں کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا ذکر موجود ہے جو جائز ہے وہ یہ ہے کہ وہ شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز پڑھے۔ جہاں تک اکیلے سجدہ کا تعلق ہے تو یہ تو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بشارتیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد ائمہ کو بھی آتی رہی تھیں۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سجدۂ شکر کیا ہو۔ اگر اس پر عمل ہوتا تو ظاہر طور پر عمل ہوتا کیونکہ عام لوگوں کو اس کی حاجت تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ قربت تھی۔

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی جس روز آپ کو ابو جہل کے مرنے کی بشارت دی گئی (3)۔ ابو بکرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تک اگر کوئی ایسا امر پہنچتا جو آپ کو خوش کرتا تو شکر بجا لاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے (4)؛ یہ امام شافعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 22۔** امام ترمذی اور دوسرے علماء نے روایت کیا کہ ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاشت کی نماز پڑھتا اور ایک درخت کی اوٹ لیتا وہ پڑھا کرتا ص وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ جب سجدہ تک پہنچا تو سجدہ کرتا اور اس کے ساتھ درخت بھی سجدہ کرتا۔ اس صحابی نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے سبب میرے اجر کو بڑا کر دے اور اس کے بدلے میں شکر کی توفیق نصیب فرما (5)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1640    2۔ سنن ابی داؤد، باب السجود فی ص، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 200، ایضاً حدیث 1201

3۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی الصلاۃ والسجدۃ عند الشکر، حدیث 1380، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1383، ایضاً ابو داؤد، باب فی سجود الشکر، 2383، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

5۔ سنن الترمذی، باب ما یقول فی سجود القرآن، حدیث نمبر 528، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں نے کہا: ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا عرض کی: میں نے آج رات دیکھا ہے جو سونے والا دیکھتا ہے گویا میں ایک درخت کے نیچے کے پاس نماز پڑھتا ہوں میں نے آیت سجدہ پڑھی تو میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کی وجہ سے درخت بھی سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس کے وسیلہ سے مجھ سے گناہ کو دور کر دے، اس کے بدلے میں میرے لیے اجر لکھ دے اور اپنے ہاں میرے لیے ذخیرہ بنا دے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے آیت سجدہ کو پڑھا اور سجدہ کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں اس قسم کے کلمات کہتے ہوئے سنا جو اس آدمی نے درخت کے کلمات بتائے تھے۔ ثعلبی نے اسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں درخت کے نیچے ہوں اور درخت سورۂ ص کی تلاوت کر رہا ہے جب وہ آیت سجدہ تک پہنچا تو اس درخت نے سجدہ کیا تو میں نے اسے سجدہ میں کہتے ہوئے سنا: میرے لیے اس کے بدلے میں اجر لکھ دے، اس کی وجہ سے مجھ سے گناہ کو دور فرما دے، اس کے بدلہ میں مجھے شکر کی توفیق نصیب فرما، اسے مجھ سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد کے سجدہ کو قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ”اے ابو سعید! تو نے سجدہ کیا“؟ میں نے عرض کی: نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ”تو درخت کی بنسبت سجدہ کرنے کا زیادہ مستحق تھا“۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ ص کی یہاں تک تلاوت کی یہاں تک کہ سجدہ تک پہنچے اور سجدہ کیا پھر اس کی مثل کہا جس طرح درخت نے کہا تھا۔

**مسئلہ نمبر 23۔** **فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ** یعنی ہم نے اس کا گناہ بخش دیا (2)۔ ابن انباری نے کہا: **فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ** پر وقف تام ہے پھر تو وَ اِنَّ لَهٗ سے کلام شروع کرے گا۔ قشیری نے کہا: **فَغَفَرْنَا لَهٗ** پر وقف کرنا جائز ہے پھر ذٰلِكَ ۚ وَ اِنَّ لَهٗ سے قول کر شروع کرے گا جس طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هٰذَا ۭ وَ اِنَّ **لِلطّٰغِیْنَ** یعنی امر یہ ہے۔

عطا خراسانی اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام چالیس روز سجدہ میں پڑے رہے (3) یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کے ارد گرد گھاس اُگ گئی اور آپ کے سر کو ڈھانپ لیا اور یہ ندا کی گئی کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھلایا جائے۔ کیا تو ننگا ہے کہ تجھے پہنایا جائے تو آپ نے ایک آہ بھری تو گھاس آپ کے پیٹ کی گرمی سے خشک ہو گئی تو آپ کو بخش دیا گیا اور اس پر پردہ ڈال دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! یہ میرے اور تیرے درمیان گناہ تھا جسے تو نے بخش دیا جبکہ فلاں فلاں کا کیا بنے گا؟ آپ نے بنی اسرائیل کے لوگوں کا ذکر کیا جس کی اولاد کو میں نے یتیم چھوڑا اور ان کی بیوی کو بیوہ چھوڑا؟ فرمایا: اے داؤد! قیامت کے روز کوئی ظلم مجھ سے تجاوز نہیں کرے گا جس پر میں نے تجھے اختیار دیا پھر میں تجھے

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، ذکر ما یقول المرء فی سجود التلاوۃ، جلد 6، صفحہ 473

2۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 178 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 89

☆ سنن ابن ماجہ، باب سجود القرآن، حدیث نمبر 1042، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس کے بدلے میں جنت کا ثواب دوں گا عرض کی: اے میرے رب! اس طرح تو مغفرت آسان ہو جائے گی پھر کہا جائے گا:
اے داؤد! اپنے سر کو اٹھاؤ وہ اپنا سر اٹھانے کی کوشش کریں گے تو وہ زمین سے چمٹ چکا ہوگا جبریل امین تشریف لائیں گے
اور زمین سے الگ کریں گے جس طرح درخت سے اس کی گوند کو الگ کیا جاتا ہے؛ اسے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے وہ عطا
سے روایت نقل کرتے ہیں۔

ولید نے کہا: مجھے منیر بن زبیر نے خبر دی ہے کہ آپ کی سجدہ گاہ اس زمین کے ساتھ چمٹ چکی تھیں جتنے عرصہ تک اللہ تعالیٰ
نے چاہا تھا ولید نے کہا: ابن سعید نے کہا آپ اپنے سجدہ میں کہا کرتے تھے: تو پاک ہے یہ میرے آنسو میرے مشروب ہیں۔
یہ میرا کھانا ہے جو میرے ہاتھوں میں راکھ کی صورت میں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ چالیس روز تک سجدہ ریز رہے وہ فرض نماز کے سوا اپنا سر نہیں اٹھاتے تھے آپ روتے رہے
یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ حضرت داؤد
علیہ السلام چالیس راتوں تک سجدہ ریز رہے (1) یہاں تک کہ آنسوؤں کی وجہ سے سر پر گھاس اگ آئی اور زمین نے آپ کی
پیشانی کو حصہ کھا لیا تھا جبکہ آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے: اے میرے رب! داؤد نے لغزش کی جس کے باعث وہ اللہ کی رحمت
سے اتنا دور ہو گیا ہے جتنی دوری مشرق و مغرب کی درمیان ہے اے میرے رب اگر تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کمزوری پر رحم
نہ فرمائے اور اس کا گناہ نہ بخشے تو اس کے گناہ کو اس کے بعد مخلوقات میں زبان زد خاص و عام کر دے۔ حضرت جبریل امین
نے چالیس سال کے بعد آ کر کہا: اے داؤد اللہ تعالیٰ نے تیرے ارادہ کو معاف کر دیا جو تو نے کیا تھا۔

وہب نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام کو ندا دی گئی کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر بھی اپنا سر نہ
اٹھایا یہاں تک کہ جبریل امین آئے کہا: تو نے اپنا سر کیوں نہ اٹھایا جبکہ تیرے رب نے تجھے بخش دیا تھا؟ عرض کی: اے
میرے رب! کیسے جبکہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا داؤد کی طرف جاؤ اور اسے کہو اوریا کی قبر کی طرف
جاؤ اور اس سے فراغت پاؤ میں اس کی ندا کو سنوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور اوریا کی قبر کے پاس بیٹھ
گئے اور آواز لگائی اوریا! اس نے جواب دیا: لبیک۔ کس نے میری لذت کو مجھ پر قطع کیا ہے اور مجھے بیدار کیا ہے؟ کہا: میں تیرا
بھائی داؤد ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے کیونکہ میں نے تجھے قتل پر پیش کیا تھا اوریا نے کہا: تو نے تو
مجھے جنت پر پیش کیا تھا تو مجھ سے بری ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام خطا کے بعد
خطا کاروں کے پاس بیٹھتے تھے اور کہتے تھے: داؤد خطا کار کے پاس آؤ کوئی مشروب نہ پیتے (2) مگر اپنے آنسوؤں کو اس میں
ملاتے آپ جو کی خشک روٹی ایک برتن میں رکھتے اسے کھاتے رہتے یہاں تک کہ وہ روٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی
آپ اس پر راکھ اور نمک بکھیر دیتے اور اسے کھاتے تھے اور یہ کہتے: یہ خطا کاروں کا کھانا ہے۔ آپ خطا سے پہلے نصف رات
قیام کیا کرتے تھے اور نصف زمانہ روزہ رکھا کرتے پھر آپ نے ہمیشہ روزہ رکھنا شروع کر دیا اور ساری رات قیام کیا کرتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 89     2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 90

تجھے فرمایا: میں تو تیری روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: مجھے مہلت دو یہاں تک کہ میں نیچے اتر آؤں یا اوپر چڑھ جاؤں عرض کی: میرا اس میں کوئی اختیار نہیں رہا، مہینے، سال، آثار اور رزق ختم ہو چکے ہیں آپ اس کے بعد کوئی اثر چھوڑنے والے نہیں رہا: حضرت داؤد علیہ السلام سیڑھی کے زینے پر سجدہ ریز ہو گئے تو ملک الموت نے اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی۔ ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو ننانوے سال کا عرصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ سو اناسی سال کا عرصہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال تک زندہ رہے اور اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں خلافت کی وصیت کی۔

**مسئلہ نمبر 24**۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۝ محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: زُلْفٰى سے مراد ہے مغفرت کے بعد قربت ہوئی دونوں نے یہ بھی کہا: اللہ کی قسم! قیامت کے روز سب سے پہلے جو جام پیئے گا وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہوں گے۔ مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: زلفی سے مراد قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو اٹھایا جائے گا جبکہ ان کی خطا ان کے ہاتھ میں نقش ہوگی جب آپ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو ان سے بچنے کی کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی پناہ چاہیں گے کہا: پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہو جائیں گے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں، پھر وہ اپنی خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں، پھر وہ خطا کو دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں۔ یہاں تک کہ انہیں قریب کر دیا جائے گا تو وہ سکون پا جائیں گے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۝ یہ ترمذی حکیم نے ذکر کیا ہے۔ کہا: فضل بن محمد، عبدالملک بن اصبغ سے وہ ولید بن مسلم سے وہ ابراہیم بن محمد فزاری سے وہ عبدالملک بن ابی سلیمان سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں اور اسے ذکر کیا ہے ترمذی نے کہا: میں طویل عرصہ تک ان آیات کو پڑھتا رہا میرے لیے مراد اور معنی ظاہر نہ ہوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا لغت میں قط سے مراد صحیفہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جس پر علامت کی فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۝ (الانشقاق) حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: انکم ستعیدون منتفا تکه لی معاتقکم تعطونها بشمالکم۔ انہوں نے عرض کی رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا، قطنا سے مراد ہمارے صحیفے۔ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ۝ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ۔ ان کی قطع والے قصہ کو آخر تک بیان کیا میں کہا کرتا تھا جو ان کفار نے کہا اس پر صبر کا حکم دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کا حکم دیا تو اس ذکر سے کیا مراد ہے اس صبر اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر کو کیسے جوڑوں میں کسی ایسی چیز پر مطلع نہیں ہوا تھا جو میرے دل کو سکون عطا کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک رات ہدایت عطا فرمائی اور مجھے الہام کیا گیا کہ ان لوگوں نے اس قول کا اظہار کیا ہے ان کی کتابیں ان کے بائیں ہاتھ میں دی جائیں گی ان میں ان کے گناہ اور خطائیں ہوں گی انہوں نے یہ باتیں استہزا کے طور پر کی تھیں انہوں نے کہا: رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ۝ ان کے استہزا نے آپ ﷺ کو دکھ پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گفتگو پر آپ ﷺ کو صبر کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کریں

جنہوں نے خطا کے بارے میں جلدی کی تھی کہ وہ اپنی خطا کو اپنی ہتھیلی میں منقش دیکھیں تو اس وجہ سے ان پر وہ مصیبت آئی جو مصیبت آئی جب حضرت داؤد علیہ السلام اسے دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور پیالہ ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا جب آپ اس خطا کو دیکھتے تو روتے یہاں تک کہ وہ آنسو چھال سے بہتے ان سات جوڑوں سے پار ہو جاتے جن میں راکھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا مطالبہ مغفرت اور خصوصیت سے جو چیز لازم آتی تھی اس کی ضمانت کے بعد یہ سوال کیا تھا جبکہ وہ اللہ کے حبیب، اس کے ولی اور صفی بھی تھے اس مرتبہ کے باوجود خطا کے منقش کو دیکھنا ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتی تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جب کسی چیز اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور جھوٹے اور دین میں برے لوگوں میں سے کسی کو لاحق ہوئی اگر ان کے صحائف جلدی دے دیے جاتے تو ان خطاؤں کی صورتوں کو دیکھتے جو انہوں نے کفر و عناد کی صورت میں کیے اور ان پر آیا کرتی جب وہ ان صحیفوں میں ان خطاؤں کو دیکھتے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خبر دی: فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا (الکہف:49) حضرت داؤد علیہ السلام مغفرت، بشارت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے باوجود اپنی حالت پر رہے جبکہ ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے: جب قیامت کے روز وہ اپنی غلطی کو اپنی ہتھیلی میں منقش دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے یہاں تک کہ انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو پریشان ہوں گے پھر انہیں کہا جائے گا: یہاں یہاں پھر وہ اپنی خطا دیکھیں گے تو وہ مضطرب ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قرب عطا کرے گا تو وہ سکون پا جائیں گے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

"اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو اپنا نائب زمین میں پس آپ فیصلہ کیا کریں لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے، بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ ہم نے تمہیں مالک بنایا تا کہ تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تا کہ تو اپنے سے پہلے انبیاء اور صالحین کی نیابت کرے۔ سورۃ البقرہ میں خلیفہ اور اس کے متعلق احکام مفصل گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو (1)۔ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ یہ کلام اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عتاب اس وجہ سے کیا گیا تھا کیونکہ آپ نے ایک قاعدے سے ایک عورت کا مطالبہ کیا تھا یہ عدل نہ تھا اس کے بعد انہیں فرمایا گیا: لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو اور بھی اس خواہش

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 90

یا اقتدا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے امر کے خلاف ہے کہ وہ تجھے جنت کے راستے سے گمراہ کر دے جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے لیے جہنم میں دردناک عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستہ پر چلنے کو ترک کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَسُوْا سے مراد ہے جنہوں نے ایمان کو ترک کر دیا یا اس پر عمل کو ترک کر دیا(1) تو وہ بھولنے والوں کی طرح ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حکم اس وقت ہوا جب ان کی توبہ قبول ہو گئی اور ان کی خطا معاف کر دی۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ فیصلوں کے بارے میں اصل احکام یہ ہیں يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ: 49) لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: 105) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ: 8) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے بارے میں کہا: اگر دو آدمی جھگڑا لے کر تیرے پاس آئیں ان دونوں میں سے کسی کے متعلق تمہارے دل میں میلان ہو تو اپنے دل میں یہ خواہش نہ کر کہ حق اس کے لیے ہو تا کہ وہ اپنے مدمقابل پر غالب آجائے اگر تو نے ایسا کیا تو میں تیرا نام نبوت سے خارج کر دوں گا پھر نہ تو تو میرا خلیفہ ہو گا اور نہ ہی اہل کرامت ہو گا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی فریق کی طرف قرابت نفع کی امید کی وجہ سے میلان نہ رکھے اور نہ کسی سبب کی طرف رجحان رکھے جو میلان کا تقاضا کرے جیسے صحبت، دوستی اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام اس وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے کیونکہ ان کے پاس دو فریق آئے تو حضرت سلیمان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حق فلاں کے لیے ہو۔

عبدالعزیز بن ابی رواد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے دور میں ایک قاضی تھا وہ اپنی کوشش سے اس مقام تک جا پہنچا کہ اپنے رب سے اس کا مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان علامت بنادے۔ جب وہ حق کا فیصلہ کرے تو وہ اسے پہچان جائے۔ جب وہ کوتاہی کرے تب بھی اسے پہچان لے۔ اسے کہا گیا: اپنے گھر داخل ہو جا پھر دیوار کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو لمبا کر پھر دیکھ تیری انگلیاں کہاں تک پہنچتی ہیں وہاں ایک خط کھینچ لے جب تو مجلس قضا سے اٹھے تو اس خط کی طرف پشت اس کی طرف ہاتھ کو لمبا کر جب تو نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہو گا تو تو وہاں تک پہنچ جائے گا اگر تو نے حق میں کوتاہی کی ہو گی تو تیری انگلیاں پیچھے رہ جائیں گی۔

وہ صبح کو قضا کے لیے جاتا جبکہ وہ مجتہد تھا وہ حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا جب مجلس سے اٹھتا اور فارغ ہو جاتا کھانا کھاتا اور نہ پانی پیتا نہ گھر والوں کا کوئی کام کرتا یہاں تک کہ اس خط کے پاس آتا جب اس خط تک پہنچ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اللہ تعالیٰ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 602

نے اہل، کھانے اور پینے میں جس چیز کو حلال کیا تھا اس تک رسائی حاصل کرتا جب ایک دن وہ مجلس قضا میں مصروف تھا تو دو آدمی اس کے پاس آئے جو اس سے فیصلے کے طالب تھے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ دونوں اس کے پاس (تقضیہ) پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے ایک اس کا دوست تھا اس قاضی کا دل اس محبت کی وجہ سے متحرک ہوا کہ حق اس کے دوست کے حق میں ہو تا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے جب دونوں نے گفتگو کی تو حق دوست کے خلاف چلا گیا تو اس نے دوست کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ جب وہ مجلس قضا سے اٹھا تو اس خطائی طرف گیا جس طرح ہر روز جایا کرتا تھا تو اس نے خطا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو خطا دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ چھت تک سٹ گیا وہ اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا تو وہ سجدہ میں گر گیا وہ کہہ رہا تھا: اے میرے رب! میں نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا اور نہ میں نے ارادہ کیا ہے جو ہے اسے میرے لیے واضح کر دے۔ اسے کہا گیا: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کی خیانت پر آگاہ نہیں جب تو نے چاہا تھا کہ حق تیرے دوست کے حق میں ہو تا کہ تو اس کے حق میں فیصلہ کرے تو نے اس کا ارادہ کیا تھا اور تو نے یہ پسند کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حق حقدار کو لوٹا دیا جبکہ تو یہ ناپسند کرتا تھا۔

لیث سے مروی ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو آدمی جھگڑا لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا، پھر وہ واپس لوٹے تو آپ نے ان دونوں کو اٹھا دیا پھر وہ لوٹے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ فرمایا: وہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے ان دونوں میں سے ایک کے حق میں وہ چیز پائی جو میں نے دوسرے کے حق میں نہ پائی تھی تو میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو ناپسند کیا وہ پھر واپس آئے تو میں نے ایک کے لیے کچھ ایسے ہی جذبات پائے وہ پھر آئے جبکہ وہ چیز جا چکی تھی تو میں نے دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا۔

شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا دونوں نے حضرت زید بن ثابت سے فیصلہ کرانا چاہا جب دونوں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت زید نے حضرت عمر کو اپنے تکیے کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تیرا پہلا ظلم ہے۔ مجھے اور اسے ایک ہی مجلس میں بٹھاؤ تو دونوں حضرت زید کے سامنے بیٹھ گئے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** یہ آیت اس امر سے منع کرتی ہے کہ حاکم اپنے علم سے فیصلہ کرے کیونکہ حاکموں کو اگر یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں تو جب ان میں سے کوئی اپنے دوست کی حفاظت اور اپنے دشمن کی ہلاکت کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے فیصلے کے بارے میں اپنے علم کا دعویٰ کر دے گا۔ اس کی مثل صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہیں: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ اس پر حدود اللہ میں سے کوئی حد جاری ہوتی ہے تو میں اس کا مواخذہ نہ کروں گا یہاں تک کہ کوئی دوسرا آدمی میرے پاس گواہی دے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: فلاں کے خلاف میرے دعویٰ کا فیصلہ کر دیجئے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میرا اختلاف برحق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو یہ ارادہ کرے کہ میں تیرے حق میں گواہی دوں تو ٹھیک ہے جہاں تک فیصلہ کا تعلق ہے تو میں ایسا نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ کی وجہ سے فیصلہ کیا۔

یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھوڑا خرید تو بیچنے والے نے انکار کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم کی بنا پر اس کے خلاف فیصلہ نہ کیا حضرت خزیمہ آئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گواہی دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا اس حدیث کو ابو داؤد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے (1)۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

"اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ، یہ تو کفار کا گمان ہے پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ کے عذاب سے۔ کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تا کہ نصیحت پکڑیں عقلمند"۔

باطلا سے مراد بے مقصد اور کھیل تماشا ہے یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو محض امر عبث کے لیے پیدا کیا ہے وہ ہماری قدرت پر دلالت ہے۔ یہ کفار کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو باطل پیدا کیا ہے۔

کفار کو شرمندہ کرنے کے لیے فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے انجعل الذین اس آیت میں عرب کا رد ہے جو کہ وہ کہتے تھے: یہ جائز ہے کہ مفسد صالح کی طرح ہو یا اس سے درجہ میں بلند ہو بعد والی کلام نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ بھی اسی طرح ہے یعنی کیا ہم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو کفار کی طرح بنا دیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ متقین، فجار اور کفار کو عام ہے۔ یہ تعبیر سب سے اچھی ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں ان کا بھی اس میں رد ہے جنہوں نے مطیع اور عاصی کا ٹھکانا ایک چیز بنایا ہے۔

كِتٰبٌ یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے لِّيَدَّبَّرُوْٓا اصل میں لیتدبروا تھا تا کو دال میں مدغم کیا گیا ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن کے معانی کی معرفت واجب ہے اور اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تیز پڑھنے سے افضل ہے جس طرح ہم نے کتاب التذکار میں بیان کیا ہے تیز پڑھنے کی صورت میں تدبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آیات میں تدبر سے مراد ان کی اتباع ہے (2)۔ عام قرأت لیدبروا ہے۔ ابو جعفر اور شیبہ نے لتدبروا یعنی دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے؛ حضرت علی شیر خدا کی قرأت بھی یہی ہے اصل میں لتتدبروا تھا

1۔ ابو داؤد، کتاب الاقضیہ، باب اذا علم الحاکم صدق الشاھد الواحد یجوز له ان یحکم به، حدیث نمبر 3130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 383

اور نیز ہوا ای معنی میں نبی کریم ﷺ سے روایت مروی ہے من سرہ ان یقوم له الرجال صفونا فلیتبوأ مقعدہ من النار (1) جسے یہ بات خوش کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہی رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے قطرب نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے اور نابغہ کا قول ذکر کیا ہے:

لنا قبة مضروبة بفنائها عتاق المهاری والجیاد الصوافن (2)

ہمارا ایک قبہ تھا جو ان کے صحن میں لگا ہوا تھا اعلیٰ نسل کے مہری اور ہمیشہ کھڑے رہنے والے عمدہ گھوڑے تھے:

یہ قتادہ کا قول ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صفون سے مراد یہ ہے کہ دونوں اگلے پاؤں میں سے ایک کے کھر کو اٹھائے یہاں تک کہ باقی تین پاؤں پر کھڑا ہو جس طرح شاعر نے کہا:

أَلِفَ الصُّفُونَ فَمَا يَزَالُ كَأَنَّهُ مِمَّا يَقُومُ عَلَى الثَّلَاثِ كَسِيرَا

عمرو بن کلثوم نے کہا:

تَرَكْنَا الْخَيْلَ عَاكِفَةً عَلَيْهِ مُقَلَّدَةً أَعِنَّتَهَا صُفُونَا

"ہم نے گھوڑوں کو اس پر جھکے ہوئے دیکھا ہے ان کی لگامیں ان کا قلادہ تھیں وہ تین پاؤں پر کھڑے تھے" یہ مجاہد کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دمشق اور نصیبین سے جنگ کی تو ان سے ایک ہزار گھوڑے پائے (3)۔ مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے ان کے والد نے یہ گھوڑے عمالقہ سے حاصل کیے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جو سمندر سے نکلے تھے (4) ان کے پر تھے یہ ضحاک کا قول ہے۔ وہ ایسے گھوڑے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے نکالے گئے تھے وہ منقوش تھے وہ پہلے پروں والے تھے۔ ابن زید نے کہا: شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے گھوڑے نکالے تھے جن کے پر تھے حضرت علی شیر خدا نے بھی اسی طرح کہا: وہ بیس گھوڑے تھے جو پروں والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سو گھوڑے تھے۔ ایک روایت میں ابراہیم تیمی سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ گھوڑے بیس ہزار تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۔ الخیر سے مراد گھوڑے ہیں عرب انہیں یہی نام دیتے ہیں وہ راء اور لام کو یکے بعد دیگرے لاتے ہیں تو کہتے ہیں: انہملت العین وانہمرت، ختلت وخترت جب تو دھوکہ دے۔ دونوں جگہ پر لام اور راء ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں خیر اور خیل ایک ہی چیز ہے۔ نحاس نے کہا: حدیث طیبہ میں ہے کہ الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة (5) گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے بھلائی رکھ دی گئی ہے تو گویا گھوڑوں کو خیر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے حدیث میں ہے کہ جب زید الخیل نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 91 — 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 92 — 3۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603

4۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 91 — 5۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 93

ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انت زید الخیر وہ حقیقت میں زید بن مہلہل شاعر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیر اس لیے نام دیا گیا کیونکہ اس کی ذات میں کئی منافع تھے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام جانور پیش کیے ان سے کہا گیا: ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں تو انہوں نے گھوڑا پسند کیا تو انہیں کہا گیا: تم نے اپنی عزت کو اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے اس کا نام خیر پڑ گیا اور اسے خیل کا نام دیا گیا کیونکہ یہ قوت اور عجب کے ساتھ موسوم ہے۔ اسے فرس اس لیے نام دیا گیا کیونکہ یہ فضا کی مسافتوں کو چیرتا ہے جس طرح شیر شکار کو چیر پھاڑ دیتا ہے اور ان مسافتوں کو یوں طے کرتا ہے جس طرح وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہر شے کو اکٹھا کر لیتا ہے۔ اسے عربی نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جزا کے طور پر دیا گیا حضرت اسماعیل عربی تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے عطیہ تھا تو اس گھوڑے کو عربی کہا گیا: لفظ حب فراء کے قول کے مطابق مفعول ہے معنی ہے آثرت حب الخیر والمال عن ذکر ربی میں نے گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی تو اس محبت نے مجھے میرے رب کے ذکر سے غافل کر دیا۔

دوسرے علماء اسے مفعول مطلق تسلیم کرتے ہیں جو مفعول کی اضافت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی یعنی احببت الخیر حب الخیر فالہانی عن ذکر ربی ایک قول یہ کیا گیا: احببت کا معنی ہے میں بیٹھ گیا اور پیچھے ہٹ گیا؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے احب البعیر جملہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ بیٹھ جائے اور پیچھے ہٹ جائے اَحب فلان اس نے اپنا سر جھکایا۔ ابو زید نے کہا یہ جملہ بولا جاتا ہے: بعیر محب، وقد احب احبابا یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسے کوئی مرض لاحق ہو یا تھک جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ وہ درست ہو جائے یا مر جائے۔ ثعلب نے کہا: بعیر محب کے لیے کہا جاتا ہے معنی ہوگا تو میرے رب کے ذکر سے بیٹھ گیا اس تعبیر کی بنا پر حب کا لفظ مفعول لہ ہوگا۔ ابو فتح ہمدانی نے کتاب التبیان میں یہ ذکر کیا ہے۔ احببت یہ لزمت کے معنی میں ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

مِثْلَ بَعِيرِ السُّوءِ إِذْ أَحَبَّا

اس برے اونٹ کی مثل جب وہ ایک جگہ کو لازم پکڑ لے۔

**حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۞** یعنی سورج چھپ گیا۔ یہاں ذکر کے بغیر ضمیر ذکر کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ** (فاطر: 45) اس میں ھا ضمیر سے مراد ارض ہے عرب کہتے ہیں: ماجت بہا رد معنی ہے حاجت الیوم باردۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۞** (الواقعہ) یعنی نفس حلقوم تک جا پہنچا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۞** (المرسلات) یہاں نار کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ زجاج نے کہا: ضمیر کا ذکر کرنا جائز نہیں جب کسی چیز کا ذکر ہوا ہو یا دلیل کا ذکر ہوا ہو یہاں دلیل موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

**بِالْعَشِيِّ** عشی سے مراد زوال کے بعد کا وقت ہے تواری سے مراد آنکھوں سے چھپ جانا ہے الحجاب سے مراد سبز پہاڑ ہے جو تمام مخلوق کو محیط ہے (1)؛ یہ قتادہ اور کعب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبل قاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 93

یا ایسا پہاڑ ہے جو قاف کے علاوہ ہے۔ حجاب سے مراد رات ہے رات سے حجاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس چیز کو چھپا لیتی ہے جو اس میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حَتّٰی تَوَارَتْ سے مراد گھوڑے دوڑ میں چھپ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں گھوڑوں میں مقابلہ کرایا جاتا یہاں تک کہ وہ مسابقت میں آپ کی آنکھ سے چھپ جاتے کیونکہ سورج کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

نحاس نے ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز میں تھے آپ کی خدمت میں گھوڑے لائے گئے تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں جو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یہاں تک کہ گھوڑے چھپ گئے اصطبلوں کی دیواروں نے انہیں چھپا دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: رُدُّوْهَا عَلَیَّ ۚ فَطَفِقَ مَسْحًا آپ ان پر ہاتھ پھیرنے لگے اس کے معنی میں دو قول ہیں: آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ ان کی تکریم کا اہتمام کریں اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ معزز آدمی کے لیے یہ کوئی قبیح نہیں کہ وہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ یہ معاملہ کرے۔ اس قول کے کرنے والے نے یہ کہا: وہ کیسے قتل کر سکتے ہیں؟ جبکہ اس میں مال برباد کرنا اور جس کا کوئی گناہ نہ ہوا سے سزا دینا لازم آتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں مسح سے مراد قتل کرنا ہے آپ کو قتل کی اجازت دی گئی تھی۔ حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے نماز پڑھی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے جبکہ گھوڑے آپ پر پیش کیے جا رہے تھے وہ ایک ہزار گھوڑے تھے آپ پر نو سو گھوڑے پیش کیے جا چکے تھے تو آپ نماز عصر کے لیے متوجہ ہوئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا اور نماز فوت ہو گئی تھی آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ کو آگاہ نہ کیا گیا تو آپ غمگین ہوئے تو فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ تو گھوڑوں کو آپ پر دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کی کونچیں کاٹ دیں ان میں سے سو گھوڑے بچ گئے آج لوگوں کے پاس جو اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں وہ انہیں گھوڑوں کی نسل میں سے ہیں۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس وقت نہ ظہر کی نماز تھی اور نہ عصر کی نماز ہوتی تھی بلکہ وہ نماز نفلی نماز تھی تو آپ اس سے غافل ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جاہ و جلال والے تھے تو کسی نے بھی انہیں آگاہ نہیں کیا خواہ وہ فرض نماز تھی یا نفل نماز تھی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ تاخیر مباح ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ فوت شدہ نماز یاد کی اور بطور افسوس کہا: اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے(1)۔ آپ نے گھوڑوں کو لوٹانے کا حکم دیا اور ان کی کونچیں اور ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا یہ کوئی گھوڑے کو عذاب دینا نہیں تھا جب جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو تو ان جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا تاکہ اس کے بعد گھوڑے آپ کو نماز سے غافل نہ کریں شاید آپ نے ان کی کونچیں اس لیے کاٹیں تاکہ ان کو ذبح کر سکیں آپ نے انہیں بھاگنے سے روکنے کے لیے ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر انہیں اسی وقت ذبح کر دیا تاکہ ان کا گوشت صدقہ کریں یا ان کی شریعت میں یہ امر مباح تھا تو جس چیز نے آپ کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیا اس کو تلف کر دیا تاکہ اس چیز کا تعلق اپنے آپ سے ختم کر دیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 603

کیا ہے۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ نبی معصوم کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ اس نے فساد والا فعل کیا ہے۔ مفسرین نے آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا: آپ نے گھوڑوں کی تکریم کی خاطر ان کی گردنوں اور ان کی پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا: تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہو تو یہ اچھا عمل ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: آپ نے ان کی کونچیں کاٹیں پھر انہیں ذبح کر دیا۔ گھوڑوں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سورۂ نحل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آپ نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس پر قدغن لگائی جا سکتی ہو۔ جہاں تک صحیح کپڑے کے پھاڑنے کا تعلق ہے جبکہ غرض صحیح نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کیا ہو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہو جبکہ یہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے گھوڑوں کے ساتھ جو بھی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مباح کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے گھوڑوں کے مسح کرنے سے مراد کا یہ ہے انہیں نشان لگاتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں معین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ پنڈلیاں کسی حال میں بھی نشان لگانے کا محل نہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے: پنڈلی پر کاویہ سے نشان لگانا علاط کہلاتا ہے اور گردن پر نشان لگانا وثاق کہلاتا ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے علط البعیر علطا اس نے اونٹ کی گردن میں نشان لگایا۔ علاطان سے مراد گردن کی دونوں جانبیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: رُدُّوْهَا عَلَیَّ میں ھا ضمیر کو جس نے سورج کی طرف لوٹایا ہے تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے۔ اس کی مثل ہمارے نبی ﷺ کے لیے بھی واقع ہوا امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں حضرت اسماء بنت عمیس سے دو سندوں سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی جا رہی تھی جبکہ حضور ﷺ کا سر مبارک حضرت علی شیر خدا کی گود میں تھا۔ حضرت علی شیر خدا نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "اے علی! کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟" عرض کی: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! اگر یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو سورج کو اس پر لوٹا دے"۔ حضرت اسماء نے کہا: میں نے اسے غروب ہوتا ہوا دیکھا تھا پھر میں نے غروب ہونے کے بعد پہاڑوں اور زمین پر اسے طلوع حالت میں دیکھا جبکہ آپ خیبر میں صہباء کے مقام پر تھے۔ امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں ثقہ لوگوں نے انہیں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوالفرج ابن جوزی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کہا: حضرت علی شیر خدا کی محبت میں رافضیوں کے غلو نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپ کے فضائل میں بے شمار احادیث وضع کریں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج غائب ہو گیا تو حضرت علی شیر خدا کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا(1)۔ یہ از روئے نقل کے محال ہے۔ اور معنی کے اعتبار سے بھی محال ہے کیونکہ وقت فوت ہو چکا تھا اور اس کا لوٹانا یا طلوع تھا جو وقت کو نہیں لوٹاتا تھا۔ جس نے کہا تھا: ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے وہ گھوڑے دوڑ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اس میں گھوڑوں

1۔ حضرت مفسر نے یہ رائے قائم کی ہے اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ کی رائے کو اہمیت دی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا: ابن جوزی نے یہ غلط کہا
نیز بالانوار میں اس کا ذکر کیا ہے۔

کی رو سے ان میں دلیل موجود ہے۔ یہ شروع امر ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۂ یوسف میں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

"اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔ عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد بے شک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے اور سب دیو بھی، تحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں۔ (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام"۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ ایک قول یہ کیا گیا: حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہ بنے بیس سال گزر چکے تھے کہ آپ کو فتنہ میں ڈالا گیا اور آزمائش کے بعد آپ بیس سال تک حاکم رہے؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ فَتَنَّا یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور ہم نے سزا دی (1)۔ اس کا سبب وہ روایت ہے جو سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے ان میں سے ایک فریق جرادہ کے خاندان سے تھا جو آپ کی بیوی تھی۔ حضرت سلیمان اس سے محبت کرتے تھے تو آپ نے خواہش کی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہو۔ پھر دونوں کے درمیان فیصلہ انصاف سے کیا۔ آپ کو جو بھی مصیبت پہنچی وہ اسی خواہش کی بنا پر تھی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن تک لوگوں سے حجاب میں رہے آپ نے کسی کے درمیان فیصلہ نہ کیا نہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: میں نے تجھے خلیفہ اس لیے نہیں بنایا کہ تو میرے بندوں سے حجاب کرے بلکہ اس لیے خلیفہ بنایا ہے کہ تو ان کے درمیان فیصلہ کرے اور مظلوم کو انصاف دلائے۔

شہر بن حوشب اور وہب بن منبہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو گرفتار کیا جس کے ساتھ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں جہاد کیا تھا (2)، جس بادشاہ کو صیدون کہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 94

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 604

کی محبت ڈال دی گئی جبکہ وہ آپ سے اعراض کرتی تھی، وہ ترچھی نظروں سے آپ کو دیکھتی اور ان سے کبھی باتیں کرتی تھی، اس
کی آنکھوں سے اپنے والد کے غم میں آنسو بہتا تھا وہ بہت ہی خوبصورت تھی پھر اس نے یہ سوال کیا کہ وہ اس کے باپ کا
اس کی صورت کے مطابق بت بنا دے تاکہ وہ اسے دیکھا کرے۔ حضرت سلیمان نے اس کا حکم دیا تو اس کے لیے مجسمہ بنا دیا
گیا اس عورت نے اس کی تعظیم کی وہ اس کے سامنے سجدہ کیا اور اس کی لونڈیوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔ وہ ایک ایسا
بت بن گیا جس کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں عبادت کی جارہی تھی مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا
یہاں تک کہ چالیس دن گزر گئے۔ اس کی خبر بنی اسرائیل میں عام ہوگئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی علم ہوگیا تو آپ
نے اسے توڑ دیا پھر اسے جلا دیا پھر اس کے ذرات سمندر میں بکھیر دیئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت سلیمان نے صیدون کی بیٹی کو پایا جس کا نام جرادہ تھا جس طرح کہ زمخشری نے ذکر کیا
ہے تو وہ عورت آپ کو بہت اچھی لگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اسلام کو پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ حضرت
سلیمان علیہ السلام نے اسے ڈرایا تو اس عورت نے کہا: مجھے قتل کر دو میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام
نے اس سے شادی کر لی جبکہ وہ مشرکہ تھی۔ وہ یاقوت کے بنے بت کی چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوشیدہ
عبادت کرتی رہی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چالیس روز تک حکومت کے زوال کے ساتھ سزا
دی گئی۔ کعب الاحبار نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر کے گھوڑوں پر ظلم کیا تو آپ کی حکومت سلب
کر لی گئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے حیض یا کسی اور عارضہ کی صورت میں اپنی کسی بیوی کے
ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی عورت سے شادی
نہ کریں تو آپ نے ان کے علاوہ کسی اور عورت سے شادی کر لی تو اس وجہ سے انہیں سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا کہ مفسرین کے نزدیک وہ شیطان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی شبیہ اس پر ڈالی
اس کا نام صخر بن عمیر صاحب البحر تھا یہی وہ تھا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی رہنمائی الماس (ہیرے) پر کی تھی جب
حضرت سلیمان علیہ السلام کو بیت المقدس بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب پتھروں کو لوہے سے تراشا جاتا تو ان میں آواز پیدا
ہوتی انہوں نے الماس (ہیرہ) لیا اور اس کے ساتھ پتھر، شیشے اور دوسری چیزیں کاٹے گئے تو کوئی آواز پیدا نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سرکش جن تھا تمام شیاطین بھی اس پر غالب نہ آتے وہ ہمیشہ حیلہ سازی کرتا رہتا تھا
یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت
الخلا میں انگوٹھی کے ساتھ داخل نہیں ہوتے تھے۔ صخر حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ
السلام کی عورتوں سے ایک عورت سے جسے امینہ کہا جاتا تھا انگوٹھی لی جو آپ نے دی تھی، یہ شہر بن حوشب اور وہب کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: اس کا نام جرادہ تھا وہ چالیس روز تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر
قابض رہا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھاگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انگوٹھی اور بادشاہت انہیں واپس کر دی۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی اپنے بستر کے نیچے رکھ دی اور شیطان نے اسے اٹھا لیا۔ مجاہد نے کہا: شیطان نے انگوٹھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے لے لی تھی کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا جبکہ اس کا نام آصف تھا: تم لوگوں کو کس طرح گمراہ کرتے ہو؟ شیطان نے آپ سے کہا: مجھے اپنی انگوٹھی دو تاکہ میں تمہیں بتاؤں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ جب شیطان نے انگوٹھی لے لی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا وہ آپ کی بیویوں کے پاس جاتا، حق فیصلے کرتا اور نماز ادا کرتا رہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ وہ ان کے پاس ان کے حیض کے دنوں میں آیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اسے آپ کی بیویوں کے پاس آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے حکومت زائل ہو گئی تو آپ ساحل سمندر کی طرف بھاگ نکلے آپ وہاں لوگوں سے ضیافت طلب کرتے اور اجرت پر شکاریوں کی مچھلیاں اٹھایا کرتے تھے جب وہ لوگوں کو بتاتے کہ وہ سلیمان ہیں تو لوگ انہیں جھٹلاتے تھے۔

قتادہ نے کہا: جب بنی اسرائیل نے شیطان کے احکامات کو عجیب و غریب پایا تو آپ نے شکاری سے ایک مچھلی لی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آپ نے وہ کھانے کے لیے لی تھی۔ حضرت ابن ابی نجیح نے کہا: مچھلیاں اٹھانے کی اجرت کے طور پر لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے شکار کیا تھا، جب اس کے پیٹ کو چیرا تو اپنی انگوٹھی اس میں موجود پائی تھی۔ یہ واقعہ آپ کی بادشاہت کے زائل ہونے سے چالیس دن بعد ہوا یہ دنوں کی وہی تعداد ہے جتنے دنوں میں آپ کے گھر میں بت کی عبادت کی گئی تھی آپ نے وہ انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں پائی تھی کیونکہ شیطان نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی۔

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: اسی اثنا میں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سمندر کے کنارے انگوٹھی سے کھیل رہے تھے کہ وہ انگوٹھی سمندر میں گر گئی جبکہ ان کی حکومت اسی انگوٹھی میں تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھا"۔ یحییٰ بن ابی عمرو شیبانی نے حکایت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تو وہاں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی خاطر بیت المقدس کی طرف پیدل گئے۔

حضرت حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک لوٹا دیا تو آپ نے صخر کو پکڑ لیا جس نے انگوٹھی لی تھی اس کے لیے چٹان میں سوراخ کیا اور اس میں اسے داخل کیا اور دوسری چٹان کے ساتھ اسے بند کر دیا اور لوہے اور سکے کے ساتھ اسے جوڑ دیا اس پر اپنی مہر لگائی اور سمندر میں پھینک دیا اور فرمایا: یہ قیامت تک تیرا قید خانہ ہے۔

حضرت علی شیر خدا نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے انگوٹھی لے لی تو شیاطین، جن، انسان، پرندے

وحشی جانور، اور ہوا آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ شیطان بھاگ گیا جو آپ کا نائب بنا تھا وہ سمندر میں ایک جزیرہ میں آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو اس کے پاس بھیجا انہوں نے کہا: ہم اس پر قادر نہیں لیکن وہ ہفتہ میں ایک روز جزیرہ کے ایک چشمہ پر آتا ہے ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے جب تک وہ نشے میں نہ ہو کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پانی نکلوایا اور اس میں شراب ڈال دی وہ اس چشمہ پر آنے والے دن اس پر آیا تو اس میں شراب تھی اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو عمدہ مشروب ہے مگر تو حلیم کو جوش دلاتی ہے، جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے پھر اسے شدید پیاس لگی پھر وہ اس چشمہ کے پاس آیا اور اس جیسی گفتگو کی پھر اسے پیا تو شراب اس کی عقل پر غالب آ گئی ان شیاطین نے اسے انگوٹھی دکھائی تو اس نے کہا: ہم سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے۔ وہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے آپ نے اسے جکڑ دیا اور ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ دھویں کا پہاڑ ہے انہوں نے کہا: وہ دھواں جو تم دیکھتے ہو یہ اس کی سانسیں ہیں اور وہ پانی جو اس پہاڑ سے نکلتا ہے وہ اس کا پیشاب ہے۔

مجاہد نے کہا: اس شیطان کا نام آصف ہے۔ سدی نے کہا: اس کا نام حبقیق ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ شیطان انبیاء کی صورت نہیں اپنا سکتا، پھر یہ بھی محال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کے لوگوں پر شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت اپنا کر معاملہ غلط ملط کر دے یہاں تک کہ وہ اسے یہ گمان کریں کہ یہی برحق ہے اور وہ شیطان کے ساتھ ظلم باطل کا کام شروع کر دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد سے مراد بچہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں پیدا ہوا جب وہ پیدا ہوا تو شیاطین جمع ہو گئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو ہم اس کی غلامی اور تسخیر سے آزاد نہ ہو سکیں گے آؤ ہم اس کے بیٹے کو قتل کر دیں یا اسے بگاڑ دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہو گیا آپ نے ہوا کو حکم دیا تو وہ بچے کو بادلوں میں لے گئی ان کا بیٹا شیاطین کے خوف سے بادلوں میں رہا تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین سے خوفزدہ ہونے کی بنا پر آپ کو سزا دی آپ نے محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آپ کے تخت پر مردہ پڑا ہوا تھا: یہ معنی شعبی نے بیان کیا ہے یہی وہ جسد ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا میں بیان کیا ہے۔

نقاش اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے: اکثر لونڈیاں جن سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس لیے وطی کی تھی کہ ان سے اولاد ہوگی تو آپ کا آدھے جسم والا بچہ پیدا ہوا تو اس کی حیثیت اس جسم والی تھی جسکو آپ کے تخت پر پھینک دیا گیا ہو۔ دائی اسے لائی تھی اور اس نے وہاں پھینک دیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس چکر لگاؤں گا ان میں سے ہر ایک شاہسوار جنے گی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا آپ کے مصاحب نے کہا: ان شاء اللہ کہو تو آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ آپ نے رات کے وقت اپنی بیویوں کے پاس چکر لگایا تو ایک عورت کے سوا کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی وہ بھی آدھا بچہ لائی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے!

اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب شاہسوار کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے"(1)۔

ایک قول یہ کیا گیا: جسد سے مراد آصف بن برخیا صدیق تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا گیا تو انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گر پڑی اس میں آپ کی بادشاہت تھی آپ نے دوبارہ اسے اپنے ہاتھ میں ڈالا تو وہ پھر گر پڑی تو آپ کو آزمائش کا یقین ہو گیا۔ آصف بن برخیا نے آپ سے عرض کی: آپ کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے اس لیے وہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ٹھہرتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہونے کی حیثیت سے دوڑ کر جائیں میں تیری حکومت میں تیرے قائم مقام رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے۔ آپ کی آزمائش سے چودہ دن میں حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ آصف بن برخیا نے انگوٹھی لے لی اسے اپنے ہاتھ میں رکھا تو وہ وہاں ٹھہر گئی ان کے پاس کتاب کا علم تھا آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت اور آپ کے عیال میں قائم مقام رہے جیسی چال حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی ایسی چال چلے اور جو مجلس حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا ایسی مجلس آصف کا تھا یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھر تائب ہو کر لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ملک انہیں لوٹا دیا۔ آصف بن برخیا آپ کی مجلس میں رہے آپ کی کرسی پر بیٹھے اور انگوٹھی اپنے ہاتھ میں رکھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ شدید بیمار ہوئے یہاں تک کہ گویا ایک جسم کی حیثیت سے ہو گئے ایک کمزور مریض کی یوں صفت بیان کی جاتی ہے: کالجسد بلا روح۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی اور آپ کا ملک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے چھ سو کرسیاں بچھائی جاتیں پھر انسانوں میں سے معززین حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کے قریب بیٹھ جاتے پھر جنوں میں سے معززین آتے تو وہ انسانوں کے قریب بیٹھ جاتے پھر پرندے آتے جو ان پر سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو بلاتے جو ان سب کو اٹھا لیتی وہ ایک دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ وہب، کعب اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے باپ کے بعد حاکم بنے تو آپ نے کرسی بنانے کا حکم دیا تاکہ فیصلہ کرنے کے لیے اس پر بیٹھیں اور یہ حکم دیا کہ اسے خوفناک انداز میں بنایا جائے کہ جب باطل پرست یا جھوٹا گواہ اسے دیکھے تو کانپ جائے اور خوف زدہ ہو جائے آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کرسی کو ہاتھی کے دانتوں سے بنایا جائے جس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے نگینے جڑے ہوئے ہوں اسے سونے کے بنے چار درختوں سے گھیرا گیا ہو اسے سونے کی بنی چار کھجوروں کے ساتھ گھیرا گیا جس کی ٹہنیاں سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کی تھیں دو کھجوروں کے سروں پر سونے کے دو مور تھے اور دو کھجوروں کے سروں پر سونے کی دو گدھیں تھیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے کرسی بنانے والوں نے کرسی کی دونوں جانب سونے کے دو شیر بنائے ان دونوں میں سے ہر ایک کے سر پر سبز زمرد کا ستون تھا انہوں نے کھجوروں

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ووھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب، جلد 1، صفحہ 487

کے درختوں پر سرخ سونے کی بیلیں جوڑ دیں ان کے گچھے سرخ یاقوت کے تھے اس طرح ان بیلوں نے کھجوروں اور کرسی کو
ڈھانپا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس پر چڑھنے کا ارادہ کرتے تو اس کے نیچے والے زینے پر اپنے دونوں قدم
رکھتے تو کرسی اتنی تیزی سے گھوم جاتی جس طرح تیز چکی گھومتی ہے وہ گدھیں اور مور اپنے پر پھیلا دیتے دونوں شیر اپنے ہاتھ
پھیلا لیتے اور اپنی دمیں زمین پر مارتے، جس زینے پر بھی آپ چڑھتے یہ چیزیں اسی طرح کا عمل کرتیں جب اس کے
آخری زینے پر بیٹھ جاتے تو وہ دونوں گدھیں جو کھجور کے درختوں کے اوپر ہوتیں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تاج پکڑتیں
اور اسے آپ کے سر پر رکھ دیتیں پھر کرسی گھوم جاتی اس کے ساتھ دونوں گدھیں، دونوں مور اور دونوں شیر اپنے سروں کو حضرت
سلیمان علیہ السلام کی طرف جھکاتے ہوئے گھوم جاتے اور اپنے پیٹوں سے کستوری اور عنبر کو چھڑکتے پھر وہ کبوتری جو سونے کی
بنی ہوئی تھی جو کرسی کے اوپر موتیوں اور جواہرات سے بنے ستونوں پر ہوتی تورات حضرت سلیمان علیہ السلام کو پکڑاتی
حضرت سلیمان علیہ السلام اسے کھولتے اسے لوگوں پر پڑھتے اور لوگوں کو فیصلہ کی طرف دعوت دیتے۔

انہوں نے یہ بھی کہا: بنی اسرائیل کے علماء سونے کی بنی کرسیوں پر بیٹھتے جن پر جواہرات جڑے ہوتے یہ آپ کی دائیں
جانب ہزار کرسیاں تھیں اور جنوں کے معززین چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے جو ہزار کرسیاں تھیں پھر پرندے انہیں سایہ کرتے
ہوئے گھیر لیتے لوگ فیصلوں کے لیے آگے بڑھتے جب گواہ گواہیوں کے لیے آگے بڑھتے تو کرسی اپنے تمام متعلقات کے
ساتھ تیز چکی کے گھومنے کے ساتھ گھوم جاتی دونوں شیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا لیتے اور اپنی دمیں زمین پر مارتے دونوں گدھیں
اور دونوں مور اپنے پروں کو پھیلا لیتے گواہ ڈر جاتے اور حق بات کی گواہی دیتے وہ چیز جو اس کی کرسی کو گھماتی وہ سونے کی بنی
چکی تھی وہ کرسی اس پر تھی۔ مسخر جنوں نے جو آپ کے لیے چیزیں بنائی تھیں ان میں سے یہ ایک عظیم چیز تھی۔

جب کرسی کے گھومنے کا احساس ان گدھوں، شیروں اور موروں کو ہوتا جو کرسی کے اوپر سے نیچے تک تھے تو وہ سب چیزیں
گھوم جاتیں جب ٹھہرتیں تو سب چیزیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر پر ٹھہر جاتیں جبکہ آپ بیٹھے ہوتے پھر ان کے پیٹوں
میں مشک اور عنبر میں سے جو ہوتا انہیں آپ پر نچھاور کرتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو بخت نصر نے
آدمی بھیجے جو کرسی کو لے آئے جب اسے انطاکیہ لے جایا گیا اس نے ارادہ کیا کہ اس پر چڑھے اسے یہ علم نہیں تھا کیسے اس پر
چڑھنا ہے جب اس نے ایک قدم اس پر رکھا تو شیر نے اس کے پاؤں پر ضرب لگا دی اور اسے توڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ
السلام جب اس پر چڑھتے تو دونوں قدم رکھتے بخت نصر مر گیا اور کرسی بیت المقدس کی طرف واپس کر دی گئی کوئی بادشاہ اس پر
نہ بیٹھا لیکن کوئی اس کے انجام سے بھی آگاہ نہیں ممکن ہے اسے آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا ہو۔

**ثُمَّ اَنَابَ** یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ **قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ** یعنی میرے گناہ
بخش دے **وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ** یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے دنیا کو طلب کیا
جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی، اس سے ناراضگی کی اور اپنی بارگاہ میں اسے حقیر جانا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: علماء کے نزدیک یہ طلب اس پر محمول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کریں گے، ملک کے امور

اچھے انداز میں چلائیں گے مخلوقات کی مصالح کو ترتیب سے رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کریں گے، اس کی رسوم کی حفاظت کریں گے، اس کے شعائر کی تعظیم کریں گے، اس کی عبادت ظاہر کریں گے، اس کی اطاعت کو لازم پکڑیں گے، حکم اس پر نافذ ہوگا، اس کے قانون کو منظم کریں گے، امیدوں کو ثابت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے سامنے تصریح کی ہے: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ)

حاشا وکلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال محض دنیا کی طلب کے لیے ہو کیونکہ آپ اور دیگر تمام مخلوقات پر زیادہ زاہد ہوتے تھے، آپ نے مملکت کا سوال محض اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی تباہی اور ہلاکت کا سوال اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تو دونوں سوال پسندیدہ تھے اور دونوں مقبول ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عرضداشت مقبول ہوئی تو جو بھی روئے زمین پر تھا سب ہلاک کر دیا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو مملکت عطا کر دی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ تمام بندوں میں سے صرف آپ ہی ان امور کو چلا سکتے ہیں یا یہ ارادہ کیا کہ وہ [illegible] تو کہا: لَا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ان میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔

حضرت حسن بصری نے کہا: کوئی بھی آدمی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بوجھ ہے مگر حضرت سلیمان بن داؤد کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا عَطَآؤُنَا ۔

میں کہتا ہوں: یہ چیز اس کو رد کر دیتی ہے جو ایک روایت میں مروی ہے کہ جنت میں تمام انبیاء کرام میں سے سب سے آخر میں داخل ہونے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ دنیا میں ان کو بادشاہت ملی۔ بعض روایات میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام انبیاء کے جنت میں داخل ہونے کے چالیس سال بعد جنت میں داخل ہوں گے؛ اسے صاحب قوت نے ذکر کیا ہے۔ یہ ایسی روایت ہے جس کی اصل نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو اس پر کوئی بوجھ نہیں کیونکہ یہ بطریق احسان انہیں نصیب ہوئی ہے تو پھر وہ کیسے جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ صحیح میں ہے: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے تو ان کے سوال سے پہلے ہی پوری کی جانے والی حاجت پوری کی گئی اس وجہ سے ان پر اس کا کوئی بوجھ نہیں۔

لَا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ کا معنی ہے میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کا سوال کرے گویا انہوں نے ایسا سوال کیا جس کا سوال بعد میں ممنوع قرار دیا گیا یہاں تک کہ کسی کی امید اس کے ساتھ متعلق نہ ہوئی اور طلب کے ممنوع ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کا سوال بھی نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: ان کا بادشاہت کا سوال کرنا آپ کے بعد کسی کے لیے مناسب نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں ظاہر و بیان رہے کیونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام و مرتبہ میں ایک خصوصیت موجود ہے۔

ایک پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے خصوصیت ہو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ پر استدلال کیا جا سکے یہی وجہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عفریت کو پکڑا جس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ آپ کی نماز کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ نے اس عفریت پر آپ کو قدرت بھی دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باندھنے کا ارادہ کیا پھر اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (1) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بھی کسی کو یہ حکومت عطا کی جاتی تو خصوصیت ختم ہو جاتی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خصوصیت میں مزاحمت کو ناپسند کیا اس کے بعد کہ آپ نے اس چیز کو جان لیا تھا کہ یہی وجہ ہے جو آپ کی خصوصیت ہے کہ شیاطین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے ایسی حکومت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً۔ رخاء کا معنی ہے نرم جبکہ اس میں قوت اور شدت موجود ہے یہاں تک کہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ ہوا آپ کی چٹائی، آپ کے لشکروں اور آپ کے تخت کو اٹھا لیتی تھی جس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ کا تخت فرسخ در فرسخ تھا اس میں سو (100) درجے تھے جو ایک کے اوپر بیٹھے تھے ہر درجہ میں ایک قسم کے لوگ ہوتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے اوپر والے درجہ میں اپنی عورتوں اور خدام کے ساتھ ہوتے تھے۔

ابو نعیم حافظ نے ذکر کیا ہے احمد بن جعفر، عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے وہ احمد بن ایوب وہ ابو بکر بن عیاش سے وہ ادریس بن وہب بن منبہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سو کرسے تھے ان میں سے سب سے اونچا شیشے کا تھا اور سب سے نچلے والا لوہے کا تھا، ایک روز آپ ہوا کے دوش پر سوار ہوئے تو آپ ایک کسان کے پاس سے گزرے تو کسان نے ان کی طرف دیکھا تو کہا: آل داؤد کو عظیم بادشاہت دی گئی ہے، ہوا نے اس کی گفتگو سن لی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈالی آپ اترے یہاں تک کہ اس کسان کے پاس آئے فرمایا: میں نے تیری بات سنی ہے میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں تاکہ تو اس چیز کی تمنا نہ کرے جس پر تو قادر نہیں تیرا ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول کر لے اس حکومت سے بہتر ہے جو آل داؤد کو دی گئی ہے، کسان نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے غم کو دور کرے تو نے میرے غم کو دور کیا ہے۔

حَيْثُ اَصَابَ ۝ اصاب کا معنی ارادہ کیا، یہ مجاہد کا قول ہے عرب کہتے ہیں: اصاب الصواب واخطأ الجواب (2)۔ صحیح کا ارادہ کیا اور جواب میں غلطی کی، یہ ابن عربی کا قول ہے۔ شاعر نے کہا:

أَصَابَ الكلامَ فلم يَستطِعْ ... فأخطأَ الجوابَ لَدَى المَفْصِلِ

اس نے گفتگو کا ارادہ کیا تو اس نے طاقت نہ رکھی اس نے فیصلے کے وقت جواب میں غلطی کی

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حمیری کی لغت میں اصاب کا معنی اراد ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ عجمی زبان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَيْثُ اَصَابَ کا معنی ہے حیث ما قصد یہ اصل میں اصابۃ السہم الغرض المقصود سے ماخوذ ہے تیر ہدف پر جا لگا۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، [illegible] داؤد سلیمان، جلد 1، صفحہ 487
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 609

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ اور جن، ہم نے اس کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا (1)۔ ان سے قبل کسی کے لیے یہ مسخر نہ تھے۔ كُلَّ بَنَّآءٍ یہ شیاطین سے بدل ہے۔ اصل کلام یوں ہے: كُلَّ بَنَّاءٍ مِنْهُمْ وہ اس کے لیے عمارتیں بناتے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ اسی بارے میں شاعر نے کہا:

إِلَّا سُلَيْمَانَ إِذْ قَالَ الْإِلٰهُ لَهُ ... قُمْ فِي الْبَرِيَّةِ فَاحْدُدْهَا عَنِ الْفَنَدِ

وَخَيِّسِ الْجِنَّ إِنِّي قَدْ أَذِنْتُ لَهُمْ ... يَبْنُونَ تَدْمُرَ بِالصُّفَّاحِ وَالْعَمَدِ

مگر سلیمان علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: مخلوق میں کھڑے ہو جاؤ، اسے خطا سے پاک کرو، جنوں کو ذلیل اور رسوا کرو میں نے انہیں حکم دے دیا ہے وہ باریک چوڑے پتھروں اور ستونوں کے ساتھ تدمر بنائیں گے۔ وَّغَوَّاصٍ وہ سمندروں سے ان کے لیے موتی نکالیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے شخص تھے جن کے لیے سمندر سے موتی نکالے گئے۔ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ہم نے ان کے لیے سرکش شیاطین کو مسخر کیا یہاں تک کہ آپ نے انہیں زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ دیا۔ یہ قتادہ نے کہا ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد طوق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کڑیاں ہیں۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

فَآبُوا بِالنِّهَابِ وَبِالسَّبَايَا ... وَأُبْنَا بِالْمُلُوكِ مُصَفَّدِينَا

وہ چھینے ہوئے مال، قیدیوں کے ساتھ لوٹے اور ہم رسیوں میں جکڑے ہوئے بادشاہوں کے بیٹوں کے ساتھ واپس لوٹے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: آپ یہ معاملہ ان کے کفار کے ساتھ کرتے تھے جب وہ ایمان لے آتے تو آپ انہیں آزاد کر دیتے انہیں اپنا مطیع نہیں بناتے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا اسم اشارہ سے مراد بادشاہت ہے، یہ بادشاہت ہماری عطا ہے تو جسے چاہے عطا کر یا اسے روک رکھ تجھ پر کوئی حساب نہیں۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس پر بھی جو نعمت کی ہے اس پر اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی بوجھ ہو گا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قتادہ نے کہا: اسم اشارہ سے مراد حقوق زوجیت ادا کرنے پر قوت ہے۔ آپ کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ آپ کی پشت میں سو آدمیوں کی قوت تھی۔ یہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ اسی کی ہم معنی روایت بخاری میں موجود ہے۔ اس تاویل کی بنا پر فَامْنُنْ منی سے مشتق ہو گا (2)۔ یہ کہا جاتا ہے: أَمْنٰى يُمْنِي، مَنٰى يَمْنِي دونوں لغتیں ہیں۔ جب تو امنی سے امر کا صیغہ بنائے گا تو تو کہے گا امن، اور منی یمنی کا صیغہ امن ہو گا جب تو فعل کے نون کے ساتھ نون خفیفہ لائے تو تو کہے گا امنن۔

جو احسان کی طرف گیا ہے اس نے اسے منّ علیہ سے مشتق بنایا ہے جب وہ اس سے امر کا صیغہ بنائے گا تو دونوں نونوں کو ظاہر

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 609

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 100

کرے گا کیونکہ یہ معنی معروف ہے تو اس نے کہا: اُمْنُنْ حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے شیاطین کو مسخر کیا گیا جس کے حق میں آپ چاہیں اسے آزاد کر دیں اور چھوڑ دیں اور جس کے بارے میں چاہیں آپ اسے روکے رکھیں؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کی تعبیر یہ ہے جناتی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہو حقوق زوجیت ادا کرو اور جس کے بارے میں چاہو اس کے ساتھ حقوق زوجیت سے رکے رہو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔

وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ یعنی اگر ہم نے ان پر دنیا میں انعام کیا ہے تو اس کے لیے آخرت میں بھی قربت اور لوٹنے کی بہترین جگہ ہوگی۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

"اور یاد فرمائیے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی!) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے"۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ یہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مشکلات میں صبر پر ان کی اقتدا کریں ایوب یہ عبدنا سے بدل ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ عیسیٰ بن عمر نے انی ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: قراء نے بنُصْب پر اتفاق کیا ہے یعنی نون مضموم اور صاد ساکن ہے شد نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کے بعد متناقض ہے اور وہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نے کہا: قراء نے اس پر اجماع کیا اس کے بعد یہ حکایت کی کہ قراء تے یزید بن قعقاع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اسے بنَصَب پڑھا ہے اور ابو جعفر کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ ابو جعفر نے بنُصُب پڑھا ہے: ابو عبید اور دوسرے قراء نے اسی طرح بیان کیا ہے؛ حضرت حسن بصری سے اسی طرح مروی ہے جہاں تک بنَصْب کا تعلق ہے یہ عاصم جحدری اور یعقوب حضرمی کی قراءت ہے؛ حضرت حسن بصری سے بھی یہی قراءت مروی ہے بنَصَب ابو جعفر سے بھی مروی ہے۔ اکثر نحویوں کے نزدیک یہ سب نَصَب کے معنی میں ہیں یعنی نصب اور نصب، حزن اور حزن کی طرح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نُصُب، نَصَب کی جمع ہو جس طرح وَثَن کی جمع وُثُن آتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نُصْب، نُصُب کے معنی میں ہو اس سے ضمہ حذف ہے جہاں تک وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ: 3) کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاب کی جمع ہے۔ ابو عبید اور دوسرے علماء نے کہا: نُصب کا معنی شر اور آزمائش ہے اور نَصَب کا معنی تھکاوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہی ہے؛ اس آیت سے مراد ہے شیطان جو وسوسہ لاحق کرتا ہے اس نے مجھے وہی پہنچایا ہے

کوئی اور چیز اس نے مجھے لاحق نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نصب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے بدن کو لاحق ہوا اور عذاب سے مراد وہ چیز ہے جو اس کے مال کو لاحق ہوا اس میں حقیقت سے بعید بات ہے۔

مفسرین نے کہا: ایوب رومی تھے یہ بثنیہ سے تعلق رکھتے تھے ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی؛ یہ واقدی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کے لیے چن لیا ان کے پاس مال اور اولاد کی کثرت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجا لانے والے تھے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہمدردی کرتے، نیک، رحم دل تھے۔ تین افراد کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہ لایا۔ جنوں میں ایک دن ابلیس کے لیے ساتویں آسمان میں ٹھہرنے کا موقع بنا ابلیس اپنی عادت کے مطابق وہاں بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا یا اسے کہا گیا: کیا تو میرے بندے ایوب پر کوئی قدرت رکھتا ہے؟ ابلیس نے عرض کی اے میرے رب! میں اس پر کس طرح قادر ہو سکتا ہوں جبکہ تو نے اسے مال اور عافیت کے ساتھ آزمائش میں ڈال رکھا ہے اگر تو نے آزمائش اور فقر کے ذریعے آزمائے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کر رکھا ہے وہ اس سے واپس لے لے تو وہ اپنی حالت سے بدل جائے گا اور تیری اطاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے اس کے اہل اور مال پر تسلط دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن آسمان سے نیچے اترا اس نے جنوں میں سے سرکش جنوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سب کچھ بتایا ان میں سے ایک نے کہا: میں ایک بگولہ بنوں گا جس میں آگ ہوگی تو میں اس کا مال ہلاک کر دوں گا وہ حضرت ایوب کی خدمت میں مال کے منتظم کی صورت میں آیا اور اس کے مال پر جو کچھ واقع ہوا تھا وہ سب بتایا تو حضرت ایوب نے کہا: الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہی مال عطا کیا ہے اور اسی نے مال روک لیا ہے۔ پھر وہ آپ کے اس محل میں آیا جہاں آپ کے گھر والے اور آپ کی اولاد تھی اس نے محل کو دو طرف سے اٹھایا اور اسے آپ کے اہل اولاد پر دے مارا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا تو حضرت ایوب نے مٹی اپنے سر پر ڈالی ابلیس آسمان کی طرف چڑھا تو حضرت ایوب علیہ السلام کی توبہ اس سے سبقت لے جا چکی تھی۔

ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس کے بدن پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے تجھے اس کے بدن پر مسلط کیا مگر اس کی زبان، اس کے دل اور اس کی آنکھ پر تسلط عطا نہیں کیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر ایک پھونک ماری جس کی وجہ سے آپ کا جسم جل گیا تو آپ کے جسم میں سے پھوڑے نکل آئے آپ نے انہیں اپنے ناخنوں سے رگڑا یہاں تک کہ ان سے خون نکلنے لگا پھر ٹھیکری کے ساتھ ملا تو آپ کا گوشت گر گیا اسی موقع پر کہا تھا: مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ پیٹ کے اندر تک کوئی بیماری نہ پہنچی کیونکہ نفس کی بقا پیٹ کے اندرونی حصے سے ہوا کرتی ہے آپ کھاتے اور پیتے آپ تین سال تک اسی طرح رہے جب حضرت ایوب علیہ السلام اس پر غالب آ گئے تو وہ آپ کی بیوی کے پاس آیا انسانوں میں سے خوبصورت ترین اور معزز ترین فرد کی صورت میں آیا اس نے آپ کی بیوی سے کہا: میں زمین کا معبود ہوں، میں نے ہی تیرے خاوند کے ساتھ کیا جو کچھ کیا اگر تو مجھے ایک سجدہ کر دے تو میں اس کے اہل اور اس کا مال اس کی طرف لوٹا دوں گا جبکہ وہ سب میرے پاس تھے اسی شیطان نے وہ تمام چیزیں ایک وادی میں آپ کی بیوی کے سامنے کر دیں اس عورت نے وہ تمام باتیں حضرت

ایوب کو بتایا تو حضرت ایوب نے قسم اٹھائی اگر وہ صحت مند ہوئے تو ضرور اس بیوی کو ماریں گے۔ مفسرین نے ان کی آزمائش کے سبب اپنے رب کی طرف مراجعت۔ کی مصیبت سے چھٹکارا، جو مصیبت ان پر واقع ہوئی تھی اور وہ تین افراد جو آپ پر ایمان لائے تھے انہوں نے آپ کو اس سے منع کیا تھا اور آپ پر اعتراض کیا تھا پر طویل گفتگو کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک مظلوم نے آپ سے مدد طلب کی تھی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس کی مدد نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک دن آپ نے لوگوں کو کھانے پر بلایا تو آپ نے ایک فقیر کو داخل ہونے سے روک دیا اس وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ ایک بادشاہ سے برسرپیکار تھے جبکہ آپ کے مویشی اس کی مملکت میں تھے تو اس مویشی کی وجہ سے اس کے ساتھ غزوہ ترک کر کے اس کے ساتھ نرمی کی تو اس وجہ سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ آپ کی بیوی سے مرض کے منتقل ہونے سے دور رہتے اور کہتے: ہم عدوی سے ڈرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی بیوی سے نفرت کرتے اسی وجہ سے فرمایا: مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ آپ کی بیوی بنت یعقوب تھی۔ حضرت ایوب، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں تھے ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ایوب کی بیوی رحمہ بنت افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام تھی؛ ان دونوں قولوں کو الطبری نے ذکر کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مفسرین نے جو یہ کہا کہ ابلیس کا سال میں ایک دن ساتویں آسمان میں بیٹھنے کی جگہ تھی تو یہ قول باطل ہے کیونکہ شیطان کو زمین کی طرف لعنت اور ناراضگی کے ساتھ اتارا گیا تو وہ محل رضا کی طرف کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ انبیاء کے مقامات میں کیسے قدم جما سکتا تھا، وہ آسمانوں کو پھاڑتا تو انبیاء کی منازل کی طرف ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوتا اور حضرت خلیل کی جگہ جا کر ٹھہرتا بے شک یہ بہت بڑی غلطی ہے اور جہالت کی پیداوار ہے۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے ان کے مال اور ان کی اولاد پر تسلط عطا کر دیا ہے یہ قدرت میں ممکن ہے لیکن اس قصہ میں بعید ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ شیطان نے آپ کے جسم میں پھونک ماری جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان کے جسم پر مسلط کیا یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید بات ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو پیدا فرمائے جبکہ شیطان کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو یہاں تک کہ شیطان کی اس بات سے آنکھ ٹھنڈی ہو کہ اسے انبیاء کے اموال، ان کے اہل اور ان کی ذاتوں میں قدرت حاصل ہوئی ہے۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ شیطان نے آپ کی زوجہ سے یہ بات کی کہ وہ زمین کا الٰہ ہے اگر تو اللہ کا ذکر چھوڑ دے اور تو مجھے سجدہ کرے تو میں اسے درست کر دوں گا۔ یہ بات تو یقین کر لو اور تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر وہ تم میں سے کسی کے سامنے آئے جبکہ اس انسان کو مدد دے اور شیطان سے یہ بات کرے تو اس کے نزدیک یہ جائز نہیں ہو گا کہ اس کا ذہن میں ایک خدا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہو گا کہ وہ شیطان کو سجدہ کرے اور شیطان اسے مصیبت سے عافیت دلائے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کی زوجہ اس سے شک میں مبتلا ہو؟ اگر چہ وہ دیہاتی بیوی ہو یا کم عقل دیہاتی عورت ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔

جہاں تک شیطان کے اس معاملہ کا تعلق ہے کہ اس نے حضرت ایوب کی بیوی کے لیے اموال اور ان کے اہل کو ایک

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں آپ سے نہ قرآن اور نہ حدیث سے کوئی چیز ثابت ہے مگر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ کون ہے جو سامع تک ایسی خبر پہنچا دیتا ہے جو کسی زبان سے اس نے یہ بات کہی ہے۔ علماء کے نزدیک اسرائیلی روایات قطعی طور پر ترک کر دی گئی ہیں ان کی تحریر سے اپنی نظر کو دور رکھو اور ان کو سننے سے اپنے کانوں کو بند رکھو کیونکہ اسرائیلیات تجھے صرف خیال عطا کریں گی اور تیرے دل میں سوائے فساد کے کسی چیز کا اضافہ نہ کریں گی۔

صحیح میں ہے جبکہ الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ حضرت ابن عباس بنہ نے کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے سوال کرتے ہو جبکہ تمہاری وہ کتاب جو تمہارے نبی پر نازل کی گئی یہ اللہ تعالیٰ کی خبریں دیتی ہے جن میں سب سے نئی ہے تم اسے خالص پڑھتے ہو اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں اس نے تمہارے سامنے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تبدیلی کی ہے اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھیں اور کہا: هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ:79) تمہارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے سے نہیں روکتا نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان میں سے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو تم پر نازل ہوا جبکہ موطا کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس امر کو معیوب جانا کہ حضرت عمر تورات کی قرأت کر رہے تھے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ: رکض سے مراد ہے پاؤں سے دھکیلنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَكَضْتُ الدَّابَّةَ وَ رَكَضْتُ ثَوْبَهُ بِرِجْلِهِ اس نے جانور کو پاؤں مارا۔ اس نے کپڑے کو اپنے پاؤں سے پرے کیا۔ مبرد نے کہا: رکض کا معنی حرکت دینا ہے اسی وجہ سے اصمعی نے کہا: یہ نہیں کہا جاتا: رَكَضَتِ الدَّابَّةُ یہ نہیں کہا جاتا: رُكِضَتْ هِيَ کیونکہ رکض کا معنی ہے سوار کا ایڑی سے گھوڑے کو حرکت دینا۔ اس سواری کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

سیبویہ نے یہ کہا: رَكَضْتُ الدَّابَّةَ فَرَكَضَتْ جس طرح یہ جملہ ہے جَبَرْتُ الْعَظْمَ فَجَبَرَ وَ حَزَنْتُهُ فَحَزِنَ میں نے سواری کو حرکت دی تو اس نے حرکت کی میں نے ہڈی کو جوڑا تو وہ جڑ گئی، میں نے اسے غمگین کیا تو وہ غمگین ہو گیا؛ کلام میں اضمار ہے یعنی ہم نے کہا: اُرْكُضْ یہ کسائی کا قول ہے۔

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ یہ اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت عطا کر دی۔ حضرت ایوب نے پاؤں مارا تو آپ کی وجہ سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تو آپ نے اس سے غسل کیا تو ظاہر سے بیماری چلی گئی پھر آپ نے اس سے پانی پیا تو باطن سے بھی بیماری رفع ہو گئی۔ قتادہ نے کہا: یہ دو ایسے چشمے ہیں جو شام کی سرزمین میں ہیں جس سرزمین کو جابیہ کہتے ہیں آپ نے ان میں سے ایک سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر سے بیماری کو دور کر دیا اور دوسرے چشمے سے پانی پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن سے بیماری کو دور کر دیا (1)۔ اسی کی مثل حضرت حسن بصری اور مقاتل سے مروی ہے کہ مقاتل نے کہا: گرم چشمہ پھوٹ پڑا آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا تو صحیح و سالم وہاں سے نکلے پھر دوسرا چشمہ پھوٹا تو آپ نے اس سے میٹھا پانی پیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ آپ کے جسم میں جو بھی بیماری ہے وہ جھڑ جائے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 102

مغتسل سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے؛ یہ قتیبی نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں غسل کیا جاتا ہے۔ مقاتل کا قول ہے جو جوہری نے کہا: اغتسلت بالماء، غسول اس پانی کو کہتے ہیں جس پانی سے غسل کیا جاتا ہے اسی طرح مغتسل بھی وہ پانی ہے جس کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے۔ مغتسل اور مغتسل غسل کی جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع مغاسل ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کتنا عرصہ آزمائش میں مبتلا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سات سال، سات ماہ، سات دن اور سات گھنٹے (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام نے سات سال تک یہ بیماری پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک قید میں رہے، بخت نصر عذاب دیا گیا اور سات سال تک درندوں میں گھومتا رہا؛ یہ ابو القاسم نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دس سال تک آپ کی بیماری رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اٹھارہ سال تک آپ کی بیماری رہی؛ اسے حضرت انس نے مرفوعاً نقل کیا ہے جسے ماوردی نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسے ابن مبارک نے ذکر کیا ہے۔ یونس بن یزید نے عقیل سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام اور اس آزمائش کا ذکر کیا جس میں آپ مبتلا تھے اور یہ ذکر کیا کہ آپ کو جو مصیبت پہنچی تھی وہ اٹھارہ سال تک رہی؛ قشیری نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ عرصہ چالیس سال تھا۔

**وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ** اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ رحمۃ سے مراد رحمت ہے اور دانشمندوں کے لیے عبرت ہے۔

**وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾**

"اور حکم ملا پکڑو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بے شک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا بڑا اچھا بندہ، بیشک وہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ تھے"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے بارے میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے اس کے سبب کے بارے میں چار اقوال ہیں: (*) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے کہ ابلیس ایک طبیب کی صورت میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج کے لیے اسے دعوت دی تو ابلیس نے کہا: میں اس کا اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب وہ صحت مند ہو جائے تو وہ یہ کہے: تو نے مجھے شفا دی ہے اس کے علاوہ میں اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ بیوی نے اس بارے میں حضرت ایوب علیہ السلام

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 102

سے مشورہ کیا تو آپ نے قسم اٹھائی کہ میں ضرور اسے ماروں گا فرمایا: تیرا ناس ہو وہ تو شیطان تھا۔

2۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا: پہلے جتنی روٹیاں وہ لاتی تھی اس سے زائد وہ روٹیاں لائی تو آپ کو اس کی خیانت کا خوف ہوا تو آپ نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور اسے ماریں گے۔

3۔ یحییٰ بن سلام اور دوسرے علماء نے کہا ہے: شیطان نے اسے گمراہ کیا کہ وہ حضرت ایوب کو مجبور کرے کہ وہ ایک بکری کا بچہ اس کی عبادت کے طور پر ذبح کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے، بیوی نے اس کا ذکر ان سے کیا تو آپ نے قسم اٹھائی کہ اگر وہ صحت مند ہو گئے تو اسے سو کوڑے ماریں گے۔

4۔ اس نے اپنی مینڈھیاں دو روٹیوں کے عوض بیچیں جب اس نے کوئی چیز نہ پائی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس لے جائے حضرت ایوب علیہ السلام جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو وہ ان مینڈھیوں کا سہارا لیتے اسی وجہ سے آپ نے اس کو مارنے کی قسم اٹھائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی تو اسے حکم دیا کہ ایک گٹھا لیں اور اس کے ساتھ ماریں۔ آپ نے چھوٹی ٹہنیاں لیں ان کی تعداد سو پوری کی اور اسے ایک ہی دفعہ مارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضغث سے مراد گھاس کا مٹھا ہے جس میں تر اور خشک تنکے ملے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ٹہنی جس میں چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** یہ آیت اس بات کو ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی سے غلطی ہوئی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کھجوروں کے گچھے سے ماریں۔ یہ حدود میں جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس لیے دیا کہ وہ حد ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو نہ ماریں اس کی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ادب سے بڑھ کر اپنی بیوی کو مارے اسی وجہ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: فاضربوهن ضربا غير مبرح جس طرح سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے: کیا یہ حکم عام ہے یا صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ یہ حکم صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ عبدوی نے عطاء بن ابی رباح سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم باقی ہے جب کسی نے سو شاخوں کے ساتھ ایک ہی دفعہ مارا تو وہ آدمی بری ہو جائے گا: امام شافعی نے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے: اسی کی مثل ایک اپاہج کے بارے میں حکم دیا جس سے ایک لونڈی حاملہ ہو گئی تھی اور آپ نے حکم دیا کہ آپ شاخوں کا گچھا ماریں جس میں چھوٹی سو شاخیں ہوں وہ ایک ہی دفعہ ماریں۔

قشیری نے کہا: عطاء سے کہا گیا کیا آج بھی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر اس لیے تاکہ آج اس پر عمل کیا جائے اور اس کی پیروی کی جائے۔ ابن عربی نے کہا: عطاء سے یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص حکم تھا۔ ابو زید نے ابن قاسم سے وہ امام مالک سے روایت نقل کرتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اس نے ان کو جمع کیا اور پھر ایک ہی دفعہ اسے مارا تو وہ بری نہ ہوگا۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: امام مالک

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدہ: 48) یہ حکم ہماری شریعت کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ولید بن عقبہ کو ایسی چھڑی سے مارا جس کی دو شاخیں تھیں اسے چالیس ضربیں لگائیں امام مالک نے اس کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: 2) یہ اصحاب الرائے کا نقطۂ نظر ہے۔ امام شافعی نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں گفتگو کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدلال کیا ہے اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب سے وہ یونس سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک آدمی بیمار ہوا یہاں تک کہ بہت ہی کمزور ہو گیا وہ محض ہڈی پر چمڑا ہی رہ گیا کسی کی لونڈی اس کے پاس آئی اس کے دل میں لونڈی کے لیے میلان پیدا ہوا اور اس سے اپنی خواہش پوری کر بیٹھا جب اس کی قوم کے افراد اس کے پاس آئے تاکہ اس کی عیادت کریں تو اس مریض نے انہیں سب واقعہ بیان کر دیا اور کہا: میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرو میں نے ایک لونڈی سے خواہش پوری کی ہے جو میرے پاس داخل ہوئی تھی انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا انہوں نے عرض کی: ہم نے کسی میں اتنی تکلیف نہیں دیکھی جو اس کو لاحق ہے اگر ہم اسے آپ کے پاس اٹھا کر لائیں تو اس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جائیں گی وہ محض ہڈیوں پر چمڑا ہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سو چھوٹی شاخیں لائیں اور ایک ہی دفعہ اسے ماریں۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا میں فلاں کو سو کوڑے ماروں گا یا سو ضربیں لگاؤں گا اس نے ضرباً شدیداً کا ذکر نہیں کیا اور دل میں اس کی نیت بھی نہ کی تو اس کے لیے وہی ضرب کافی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ حانث نہ ہوگا۔

ابن منذر نے کہا: جب ایک آدمی قسم اٹھائے کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا اور اس نے اسے ہلکے ہلکے کوڑے مارے تو وہ قسم سے بری ہو جائے گا: یہ امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے کا نقطۂ نظر ہے۔ امام مالک نے کہا: ضرب وہی ہے جو درد دے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ وَلَا تَحْنَثْ یہ ارشاد اس عمل پر دلالت ہے کہ قسم میں: استثنا حکم کو ختم نہیں کرتی اگرچہ وہ متراخی ہی کیوں نہ ہو اس کے بارے میں بحث سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَنِثَ فِیْ یَمِیْنِهٖ یَحْنَثُ جب اس نے قسم کو پورا نہ کیا ہو کوفیوں کے نزدیک واؤ زائدہ ہے کلام یوں ہے فاضرب لا تحنث۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ دو وجوں میں سے ایک پر دلالت کرتا ہے[1]: (1) ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا اس میں صرف قسم سے بری ہونا اور قسم توڑنا تھا (2) ان سے نذر صادر ہوئی تھی قسم صادر نہ ہوئی تھی۔ جب نذر معین ہو تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: ہر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1652

نذر میں کفارہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کہ ان کی شریعت میں کفارہ نہ تھا صحیح نہیں کیونکہ حضرت ایوب علیہ السلام جب آٹھ سال تک مصیبت میں رہے جس طرح ابن شہاب کی روایت میں ہے تو آپ کے دوستوں نے کہا: تحقیق آپ نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے میرا گمان نہیں کسی کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا تم کیوں کہتے ہو سوائے اس کے کہ میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرتا جو ایک دوسرے سے لڑ رہے ہوتے تو وہ ایک قسم اٹھاتا یا جماعت کے پاس سے گزرتا جو آپس میں جھگڑ رہے ہوتے، میں ان کی قسموں کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا تا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ گار نہ ہو وہ اس کا ذکر کرتا ہے یا ذکر نہیں کرتا مگر حق کے ساتھ تو آپ نے اپنے رب کے حضور یہ عرض کی: اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الانبیاء) اور حدیث کا ذکر کیا یہ حدیث تجھے یہ فائدہ پہنچاتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ میں کفارہ تھا جس نے بغیر اجازت کے کفارہ ادا کیا تو اس نے اس کی طرف سے فریضہ ادا کیا اور دوسرے سے کفارہ ساقط ہو گیا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** بعض جاہل زاہدوں اور صوفیوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جو یہ ارشاد فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ اس میں رقص کا جواز ہے۔ ابو الفرج نے کہا: یہ تو عقل زدہ کا استدلال ہے کیونکہ اگر آپ کو پاؤں مارنے کا حکم خوشی سے ہوتا تو اس میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا آپ کو پاؤں مارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ پانی نکلے۔

ابن عقیل نے کہا: وہ آدمی جو کسی مصیبت میں مبتلا تھا اس کے بارے میں کہاں دلالت موجود ہے کہ جب مصیبت رفع ہو تو وہ زمین پر اپنا پاؤں مارے تا کہ پانی کا چشمہ ابل پڑے کہ یہ رقص کا اعجاز ہے اگر یہ جائز ہو کہ پاؤں کو حرکت دینا اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ بھی جائز ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے صادر ہوا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (البقرہ:60) تو اس میں یہ دلالت ہوتی کہ روئی کو شاخوں سے مارا جائے ہم شریعت کے ساتھ اس کھیل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بعض اہل بدعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: أنت مني وأنا منك تو آپ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت جعفر سے فرمایا: أشبهت خلقي وخلقي تو وہ ایک ٹانگ پر چلے آپ نے حضرت زید سے فرمایا: أنت أخونا ومولانا تو وہ ایک ٹانگ پر چلے ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حبشیوں نے جنگی کرتب دکھائے جبکہ نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے جہاں تک "حجل" کا تعلق ہے یہ چال کی ایک نوع ہے جو خوشی کے موقع پر اپنائی جاتی ہے یہ چال اور رقص کہاں۔ اسی طرح حبشیوں کا "زفن" یہ بھی چال کی ایک صورت ہے جو جنگ کے موقع پر اپنائی جاتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 7۔** اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا یعنی ہم نے اسے آزمائش میں صابر پایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ وہ توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اور مطیع ہیں۔ سفیان سے ان دو افراد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان میں سے ایک کو آزمایا گیا تو اس نے صبر کیا دوسرے پر انعام کیا گیا اس نے شکر کیا تو فرمایا: دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے دونوں بندوں کی تعریف کی ہے ان میں سے ایک صابر تھا اور دوسرا شاکر تھا دونوں کی ایک جیسی تعریف کی حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف میں کہا: نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں کہا گیا: نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۔

میں کہتا ہوں: صاحب القوت نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس فقیر کی غنی پر فضیلت کا ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو کی جس کے ذریعے اپنی کلام کو قوی کیا ہم نے اس کا ذکر کتاب منہج العباد و محجۃ السالکین والزہاد میں کیا ہے ان پر یہ امر مخفی رہا کہ آزمائش سے قبل اور اس کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام غنی انبیاء میں سے تھے آپ کا امتحان آپ کے مال اور اولاد کے چلے جانے اور جسم میں بڑی بیماری کی صورت میں ہوا تھا کیا [illegible] انہوں نے بھی صبر کیا جو بھی ان پر امتحان آیا اور انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام جس کیفیت میں امتحان میں داخل ہوئے اسی کیفیت میں اس سے نکلے [illegible] کی حالت بدلی اور نہ ہی ان کی گفتگو بدلی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام غنی مقصود میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ متفق ہوئے [illegible] ہوا تھا جس میں بعض لوگ بعض پر فضیلت رکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ شکر اور صبر [illegible] بات اسی طرح ہے جس طرح سفیان نے کہی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن شہاب نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نکلے جب وہ اپنی حاجت کے لیے اس کی طرف نکلا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنا پاؤں زمین کی طرف مارو یہ ٹھنڈا پانی ہے اور مشروب ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا گوشت، بال اور جلد خوبصورت ترین انداز میں لوٹا دی پھر اس پانی کو پیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں جو درد یا کمزوری تھی اس کو دور کر دیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان کے لیے سفید کپڑے اتارے ایک کو آپ نے تہبند بنایا اور دوسری کو چادر بنایا پھر چلتے ہوئے اپنے گھر کی طرف آئے اور بیوی پر آنے میں دیر کی وہ بیوی آئی یہاں تک کہ آپ کو ملی جبکہ وہ آپ کو پہچان نہیں رہی تھی اس نے آپ کو سلام کیا اور کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے کیا تو نے اس آزمائش میں پڑے آدمی کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ بیوی نے کہا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی کو تجھ سے بڑھ کر اس سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا جب وہ تندرست تھے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ایک گٹھا لیا اور بیوی کو مارا۔ ابن شہاب نے گمان کیا ہے: اور گٹھا تھا ہوئی کا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل اور ان کی مثل ان کی طرف لوٹا دیئے ایک بادل آیا وہ اس جگہ برسنے کے ساتھ جہاں گندم صاف کی جاتی یہاں تک کہ اس جگہ کو بھر دیا ایک دوسرا بادل اس جگہ کی طرف آیا جہاں جو صاف کیے جاتے اور تھا پر (چنے کی قسم کے دانے) صاف کیے جاتے وہ جو مدتی کے ساتھ برسا یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝

"اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی، اور بے (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبدنا پڑھا ہے یہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن عیینہ نے عمرو سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: یہ مجاہد، حمید ابن محیصن اور ابن کثیر کی قراءت ہے اس قراءت کی بنا پر ابراھیم، عبدنا سے بدل ہوگا اور اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اس پر معطوف ہوں گے اس صورت میں ابراہیم اور بعد اس کا بدل ہوں گے۔

عربی لغت کے مطابق اس کی شرح یہ ہوگی جب تو کہے: رایت اصحابنا زیدا، عمروا وخالدا تو اس صورت میں زید، عمرو، خالد بدل ہوں گے وہی اصحاب ہیں جب تو کہے: رایت صاحبنا زیدا عمروا وخالدا تو صرف زید بدل ہوگا عمرو اور خالد کا عطف صاحبنا پر ہوگا وہ صاحبت میں داخل نہیں مگر اس کے علاوہ دلیل سے بگرا سے یہ علم ہے وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ عبودیت میں داخل ہیں۔

جس نے یہ کہا تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں اس نے اسی آیت سے استدلال کیا جس طرح ہم نے اپنی کتاب الاعلام بمولد النبی علیہ السلام میں ذکر کیا ہے یہی قول صحیح ہے۔

اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ نحاس نے کہا: جہاں تک الابصار کا تعلق ہے اس کی تاویل پر تو اتفاق ہے کہ یہاں بصائر سے مراد دین اور علم میں بصیرتیں ہیں جہاں تک الایدی کا تعلق ہے تو اس کی تاویل میں اختلاف ہے۔ اہل تفسیر کہتے ہیں: اس سے مراد قوت ہے۔ یک قوم کہتی ہے: الایدی یہ ید کی جمع ہے جس سے مراد نعمت ہے وہ نعمتوں والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ انعام و احسان کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے احسان کیا اور بھلائی کو آگے بھیجا۔ یہ طبری کا نقطہ نظر ہے۔

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ﴿۴۷﴾ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے پاک کیا اور اپنی رسالت کے لیے پسند کیا مصطفین یہ مصطفیٰ کی جمع ہے اصل میں مصطفیین تھا۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ۔ آیت 132۔ اخیار یہ خیر کی جمع ہے۔

اعمش، عبدالوارث، حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے اولی الاید یاء کے بغیر پڑھا ہے یہ وقف اور وصل کی صورت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وہ قوی تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی جماعت کی قراءت کے مطابق ہو اور یاء تخفیف کے طور پر حذف ہو۔

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ عام قراء کی قراءت بخالصة تنوین کی صورت میں ہے: یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا اختیار ہے۔ نافع، شیبہ، ابو جعفر اور ہشام نے ابن عامر سے بخالصة ذکری الدار اضافت کی صورت میں پڑھا ہے جس

نے خالصۃ پر تنوین پڑھی ہے اس نے ذکری انعام کو بدل بنایا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: انا اخلصنا ھم بان یذکروا الدار الاخرۃ ہم نے انہیں خالص کیا کہ وہ دار آخرت کو یاد کریں، اس کے لیے تیاری کریں، اس میں رغبت کریں اور لوگوں میں رغبت دلائیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ خالصۃ، خلص کا مصدر ہو ذکری کی رفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ فاعل ہے معنی ہوگا ہم نے انہیں خالص کیا یعنی میں نے ان کے لیے دار آخرت کے ذکر کو خالص کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ خالصۃ، اخلصت کا مصدر ہو تو زیادتی حذف ہوگی اس صورت میں ذکری محل نصب میں ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی بان اخلصوا ذکری الدار۔

دار سے مراد دنیا لینا بھی جائز ہے معنی یہ ہوگا وہ دنیا سے نصیحت حاصل کریں اس میں زہد اپنائیں تا کہ ان کے لیے اچھی تعریف خالص ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ (مریم: 50) یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد دار آخرت ہو اور مخلوق کو یاد دلا کر نصیحت کی گئی جس نے خالصہ کو الدار کی طرف مضاف کیا ہے تو اس صورت میں یہ الاخلاص کے معنی میں مصدر ہے الذکری مفعول بہ ہے جو فاعل کی طرف مضاف ہے اور خالصہ یہ مصدر ہے خلوص کے معنی میں ہے یعنی میں نے ان کے لیے دار کا ذکر خالص کر دیا۔ دار سے مراد دنیا ہو یا آخرت ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہوگا وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں وہ اس میں رغبت رکھتے ہیں اور دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے ہم نے ان کے لیے جنت کا ذکر کیا۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ۭ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

"اور یاد فرمایئے: اسماعیل، یسع اور ذی الکفل کو یہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے یہ نصیحت ہے اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے عمدہ ٹھکانہ ہے، سدا بہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم شکل (حوریں) ہوگی یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روز حساب (تمہیں ملے گا)۔ بے شک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا"۔

حضرت یسع کا ذکر سورۃ الانعام اور ذی الکفل کا ذکر سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے ان میں سے ہر ایک کو نبوت کے لیے چنا گیا ہے۔ دنیا میں یہ ان کا ذکر جمیل ہے اور ایسا شرف ہے جس کے ساتھ دنیا میں ان کا ذکر کیا جاتا رہے گا دنیا میں اس ذکر کے ساتھ ساتھ قیامت میں اچھا ٹھکانہ ہے پھر اس کی وضاحت اس ارشاد سے کی جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ لغت میں عدن کا معنی ٹھہرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے عدن بالمکان جب وہ مقیم ہو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: جنت میں ایک محل ہے جس کو عدن کہتے ہیں جس کے اردگرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر پانچ ہزار دھاری دار یمنی چادریں ہیں اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر نبی، صدیق اور شہید۔ مفتحۃ ترکیب کلام میں حال بن رہا ہے۔

الأبواب کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ زجاج نے تقدیر کلام یوں کی ہے مفتحة لهم الأبواب منها فراء نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے مفتحة لهم ابوابها یعنی ابواب پر الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ فراء نے اس قراءت کو بھی جائز قرار دیا ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابَ یعنی الابواب کو نصب دی ہے۔ فراء نے کہا: اصل میں مفتحة الابواب ہے پھر تنوین لایا اور الابواب کو نصب دی۔

فراء اور سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

ونأخذ بعده بذناب عيش أجب الظهر ليس له سنام

ہم اس کے بعد زندگی کی دموں کو پکڑنے والے ہوں گے کمزوری کی وجہ سے جس کی کوہان نہیں۔

یہاں مفتحة ہا یا مفتوحة نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حکم کے ساتھ کھولا گیا ہے ہاتھ لگانے سے وہ نہیں کھلے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یوں کہا جاتا ہے انفتحی فتنفتح، انغلقی فتنغلق (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کے لیے دروازے کھولیں گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا یہ حال ہے جسے عامل پر مقدم کر دیا گیا ہے عامل يَدْعُوْنَ ہے یعنی وہ جنات میں طلب کرتے ہوں گے جبکہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے رنگارنگ پھل اور کثیر مشروب کیونکہ کلام دلالت کر رہی ہے اس لیے کثیر کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ایسی بیویاں ہوں گی جو اپنی نظریں خاوندوں تک محدود رکھتی ہیں کسی اور طرف نظر نہیں کرتیں سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اَتْرَابٌ۝ ہم عمر ان کی عمریں ایسی ہوں گی گویا سب ایک ہی دن میں پیدا ہوئی ہیں وہ حسن، جوانی میں برابر ہیں اور تینتیس سال کی ہوں گی۔

اتراب، ترب کی جمع ہے یہ قاصرات کی صفت ہے کیونکہ قاصرات نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ الف لام اس پر داخل ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

من القاصرات الطرف لو دب محول من الذر فوق الاتب منها لاثرا

وہ پیکی نظروں والی ہیں اگر ایک باریک چیونٹی ان کی قمیص کے اوپر سے گزرے تو وہ بھی اثر چھوڑ جاتی ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ۝ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عام قراءت تاء کے ساتھ ہے ما وعدتم ایها المومنون یعنی اے مومنو! یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ابن کثیر، ابن محیصن، ابو عمرو اور یعقوب نے

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 389

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی یہ ہے کہ جس کی صفت بیان کی گئی ہے وہ ان متقین کے لیے ہے پھر فرمایا کہ سرکشوں کے لیے لوٹنے کی بری جگہ ہے تو اس صورت میں ھٰذَا پر وقف کیا جائے گا۔

ھٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌ یہ ھٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اس کی خبر حمیم ہے کلام میں تقدیم وتاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے ھذا حمیم وغساق فلیذوقوہ۔ فَلْیَذُوْقُوْهُ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور فَلْیَذُوْقُوْهُ خبر ہو فعل پر فاء اس لیے آئی ہے کیونکہ ھٰذَا میں الذی کا معنی پایا جاتا ہے اس صورت میں فَلْیَذُوْقُوْهُ پر عطف کیا جائے گا اور حمیم کو اس تقدیر کی بنا پر رفع دیا جائے گا ھذا حمیم۔

نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو الامر ھذا حمیم اور غساق کو جب تو خبر نہ بنائے تو ان دونوں کا رفع اس تقدیر پر ہوگا ھو حمیم وغساق فراء نے اس تعبیر کی بنا پر دونوں کو رفع دیا ہے۔ منه حمیم ومنه غساق اور یہ شعر پڑھا:

حَتّٰی اِذَا مَا اَضَاءَ الصُّبْحُ فِیْ غَلَسٍ    وَغُوْدِرَ الْبَقْلُ مَلْوِیٌّ وَّمَحْصُوْدُ

جب تاریکی میں صبح روشن ہوئی سبزیوں کو چھوڑ دیا گیا ان میں سے کچھ لپٹی ہوئی تھیں اور کچھ کٹی ہوئی تھیں۔

محل استدلال ملوی ومحصود ہے اصل میں منه ملوی اور منه محصود تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لَهَا مَتَاعٌ وَّاَعْوَانٌ غَدَوْنَ بِهٖ    قِتْبٌ وَّغَرْبٌ اِذَا مَا اُفْرِغَ انْسَحَقَا

یہ بھی جائز ہے کہ ھٰذَا محل نصب میں ہو اور فعل مضمر ہو جس کی تفسیر فَلْیَذُوْقُوْهُ بیان کرتا ہے اور حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌ سے نو کلام شروع کرے گا تقدیر کلام یوں ہوگی الامر حمیم وغساق۔

اہل مدینہ، اہل بصرہ اور بعض کوفیوں کے نزدیک غساق میں قراءت سین کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ یحییٰ بن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی نے غساق تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اخفش کے قول میں دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی مختلف ہے جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ محض اسم ہوگا جیسے عذاب، جواب، صواب جس نے اسے مشدد پڑھا ہے اس نے کہا: یہ اصل میں اسم مبالغہ ہے جو مبالغہ کے طریقہ پر فعال کی طرف نقل کیا گیا ہے جیسے ضراب، قتال یہ غسق یغسق سے فعال کے وزن پر ہے اس سے اسم فاعل غساق اور غاسق کے وزن پر آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد سخت ٹھنڈک ہے جو انہیں اپنی ٹھنڈک کے ساتھ خوفزدہ کرے گی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایسی برف ہے جس کی ٹھنڈک انتہا کو پہنچی ہوئی ہوگی(1)۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ اپنی سردی کے ساتھ اسی طرح جلائے گی جس طرح حمیم اپنی گرمی کے ساتھ جلائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: گاڑھی پیپ ہوگی اگر اس میں کوئی چیز مشرق میں گرے تو جو مغرب میں ہوگا وہ اس کی وجہ سے بدبودار ہو جائے گا اگر اس میں سے کوئی چیز مغرب میں گرے تو جو مشرق میں ہیں اس سے بدبودار ہو جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ پیپ ہے جو بدکاروں کی شرمگاہوں

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612

سے اور کافروں کے گوشتوں اور ان کی جلدوں سے بہنے لہو اور پیپ میں سے بدبودار چیز نکلے گی۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ جہنمیوں کا نچوڑ ہے۔ یہ قول لغت کے زیادہ مشابہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَسَقَ الْجُرْحُ یَغْسِقُ غَسْقًا یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس سے زیادہ پانی نکلے۔ شاعر نے کہا:

إِذَا مَا تَذَكَّرْتُ الْحَيَاةَ وَطِيبَهَا ... إِلَيَّ جَرَى دَمْعٌ مِنَ اللَّيْلِ غَاسِقُ

جب میں نے زندگی اور اس کی اچھائی کو ظاہر کیا تو آنکھ سے ٹھنڈا آنسو بہہ پڑا۔

یہ کہا جاتا ہے لیل غاسق کیونکہ وہ دن سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: غساق سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی آنکھوں اور آنسوؤں سے بہے جسے وہ حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے ساتھ پیتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: حمیم سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جو جہنم کے حوضوں میں جمع ہو گئے جسے وہ پئیں گے۔ صدید سے کہتے ہیں جو ان کے چمڑوں سے نکلے گی۔ اس قول کو اختیار کرنے کی بنا پر غساق سیال کی طرح ہوگا۔ کعب نے کہا: غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں بچھو اور سانپ وغیرہ کا زہر اس کی طرف بہتا رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ظلمت اور سواد ہے۔ غسق سے مراد رات کی تاریکی کا آغاز ہے غَسَقَ اللَّيْلُ اس وقت کہتے ہیں جب وہ تاریک ہو جائے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن دلوا من غساق يهراق في الدنيا لأنتن أهل الدنيا اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں بہایا جائے تو دنیا والے بدبودار ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: جو پہلے اشتقاق کے زیادہ مناسب ہے جس طرح ہم نے بیان کیا مگر یہ احتمال موجود ہے کہ غساق بہنے کے ساتھ سیاہ ہو جائے تو دونوں اشتقاق صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ابو عمرو نے وَأُخَرُ پڑھا ہے یہ اخری کی جمع ہے جس طرح کبری کی جمع کبر آتی ہے۔ باقی قراء نے اسے وآخر مفرد مذکر پڑھا ہے ابو عمرو نے وآخر کا انکار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَزْوَاجٌ جمع کی خبر واحد سے نہیں لگائی جاتی۔ عاصم جحدری نے واخر کا انکار کیا ہے اگر یہ واخر ہوتا تو کلام یوں ہوتی من شکلها دونوں امر لازم نہیں دونوں قراءتیں صحیح ہیں واخر ہو تو معنی یہ ہوگا حمیم اور غساق کے سوا دوسرا عذاب۔

مِنْ شَكْلِهٖ قتادہ نے کہا: اسی کی مثل حضرت ابن مسعود نے کہا: وہ زمہریر ہے وَّ اٰخَرُ مرفوع ہے[(1)] کیونکہ یہ مبتدا ہے اَزْوَاجٌ یہ دوسرا مبتدا ہے مِنْ شَكْلِهٖ یہ اس کی خبر ہے اور جملہ (آخر) کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ وَّ اٰخَرُ مبتدا ہو اور اس کی خبر مضمر ہو جس پر یہ کلام دلالت کرتی ہے هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝ کیونکہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ انہیں کے لیے ہے گویا یہ کلام کی ولهم آخر تو اس صورت میں مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ، اٰخَرُ کی صفت ہوگی پس مبتدا صفت کے ساتھ خاص ہو جائے گا اَزْوَاجٌ ظرف کے ساتھ مرفوع ہے۔ جس نے وَّ اٰخَرُ پڑھا اس نے ارادہ کیا عذاب کی اور قسموں کا جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا اور زمہریر کا ارادہ کیا تو زمہریر کی کئی قسمیں بنائیں تو اسے جمع ذکر کیا کیونکہ جنس مختلف ہیں یا ان سے ہر جز کو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 122

زمہریر بنایا پھر اس کی جمع بنائی جس طرح عربوں نے کہا: شتنت مغارقه یا جمع کا صیغہ ہے کیونکہ کلام میں جمع کے جواز پر دلالت موجود ہے کیونکہ زمہریر جو سردی کی انتہا کو کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جمع کے مقابل ہے: ھٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ شَكْلِهٖٓ میں ضمیر جو مذکر ہے کہ وہ حمیم یا غساق کی طرف لوٹے یا اس معنی کی طرف لوٹے جو ہم نے وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ میں ذکر کیے ہیں۔ آخر کو جب جمع کے صیغہ کی حیثیت سے پڑھیں گے تو یہ مبتدا ہونے کی حیثیت میں مبتدا ہوگا مِنْ شَكْلِهٖٓ اس کی صفت ہوگا اس میں ضمیر مذکر ہے جو مبتدا کی طرف لوٹتی ہے اور اَزْوَاجٌ مبتدا کی خبر ہے یہ جائز نہیں کہ اس تقدیر پر اسے محمول کیا جائے ومنھم اخر من شکلہ اس کی صفت ہو اور ازواج ظرف کے ساتھ مرفوع ہے جس طرح یہ افراد میں جائز ہے کیونکہ جب ازواج مرفوع ہو تو صفت میں کوئی ضمیر نہ ہوگی: یہ ابوعلی نے کہا۔ اَزْوَاجٌ کا معنی عذاب کی اصناف و الوان ہیں۔ یعقوب نے کہا: جب شکل شین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مثل ہوگا اور جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسی عورت ہوگا جو ایسی گفتگو کرنے والی، اچھے مزاج اور ہیئت والی ہوگی۔

ھٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قائدین جہنم میں داخل ہوں گے (1) پھر ان کے بعد ان کے پیروکار داخل ہو گئے تو خازن سرداروں کو کہیں گے: یہ تمہارے پیروکار ہیں۔ فوج کا معنی جماعت ہے مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں تو سردار کہیں گے: ان کی منازل آگ میں خوشگوار نہ ہوں گی۔ الرحب کا معنی وسعت ہے اسی سے رحبۃ المسجد ہے یعنی مسجد کا صحن۔ یہ دعا کے لیے لفظاً استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے نصب دی جاتی ہے۔ نابغہ نے کہا:

لا مرحبا بغدٍ ولا اهلا به　　ان كان تفريق الاحبة في غد

کل کو نہ مرحبا ہے اور نہ ہی خوش آمدید ہے اگر کل دوستوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے۔

ابوعبیدہ نے کہا: عرب کہتے ہیں لا مرحبا بک یعنی تیرے لیے زمین خوشگوار نہ ہوئی اور نہ ہی وسیع ہوئی۔

اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قائدین کا قول ہے: یہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں جس طرح ہم نے انہیں جہنم میں داخل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملائکہ کا قول ہے یہ ان کے قول ھٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ اور قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ کے ساتھ متصل ہے: یہ تابعین کا قول ہے۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ پہلی جماعت مشرکین کے سردار اور بدر کے روز انہیں کھانا کھلانے والوں کی ہوگی، دوسری جماعت بدر میں ان کی اتباع کرنے والوں کی ہوگی۔ آیت کا ظاہر اس پر دال ہے کہ یہ ہر تابع اور متبوع کو عام ہے۔

اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا یعنی تم نے ہمیں عصیان کی طرف دعوت دی فَبِئْسَ الْقَرَارُ یعنی ہمارا اور تمہارا ٹھکانہ کتنا برا ہے قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا یعنی پیروکاروں نے کہا: فراء نے کہا: جس نے ہمارے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا اور اس کی سنت قائم کی۔ دوسرے علماء نے کہا: جس نے ہمارے حق میں عذاب کو مقدر کیا کہ ہمیں معاصی کی طرف دعوت دی فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 62

النَّارِ ۝ یعنی ان کے حق میں اس وجہ سے کئی گنا عذاب مقصود ہے کہ انہوں نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا تو اس طرح ان کے حق میں یہ دگنا ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: عَذَابًا ضِعْفًا سے مراد بچھو اور بڑے بڑے سانپ ہیں (1) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ (الاعراف: 38)

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝

"اور کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے یہاں وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے"۔

وَقَالُوْا یعنی مشرکین کے اکابر نے کہا: کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم شریر شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: الاشرار سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لیے۔ ابوجہل کہے گا: بلال کہاں ہے؟ صہیب اور عمار کہاں ہے؟ وہ فردوس میں ہوں گے۔ ابوجہل پر تعجب ہے وہ بیچارہ مسکین، اس کا بیٹا حضرت عکرمہ مسلمان ہو گیا اس کی بیٹی جویریہ مسلمان ہوئی اس کی ماں مسلمان ہو گئی اور اس کا بھائی مسلمان ہو گیا جبکہ اس نے کفر کیا۔ شاعر نے کہا:

وَنُوْرًا اَضَاءَ الْاَرْضَ شَرْقًا وَمَغْرِبًا ۔۔۔ وَمَوْضِعُ رِجْلِيْ مِنْهُ اَسْوَدُ مُظْلِمُ

وہ نور جس نے زمین کے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا اور میرے قدم کی جگہ اس سے تاریک و سیاہ ہے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا مجاہد نے کہا: ہم نے دنیا میں ان کا مذاق اڑایا تو ہم نے غلطی کی اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ یا ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں تو ہم ان کا مکان نہیں جانتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا، انہوں نے صحابہ کا مذاق اڑایا اور دنیا میں ان کی آنکھیں ان سے پھر گئی تھیں کیونکہ وہ انہیں حقیر خیال کرتے تھے (2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ کا معنی ہے کیا وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں ہم انہیں دیکھتے نہیں۔ ابن کثیر، اعمش، ابو عمرو، حمزہ اور کسائی مِنَ الْاَشْرَارِ ۝ اتَّخَذْنٰهُمْ پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ وصل کو حذف کرتے تھے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، عاصم اور ابن عامر اتخذناهم پڑھا کرتے تھے یعنی ہمزہ استفہام کا ہمزہ قطعی پڑھتے اور ہمزہ وصل ساقط ہو گیا کیونکہ اب اس سے استغنا ثابت ہو چکی ہے جس نے الف کے حذف کے ساتھ پڑھا تو وہ الاشرار پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اتخذناهم حال ہے۔ نحاس اور سجستانی نے کہا: یہ رجال کی صفت ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ نعت تو ماضی کا صیغہ ہوتا ہے جبکہ یہ مستقبل کا صیغہ ہوتا ہے۔

جس نے اتخذناهم ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے اس نے الاشرار پر وقف کیا۔ فراء نے کہا: یہاں استفہام توبیخ اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 612
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 391

تعجب کے لیے ہے جب تو اتخذناھم کو استفہام کے ساتھ پڑھے تو یہ تسویہ کے لیے ہوگا جب تو استفہام کے بغیر پڑھے تو یہ
بل کے معنی میں ہوگا۔ ابو عمرو، ابن کثیر، شیبہ، مفضل، ہبیرہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ اور کسائی نے سخریا پڑھا ہے باقی نے کسرہ کے
ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس نے اس کو کسرہ دیا اس نے اسے ھزء سے بنایا ہے اور جس نے اس کو ضمہ دیا اس کا معنی
تسخیر بنایا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ لحق، ان کی خبر ہے اور تخاصم مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگا ھو تخاصم۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ذلک سے بدل ہو معنی ہوگا جہنمیوں کا جہنم میں جھگڑا حق ہے جس طرح یہ قول: لا مرحبا بکم اور اس جیسے دوسرے اقوال۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"اے حبیب! آپ فرمائیے: میں تو فقط ڈرانے والا ہوں اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے، مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بخشنے والا ہے۔ فرمائیے: یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کا معنی ہے کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ یہ رفع صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اگر تو پہلے کو نصب دے تو قرأت کی نصب دے گا پہلے کو رفع اور بعد والے کو مدح کے طور پر نصب دینا بھی جائز ہے۔ العزیز کا معنی غالب ہے جس کی کوئی مثل نہ ہو الغفار سے مراد جو لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اے محمد! انہیں کہو حساب، ثواب اور عقاب کے بارے میں جو تمہیں ڈرا رہا ہوں یہ عظیم الشان خبر ہے مناسب نہیں کہ اسے ہلکا جانا جائے۔ یہ قتادہ کا قول ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ (النبا) حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جس کے بارے میں تمہیں آگاہ کیا ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبا عظیم سے مراد قیامت ہے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ ملا اعلیٰ سے مراد ملائکہ ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس، سدی اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 109
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 110

کے قول کے مطابق فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اس وقت جھگڑا کیا تھا جب آپ کو تخلیق کیا گیا فرشتوں نے کہا: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (البقرہ: 30) ابلیس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے واقعات کی خبر دی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معجزہ قائم ہے انہیں کیا ہو گیا کہ قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے اعراض کرتے ہیں جبکہ وہ تدبر کر کے آپ کی صداقت کو پہچان سکتے تھے اسی وجہ سے اس قول کو اس قول: قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ سے جوڑا ہے۔ دوسرا قول جسے ابو اشہب نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میرے رب! نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں پوچھا: کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: جماعت کے لیے قدموں پر چل کر جانا، سخت سردی میں اچھی طرح وضو کرنا اور نماز کے بعد مساجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا، پوچھا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی سلام کو عام کرنا، کھانا کھلانا، رات کے وقت نماز پڑھنا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (1)۔ امام ترمذی نے اسی معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث غریب ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (2) ہم نے اسے مکمل طور پر کتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں تحریر کیا ہے اور ہم نے اس کے اشکال کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ سورۂ یٰسین میں مساجد کی طرف چلنے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے قدم سیئات کا کفارہ بنتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ملاء اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں یَخْتَصِمُوْنَ میں ضمیر دونوں فرقوں کے لیے ہے اس سے مراد ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جس نے یہ کہا: وہ ایسے معبود ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملاء اعلیٰ سے مراد قریش ہیں ان کے اختصام سے مراد ان کا راز داری سے جھگڑا کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو آگاہ کر دیتا۔

اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ میری طرف انذار کی وحی کی جاتی۔ ابو جعفر بن القعقاع نے اسے الا انما پڑھا ہے کیونکہ وحی بھی ایک قول ہے گویا کہا: میرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ جس نے ہمزہ کو فتح دیا اس نے اسے محل رفع میں رکھا ہے کیونکہ یہ نائب الفاعل ہے۔ فراء نے کہا: گویا آپ نے کہا میری طرف انذار کے سوا وحی نہیں کی گئی۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ انما محل نصب میں ہو۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1653

2۔ جامع ترمذی، حدیث نمبر 3158-3159، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تو جنت سے نکل جا اور تو شہابوں سے رجم کیا جانے والا ہے تیرے لیے میری رحمت سے دوری قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ اس نے کیونکہ کفر پر اصرار کیا اس لیے اس امر کی وضاحت کی کیونکہ لعنت تو اس روز منقطع ہو جاتی۔ پھر جب جہنم میں اسے داخل کر دیا جائے گا تو اس کے حق میں لعنت کا ثابت ہونا ظاہر ہو جائے گا قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۝ ملعون نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے موت نہ آئے تو اس کی گزارش قبول نہ کی گئی یہ وہ دن ہے جس میں مخلوق کو موت لاحق ہوگی اس کے ساتھ نرمی کرتے ہوئے اسے مہلت دی گئی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سبب دھتکار دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائی کہ وہ شہوات کو مزین کرنے اور ان پر شبہات وارد کرنے کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرے گا لَاُغْوِيَنَّهُمْ کا معنی ہے میں انہیں معاصی کی طرف بلاؤں گا جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہ وسوسہ کے سوا کسی چیز پر رسائی نہیں رکھتا اگر وہ وسوسہ نہ کرتا تو وہ کسی کی زندگی میں فساد نہیں ڈال سکتا تھا مگر اس کے لیے ایسا کر سکتا ہے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اسی وجہ سے فرمایا: اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۝ یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کو تو نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر دیا ہے اور جس کو تو نے مجھ سے محفوظ کر دیا ہے۔ سورۃ الحجر میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ ۗ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۚ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

"فرمایا: تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں، میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ آپ فرمائیے: میں نہیں مانگتا تم سے کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے۔ اور (اے کفار) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد۔"

قَالَ فَالْحَقُّ ۗ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ۝ یہ اہل حرمین، اہل بصرہ اور کسائی کی قراءت ہے حضرت ابن عباس، مجاہد، عاصم، اعمش اور حمزہ نے پہلے لفظ الحق کو رفع دیا۔ فراء نے اس میں جر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اختلاف نہیں کہ وہ اقول کی وجہ سے منصوب ہے اور پہلے کو نصب اغراء کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فاتبعوا الحق واستمعوا الحق، دوسرا لفظ الحق اسی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ قول کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ أحق الحق کے معنی میں ہے۔ ابو علی نے کہا: پہلا الحق فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یحق اللہ الحق یا یہ قسم کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: اللہ لافعلن معنی ہوگا فرمایا: حق کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی، والحق اقول یہ جملہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان ہے یہ قسم کی تاکید کے لیے آیا ہے جب لفظ الحق کو فعل

مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے"۔

سنن دار قطنی میں یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایک قافلہ میں نکلے ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے یہاں تک کہ وہ ایک حوض پر وارد ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے وارد ہوتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ سورۂ فرقان میں پانیوں کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝ ھو ضمیر سے مراد قرآن ہے، عالمین سے مراد جن اور انسان ہیں۔ وَ لَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ۝ ہ ضمیر سے مراد ذکر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے یعنی وہ حق ہے(1)۔

بَعۡدَ حِيۡنٍ قتادہ نے کہا: موت کے بعد، زجاج نے بھی یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابن زید نے کہا: یوم قیامت۔ فراء نے کہا: موت کے بعد موت سے پہلے۔ جب مسلمانوں کی تلواریں تمہیں اپنی گرفت میں لے لیں گی تو تمہارے لیے اس قول کی حقیقت ظاہر ہو گی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ سدی نے کہا: حین سے مراد یوم بدر ہے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اے انسان! موت کے وقت یقینی خبر تیرے پاس پہنچے گی(2)۔ عکرمہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے یہ قسم اٹھائی لیصنعن کذا الی حین فرمایا: بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک نہیں کر سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ۝ اور بعض حین ایسے ہیں جس کا تو ادراک کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تُؤۡتِيۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا (ابراہیم: 25) کا پھل نکلنے سے کھجور کا نے تک چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔

اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 112    2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 393

ایک ہے سب سے زبردست"۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ یہ مبتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اس کی خبر مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس حیثیت سے مرفوع ہو ھذا تنزیل یہ فراء نے کہا۔ کسائی اور فراء نے تنزیل منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے اتبعوا اقرءوا تنزیل الکتاب۔ فراء نے کہا: یہ اغراء کی حیثیت میں منصوب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (النساء: 24) تقدیر کلام یہ ہے الزموا کتاب اللہ۔ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ مکتوب ہے۔

یہ کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ حق سے مراد صدق ہے یعنی یہ باطل اور ہزل نہیں۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** مخلصا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو موحد بنتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ الدِّیْنَ سے مراد طاعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عبادت ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ الدِّیْنُ الْخَالِصُ سے مراد ہے جس میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی شے کو صدقہ کرتا ہوں اور میں کوئی عمل کرتا ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی تعریف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یقبل اللہ شیئا شورک فیہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا جس میں شراکت کی گئی ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ یہ وضاحت سورۃ البقرہ، سورۃ النساء اور سورۃ الکہف میں مفصل گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ابن عربی نے کہا: یہ آیت اس بارے میں دلیل ہے کہ ہر عمل میں نیت واجب ہے ان اعمال میں سب سے عظیم وضو ہے جو ایمان کا جز ہے (1) جبکہ امام ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے دونوں کہتے ہیں: وضو نیت کے بغیر بھی کفایت کر جاتا ہے۔ نیت کے بغیر وہ ایمان کی شرط بن جاتا ہے اور تمام ناخنوں اور بالوں سے خطا کیسے نکلتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ اولیاء سے مراد بت ہیں اس کی خبر محذوف ہے وہ قالوا ہے۔ قتادہ نے کہا: جب انہیں کہا جاتا: من ربکم وخالقکم (2) تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا خالق کون ہے؟ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے کس نے پانی نازل کیا؟ سب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ انہیں کہا جاتا: تمہاری بتوں کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ وہ کہتے ہیں: تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں (3)۔ کلبی نے کہا: اس کلام کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1656 　 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 4 　 3۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 126

جواب سورۃ الاحقاف میں ہے: فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً (الاحقاف: 28) زلفیٰ سے مراد قربت ہے تاکہ وہ ہمیں اس کے قریب کر دیں۔ زلفیٰ مصدر کے حکم میں ہے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قراءت میں والذین اتخذوا من دونه اولیاء قالوا ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ حضرت علی کی قراءت میں والذین تخذوا من دونه اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی، یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ جہاں اس کی حکایت واضح ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اہل ادیان میں فیصلہ فرمائے گا ہر ایک جس کا مستحق ہوگا اسے جزا دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۝ جس کے بارے میں پہلے ہی کفر کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس دین کی ہدایت نہیں پائے گا، جس پر وہ راضی ہے وہ دین اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: 3) اس آیت میں قدریہ اور دوسرے مکاتب فکر کا رد ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو یہ نام دیتا تو اللہ تعالیٰ یہ امر ان کے سپرد نہ کرتا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝ اولاد سے پاکی بیان کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝

"اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک، غور سے سنو! وہی عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا تمہیں فرد واحد سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پیدا کیے تمہارے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے، وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں ایک حالت سے دوسری حالت میں تین اندھیروں میں، یہ قدرت والا اللہ تمہارا رب ہے اسی کی حکومت ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے، پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو"۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وہ کامل طور پر قادر ہے وہ بیوی اور اولاد سے مستغنی ہے جو اس طرح ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ عبادت کیے جانے میں یکتا ہو نہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے ذریعے اس امر پر متنبہ کیا گیا ہے کہ حق حاصل ہے کہ لوگوں سے جو چاہے خدمت لے جیسا اس نے اس طرح کیا بھی۔

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ضحاک نے کہا: اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے اور اس کو اس پر ڈالا جاتا ہے یہ تعبیر لغت میں تکویر کے معنی میں منحصر ہے جس سے مراد ہے ایک شے کو دوسری پر ڈالنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کور المتاع اس نے بعض سامان دوسرے سامان پر ڈال دیا۔ اسی سے کور العمامة ہے یعنی اس نے پگڑی لپیٹی۔ اس آیت کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے کہا: جو حصہ رات سے کم ہوتا ہے وہ دن میں داخل ہو جاتا ہے اور جو حصہ دن سے کم ہوتا ہے وہ رات میں داخل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (لقمان: 29) کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ سے مراد ہے کہ رات دن پر چھا جاتی ہے (1) یہاں تک کہ دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور دن رات پر چھا جاتا ہے تو اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے: یہ قتادہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: يغشى الليل النهار يطلبه حثيثا کا بھی یہی مطلب ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ بندوں کے منافع کے لیے طلوع و غروب کے ساتھ سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ان میں سے ہر ایک اپنے فلک میں چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے گی وہ یوم قیامت ہے جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اجل مسمیٰ سے مراد وہ وقت ہے جس میں سورج اور چاند کا سفر ان منازل پر اختتام پذیر ہوتا ہے جو غروب اور طلوع کے لیے ترتیب دی گئی ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ دونوں اپنی بعید منزل تک چلتے ہیں پھر دونوں قریبی منازل کی طرف لوٹتے ہیں وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ اس کی وضاحت سورۂ یٰس میں گزر چکی ہے۔

اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ الا تنبیہ کے لیے ہے یعنی متنبہ ہو جاؤ میں غالب ہوں اور اپنی رحمت کے ساتھ مخلوق کے گناہوں کو چھپانے والا ہوں۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ تناسل کا عمل جاری ہو۔ اعراف اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ۔ ازواج کی خبر نزول کے ساتھ دی کیونکہ یہ نباتات سے پیدا ہوتے ہیں اور نباتات اس پانی سے ہوتی ہیں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اسے تدریج کہتے ہیں اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا (الاعراف:26) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اَنْزَلَ پیدا کرنے کے معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی پیدا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان چوپاؤں کو جنت میں پیدا کیا پھر انہیں زمین کی طرف اتارا جس طرح اس ارشاد میں فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ (الحدید:25) کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اترے تو ان کے ساتھ ہی لوہا اتارا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تمہیں عطا فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیدا کرنے کو انزال قرار دیا کیونکہ پیدائش ایسے امر کے ساتھ ہوتی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے معنی ہوگا تمہارے لیے یہ چیزیں نازل ہونے والے امر کے ساتھ پیدا کیں۔ قتادہ نے کہا: اونٹ میں سے دو، گائے میں سے دو، بکری میں سے دو اور

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 115

بکری میں سے دو ان میں سے ایک جوڑا ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

**يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ** قتادہ اور سدی نے کہا: پہلے نطفہ، پھر علقہ (جما ہوا خون)، پھر مضغہ (گوشت کا لوتھڑا)، پھر ہڈی، پھر گوشت۔ ابن زید نے کہا: پہلے آباء کی پشتوں میں، پھر تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد باپ کی پشت، پھر ماں کے پیٹ، پھر وضع حمل کے بعد پیدا کرنا ہے؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

**فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ** اس سے مراد پیٹ کی ظلمت، رحم کی ظلمت اور جھلی کی ظلمت ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ابن جبیر نے کہا: مشیمہ کی ظلمت، رحم کی ظلمت اور رات کی ظلمت؛ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باپ کی پشت کی تاریکی، عورت کے بطن کی تاریکی اور رحم کی تاریکی؛ یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ یعنی تاریکی اسے نہیں روک سکتی جس طرح مخلوق کو روک دیتی ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ وہی ہے جس نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا وہ تمہارا رب ہے، اس کے لیے بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو؟ حمزہ نے اسے اُمَّهٰتِكُمْ پڑھا ہے یعنی ہمزہ اور میم دونوں مکسور ہیں۔ کسائی نے ہمزہ مکسور اور میم مفتوح پڑھا ہے، باقی قراء نے ہمزہ مضموم اور میم مفتوح پڑھا ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بے شک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اور اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے تمہارے لیے۔ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو سینوں میں ہے"۔

**اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ** یہ کلام شرط و جزا پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کفر پسند نہیں کرتا، یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (الاسراء: 65) اور جس طرح فرمایا: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یعنی ان علماء کے نزدیک ہے جو رضا اور ارادہ میں فرق نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کفر سے راضی نہیں ہوتا اگرچہ اس کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کافر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے، کافر نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی کفر کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں ہوتا اور اسے پسند بھی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ ابلیس پر راضی نہیں۔ پس ارادہ رضا سے مختلف ہے؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 115
2۔ تفسیر [illegible]، صفحہ 234

وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ یعنی تمہارے شکر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ تَشْكُرُوْا اس پر دلالت کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں شکر کے بارے میں بحث گزر چکی ہے بعض کا معنی بدلہ دینا اور تعریف کرنا ہے اس صورت میں رضا سے مراد یا تو ثواب ہوگا تو اس صورت میں فعل کی صفت ہوگا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: 7) یا اس سے مراد اس کی ثنا ہے تو اس صورت میں وہ ذات کی صفت ہوگا۔ ابو جعفر، ابو عمرو، شیبہ اور ہبیرہ نے عاصم سے یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے یرضہ پڑھا یعنی ہا کو ساکن پڑھا۔ ابن ذکوان، ابن کثیر، ابن محیصن، کسائی اور ورش نے نافع سے ضمہ کے اشباع کے ساتھ قراءت نقل کی ہے باقی قراء نے اس میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

"اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف اس وقت پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لیے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بناتا ہے اللہ کے ہمسر تاکہ بہکا دے اس کی راہ سے۔ (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمائیے لطف اٹھا لے اپنے کفر سے تھوڑے دن، بے شک تو دوزخیوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص عبادت میں صرف کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے، ڈرتا رہتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی آپ پوچھیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور بے علم البتہ عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں"۔

الْاِنْسَانَ سے مراد کافر ہے ضُرٌّ سے مراد فقر اور آزمائش میں سختی ہے مُنِيْبًا اِلَيْهِ یعنی رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔ عاجزی کرتے ہوئے، اس کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس شدت کو زائل کرنے میں مدد چاہتے ہوئے خَوَّلَهٗ اسے عطا کی اور اسے مالک بنایا، یہ جملہ بولا جاتا ہے: خولک اللہ الشیء اللہ تعالیٰ نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا۔ ابو عمرو بن علاء یہ شعر پڑھا کرتے:

هُنَالِكَ اِنْ يُسْتَخْوَلُوا الْمَالَ يُخْوِلُوا (1)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 572

بہتر ہے جس نے امن کو مشدد پڑھا ہے معنی ہوگا وہ نافرمان جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ بہتر ہے یا وہ جو عبادت کرتا ہے یہ وہ جملہ جو ام کا معادل ہے وہ محذوف ہے اصل کلام یوں تھی ام من ایک میم کو دوسری میم میں مدغم کر دیا۔ نحاس نے کہا: ام، بل کے معنی میں ہے اور من الذی کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: ام الذی ھو قانت افضل ممن ذکر۔

قانت میں چار توجیہیں ہیں: (1) اس کا معنی مطیع ہے (1)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے (2) اپنی نماز میں خشوع کرنے والا؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے (3) نماز میں قیام کرنے والا؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے (4) اپنے رب سے دعا کرنے والا (2)؛ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول سب کو جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ”قرآن کریم میں جہاں بھی قنوت کا ذکر ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے“۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: ”لمبا قیام“۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے اس سے مراد لمبا قیام اور قرآن کی قراءت ہے۔ مجاہد نے کہا: قنوت سے مراد لمبا رکوع اور آنکھ کو جھکانا۔ علماء جب نماز میں کھڑے ہوتے تو آنکھوں کو جھکا کر رکھتے خشوع کا اظہار کرتے، نماز میں کسی اور کی طرف توجہ نہ دیتے، فضول عمل نہ کرتے اور امور دنیا میں سے کسی چیز کا ذکر نہ کرتے مگر بھول کر۔

نحاس نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ قنوت کا معنی اطاعت ہے۔ اس کی تعبیر میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے یہ سب اشیاء اطاعت میں داخل ہیں اور طاعت سے بڑھ کر ہیں وہ بھی جس طرح حضرت نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے فرمایا: اٹھو نماز پڑھو۔ میں نماز پڑھنے کے لیے اٹھا جبکہ میرے جسم پر بوسیدہ کپڑے تھے آپ نے مجھے بلایا آپ نے مجھے فرمایا: بتاؤ اگر میں تجھے کسی کام کے لیے بھیجوں کیا تو اسی طرح چلا جائے گا؟ میں نے عرض کی: میں زیب و زینت کا اہتمام کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ زیادہ اس شان کے لائق ہے کہ تو اس کے لیے زیب و زینت کا اہتمام کرے۔

یہاں قانت کی تعیین میں اختلاف ہے۔ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ضحاک آپ سے روایت کرتے ہیں: اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت صہیب، حضرت ابوذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اس حال پر ہو۔

آناء الیل حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد اس کی ساعتیں ہیں پہلی، درمیانی اور آخری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آناء الیل سے مراد رات کا درمیانی حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس پر وقوف کو آسان کر دے تو وہ رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ (سے امید رکھے کہ وہ) اسے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے دیکھے جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔ ایک قول یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 117

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 118

کیا گیا ہے: اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عام ہے۔

یَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ سعید بن جبیر نے کہا: وہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ یعنی وہ جنت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت حسن بصری سے کسی ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو نافرمانیوں میں حد سے بڑھ جاتا ہے اور امید بھی رکھتا ہے فرمایا: وہ تمنا کرنے والا ہے۔ جس نے اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ رَحْمَةَ رَبِّهٖ پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ متصل ہے مگر اس صورت میں کہ کلام میں حذف مقدر کیا جائے یہ زیادہ آسان ہے جس طرح وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

زجاج نے کہا: جس طرح علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مطیع اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔ دوسرے علماء نے کہا: جو علم رکھتے ہیں وہی اپنے علم سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں رہا وہ شخص جو اپنے علم سے نفع نہیں اٹھاتا اور اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ جاہل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ بے شک مومنوں میں سے اصحاب عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

"آپ فرمائیے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے، اور (یاد رکھو) ان کے لیے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک صلہ ہے، اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے، مصائب و آلام میں صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا"۔

اے محمد ﷺ! میرے مومن بندوں سے کہہ دو: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو اتَّقُوْا میں تاء کا بیان ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ پہلے احسان سے مراد طاعت اور دوسری سے مراد جنت میں ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جنہوں نے دنیا میں نیکی کی ان کے لیے دنیا میں نیکی ہے جو آخرت کے ثواب سے زائد ہے(1)۔ دنیا میں زائد حسنہ سے مراد صحت، عافیت، کامیابی اور غنیمت ہے۔ قشیری نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ کافر نے دنیا کی نعمتیں تو حاصل کی ہیں۔

میں کہتا ہوں: کافر کے ساتھ مومن بھی دنیوی نعمتیں حاصل کرتا ہے جب وہ ان نعمتوں پر شکر بجا لاتا ہے تو اس کے لیے جنت میں زائد نعمتیں دی جاتی ہیں۔ دنیا میں نعمت اچھی تعریف اور آخرت میں جزا ہے(2)۔

وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ تم اس میں ہجرت کرو اور جو آدمی کافر غالب کرتا ہے تم اس کے ساتھ مقیم نہ رہو اس بارے میں بحث سورۃ النساء میں مفصل گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد جنت کی زمین ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی وسعت اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 119　2۔ ایضاً

نعمتوں میں رغبت دلاتی ہے جس طرح فرمایا: وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ (آل عمران: 133)

جنت کو بعض اوقات ارض کہہ دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر: 74)

پہلا قول زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ یہ ہجرت کا حکم ہے یعنی تم مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تمہیں امن ہو۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال ہے وسعت ارض سے مراد رزق کی وسعت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق زمین سے عطا کرتا ہے تو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا رزق وسیع ہے؛ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کی وسعت کو احسان جتلانے کے انداز میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ تم مہنگے علاقے سے سستے علاقے کی طرف چلے جاؤ جس طرح حضرت سفیان ثوری نے کہا: تو وہاں رہ جہاں ایک درہم سے روٹیوں کا تھیلا بھر لے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی بغیر اندازے کے انہیں پورا اجر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انہیں زیادہ ثواب دیا جائے گا کیونکہ اگر ان کو عمل کے مطابق عطا کیا جائے تو یہ حساب کے مطابق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِغَيْرِ حِسَابٍ کا معنی ہے بغیر مطالبہ کے انہیں اجر دیا جائے گا جس طرح دنیاوی نعمتوں کے بارے میں مطالبہ کیا جاتا ہے۔

الصّٰبِرُوْنَ سے یہاں مراد روزے دار ہیں؛ اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خبر دی گئی ہے: الصوم لی وانا اجزی به روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا دیتا ہوں۔ علماء نے کہا: ہر اجر کا کیل اور وزن کیا جاتا ہے مگر روزہ اس کا اجر دونوں ہاتھوں سے بغیر حساب کے دیا جاتا ہے (1)۔ حضرت علی شیر خدا سے بھی یہی مروی ہے۔ مالک بن انس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد دنیا کے مصائب اور احزان پر صبر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جس نے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس سے منع کیا گیا تھا اس کو چھوڑ دیا تو اس کے اجر کی کوئی مقدار نہیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہاں کوئی ناپ تول اور ترازو نہ ہوگا۔

حضرت انس بن مالک نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا: "ترازو لگائے جائیں گے صدقہ کرنے والوں کو لایا جائے گا تو ترازوؤں سے انہیں پورا اجر دیا جائے گا (2) اسی طرح نماز اور حج کا معاملہ ہے مصیبت کے شکار لوگوں کو لایا جائے گا نہ ان کے لیے ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے لیے دیوان کھولا جائے گا ان کے لیے اجر بغیر حساب کے انڈیلا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ یہاں تک کہ دنیا میں عافیت سے رہنے والے آرزو کریں گے کہ ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جائیں اس آرزو کی وجہ مصائب کا شکار لوگوں کی فضیلت ہوگی"۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "فرائض کو ادا کر تو لوگوں میں سے زیادہ عبادت گزار ہو جائے گا تجھ پر قناعت کرنا لازم ہے تو لوگوں میں سے سب سے غنی ہو جائے گا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 119

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 118

اسے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرۃ البلویٰ کہتے ہیں اہل بلاء کو لایا جائے گا ان کے لیے نہ تو میزان نصب کیا جائے گا نہ ان کے دیوان کو کھولا جائے گا، ان پر اجر انڈیلا جائے گا"۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لفظ صبر کے ساتھ مدح کی جاتی ہے یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو گناہوں سے صبر کرے جب تو یہ ارادہ کرے کہ اس نے معصیت پر صبر کیا ہے تو کہے گا: صابر عن کذا، یہ نحاس کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۚ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝

"فرمایئے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ آپ فرمایئے: میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمایئے: اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو۔ پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا، نیز فرما دیجئے: اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالے گئے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن، سنو یہی کھلا گھاٹا ہے۔ ان (بدبختوں) کے لیے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی شعلے۔ اس عذاب الیم سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو"۔

قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ سورت کے آغاز میں یہ گزر چکا ہے۔ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ یعنی اس امت کا پہلا مسلمان ہوں بات حقیقت میں ایسے ہی تھی کیونکہ آپ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے آباء کے دین کی مخالفت کی، بتوں سے لاتعلق ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے اور اس پر ایمان لائے اور اس امر کی طرف دعوت دی۔ لِاَنْ اَكُوْنَ میں لام زائدہ ہے، یہ جرجانی اور دوسرے علماء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام اجل ہے اس کلام میں حذف ہے یعنی مجھے عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان ہوں۔

قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اس سے مراد یوم قیامت کا عذاب ہے۔ یہ اس وقت کہا جب ان کی قوم نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی دعوت دی؛ یہ اکثر اہل تفسیر نے کہا: ابو حمزہ ثمالی اور ابن مسیب نے کہا: یہ آیت

تعالیٰ کے فرمان لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 2) کے ساتھ منسوخ ہے یہ آیت نبی کریم ﷺ کے ذنب کی مغفرت سے قبل کے لیے تھی۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا اسم جلالت پر نصب اَعْبُدُ کی وجہ سے ہے۔ دینا سے مراد طاعت اور عبادت ہے فَاعْبُدُوْا یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ وعید و توبیخ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (فصلت: 40) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں بیوی پیدا کی جب وہ جہنم میں داخل ہوا تو اس نے اپنی ذات کو اور اپنے اہل کا نقصان کیا[1]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عمل کیا تو اس کے لیے وہ منزل اور اہل ہوتے مگر جو اس کے لیے اس سے پہلے تھا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ (المومنون)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ان کے جو نیچے ہیں انہیں ظلل کا نام دیا کیونکہ وہ اپنے سے نیچے والوں کو سایہ دیتے ہیں یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 40) اور يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (العنکبوت: 55) کی مثل ہے ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عِبَادَهٗ سے مراد اس کے اولیاء ہیں يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ۝ اے میرے اولیاء مجھ سے ڈرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومن اور کافر میں عام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِۙ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝

"اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور دل سے جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے لیے مژدہ ہے پس مژدہ سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشور ہیں"۔

اخفش نے کہا: طاغوت جمع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد مونث ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ معنی ہے وہ طاغوت سے دور ہے وہ اس سے ایک طرف ہے انہوں نے طاغوت کی عبادت نہ کی۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد شیطان ہے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: اس سے مراد بت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کاہن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 395

یہ عجمی نام ہے جس طرح طالوت، جالوت، ہاروت اور ماروت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربی نام ہے یہ طغیان سے مشتق ہے
أن محل نصب میں ہے یہ طاغوت سے بدل ہے، تقدیر کلام یہ ہے والذین اجتنبوا عبادۃ الطاغوت۔

وَ اَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف رجوع کیا لَهُمُ الْبُشْرٰى دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں انہیں جنت کی بشارت ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان شخصیات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے انہیں اپنے ایمان کی خبر دی تو وہ ایمان لے آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا تھا۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو اچھی اور بری بات سنتے ہیں پھر اچھی بات کا ذکر کرتے ہیں اور قبیح چیز سے رک جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور غیر قرآن کی اتباع کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال کو سنتے ہیں اور ان میں سے احسن یعنی محکم کی اتباع کرتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عزیمت اور رخصت کو سنتے ہیں اور رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عقوبت اور عفو کو سنتے ہیں اور عفو کو اپناتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہترین قول اس کا ہے جس نے اس آیت کا مصداق ان لوگوں کو بنایا ہے جو اسلام سے قبل توحید کا اقرار کرتے تھے یعنی یہ کہا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

عبدالرحمن بن زید نے کہا: یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے دور جاہلیت میں طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا ان تک جو بات پہنچی تھی اس میں سے احسن کی اتباع کی۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی طرف ہدایت دی جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا اور وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عقلوں سے فائدہ اٹھایا۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ۝

"بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے۔"

نبی کریم ﷺ اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں حریص تھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے حق میں شقاوت سبقت لے جا چکی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ابولہب، اس کی اولاد اور خاندان کے وہ افراد ہیں جو نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے اَفَاَنْتَ میں ہمزہ کو تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ کلام بہت طویل ہو گئی ہے۔ سیبویہ نے اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 121
2۔ اسباب النزول از واحدی، صفحہ 191

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر جاری کیا اسے زمین کے چشموں سے پھر اگاتا ہے اس کے ذریعے فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زرد پیلی پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے، یقیناً اس (کرشمہ قدرت) میں نصیحت ہے اہل عقل کے لیے"۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اللہ تعالیٰ مخلوق کو زندہ کرنے اور مومن و کافر میں تمیز دینے کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اس پر قادر ہے جس طرح وہ آسمان سے پانی نازل کرنے پر قادر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بادل سے بارش کو نازل کیا۔

فَسَلَكَهٗ اسے زمین میں داخل کیا اور اس میں ٹھہرا دیا جس طرح فرمایا: فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ (المومنون: 18) یَنَابِیْعَ یہ ینبوع کی جمع ہے یہ یفعول کا وزن ہے یہ نبع، ینبع، نبعاً اور ینبِع کے وزن پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: ابن کیسان نے شاعر کے قول میں یوں ہی بیان کیا:

يَنْبَاعُ مِنْ ذِفْرَى غَضُوبٍ جَسْرَةٍ

ینباع کا معنی ینبع ہے اس کے فتحہ میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا تو یہ الف ہو گیا جس کا معنی نکلنا ہے ینبوع سے مراد پانی کا چشمہ ہے اس کی جمع ینابیع آتی ہے سبحان، سورۃ اسراء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

پھر وہ پانی زمین کے چشموں سے نکلتا ہے اس کے ذریعے کھیتی نکالتا ہے زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ یعنی مختلف کھیتیاں سرخ، زرد، نیلی اور سبز۔ شعبی اور ضحاک نے کہا: ہر وہ پانی جو زمین میں موجود ہے وہ آسمان سے ہی اترتا ہے وہ آسمان سے صخرہ کی طرف نازل ہوتا ہے پھر وہاں سے چشموں اور کنوؤں کی طرف تقسیم ہو جاتا ہے ثُمَّ يَهِيْجُ پھر وہ خشک ہو جاتا ہے تو تو اس کے سبز ہونے کے بعد زرد دیکھے گا۔ مبرد نے کہا: اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے: هاجت الارض تهيج اذا ادبر نبتها وولى کہا اسی طرح: هاجت النبت کا جملہ بولا جاتا ہے کہا: اسی طرح اصمعی کے علاوہ نے بھی کہا: جوہری نے کہا: هاج النبت هياجا یعنی نباتات خشک ہو گئی۔ ارض هائجة جب اس کی نباتات خشک ہو جائے یا وہ زرد ہو جائے۔ اهاجت الريح النبت: ہوا نے نباتات کو خشک کر دیا۔ اهيجنا الارض یعنی ہم نے زمین کو خشک نباتات والا پایا۔ هاج هائجه کا معنی ہے جب بھڑک اٹھا، هدأ هائجه اس کا جوش کم ہو گیا۔

ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے یہ تحطم العود سے مشتق ہے جب وہ خشکی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے معنی اس کا یہ ہے جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور زمین سے جو چیز نکلتی ہے اس کے لیے بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن نازل کیا۔ پھر اسے مومنوں کے دلوں میں داخل کیا ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ یہاں زرعا سے مراد دین ہے جو مختلف ہو گا اس میں سے بعض بعض سے افضل ہو گے جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے اس کو ایمان و یقین زائد ہو گا جہاں تک اس آدمی کا تعلق

ہے جس کے دل میں مرض ہے تو وہ اسی طرح خشک ہو جائے گا جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بیان فرمائی ہے یعنی جس طرح سبز نباتات متغیر ہو جاتی ہے اور وہ زرد ہو جاتی ہے اسی طرح دنیا اپنی رونق کے بعد ماند پڑ جاتی ہے۔

أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾

"بھلا وہ سعادت مند کشادہ فرما دیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے، پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"۔

شرح کا معنی کھولنا اور وسیع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا یہاں تک کہ وہ اس میں ثابت ہو گیا (1)۔ سدی نے کہا: اس کے سینہ کو اسلام کے ساتھ وسیع کر دیا کیونکہ اس پر وہ خوش ہوا اور اس سے مطمئن ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ جائز ہے کہ یہ شرح اسلام کے بعد ہو پہلی تعبیر کی صورت میں یہ جائز ہے کہ شرح اسلام سے قبل ہو۔

فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ وہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہے جس طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اس حذف پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: جب دل سخت ہو جائے تو کہا جاتا ہے: قسا القلب اسی طرح عتا اور عسا اس کے قریب قریب ہیں قلب قاس ایسا دل جو سخت ہو جو نرم نہ ہو۔ مفسرین نے کہا: أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ سے مراد حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ نقاش نے یہ بیان کیا کہ اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ مقاتل اور کلبی سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آیت ان تمام افراد کے لیے عام ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان تخلیق فرما کر کھلا کر دیا۔

مرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہا ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اس کے سینہ کو کیسے کھول دیا؟ فرمایا: "جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھل جاتا ہے (2)" ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: الإنابة إلى دار الخلود والتجافي عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزوله جنت کی طرف متوجہ ہونا، دنیا سے پہلو تہی کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین خصلتوں کا ذکر کیا اس میں کوئی شک نہیں جس میں یہ خصلتیں ہوں تو وہ کامل ایمان والا ہے کیونکہ انابہ سے مراد نیکی کے اعمال ہیں کیونکہ جنت نیک اعمال کی جزا کے طور پر بنائی گئی ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مواقع پر کیسے اس کا ذکر کیا پھر اس کے بعد فرمایا: جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿﴾ (الواقعہ) پس جنت اعمال کی جزا ہے جب بندہ نیکی کے کاموں میں منہمک ہو جاتا ہے تو گویا اس کا دار خلود کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جب دنیا سے اس کی حرص ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اس کی طلب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 121 2۔ ایضاً

سے غافل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہیں تو وہ اسی پر اکتفا کر لیتا ہے اور قانع ہو جاتا ہے پس وہ دنیا سے پہلو تہی کر لیتا ہے جب وہ اپنے امور کو تقویٰ کے ساتھ پختہ کر لیتا ہے تو وہ ہر امر میں غور و فکر کرنے والا ہوتا ہے وہ ادب کو کام میں لاتا ہے، پختگی سے کام کرتا ہے، احتیاط سے کام لیتا ہے اس چیز سے بچتا ہے جو اسے شک میں ڈالے اور ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے شک میں نہ ڈالیں تو تحقیق اس نے موت کے لیے تیاری کر لی بظاہر یہی اس کی علامات ہیں کیونکہ وہ موت کو دیکھتا ہے اور دنیا سے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دنیا کو دار غرور دیکھتا ہے یہ ہدایت اسے اس لیے حاصل ہوتی ہے کیونکہ نور اس کے دل میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد ابولہب اور اس کی اولاد ہے مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے مراد ہے کہ ان کے دلوں کی سختی قرآن سننے سے بڑھ جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مِنْ، عن کے معنی میں ہے معنی ہوگا اللہ کا ذکر قبول کرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ یہ طبری کا پسندیدہ نقطۂ نظر ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قال اللہ تعالیٰ اطلبوا الحوائج من السمحاء فانی جعلت فیھم رحمتی ولا تطلبوھا من القاسیۃ قلوبھم فانی جعلت فیھم سخطی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنی ضروریات نرم خو لوگوں سے طلب کیا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی رحمت رکھ دی ہے تم اپنی حاجت سخت دل لوگوں سے نہ مانگا کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی ناراضگی رکھ دی ہے۔

مالک بن دینار نے کہا: کسی بندے کو سخت دلی سے بڑھ کر بڑی سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ کسی قوم پر ناراض نہیں ہوتا مگر ان کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

"اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں یکساں ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپ اٹھتے ہیں اس کے پڑھنے سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے راہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ سے مراد قرآن حکیم ہے (1) جب یہ ارشاد فرمایا: فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ تو اس امر کی وضاحت کی کہ جس کو سنا جاتا ہے اس میں سے سب سے بہترین چیز وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ قرآن ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 122

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمارے سامنے بیان فرماتے تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا (1) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ صحابہ کرام نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں نصیحت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحدید: 16)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام اکتاہٹ کا شکار ہوئے تو انہوں نے عرض کی: کاش! آپ ہمیں بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حدیث اسے کہتے ہیں جسے محدث بیان کرتا ہے قرآن کو حدیث کا نام دیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور اپنی قوم کو یہ بیان کیا کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۠ (الاعراف) اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ۝ (النجم) اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۝ (الکہف) وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۝ (النساء) فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ (القلم: 44)

قشیری نے کہا: ایک قوم نے وہم کیا ہے کہ حدیث حدوث سے نکلا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کا کلام حادث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ (الانبیاء: 2) میں لفظ حدیث کا ارادہ نہیں کرتا جبکہ انہوں نے کہا حدوث تو تلاوت کی طرف لوٹتا ہے متلو کی طرف نہیں لوٹتا تو یہ ذکر کے ساتھ ذکر کیا ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر کرتے ہیں۔

كِتٰبًا، اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ سے بدل کے طور پر منصوب ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس سے حال ہو مُّتَشَابِهًا حسن اور حکمت میں وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اس میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: آیات اور حروف میں اس کا بعض بعض کے مشابہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان کتابوں کے مشابہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر نازل کی گئیں کیونکہ یہ امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگرچہ یہ ان سب کو جامع ہے اور سب سے بڑھ کر عاجز کرنے والی ہے پھر اس کی صفت بیان کی اور فرمایا: مَّثَانِيَ اس میں قصے، وعظ اور احکام کو بار بار ذکر کیا جاتا ہے اس کی تلاوت بار بار کی جاتی ہے مگر اکتایا نہیں جاتا۔

تَقْشَعِرُّ اس میں جو وعید ہے اس کے خوف کی وجہ سے ان کی جلدیں مضطرب اور متحرک ہو جاتی ہیں ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ آیت رحمت کے موقع پر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ پر عمل اور اس کی تصدیق کے لیے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذِكْرِ اللّٰهِ سے مراد اسلام ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر جب قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور ان کی جلدیں کانپنے لگتیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے ان سے عرض کی: آج کل کچھ ایسے لوگ ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بے ہوش ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے تو انہوں نے کہا أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

---

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 192　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 172

سعید بن عبدالرحمن جمحی نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اہل قرآن میں سے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو گرا ہوا تھا آپ نے پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا: جب اس پر قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر پڑتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور نہیں گرتے تھے پھر فرمایا: شیطان ان کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کا یہ عمل نہ تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: حضرت ابن سیرین کے ہاں ان لوگوں کا ذکر ہوا جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ گر پڑتے ہیں فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان یہ چیز فیصلہ کرنے والی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مکان کی چھت پر اپنے دونوں قدم نیچے پھیلا کر بیٹھے پھر اس پر ابتدا سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دے تو وہ سچا ہے۔

ابو عمران جونی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص کو پھاڑ دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی: قمیص والے کو کہہ دو وہ اپنی قمیص نہ پھاڑے میں فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا وہ اپنے دل کو میرے لیے کھولے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ زید بن اسلم نے کہا: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ہاں تلاوت کی جبکہ ان کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی موجود تھے ان کے دل نرم پڑ گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دل کی نرمی کے وقت دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ رحمت ہے“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مومن کی جلد اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتی ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جس طرح بوسیدہ درخت سے اس کے اوراق جھڑ جاتے ہیں“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی بندے کی جلد نہیں کانپتی مگر اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دیتا ہے“(1)۔

شہر بن حوشب نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: انسان کے دل میں خوف شاخوں کے جلنے کی طرح ہے کیا تو کپکپی نہیں پاتا؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کیونکہ اس موقع پر دعا قبول ہوتی ہے۔

ثابت بنانی سے مروی ہے فلاں نے کہا: میں جانتا ہوں کب میری دعا قبول ہوتی ہے؟ لوگوں نے پوچھا: تجھے اس کا کیسے علم ہوتا ہے؟ کہا: جب میری جلد میں کپکپی طاری ہوتی ہے، میرے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور میری آنکھیں بہہ پڑتی ہیں یہ وہ وقت ہوتا ہے جب میری دعا قبول ہوتی ہے۔ یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے: اقشعر جلدُ الرجل اقشعرارا فهو مقشعر اس کی جمع قشاعر ہے تو اس کی میم حذف کر دی جاتی ہے کیونکہ یہ زائدہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اخذته قشعریرة امرؤ القیس نے کہا:

فَبِتُّ أُكَابِدُ لَيْلَ التِّمَامِ وَالْقَلْبُ مِنْ خَشْيَةٍ مُقْشَعِرّْ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 12

وہ کفر اور جھوٹ سے بچ گیا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے"۔

کسائی نے کہا: رجلا کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ مثلا کی تفسیر و وضاحت ہے اگر تو چاہے تو حرف جر کے حذف کے ساتھ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی ضرب اللہ مثلا برجل۔

فراء نے کہا: متشاکسون کا معنی ہے مختلفون یعنی مختلف۔ مبرد نے کہا: اس کا معنی ہے سخت ترش۔ یہ شکس یشکس شکسا فھو شکس سے مشتق ہے جس طرح عسر یعسر عسرا فھو عسر ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل شکس، شرس، ضرس، ضبس یہ بھی کہا جاتا ہے: رجل ضبس وضبیس۔ اس کا معنی ہے بداخلاق سخت مزاج ہوتا ہے جوہری نے کہا ہے۔ زمخشری نے کہا: تشاکس اور تشاخس کا معنی اختلاف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تشاکست احوالہ و تشاخست اسنانہ اس کے احوال مختلف ہو گئے اور اس کے دانت بے ترتیب ہو گئے یہ جملہ کہا جاتا ہے: شاکسنی فلان یعنی اس نے میرے حق میں بخل سے کام لیا۔ جوہری نے کہا: رجل شکس سخت اخلاق والا۔ راجز نے کہا:

شکس عبوس عنبس عذور

محل استدلال شکس ہے۔

یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے قوم شکس جس طرح رجل صدق اور قوم صدق ہے۔

شکس شکاسۃ بھی استعمال ہوتا ہے۔ فراء نے حکایت بیان کی ہے رجل شکس۔ یہ قول ہے یہ اس آدمی کے لیے ضرب المثل ہے جس نے کثیر معبودوں کی عبادت کی۔

ورجلا سلما لرجل جو ایک آقا کا خالص غلام ہو یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔

ھل یستوین مثلا کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں یعنی وہ غلام جو جماعت کی خدمت کرتا ہے جو اس کی ملکیت میں شریک ہیں ان کے اخلاق مختلف ہیں نیتیں متضاد ہیں اسے کوئی آدمی نہیں ملتا مگر اسے کھینچتا ہے اور اس سے خدمت لیتا ہے وہ ان سے مشقت، تکلیف اور عظیم مصیبت پاتا ہے اس کے باوجود کسی کو بھی اپنی خدمت کے ساتھ راضی نہیں کر پاتا کیونکہ اس کے ذمہ بہت ہی زیادہ حقوق ہیں۔ وہ غلام جو ایک آقا کی خدمت کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا جب وہ اس کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کا قدردان ہوگا اور جب وہ لغزش کرے گا تو مالک اس کی لغزش سے درگزر کرے گا تو ان دونوں میں سے کون زیادہ تکالیف اٹھاتا ہے اور کون زیادہ ہدایت پر ہے۔

اہل کوفہ اور اہل مدینہ نے اسے وَرَجُلًا سَلَمًا پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، حضرت حسن بصری، عاصم جحدری، ابو عمرو، ابن کثیر اور یعقوب نے وَرَجُلًا سَالِمًا پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس میں تفسیر صحیح ہے کہا: سالم، شرکاء متشاکسون کی ضد ہے اور سلم حرب (جنگ) کی ضد ہے یہاں جنگ کا کوئی موقع نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ استدلال لازم نہیں کیونکہ جب لفظ کے دو معنی ہوں تو اسے ان میں سے اولی پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ سلم حرب کی ضد ہے اس کا کوئی اور موقع ہوتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح تیرے لیے یہ کہا جاتا ہے: لک فی ھذا المنزل شرکاء فصار سلما لک اس گھر میں شریک ہوتے تھے پھر یہ تیرے لیے خالص ہو چکا ہے، سالم میں بھی اس پر وہی چیز لازم ہوگی جو اس نے غیر پر لازم کیا ہے کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: شیٔ سالم یعنی اس میں کوئی بیماری نہیں۔ دونوں قرأتیں حسن ہیں آئمہ نے ان کو پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اہل مدینہ کی قرأت سلما کو پسند کیا ہے کہا: اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، ابو العالیہ اور نصر نے سلما پڑھا ہے سلما اور سلما دونوں مصدر ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی ورجلا ذا سلم مضاف کو حذف کر دیا مَثَلًا تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے معنی ہوگا کیا ان دونوں کی صفات اور حالات برابر ہوں گے تمیز میں واحد پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ جنس کو بیان کرنا مقصود ہے۔ الحمد للہ۔ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے کہ اس کی اتباع کریں۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝

"بے شک آپ نے بھی دنیا سے انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر تم سب روز حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے"۔

ابن محیصن، ابن ابی عبلہ، عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے اسے انک مائت وانھم مائتون پڑھا ہے یہ اچھی قرأت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بھی یہی قرأت کی ہے اس قسم کا الف شاذ قرأتوں میں حذف کر دیا جاتا ہے مائت تو مات مستقبل میں کلام عرب میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح جو مریض ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انہ مارض من ھذا الطعام

حضرت حسن بصری، فراء اور کسائی نے میت پڑھا ہے یہ لم یمت اور سیموت سے مشتق ہے المیت جب تخفیف کے ساتھ پڑھیں اس سے مراد وہ شخص ہو جس سے روح الگ ہو جائے اسی وجہ سے یہاں اس میں تخفیف نہیں کی گئی۔ قتادہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ذات اور تمہیں تمہاری ذاتوں کی موت کی خبر دی گئی۔

ثابت بنانی نے کہا: ایک آدمی صلہ بن اشیم کو اس کے بھائی کی موت کی خبر دینے کے لیے گیا تو اسے کھانا کھاتے ہوئے پایا صلہ بن اشیم نے اسے کہا: قریب ہو اور کھانا کھا، مجھے میرے بھائی کی موت کی خبر بہت عرصہ پہلے دی گئی۔ آنے والے نے کہا: وہ کیسے جبکہ میں تیرے پاس پہلا خبر لانے والا ہوں۔ صلہ بن اشیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی موت کی خبر دے دی ہے اور یہ پڑھا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (1) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 125

موت اور ان کی موت کی خبر دی۔

اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں: (1) آخرت سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے (2) عمل پر برانگیختہ کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا (3) موت کی تمہید کے طور پر اس کا ذکر کیا (4) آپ کی موت میں اختلاف نہ کریں جس طرح پہلی امتوں نے دوسروں کی موت میں اختلاف کیا یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے (5) تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر سے آگاہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مخلوق کو برابر رکھا ہے جبکہ دوسرے معاملات میں باہم فضیلت موجود ہے تاکہ تسلی زیادہ ہو جائے اور حسرت کم ہو جائے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۝ اس سے مراد کافر، مومن، ظالم اور مظلوم کا جھگڑا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: حدیث میں اس کا طویل ذکر ہے بخصوصیت قیامت کے روز اس حد تک جا پہنچے گی کہ روح اور جسم آپس میں جھگڑا کریں گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو معاملات ہمارے درمیان ہوتے رہے خصوصی گناہوں کے ساتھ کیا ان کے بارے میں ہمارے ساتھ تکرار کیا جائے گا؟ فرمایا: ہاں تمہارے ساتھ تکرار کیا جائے گا یہاں تک کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک معاملہ سخت ہے (1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے کچھ وقت گزارا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۝ ہم کہتے: ہم کیسے جھگڑیں گے جبکہ ہمارا نبی ایک ہے اور ہمارا دین ایک ہے یہاں تک کہ ہم نے بعض کو تلواروں کے ساتھ بعض کی گردنیں اڑاتے دیکھا تو مجھے علم ہو گیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم کہا کرتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے تو یہ جھگڑا کیسا۔ جب جنگ صفین کا موقع آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملہ کیا تو ہم نے کہا: ہاں وہ یہی ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہنے لگے: ہمارے درمیان ہماری خصومت کیا ہوگی؟ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو صحابہ نے کہا: یہی ہمارے درمیان خصومت ہوگی۔ ایک قول کیا گیا ہے: ان کے تخاصم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فیصلہ طلب کرنا ہے کہ ظالم کی نیکیوں سے اس کے ظلم کے برابر حق لیا جائے گا اور جس کے لیے حق ثابت ہوا اس کو دے دیا جائے گا یہ حکم تمام مظالم کے بارے میں ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہ نے عرض کی: ہمارے درمیان مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم نہ ہو اور سامان نہ ہو فرمایا: "میری امت میں سے مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزوں اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا وہ آئے گا کہ اس نے اس کو گالیاں دی ہوں گی اس پر تہمت لگائی ہوگی اس کا مال کھایا ہوگا اس

---

1۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الزمر، حدیث نمبر 3160، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے اور وہ متعدی نہیں۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (33)۔ وَالَّذِيْ مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے اس کی خبر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ہے الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِهٖٓ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں۔ سدی نے کہا: الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد جبریل امین اور الذی صدق بہ سے مراد مومن ہیں (1)۔ اس پر استدلال اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے کیا۔

نخعی اور مجاہد نے کہا: الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ سے مراد مومن ہیں جو قیامت کے روز قرآن کے ساتھ آئیں گے اور کہیں گے: یہ ہے وہ چیز جو تم نے ہمیں عطا کی اس میں جو کچھ ہے ہم نے اس کی پیروی کی اس تعبیر کی صورت میں الَّذِيْ جمع کے معنی میں ہوگا جس طرح من جمع میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسم کی طوالت کی وجہ سے اس کے آخر سے نون حذف ہے۔ شعبی نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ واحد ہے اور کہا: الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اسی وجہ سے اس کی خبر جماعت ہے جس طرح جس آدمی کی تعظیم مقصود ہے اس کے لیے کہا جاتا ہے: هو فعلوا اذين فعلوا كذا كذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر آدمی کے حق میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا۔ طبری نے اسے پسند کیا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے والذی جاءوا بالصدق وصدقوا بہ یہ قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے۔ ابو صالح کوفی کی قراءت والذی جاء بالصدق وصدق بہ ہے یعنی صدق مخفف ہے یعنی اس کے بدلے میں مستحق ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سچ کا اظہار کیا۔ سورۂ بقرہ میں الَّذِيْ کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ یہ واحد اور جمع دونوں طرح ہوتا ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی جنت میں نعمتوں میں سے جو چاہیں گے وہ ہوں گی جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لک اکرام عندی یعنی میری طرف سے تجھے اکرام پہنچے گا۔ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ (34) یعنی دنیا میں ثنا اور آخرت میں ثواب ہوگا۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی صدقوا۔ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ انہوں نے صدق کیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمادے اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عزتوں سے نوازے گا اور اسلام سے قبل جو عمل وہ کرتے رہے اس پر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جو وہ دنیا میں اعمال حسنہ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجر عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (36) وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ (37)

”کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے (یقیناً کافی ہے) اور وہ ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 131

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝
قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے: اللہ نے۔ آپ فرمایئے: ذرا بتاؤ تو جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر سکتے ہیں اس کی تکلیف کو؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہے تو کیا وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو؟ فرمایئے: مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے۔ فرمایئے: اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر، میں اپنا کام کرتا رہوں گا پس تم ضرور جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔ اے حبیب! ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے حق کے ساتھ، پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو بھٹکتا ہے تو وہ بھٹکتا ہے اپنے آپ کو برباد کرنے کے لیے اور آپ ان بدبختوں کے ذمہ دار نہیں"۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اے محمد ﷺ! اگر آپ ان سے پوچھیں لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ یعنی وہ تسلیم کریں گے کہ وہ جن کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اقرار کیا کرتے تھے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جب اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے تو وہ تجھے اپنے ان معبودوں سے کیسے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جبکہ تو اس کا رسول ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ اے محمد ﷺ! جب انہوں نے یہ اعتراف کر لیا ہے تو آپ ان سے کہیں: مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا یہ بت تکلیف کو دفع کر دیں گے اور اگر وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ مقاتل نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ان سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا: وہ کسی ایسی چیز کو دور نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہو لیکن وہ شفاعت کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ کے جواب کو ترک کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے یعنی وہ کہیں گے: بت اس کی مصیبت کو دور نہیں کر سکتے اور نہ رحمت کو روک سکتے ہیں تو پھر آپ کہیں: مجھے میرا اللہ کافی ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ نافع، ابن کثیر اور عاصم کے علاوہ کوفیوں نے کاشفات ضرہ پڑھا ہے۔ ابو عمرو، شیبہ اور حضرت حسن کی قرات میں معروف اور عاصم سے بھی مروی ہے ھل ھن کاشفات ضرہ اور ممسکات رحمتہ اصل کے اعتبار سے اس پر تنوین پڑھی ہے: یہی ابو عبید اور ابو حاتم کی قرات ہے کیونکہ یہ اسم فاعل ہے جو استقبال کے معنی میں ہے جب بات مستقبل کی طرح ہے تو تنوین زیادہ مناسب ہے۔

شاعر نے کہا:

الضاربون عُمَيْرًا عن بيوتهم    بالليل يوم عُمَيْرٍ ظالمٌ عادي

محل استدلال عمیرا ہے جو اس وقت عمیر کو اپنے گھروں سے دور مارنے والے ہیں عمیر کا دن ظالم اور زیادتی کرنے والا ہے۔ اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اس میں تنوین جائز نہیں ہوتی تنوین کو حذف کر دیا گیا۔ جب تنوین کو حذف کر دیا گیا تو دو اسموں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہی تو دوسرے اسم کو اضافت کی وجہ سے جر دی گئی کلام عرب میں تنوین کا حذف بہت زیادہ ہے موجود ہے اور اچھا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ: 95) محل استدلال بالغ ہے۔ فرمایا: انا مرسلو الناقة محل استدلال مرسلو ہے سیبویہ نے کہا: اسی کی مثل غیر محلی الصید ہے سیبویہ نے کہا:

هل أنت باعثُ دينارٍ لحاجتنا

کیا تو ہماری ضرورت کے لیے دینار بھیجنے والا ہے۔ محل استدلال باعث ہے۔

نابغہ نے کہا:

احكم كحكم فتاة الحي إذ نظرت    إلى حمام شراعٍ وارد الثمد

اس کا معنی وارد الثمد ہے تنوین کو حذف کر دیا گیا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ تم اپنی جگہ کام کرو میں اپنی جگہ پر عمل کرنے والا ہوں یعنی اس جہت پر جو میرے امکان میں ہے۔

ابوبکر نے مکاناتکم پڑھا۔ سورۃ الانعام میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

يُّخْزِيْهِ اسے دنیا میں ذلیل و رسوا کر دیا جو کہ بھوک اور تلوار کے ساتھ ہے اور آخرت میں دائمی عذاب واقع ہوگا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۝ اس کے بارے میں گفتگو کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝

"اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کی روحیں حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔ بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ان کی عمروں کے ختم ہونے پر نفوس کو قبض کر لیتا ہے وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے جسموں میں روحوں کے باقی رکھنے کے ساتھ

تصرف سے انہیں روک دیتا ہے۔

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى یعنی وہ نفوس جو سوئے ہوئے ہیں انہیں موت کے وقت تک آزاد چھوڑ دیتا ہے؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے وہ نفوس جو نیند میں نہیں مرتے ان کی عمروں کے ختم ہونے پر ان کو قبض کر لیتا ہے۔ کہا: بعض اوقات قبض کرنا اس کی نیند ہی ہوا کرتی ہے تو اس صورت میں تقدیر کلام اس صورت میں ہو گی والتی لم تمت وفاتها نومها۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے مفسرین نے کہا: زندوں اور مردوں کی روحیں نیند کی حالت میں ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان سب کے اجسام میں رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور زندوں کی روحوں کو انکی طرف بھیج دیتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو قبض کرتا ہے جب وہ مر جاتے ہیں(1) اور زندوں کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب وہ سو جاتے ہیں وہ آپس میں متعارف ہوتی ہیں جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ متعارف ہوں یُرْسِلُ کا معنی ہے وہ انہیں واپس کرتا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: سونے والے کا نفس جبکہ وہ آسمان میں ہوتا ہے ابھی اسے اس کے جسم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا تو وہ سچی خوابیں ہوتی ہیں اور جس چیز کو ان کے بھیجنے کے بعد وہ جسموں میں قرار پکڑنے سے پہلے دیکھتا ہے وہ شیطان القا کرتا ہے اور باطل ان میں کہانیاں ڈالتے ہیں تو وہ جھوٹے خواب ہیں۔

ابن زید نے کہا: نیند وفات ہے اور موت بھی وفات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح تمہیں موت دی جاتی ہے اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح تمہیں اٹھایا جائے گا''(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نیند موت کا بھائی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنتی سوئیں گے؟ فرمایا: لا، النوم اخو الموت والجنة لا موت فيها نہیں نیند موت کا بھائی ہے اور جنت میں کوئی موت نہیں۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انسان میں نفس اور روح ہے دونوں کے درمیان سورج کی شعاع جیسا تعلق ہے نفس کے ساتھ عقل و تمیز ہوتی ہے اور روح کے ساتھ سانس کی حرکت ہوتی ہے جب بندہ سوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفس قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح قبض نہیں کرتا؛ یہ ابن انباری اور زجاج کا قول ہے۔ قشیری ابو نصر نے کہا: یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں نفس مقبوض ایک ہی چیز ہے اسی وجہ سے فرمایا: فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى یعنی اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں یعنی نیند اور حالت موت میں روح کو ہی قبض کرتا ہے حالت نیند میں قبض کرتا ہے تو اس کا معنی ہے اسے ڈھانپ لیتا ہے یعنی تصرف سے اسے روک دیتا ہے گویا وہ بھی اسکی چیز

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 128-29
2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا

ہے جس پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور جسے موت کی حالت میں قبض کرتا ہے تو اسے روک دیتا ہے اور قیامت تک اسے نہیں چھوڑتا۔

**وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى** جو چیز سے روک دی گئی تھی اس کو زائل کر دیا جاتا ہے تو وہ لوٹ آتی ہے جس طرح وہ پہلے تھا۔ نفس کی حالت نیند میں وفات حس کو زائل کرنے، غفلت کو پیدا کرنے اور ادراک کے کل میں آفت کو پیدا کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور حالت نیند میں وفات سے مراد موت پیدا کرنا اور کلی طور پر حس کو ختم کرنا ہوتا ہے **فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ** یعنی اس میں ادراک پیدا نہیں کرتا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں موت پیدا کر دی ہوتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت کی وجہ سے لوگوں نے نفس اور روح میں اختلاف کیا ہے کیا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا یہ دو چیزیں ہیں جیسے ہم نے ذکر کیا ہے؟ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں ایک چیز ہیں اسی پر آثار صحیحہ دلالت کرتے ہیں جس طرح ہم اس باب میں ذکر کریں گے۔

اسی ضمن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے جبکہ ان کی آنکھ کھلی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو بند کر دیا پھر فرمایا: ان الروح اذا قبض تبعه البصر روح جب قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الم تروا الانسان اذا مات شخص بصره کیا تم انسان کو نہیں دیکھتے جب وہ مرتا ہے تو اس کی آنکھ کھلی ہوتی ہے فرمایا: "یہ اس لیے ہوتا ہے کیونکہ اس وقت نظر نفس کا پیچھا کرتی ہے" دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب بندہ نیک ہوتا ہے تو ملائکہ حاضر ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! نکل جب وہ پاکیزہ جسم میں ہوتا ہے تو نکل جبکہ تو تعریف کی گئی ہے تجھے راحت اور ریحان کی بشارت ہو تجھے راضی رب کی بشارت ہو وہ غضب میں نہیں اسے نکالا یہ بات کہی جاتی ہے یہاں تک کہ اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے" اس کی سند صحیح ہے، اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: "جب فرشتے کسی شخص کی روح کو نکالتے ہیں تو دو فرشتے وصول کر لیتے ہیں جو اسے اوپر کی طرف لے جاتے ہیں"۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادی والی حدیث (جس میں حضرت بلال کو اس وادی میں نیند آ گئی تھی کہ وہ نماز کے لیے صحابہ کو بیدار کریں) میں کہا: یا رسول اللہ! میرے نفس کو اسی ذات نے اپنی گرفت میں لے لیا جس ذات نے آپ کے نفس کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ زید بن مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابل یہ ارشاد فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو انہیں ہماری طرف اس وقت کے علاوہ وقت میں لوٹا دیتا"۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اس میں صحیح یہ قول ہے کہ ایک لطیف جسم ہے جو اجسام محسوسہ کے ساتھ یوں ملا ہوا ہوتا ہے اسے کھینچا جاتا ہے اور اسے نکالا جاتا ہے اسے کفن میں لپیٹا جاتا ہے اور اسے عرش میں داخل کیا جاتا ہے اسے ہی آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے اسے موت نہیں آتی وہ فنا نہیں ہوتا یہ پاکیزہ خوشبو اور خبیث خوشبو والا ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے یہ اجسام کی صفات ہیں اعراض کی صفت نہیں ہم نے اس بارے میں تمام اخبار کتاب التذکرہ باحوال الموتی وامور الآخرۃ میں ذکر کی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الواقعہ) اس سے مراد نفس ہے جب وہ جسم سے نکلتا ہے یہ جسم کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا اوی احدکم الی فراشہ فلیاخذ داخلۃ ازارہ فلینفض بہا فراشہ ولیسم اللہ فانہ لا یعلم ما خلفہ بعدہ علی فراشہ فاذا اراد ان یضطجع فلیضطجع علی شقہ الایمن ولیقل سبحانک ربی وضعت جنبی وبک ارفعہ ان امسکت نفسی فاغفر لہا(1)۔ جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کا ارادہ کرے تو وہ تہبند کے اندر کا حصہ لے اور اس کے ساتھ اپنے بستر کو جھاڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کون اس کا نائب رہا جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹے اور کہے: اے میرے رب! تو پاک ہے میں نے اپنا پہلو رکھ دیا ہے اور تجھی کے سہارے میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میرے نفس کو روک لے تو اسے بخش دے۔

بخاری، ابن ماجہ اور ترمذی نے فاغفر لہا کی جگہ فارحمہا کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ الفاظ بھی ذکر کیے اگر تو اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما جن چیزوں سے تو اپنے صالح بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ امام ترمذی نے یہ الفاظ زائد ذکر کیے ہیں: جب وہ بیدار ہو تو کہے: اس ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے میرے جسم کو عافیت عطا فرمائی میری روح کو میری طرف لوٹا دیا اور اپنے ذکر کا مجھے اذن دیا

امام بخاری نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کے وقت سوتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر کہتے: اللہم باسمک اموت واحیا اے میرے اللہ! تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں۔ جب بیدار ہوتے تو کہتے: الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور(2) اس اللہ کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا کی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ یہ عام قراءت ہے فعل معروف ہے اور الموت پر نصب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر موت کا فیصلہ کر دیا۔ یہ ابو حاتم اور ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ آیت کے شروع میں اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ ہے وہی نفس پر فیصلہ کرتا ہے۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے اسے قضی علیہا الموت پڑھا ہے یعنی فعل مجہول۔ نحاس نے کہا: معنی ایک ہے مگر پہلی قراءت زیادہ واضح اور سیاق کلام کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ویرسل انہوں نے اسے ویرسل نہیں پڑھا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور الوہیت میں منفرد ہونے اور جو چاہے کرنے، زندگی دینے اور موت عطا کرنے پر تنبیہ ہے اس ذات کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہیں۔

<u>اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ یعنی میت اور سونے والے کا نفس قبض کرنے اور سونے والے نفس کو چھوڑ دینے اور میت کے نفس کو</u>

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ والقراءۃ عند النوم، جلد 2، صفحہ 936

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب ما یدعو بہ اذا استیقظ، صفحہ 324

روک لینے میں کئی نشانیاں ہیں۔

اصمعی نے کہا: میں نے معتمر کو کہتے ہوئے سنا: انسان کی روح کوتے ہوئے دھاگے کے جنول کی طرح ہے روح کو چھوڑا جاتا ہے وہ باقی ہے پھر اسے لپیٹا جاتا ہے تو وہ آتی ہے اور جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے حالت نیند میں روح کا کچھ حصہ چھوڑا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ بدن میں ہوتا ہے اس کا جو حصہ جسم سے نکلتا ہے اس کے ساتھ اس کا مخفی اتصال موجود ہوتا ہے انسان جب بیدار ہوتا ہے تو روح کا وہ حصہ جو نکل چکا تھا جسم میں موجود اکثر حصہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ لوٹ آتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بات کی گئی۔ سبحان میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَّلَا
يَعْقِلُونَ ۞ قُل لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ۞ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ ۚ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۞

"کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی، پوچھیے: اگرچہ وہ (نام نہاد) سفارشی کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمائیے: سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اسی کے لیے بادشاہی ہے آسمان اور زمین کی پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں"۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ بلکہ انہوں نے اپنے بتوں کو شفیع بنا لیا ہے۔ کلام میں ایسی چیز ہے جو لم کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے تقدیر کلام یوں ہے لم یتفکروا بلکہ انہوں نے اپنے معبودوں کو شفیع بنا لیا ہے قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا اے محمد! انہیں کہیے تم انہیں شفیع بناتے ہو اگرچہ وہ شفاعت میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی وہ عقل رکھتے ہیں کیونکہ یہ جمادات ہیں؛ یہ استفہام انکاری ہے۔ قُل لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا یہ اس میں بیان ہے کہ شفاعت صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ: 255) یعنی اس کی شفاعت کے بغیر کوئی شافع نہیں اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء: 28) جَمِيعًا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جَمِيعًا دو یا اس سے زائد افراد کے لیے ہوتا ہے جبکہ شفاعت تو واحد ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شفاعت مصدر ہے اور مصدر دو اور جمیع افراد کا معنی دیتا ہے

وَحْدَهُ خلیل کے نزدیک مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے اور یونس کے نزدیک حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مبرد نے کہا: اشْمَأَزَّتْ کا معنی ہے متنفر ہوا؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 236

سے نفرت کرنا، گھبرا جانا، کفر کرنا اور ناگواری کرنا۔ مؤرج نے کہا: اس کا معنی ہے انکار کرنا۔ اشمئزاز کا اصل معنی نفور اور ازورار ہے یعنی نفرت کرنا اور ناپسند کرنا۔

عمرو بن کلثوم نے کہا:

إذا عض الثقاف بها اشمأزت ... وولتهم عشوزنة زبونا

ابو زید نے کہا: اشمأز الرجل کا معنی ہے وہ خوف سے گھبرا گیا۔ مشرکوں سے جب کہا جاتا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور کفر کرتے۔

وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۝ یعنی جب بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چہروں سے خوشی اور مسرت عیاں ہوتی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝ وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۝ وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝

"آپ عرض کیجیے: اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! اے جاننے والے غیب اور شہادت کے! تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا ان میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کریں اسے برے عذاب کے عوض قیامت کے دن اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔"

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادیٰ ہے اور مضاف ہے اسی طرح عٰلِمَ الْغَيْبِ بھی ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس کا صفت ہونا جائز نہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی کریم ﷺ کس چیز سے نماز کا آغاز کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ رات کو اٹھتے تو نماز کا آغاز ان الفاظ سے کرتے اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اے اللہ! جبرائیل، میکائیل واسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا

کرنے والے! اے غیب و شہادت کو جاننے والے! تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا جو جھوٹ بولیں اور شرک کریں اگر وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب فدیہ دے دیں۔ یہ بحث سورۂ آل عمران اور سورۃ الرعد میں گزر چکی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ اسی معنی میں دو روایت کی گئی ہے جسے منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے: انہوں نے اپنے اعمال کیے انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ نیکیاں ہیں جبکہ وہ برائیاں تھیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اپنے اعمال کیے انہوں نے گمان کیا تھا کہ وہ موت سے قبل اس برے عمل سے توبہ کرلیں گے تو توبہ کرنے سے پہلے موت نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا جبکہ وہ گمان کیا کرتے تھے کہ وہ توبہ سے نجات پا جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے یہ وہم کیا تھا کہ انہیں توبہ کے بغیر ہی بخش دیا جائے گا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ ظاہر ہوا جس کا وہ گمان نہیں رکھتے تھے یعنی انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

سفیان ثوری نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے، ریاکاروں کے لیے ہلاکت ہے یہ ان کی آیت اور ان کا قصہ ہے۔ عکرمہ بن عمار نے کہا: محمد بن منکدر نے موت کے وقت بڑی جزع فزع کی آپ سے کہا گیا: یہ جزع فزع کیسی ہے؟ کہا: میں اللہ تعالیٰ کی ایک آیت سے ڈرتا ہوں وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ میں ڈرتا ہوں کہ میرے لیے وہ چیز ظاہر ہو جس کا میں گمان نہیں رکھتا تھا۔ ان کے لیے کفر و معاصی کا عقاب ظاہر ہوا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کا احاطہ کرلیا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

"پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی طرف سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (و فضل) کے باعث (اے نادان یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کہی تھی یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال و دولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس جو برے کام انہوں نے کیے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب

اپنی بداعمالیوں کی سزا حقیقی ہوگی اور یہ عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے"۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت حذیفہ بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ قتادہ نے کہا: علی علم یعنی میرے نزدیک کمائی کی جو صورتیں تھیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ علی علم کا معنی ہے (1) اس خیر کی وجہ سے جو میرے پاس تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علی علم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس علم کی بنا پر جو میری فضیلت کے بارے میں موجود تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: علی علم کا معنی ہے اس علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ مجھے علم تھا کہ جب دنیا میں عطا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا مقام و مرتبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ یہ آزمائش ہے یعنی جو نعمتیں تجھے دی گئی ہیں وہ آزمائش ہیں جس کے ساتھ تجھے آزمایا جائے گا۔ فراء نے کہا: یہاں ھی ضمیر مونث ذکر کی گئی ہے کیونکہ فتنہ کا لفظ مونث ہے اگر یہ ھو فتنۃ ہوتا تب بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بل أعطیتہ فتنۃ بلکہ اسے جو میں نے عطا کیا ہے وہ آزمائش ہے۔

قَدْ قَالَهَا ھا ضمیر اس لیے ذکر کی کیونکہ کلمہ مونث ہے الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس سے مراد کفار ہیں جس طرح قارون وغیرہ جب اس نے یہ کہا تھا: اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (القصص: 78)

فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝ ما نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کی اولاد اور اموال نے کچھ نفع نہ دیا ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہام ہے ان کے اموال نے انہیں کس چیز کا نفع دیا۔ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا یعنی ان کے اعمال کی برائیوں کی جزا۔ سیئہ کی جزا کو بھی سیئہ کہتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یعنی جنہوں نے اس امت میں شرک کیا تو انہیں جوک اور تلوار کی صورت میں اعمال کی سزا ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں نہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپید پائیں گے اور نہ ہی ان کے رب تعالیٰ نے انہیں ناپید پایا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝ مومن کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ وہی آیات میں تدبر کرتا ہے اور ان سے نفع حاصل کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی وسعت بعض اوقات غلبہ تدبیر اور اسے دراز ہوا کرتا ہے اور اس میں کمی رفعت اور عظمت شان ہوا کرتی ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝ وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝ وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 134

رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾

"آپ فرمائیے: اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بیشک وہی بہت بخشنے والا ہے، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور سچے دل سے لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرِ تسلیم خم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو اس عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔ اس وقت کوئی شخص یہ کہنے لگے: صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو تمسخر اڑانے والوں سے تھا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے۔ یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے: کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔ ہاں ہاں آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا اور گھمنڈ کرتا رہا اور تو کافر گروہوں میں سے تھا"۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اگر تو چاہے تو یا کو حذف کر دے کیونکہ ندا کی حذف کا موقع ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں نمایاں ترین وہ روایت ہے جسے محمد بن اسحاق نے نافع سے وہ حضرت ابن عمر سے اور وہ حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں (1): جب ہم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو میں، ہشام بن عاص بن وائل سہمی اور عیاش بن ابی ربیعہ بن عتبہ نے عہد و پیمان کیا کہا: ہمارے اکٹھے ہونے کی جگہ بنو غفار کا کنواں ہے ہم نے کہا: جو ہم سے پیچھے رہ گیا تو وہ محبوس سمجھا جائے گا تو اس کا ساتھی اپنا سفر جاری رکھے میں اور عیاش بن عتبہ پہنچ گئے اور ہشام کو ہم سے روک لیا گیا اسے آزمائش میں ڈالا گیا پس وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔ ہم مدینہ میں کہا کرتے تھے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اللہ کے رسول پر ایمان لائے پھر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا جو انہیں لاحق ہوئی ہم ان کے لیے کوئی توبہ نہیں دیکھتے وہ اپنے دلوں میں بھی یہی تصور کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ نازل فرمایا: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 192

يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت کو لکھا پھر اسے ہشام کی طرف بھیج دیا ہشام نے کہا: جب خط میرے پاس پہنچا تو میں اسے لے کر ذی طویٰ کی طرف نکلا میں نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی سمجھ عطا فرما دے تو میں پہچان گیا کہ یہ آیت میرے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے میں لوٹا اپنے اونٹ پر بیٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے تو بہت زیادہ قتل کیے انہوں نے بدکاری کی تو بہت زیادہ بدکاری کی (1) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا: جس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے کیا آپ ہمیں بتائیں گے کہ ہمارے لیے توبہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ امام بخاری نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے وہ سورۂ فرقان میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتا ہے کہ جس نے بتوں کی پوجا کی اور جس نے ایسے نفس کو قتل کیا جس کا قتل کرنا حرام تھا اسے نہیں بخشا جائے گا تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام قبول کریں جبکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبودوں کی عبادت کی اور ہم نے ایسے نفوس کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے عبادت کے معاملہ میں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور انہیں خوف تھا کہ ان کی توبہ ان گناہوں کی وجہ سے قبول نہ ہو گی جو دور جاہلیت میں ان سے ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عطا نے کہا: یہ آیت وحشی کے حق میں نازل ہوئی جس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اس نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اسلام قبول نہیں کرے گا۔ ابن جریج نے عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وحشی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے پناہ مانگنے کے لیے آیا ہوں مجھے پناہ دیجئے تا کہ میں اللہ کا کلام سنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں یہ پسند کرتا تھا کہ میں تجھے پناہ کے بغیر دیکھوں مگر جب تو پناہ چاہتے ہوئے آ گیا ہے تو تو میری پناہ میں ہے یہاں تک کہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے"۔ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، میں نے اس نفس کو قتل کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اور میں نے بدکاری کی کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل فرمائی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الزمر، جلد 2، صفحہ 710

اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ (الفرقان: 68) رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اس نے عرض کی: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں ممکن ہے میں کوئی نیک عمل نہ کر سکوں میں آپ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: 48) رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور اس پر آیت کی تلاوت کی اس نے عرض کی: ممکن ہے میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں وہ نہ چاہے میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنوں تو یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: 53) اس نے عرض کی: اب میں کوئی شرط نہیں دیکھتا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

حماد بن سلمہ نے ثابت سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت اسماء بنت یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اسے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ غفور رحیم ہے[1]۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا لِمَنْ یَّشَآءُ۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ دونوں قراءتیں تفسیر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی پہچان کرا دی ہے جن کو وہ بخشنا چاہتا ہے وہ توبہ کرنے والا ہے یا جس نے گناہ صغیرہ کیا اور اس کا گناہ کبیرہ نہ تھا اور اس پر اعتماد کی کہ وہ مابعد کلام سے تائب ہونے کا ارادہ کرتا ہے وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ تائب کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طہٰ: 82) یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت سے بڑھ کر کوئی وسعت والی آیت نہیں قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یہ بحث سورۂ سبحان (الاسراء) میں گزر چکی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا رد کیا ہے اور کہا: قرآن حکیم میں سب سے امید والی آیت وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (الرعد: 6) ہے سورۃ الرعد میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے، سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ یعنی اطاعت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آؤ جب اس امر کی وضاحت کی کہ جس نے شرک سے توبہ کی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے تو اب اس کی بارگاہ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔ انابہ کا معنی ہے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔

وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ اس کے سامنے خضوع کا اظہار کرو اور اس کی اطاعت کرو۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ قبل اس کے کہ دنیا میں عذاب آ جائے ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ پھر تمہیں اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھا جائے گا۔ حضرت جابر بن زید سے

1۔ جامع الترمذی، باب ومن سورۃ الزمر، حدیث نمبر 3161، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من السعادۃ ان یطیل اللہ عمر المرء فی الطاعۃ ویرزقہ الانابۃ وان من الشقاوۃ ان یعمل المرء ویعجب بعملہ (1) یہ سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انسان کی عمر لمبا کرے اور اسے انابت (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع) کی توفیق دے اور شقاوت میں سے یہ بھی ہے کہ انسان عمل کرے اور اپنے عمل پر عجب کا اظہار کرے۔

وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ ، اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اور یہ سب کا سب حسن ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اس کی اطاعت کو لازم پکڑو اور اس کی معصیت سے اجتناب کرو (2)۔ سدی نے کہا: احسن سے مراد وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد محکمات ہیں اور متشابہ کا علم اس کے عالم کے سپرد کر دو۔ کہا: اللہ تعالیٰ نے کئی کتابیں نازل کیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن حکیم نازل کیا اور اس کی اتباع کا حکم دیا، یہی احسن ہے اور وہ معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ احسن ہے کیونکہ یہ تمام کتابوں کے لیے ناسخ ہے اور ان پر غالب ہے تمام کتابیں منسوخ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عفو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عفو اور قصاص میں اختیار دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو جس کا علم دیا بخلاف قرآن حکیم کے یہی وہ احسن ہے اور جو قرآن آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے وہ احسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سابقہ امتوں کی جو خبریں نازل کی ہیں وہ احسن ہیں۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰى ، یہ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے کراھۃ ان تقول۔ کوفیوں کے نزدیک یہ تقدیر ہے: لئلا تقول۔ بصریوں کے نزدیک حذر ان تقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے: ان تقول نفس کیونکہ اس نفوس میں سے بعض نفوس ہیں وہ کافر کا نفس ہے۔ یہ جائز ہے اس سے مراد وہ نفس ہو جو نفوس میں سے ممتاز ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کفر میں شدید تھا کفر کرتا ہے یا اسے عظیم عقاب دیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد کثرت ہو، جس طرح اعشیٰ نے کہا:

وَرُبَّ بَقِیعٍ لَوْ هَتَفْتُ بِجَوِّهِ أَتَانِی كَرِیمٌ یَنْفُضُ الرَّأْسَ مُغْضَبًا (3)

یہاں کریم سے مراد معززین کی جماعت ہیں یہاں ایک کریم مراد نہیں جس طرح یہ ہے رب بلد قطعت، رب بطل قارعت ان دو مثالوں میں بھی کثرت کا ہی ارادہ ہے یا حسرتا اصل میں یا حسرتی تھا یاء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یہ حرف خفیف ہے اور آواز کو لمبا کرنے کے ساتھ استغاثہ میں زیادہ موثر ہے بعض اوقات اس کے آخر میں ھاء لاحق کر دیتے تھے۔ فراء نے شعر پڑھا ہے:

یا مرحباہ بحمار ناجیۃ اذا اتی قربتہ للسانیۃ

کبھی شعرا میں مرحباہ ہے۔

بعض اوقات وہ الف کے بعد یاء کو لاحق کر دیتے ہیں تاکہ وہ اضافت پر دلالت کرے۔ ابو جعفر نے بھی اسے اسی طرح

1۔ شعب الایمان، بیہقی، حدیث نمبر 10589 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 398 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 138

پڑھا ہے یا حسرتٰی۔ حسرت سے مراد شرمندگی ہے۔

عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ حضرت حسن بصری نے کہا: فی جنب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اللہ عزوجل کے ذکر میں کمی یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنا۔

ابو عبیدہ نے کہا: فی جنب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثواب میں۔ فراء نے کہا: جنب سے مراد قرب اور پڑوس ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان یعیش فی جنب فلان یعنی فلاں، فلاں کے پڑوس یا پناہ میں رہتا ہے اسی سے الصاحب بالجنب ہے یعنی میں نے اس کے جوار اور قرب کی طلب میں یعنی جنت کی طلب میں کوتاہی کی ہے۔ زجاج نے کہا: یعنی میں نے اس راستہ میں کوتاہی کی جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت دی۔ عرب کسی شے کی طرف جانے والے راستہ کو جنب کہتے ہیں تو کہتا ہے: تجرعت فی جنبک غصصا یہاں فی جنب کا معنی تیرے لیے تیرے سبب سے وہ تیری رضا کی خاطر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی جنب اللہ سے مراد ہے اس جانب میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی طرف لے جاتی ہے عرب جانب کو جنب کہتے ہیں۔

شاعر نے کہا:

الناس جنب والامیر جنب

یعنی لوگ ایک جانب میں ہیں اور امیر دوسری جانب میں ہے۔

ابن عرفہ نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ترک کر دیا یہ کہا جاتا ہے ما فعلت ذلک فی جنب حاجتی۔ یعنی میں نے یہ کام اپنی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا۔ کثیر نے کہا:

الا تتقین اللہ فی جنب عاشق (2)

کیا تو عاشق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی۔

مجاہد نے بھی اسی طرح کہا: یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کا امر ضائع کر دیا (3)۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: "کوئی آدمی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا، نہ چلنے والی جگہ چلا اور نہ کسی بستر پر لیٹا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا مگر قیامت کے روز وہ اس پر حسرت میں ہوگا"۔ ابو داؤد نے اس معنی کی روایت نقل کی ہے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: قیامت کے روز حسرتوں میں سے ایک یہ ہو گی کہ انسان اپنے اس مال کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا تھا قیامت کے روز غیر کے میزان میں دیکھے گا جس کا وہ وارث بنا تھا اور اس میں حق کے مطابق عمل کیا تو عمل کرنے والے کے لیے اجر ہوگا اور دوسرے پر بوجھ ہوگا۔ اور حسرتوں میں سے ایک حسرت یہ بھی ہوگی کہ ایک بندہ اپنے غلام کو دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عطا کیا تھا وہ مقام و مرتبہ میں اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا یا ایک آدمی کو دیکھے گا جسے وہ دنیا میں نابینا جانتا تھا اب قیامت کے روز وہ بینا ہے اور وہ خود نابینا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ۝ یعنی تو نہیں ہے مگر دنیا میں قرآن، رسول اور اللہ کے اولیاء سے استہزاء کرنے والوں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 398
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 137
3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 296

میں سے (1)۔ قتادہ نے کہا: یعنی اس کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضائع کیا یہاں تک کہ اس نے اطاعت گزاروں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اِنْ كُنْتُ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے گویا کہا: میں نے کوتاہی کی جبکہ میں مذاق کرنے والا تھا یعنی میں نے مذاق اڑانے کی حالت میں کوتاہی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نہیں تھا مگر مذاق، کھیل اور باطل میں یعنی میری سب کاوش غیر اللہ کی عبادت میں تھی۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ یا یہ نفس کہے گا: کاش! اللہ تعالیٰ میری راہنمائی اپنے دین کی طرف کرتا تو میں شرک اور معاصی سے بچنے والوں میں سے ہوتا یہ قول "اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں ہدایت یافتہ ہو جاتا" جو قول ہے یہ مشرکین کے اس استدلال کے قریب ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں دی ہے: سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا (الانعام: 148) یہ کلمہ حق ہے جس کے ساتھ باطل کا ارادہ کیا گیا جس طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ایک خارجی نے کہا: لاحکم الا للہ۔

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ یعنی جب وہی نفس عذاب دیکھے گا تو وہ کہے گا: کاش! میرے لیے دوبارہ لوٹنا ہو۔ فاکون تمنی کے جواب کے طور پر منصوب ہے اگر تو چاہے تو یہ کرۃ پر معطوف ہو کیونکہ اس کا معنی ہے لان اکر جس طرح شاعر نے کہا:

لَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَتَقَرَّ عَيْنِيْ   اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوْفِ

فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَمَا لَكَ مِنْهَا غَيْرُ ذِكْرَى وَخَشْيَةٍ   وَتَسْاَلَ عَنْ رُكْبَانِهَا اَيْنَ يَمَّمُوْا (2)

یہاں وتسأل کو نصب تذکری کے محل کی وجہ سے ہے کیونکہ کلام کا معنی ہے فما لک منہا الا ان تذکر یہی صورت حال للبس عباءۃ وتقر میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے لان البس عباءۃ و تقر۔ ابو صالح نے کہا: بنی اسرائیل کے ایک عالم نے رقعہ پایا کہ ایک آدمی طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جہنمی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے؛ ایک آدمی طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں عمل پیرا رہتا ہے پھر وہ اپنے حق میں اپنے عمل کا اختتام جنتی کے عمل سے کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اس نے کہا: میں کس وجہ سے اپنے آپ کو تھکاؤں اس نے عمل ترک کر دیا اور فسق و معصیت میں شروع ہو گیا ابلیس نے اسے کہا: تیری عمر طویل ہے تو دنیا سے لطف اندوز ہوتے پھر توبہ کر لینا وہ فسق میں شروع ہو گیا اور اپنا مال فجور میں خرچ کرنے لگا موت کا فرشتہ اس کے پاس اس حالت میں آیا جبکہ وہ لذیذ ترین عمل میں معروف تھا تو اس نے کہا: ہائے میرا افسوس! جو میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی میری عمر شیطان کی اطاعت میں گزر گئی اس نے اس وقت شرمندگی کا اظہار کیا جس وقت شرمندگی اسے نفع دینے والی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر قرآن میں نازل کی۔ قتادہ نے کہا: اس کی کئی صنفیں ہیں ان میں سے ایک صنف نے کہا: يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 133
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 538

ساتھ نجات دے گا، نہ انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا، اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ آپ فرمایئے: اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں"۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ان کا یہ حال اس وجہ سے ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی نے گھیر رکھا ہے۔ اخفش نے کہا: تَرَى وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ میں عامل نہیں کیونکہ وہ مبتدا اور خبر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تَرَى سے مراد رویۃ بصر لیا جائے تو یہ جملہ حال ہوگا اگر رویۃ قلب مراد ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہوگا(1)۔

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۞ رسول اللہ ﷺ نے کبر کے معنی کی وضاحت کی فرمایا: سفه الحق وغمص الناس حق کی ناقدری کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کی حقارت بیان کرنا۔ سورۂ بقرہ اور دوسری آیات میں یہ بحث گزر چکی ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: یحشر المتکبرون یوم القیامة کالذر یلحقهم الصغار حتى یؤتى بهم إلى سجن جهنم متکبروں کو قیامت کے روز کیڑیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا انہیں حقارت لاحق ہوگی یہاں تک کہ انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا(2)۔

وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا اسے يُنْجِي بھی پڑھا گیا ہے یعنی جو شرک اور گناہوں سے بچتے رہے بِمَفَازَتِهِمْ مفازۃ کا واحد کا صیغہ ہے عام قراءت یہی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ کوفیوں نے بمفازاتهم پڑھا ہے(3)۔ یہ جائز ہے جس طرح تو کہتا ہے بسعاداتهم اس آیت کی تفسیر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: "اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اس کا عمل بھی اٹھائے گا مومن کا عمل اس کے ساتھ خوبصورت ترین اور عمدہ ترین خوشبو کے ساتھ ہوگا جب کبھی بھی رعب یا خوف ہوگا تو وہ اس آدمی کو کہے گا: تو خوفزدہ نہ ہو تو اس سے مراد نہیں اور نہ ہی تو اس سے مقصود ہے، جب یہ بات کافی دفعہ ہو چکی ہوگی تو وہ کہے گا: تو کتنا ہی خوبصورت ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: تو مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا نیک عمل ہوں تو نے میرے بوجھل ہونے کے باوجود اٹھائے رکھا اللہ کی قسم! اب میں تجھے اٹھاؤں گا اور تیرا دفاع کروں گا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞۔

وکیل سے مراد نگہبان اور امور چلانے والا ہے یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اس کا واحد مقلید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا واحد مقلاد ہے اکثر اس میں اقلید استعمال ہوتا ہے۔ مقالید سے مراد چابیاں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: آسمان کے خزانوں سے مراد بارش ہے اور

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 140

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث نمبر 2418، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 539

زمین کے خزانوں سے مراد نباتات ہیں اس میں یک اور لغت اقلید ہے اسی تعبیر کی بنا پر اس کی واحد اقلید ہے۔ جوہری نے کہا: اقلید سے مراد چابی ہے مقلد کا معنی بھی چابی ہے جس طرح منجل ہے بعض اوقات اس کے ساتھ گھاس کو باندھا جاتا ہے جس طرح قت (صحرائی بوٹی) کو باندھا جاتا ہے جب اس سے رسی بنائی جائے اس کی جمع مقالید ہے اقلد البحر على خلق كثير یعنی سمندر نے انہیں غرق کر دیا گویا اس نے ان پر دروازہ بند کر دیا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا (1) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی نے بھی مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا، لا إله إلا الله، والله أكبر، وسبحان الله وبحمده، وأستغفر الله، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، هو الأول والآخر والظاهر والباطن يحيي ويميت بيده الخير وهو على كل شيء قدير" (2)

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا: "جس نے صبح اور شام کے وقت دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) اس کی ابلیس سے حفاظت کرے گا (2) بارہ ہزار فرشتے اس کے پاس حاضر ہوں گے (3) اسے ایک قنطار اجر دیا جائے گا (4) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا (5) اللہ تعالیٰ حور عین سے اس کی شادی کرے گا (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا جتنا اجر اس آدمی کو ملے گا جس نے قرآن، تورات، انجیل اور زبور پڑھی ہوں اس کے لیے مزید اس آدمی جیسا اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا ہوگا جس کا حج اور عمرہ قبول ہوگا اگر وہ اس رات فوت ہو جائے تو وہ شہید کی موت مرے گا"۔

حارث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مقالید کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا فرمایا: "اے علی! تو نے عظیم مقالید کے بارے میں سوال کیا (3) جب تو صبح کرے یا شام کرے تو تو کہے: لا إله إلا الله، والله أكبر، سبحان الله، والحمد لله، أستغفر الله ولا حول ولا قوة إلا بالله الأول والآخر والظاهر والباطن له الملك وله الحمد بيده الخير وهو على كل شيء قدير جس نے صبح کے وقت انہیں دس بار کہا اور جس نے شام کے وقت دس بار کہا اللہ تعالیٰ اسے چھ انعامات سے نوازے گا (1) شیطان اور اس کے لشکروں سے اسے محفوظ رکھے گا انہیں اس پر کوئی غلبہ حاصل نہیں ہوگا (2) اسے جنت میں ایک قنطار دیا جائے گا جو ترازو میں احد پہاڑ سے بڑھ کر ہوگا (3) اس کا درجہ بلند کیا جائے گا جسے نیک لوگ ہی حاصل کریں گے (4) اللہ تعالیٰ اس کی شادی حور عین سے فرمائے گا (5) اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں جو ان کلمات کو ان کے حق میں "رق منشور" میں لکھتے ہیں اور قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دیں گے (6) اس کے لیے اتنا اجر ہوگا گویا اس نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کی قراءت کی ہے اور اس آدمی کی طرح اجر ہوگا جس نے حج اور عمرہ کیا جس کا حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اگر وہ اس دن، اس رات یا اس مہینے میں فوت ہو گیا تو وہ شہید کے طور پر لکھا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقالید سے مراد اطاعت ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ألقى إلى فلان بالمقاليد یعنی اس نے اسے جس بھی امر

---

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 539   2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 540   3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 140-41

کا حکم دیا اس میں اس نے اطاعت کی۔ آیت کا معنی یہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں جو کوئی ہے سب اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ آیات سے مراد قرآن، دلائل اور دلالات ہیں اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس امر کی دعوت دی جس پر وہ قائم تھے یعنی بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے انہوں نے کہا: یہ تیرے آباء کا دین ہے غیر پر نصب اعبد فعل کی وجہ سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اعبد غیر اللہ فیما تامروننی یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی بناء پر تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اسے نصب دے تقدیر کلام یہ ہوگی أتامرونی بغیر اللہ أعبده کیونکہ ان مقدرہ ہے اور ان اور فعل مصدر ہیں یہ غیر سے بدل ہے تقدیر کلام یہ ہے تامرونی بعبادۃ غیر اللہ۔

نافع نے تامرونی پڑھا ہے یعنی ایک نون مخففہ اور یاء کو فتحہ دیا ہے(1)۔ ابن عامر نے تامروننی یعنی اپنے اصل پر پڑھا ہے باقی قراء نے ایک نون مشددہ پڑھا ہے جس میں ادغام کا قاعدہ جاری ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ مصحف عثمانی میں اسی طرح ہے۔ نافع نے اسے دوسرے نون کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے محذوف دوسرا نون ہوگا کیونکہ تکرار اور ثقل اسی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ پہلے کا حذف جائز ہی نہیں کیونکہ وہ تو رفع کی علامت ہے۔ سورۃ الانعام میں اس کی وضاحت اتحاجونی میں گزر چکی ہے اَعْبُدُ اصل میں ان اعبد تھا جب ان کو حذف کر دیا گیا تو اسے رفع دیا گیا یہ کسائی کا قول ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَلَا أَيُّهٰذَا الزَّاجِرِي أَحْضُرُ الْوَغٰى

محل استدلال احضر الوغی ہے اصل میں ان احضر تھا۔ اس توجیہ کی صحیح دلیل اس کی قراءت ہے جس نے اسے اعبد منصوب پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۞

"اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے"۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لقد اوحی الیک لئن اشرکت و اوحی الی الذین من قبلک کذلک ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اپنے ظاہر پر ہے۔ مقاتل نے کہا: یعنی آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف توحید کی وحی کی گئی اور توحید محذوف ہے پھر فرمایا: لئن

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 540

اشراک کیا معنیٰ ہے اے محمد! ﷺ اگر آپ شرک کریں لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ شرک نہیں کرتے اور آپ سے شرک واقع نہیں ہوتا۔ احباط کا معنی باطل کرنا اور فاسد کرنا ہے۔ قشیری نے کہا: جس نے ارتداد کیا تو اس کو سابقہ اطاعتیں نفع نہ دیں گی لیکن ارتداد کے ساتھ اعمال کا برباد ہونا تقریر وفات کے ساتھ مشروط ہے اسی وجہ سے فرمایا: مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یہاں مطلق، مقید پر محمول ہے اسی وجہ سے ہم نے کہا: جس نے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس پر فرض حج کا اعادہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس پر حج واجب ہے اس پر گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ نحاس نے کہا: میری کتاب میں ابو اسحاق سے یہ تحریر ہے کہ لفظ اللہ اسم جلالت منصوب ہے جس کا عامل اعبد ہے اس مسئلہ میں بصریوں اور کوفیوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ نحاس نے کہا: فراء نے کہا: یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ مہدوی نے کسائی سے حکایت بیان کی ہے۔ جہاں تک زجاج کا تعلق ہے زجاج نے کہا: یہ مجازات کے لیے ہے۔ اخفش نے کہا: یہ زائدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَاعْبُدْ کا معنی فَوَحِّدْ ہے اس کی وحدانیت بیان کرو۔ دوسرے علماء نے کہا: بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور مشرکین کے برعکس اس کے انعامات کا شکر بجا لاؤ۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿67﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿68﴾

"اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا کہ بے ہوش نہ ہوں پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو وہ یکایک کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے"۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ مبرد نے کہا: انہیں اللہ تعالیٰ کی جس طرح عظمت بجا لانا تھی اس کی عظمت بجا نہ لائے یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان عظیم القدر نحاس نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر معنی ہوگا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی

عبادت کے ساتھ دوسرے معبودان باطلہ کی عبادت کی جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک اور خالق ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کا حق تعظیم نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور عظمت کا ذکر کیا: وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کی کہ وہ کسی عضو کے ساتھ ہو فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور مخلوقات کو ایک انگلی پر روکتا ہے پھر فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں (1) پھر فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام: 91) کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین کو قبض کرے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟" ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ کے بارے میں پوچھا کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس روز لوگ کہاں ہوں گے (2)؟ فرمایا: جہنم کے پل پر۔ ایک روایت میں ہے کہ "اے عائشہ! صراط پر" کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ ویقبض اللہ الارض سے مراد اس کی قدرت اور تمام مخلوقات کا احاطہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما فلان الا فی قبضتی وہ اس سے مراد لیتے ہیں اشیاء اس کی ملک اور قدرت میں ہیں بعض اوقات قبض اور طے کا معنی کسی شے کو فنا کرنا اور ختم کرنا ہوتا ہے وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد تمام زمین قیامت کے روز تباہ و برباد ہونے والی ہے۔ الارض سے مراد ساتوں زمینیں ہیں اس کی دو شہادتیں ہیں۔ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا کیونکہ یہ موقع تفخیم کا ہے اور وہ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سے مراد کسی کد و کاوش سے لپیٹنا نہیں اس سے مراد فنا اور تباہ ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: قد انطوی عنا ما کنا فیہ وجاءنا غیرہ، انطوی عنا دھر کا معنی ہے یعنی زمانہ ہم سے گزر گیا ہے۔ لفظ یمین کلام عرب میں کبھی قدرت اور ملک کے معنی میں ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء: 3) سے مراد ملک ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۝ (الحاقہ) یعنی ہم نے اس کی قوت اور قدرت گرفت میں لے لی۔ فراء اور مبرد نے کہا: یمین کا معنی قوت اور قدرت ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

اذا ما رایة رفعت لمجد　　تلقاها عرابة باليمين

جب بھی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا گیا تو عرابہ نے اسے قوت سے پکڑ لیا۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر سورۃ زمر، جلد 2، صفحہ 156۔ ایضاً حدیث نمبر 3162، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً صفحہ 157۔ ایضاً حدیث نمبر 3164، 3165، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایک اور شاعر نے کہا:

ولما رأيت الشمس أشرق نورها　　تناولت منها حاجتي بيمين

جب میں نے سورج کو دیکھا کہ اس کا نور روشن ہے تو میں نے اس سے اپنی حاجت کو بڑی قوت سے لے لیا۔

قتلت شنيفا ثم فاران بعده　　وكان على الآيات غير أمين

یہاں قیامت کو خصوصاً ذکر کیا اگرچہ اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے کیونکہ قیامت کے روز تمام دعوے ختم ہو جائیں گے جس طرح فرمایا: وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۝ (الانفطار: 19) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (الفاتحہ: 4) جس طرح سورۂ فاتحہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اسی وجہ سے حدیث طیبہ میں فرمایا: ثم يقول أنا الملك أين ملوك الأرض (1) پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں ہم نے "التذکرہ" میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث ثم يطوي الأرض بشماله میں شمال کے ذکر پر گفتگو کی ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ زمین کو قبض کرنے اور آسمان کو لپیٹنے کے درمیان صور پھونکا جائے گا یہ دو نفخے ہوں گے ان میں سے پہلے نفخہ کے موقع پر مخلوقات مر جائے گی اور دوسرے نفخہ کے موقع پر وہ زندہ ہوں گے۔ بحث سورۂ نمل اور انعام میں گزر چکی ہے۔ جو صور پھونکے گا وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ساتھ حضرت جبریل امین ہوں گے جس طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے: صور پھونکنے والوں کے ہاتھوں میں دو سینگ ہیں وہ نظر لگائے ہوئے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے(2)۔ اسے ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابو داؤد کی کتاب میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صور پھونکنے والے کا ذکر کیا اور کہا: اس کی دائیں جانب حضرت جبریل امین اور بائیں جانب حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں(3)۔

جو لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ شہداء ہوں گے جو عرش کے اردگرد اپنی تلواریں گلے میں لٹکائے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے جس کا ذکر قشیری نے کیا اور حضرت عبداللہ کی حدیث ہے جسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرات جبریل امین، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر: 68) تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! وہ کون لوگ ہیں جن کا استثنا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟ فرمایا: وہ حضرت جبریل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، یقبض اللہ الأرض، جلد 2، صفحہ 965

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، ذکر البعث، صفحہ 325

3۔ سنن ابی داؤد، حروف و قراءت... باب قراءات، جلد 2، صفحہ 199

اللہ تعالیٰ کے عدل اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لیے روشن ہوگی ظلم تاریکیاں ہیں اور عدل نور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نور پیدا کرے گا جو روئے زمین پر پڑے گا تو اس کی وجہ سے زمین روشن ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں جس نور کا ذکر ہے اس سے مراد سورج اور چاند کا نور نہیں ہے بلکہ ایسا نور ہے جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا جس کے ساتھ زمین روشن ہو جائے گی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے: اس روز زمین چاندی کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلے کے لیے جلوہ گر ہوگا اس صورت میں معنی ہوگا کہ زمین ایسے نور سے روشن ہوگی جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے نور کو اپنی ذات کے ساتھ مضاف کیا ہے جس طرح ملک کو مالک کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ ایسا دن ہے جس کی رات نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر نے اسے یوں پڑھا ہے واشرقت الارض جبکہ فعل مجہول ہے(1) یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہے یہاں کچھ لوگ گمراہ ہو گئے انہوں نے یہ وہم کیا کہ اللہ تعالیٰ نور کی جنس اور محسوس روشنی سے ہے جبکہ وہ محسوسات کی مشابہت سے بالا ہے جبکہ وہ آسمانوں اور زمین کو منور کرنے والا ہے خلق و انشاء کے اعتبار سے تمام نور اس کی طرف منسوب ہیں۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا اس حدیث مرفوع کی وضاحت کرتا ہے جو کئی صحیح سندوں سے مروی ہے: تنظرون الی اللہ عزوجل لا تضامون فی رؤیتہ(2) اسے چار انداز سے روایت کیا گیا ہے لا تضامون، لا تضارون، لا تضامّون، لا تضارّون۔ لا تضامون کا معنی ہے انہیں کوئی ظلم لاحق نہیں ہوگا جس طرح تمہیں دنیا میں لاحق ہوتا تھا جب بادشاہوں کو دیکھا جاتا اور لا تضارون تمہیں کوئی تکلیف لاحق نہ ہوگی لا تضامون۔ تم ایک دوسرے کو نہ ملو کے دیکھنے کے لیے کس سے پوچھو۔ لا تضارون تم میں سے بعض بعض کے مخالف نہ ہوں گے یہ جملہ کہا جاتا ہے: ضارّہ مضارۃ و ضرارا۔ یعنی اس کی مخالفت کی۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد کتاب اور وہ صحیفے ہیں جس میں انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں انسان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوتا ہے وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ انبیاء کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا وَ الشُّهَدَآءِ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے دوسری امتوں پر گواہی دیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ:143) ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ کس نے دین کا دفاع کیا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ کراماً کاتبین ہیں جو لوگوں کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 547

2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، رد مراتبہ سند، جلد 2، صفحہ 1108

گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ (ق) سائق اسے حساب کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور شہید اس پر گواہی دے گا اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان پر مقرر ہے جس کی وضاحت سورۂ قاف میں آچکی ہے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ حق سے مراد سچائی اور عدل ہے وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور ان کی برائیوں پر اضافہ نہ کیا جائے گا۔ ماعملت سے مراد خیر یا شر ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ یعنی وہ دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اسے کسی کتاب اور شاہد کی کوئی ضرورت نہیں اس کے باوجود اتمام حجت کے لیے کتابیں اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

"اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے جہنم کے پہرے دار: کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے، کہیں گے: بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا لوح محفوظ میں عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا: داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے پس کتنا برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا"۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا یہ اس امر کی وضاحت ہے کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا کافر کو آگ کی طرف اور مومن کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ زُمَرًا کا معنی جماعتیں ہیں اس کا واحد زمرۃ ہے جس طرح ظلمۃ اور غرفۃ ہے۔ اخفش اور ابو عبیدہ نے کہا: زمر کا معنی متفرق جماعتیں ہیں جن میں سے بعض بعض کے پیچھے ہوتی ہیں شاعر نے کہا:

وَتَرَى النَّاسَ إِلَى مَنْزِلِهِ زُمَرًا تَنْتَابُهُ بَعْدَ زُمَرْ

تو دیکھے گا لوگ اس کے گھر کی طرف جماعتوں کی صورت میں پے در پے آتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حَتَّى احْزَأَلَّتْ زُمَرٌ بَعْدَ زُمَرْ

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ زمر کا معنی ہے آواز کے ساتھ اسے دور کرنا اور جھڑکنا جس طرح مزمار کی آواز ہوتی ہے۔ فتحت ابوابها یہ اذا کا جواب ہے یہ کل سات دروازے ہیں سورۂ حجر میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

خَزَنَتُهَا اس کی واحد خازن ہے جس طرح سادن کی جمع سدنۃ ہوتی ہے یہ بات انہیں دھمکانے اور شرمندہ کرنے کے لیے ہوگی اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ سے مراد انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں وَیُنْذِرُوْنَكُمْ جو تمہیں خبردار کرتے تھے قَالُوْا بَلٰی یعنی انہوں نے کہا: تحقیق ہمارے پاس آچکی ہے یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے کہ ان کے خلاف دلیل قائم ہو چکی ہے وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۝ (السجدہ) انہیں کہا جائے گا: جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے دروازوں کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وہب نے کہا: جہنم کے داروغے آگ کے گرزوں کے ساتھ ان کا سامنا کریں گے اور اپنے گرزوں کے ساتھ انہیں دھکا دیں گے وہ ایک ہی دھکے کے ساتھ ربیعہ اور مضر کی تعداد کے برابر انہیں آگ میں پھینک دیں گے یہ متکبروں کا کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِيْنَ کے بارے میں بھی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ
اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"اور لے جایا جائے گا ان کو جو ڈرا کرتے تھے اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت کے محافظ: تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اور وہ (خوش بخت) کہیں گے: ساری تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس پاک زمین کا اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے اردگرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ اور فیصلہ کر دیا گیا ہو گا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا: سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے۔"

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا زمرا سے مراد گروہ در گروہ ہے، اور دوسرے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور اس کی اطاعت کے مطابق عمل کرتے رہے دونوں فریقوں کے بارے میں فرمایا: وَسِيْقَ یعنی ایک ہی لفظ ذکر کیا۔ جہنمیوں کو ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں رسوائی اور ذلت کے ساتھ دھتکارا جائے گا جس طرح قیدیوں اور سلطان کے خلاف خروج کرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جب انہیں قید کرنے کے لیے اور قتل کرنے کے لیے ہانکا جاتا ہے اور جنتیوں کو

ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سواریوں کو کرامت اور رضوان کے گھر کی طرف لے جایا جاتا ہے کیونکہ انہیں سوار کر کے ہی لے جایا جاتا ہے جس طرح اس آدمی کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے جس کی عزت و تکریم مقصود ہو جس طرح بادشاہوں کی خدمت میں جب وفود کو پیش کیا جاتا ہے دونوں طرح کے لے جانے میں کتنا فرق ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ یہاں عطف کے لیے ہے جملے کا عطف جملہ پر ہے جواب محذوف ہے۔ مبرد نے کہا: وہ سعادت مند ہوئے اور جنت کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے۔ کلام عرب میں جواب کا حذف بلیغ ہے:

فَلَوْ أَنَّهَا نَفْسٌ تَمُوْتُ جَمِيْعَةً ... وَلٰكِنَّهَا نَفْسٌ تَسَاقَطُ أَنْفُسَا

کاش وہ ایسا نفس ہوتا جو ایک ہی بار نکل جاتا لیکن وہ ایسا نفس ہے جو کئی نفسوں کی طرح نکلتا ہے۔

یہاں لو کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے لکان اروح۔ زجاج نے کہا: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا کا معنی ہے وہ اس میں داخل ہوئے۔ یہ پہلے معنی کے قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ زائدہ ہے؛ یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے جبکہ بصریوں کے نزدیک یہ غلط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: واؤ کی زیادتی اس امر پر دلیل ہے کہ دروازے ان کے آنے سے پہلے ہی کھول دیئے جاتے ہیں مقصود ان کی تعظیم ہے تقدیر کلام یہ ہے حتی اذا جاءوها وابوابها مفتحة اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (ص) اہل نار کے قصہ میں واؤ حذف ہے کیونکہ وہ جہنم کے پاس کھڑے رہے اور ان کے کھڑے رہنے کے بعد دروازے کھولے گئے مقصود انہیں ذلیل و رسوا کرنا ہے اور انہیں خوف زدہ کرنا تھا؛ مہدوی نے یہ ذکر کیا ہے یہی معنی نحاس نے بھی اس سے قبل بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: دوسرے سوق میں واؤ کو ذکر کیا اور پہلے سوق میں واؤ ذکر نہیں کی گئی اس بارے میں کچھ علماء نے ایسی گفتگو کی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں کسی اور اہل علم نے اس سے پہلے گفتگو کی ہو وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اس کلام کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ وہ بند تھے اور جب جنتیوں کے بارے میں فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اس کے ساتھ اس امر پر دلالت ہے کہ یہ واؤ ثمانیہ ہے کیونکہ قریش کی عادت تھی وہ ایک سے گنتی شروع کرتے وہ کہتے پانچ، چھ، سات اور آٹھ۔ جب وہ سات پر پہنچتے تو کہتے اور آٹھ؛ یہ ابوبکر بن عیاش کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ (الحاقہ: 7) فرمایا: اَلتَّآىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ (التوبہ: 112) پھر آٹھویں صفت کے بارے میں فرمایا: وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ: 112) فرمایا: وَ یَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ (الکہف: 22) فرمایا: ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا (التحریم) سورہ براءۃ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے اور سورہ کہف میں بھی گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: جس نے یہ کہا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس نے اس سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما منكم من احد يتوضأ فيبلغ او فيسبغ الوضوء(1) پھر کہا اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله الا فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايها

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، مذکر مستحب، جلد 1، صفحہ 122

شہادت پھر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس سے چاہے وہ اس میں داخل ہو اسے امام مسلم اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس میں کہا: فتح له ابواب الجنة ثمانية ابواب يوم القيامة (1) اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یعنی قیامت کے روز آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس میں من زائد ہے یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے زیادہ ہیں ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے اس کی تعداد تیرہ ہے ہم نے وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دروازے کتنے بڑے اور کتنے وسیع ہیں جس طرح حدیث میں یہ وارد ہوا جو آدمی اس کا ارادہ کرے تو وہاں سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ واو صلہ ہے تقدیر کلام اس کی یہ ہے حَتّٰى إِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا تم پر سلامتی ہو تم دنیا میں پاکیزہ رہے۔ مجاہد نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نیک عمل کرتے رہے۔ مقاتل نے یہ بیان کیا ہے جبکہ معنی ایک ہی ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے جہنم کے پل کو طے کر لیا تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیا گیا تو ان کے ایک دوسرے پر دنیا میں جو مظالم تھے ان کا قصاص لیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ مہذب ہو گئے اور ان کو پاکیزہ بنا دیا گیا تو رضوان اور ان کے ساتھیوں نے کہا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یہاں سلام تحیہ کے معنی میں ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے قنطرہ والی اس حدیث کو اپنی جامع میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن آگ جہنم سے چھٹکارا پائیں گے تو انہیں جہنم اور جنت کے درمیان پل پر روک لیا جائے گا تو ان کے ایک دوسرے پر مظالم کا قصاص لیا جائے گا جو مظالم ان کے درمیان دنیا میں ہوتے تھے یہاں تک کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی اس ذات کی قسم جس کی قدرت میں محمد کی جان ہے! ان میں سے ہر کوئی جنت میں اپنے گھر کی طرف جانے میں زیادہ ہدایت یافتہ ہو گا جتنا وہ دنیا میں اپنے گھر کی طرف جانے میں ہدایت یافتہ ہو گا'' (3)۔

مقاتل نے بیان کیا: جنت کے دروازے پر ایک درخت ہے اس کے تنے سے دو چشمے نکلتے ہیں مومن ان میں سے ایک سے وضو کریں گے تو ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے (4) یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (دہر) پھر دوسرے چشمے سے وہ غسل کریں گے اس سے ان کے چہرے پاکیزہ ہو جائیں گے اسی موقع پر جنت کے داروغے ان سے

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، ما یقال بعد الوضوء، جلد 1، صفحہ 9۔ ایضاً حدیث نمبر 50، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 138

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، قصاص یوم القیامۃ، جلد 2، صفحہ 967

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 139

# سورۂ غافر

آیاتہا 85 | سورۃ المؤمن مکیۃ | رکوعاتہا 9

یہ سورۂ مومن ہے اسے سورۂ طول بھی کہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور حضرت جابر نے کہا: یہ سورت مکی ہے(1)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے کہا: مگر اس کی دو آیتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں: اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اور اس کے بعد والی آیت ہے۔ وہ پچاسی آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیاسی آیات ہیں۔ مسند دارمی میں ہے کہ جعفر بن عون، مسعر سے وہ سعد بن ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں: حوامیم کو عرائس کا نام دیا جاتا ہے یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں حم ہے انہیں قرآن کی دلہنیں کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحوامیم دیباج القرآن حم سورتیں قرآن کی دیباج ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ جوہری اور ابو عبیدہ نے کہا: آل حم قرآن کی سورتیں ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آل حم سورتیں قرآن کا دیباج ہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے آل فلان، آل فلان گویا تمام سورتیں حم کی طرف منسوب ہیں:

کمیت نے کہا:

وَجَدْنَا لَكُمْ فِيْ آلِ حَامِيْمَ آيَةً

ہم نے تمہارے لیے آل حمیم میں ایک آیت پائی۔

ابو عبیدہ نے کہا: اموی نے 'س' سے زاء کے ساتھ روایت کیا ہے، ابو عمرو اسے راء کے ساتھ روایت کرتا تھا۔ عام لوگوں کا قول ہے: الحوامیم، کلام عرب میں سے نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: الحوامیم قرآن میں سورتیں ہیں جن میں قیاس جاری نہیں ہوتا اور یہ مصرعہ پڑھا:

وبالحواميم اللتي قد سُبِّعَتْ

کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کی جمع ذوات حم سے بیان کی جائے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر شے کا مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حم سورتیں ہیں، یہ خوبصورت باغ ہیں، سرسبز و شاداب ہیں، قریب ہیں جو یہ پسند کرے کہ جنت کے باغوں میں چرے پھرے تو وہ حم سورتوں کو پڑھے" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قرآن میں حم سورتیں اس طرح ہیں جس طرح کپڑوں میں دھاری دار چادریں ہوتی ہیں"(2)۔ دونوں کا ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: حجاج بن محمد نے ابو معشر سے وہ محمد بن قیس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے خواب میں دیکھا

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 403
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 545

سات خوبصورت آراستہ لونڈیاں تھیں اس نے پوچھا: تم کس کے لیے ہو؟ اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے، تو انہوں نے جواب دیا: ہم اس کے لیے ہیں جو حم سورتوں کو پڑھتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ۝ مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَا یَغۡرُرۡکَ تَقَلُّبُہُمۡ فِی الۡبِلَادِ ۝

"حا میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ قبول فرمانے والا، سخت سزا دینے والا، فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ نہیں کوئی معبود اس کے سوا، اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ نہیں تنازع کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر، پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا بڑے کر و فر سے آنا جانا مختلف شہروں میں"۔

حٰمٓ ۝ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ عکرمہ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے یہ تیرے رب کے خزانوں کی چابیاں ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: حم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الر، حم اور ن یہ رحمٰن کے حروف ہیں جو الگ الگ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ سورتوں کے آغاز ہیں۔ عطا خراسانی نے کہا: حا اللہ تعالیٰ کے اسم حمید، حنان، حلیم اور حکیم کا آغاز ہے میم اس کے اسم ملک، مجید، منان، متکبر اور مصور کا آغاز ہے اس کے اوپر روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت انس نے روایت کی: ایک اعرابی نے پوچھا: حم کیا ہے؟ ہم اپنی زبان میں اس کا معنی نہیں پہچانتے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ اسماء کے آغاز اور سورتوں کے فواتح ہیں"۔ ضحاک اور کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہونا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا گویا حم کے ہجی کی طرف اشارہ کا ارادہ کیا کیونکہ یہ مفہوم ہوتا ہے جب حا اور میم کو متفرد پڑھا جائے حُمّ یعنی فیصلہ کیا گیا اور وہ واقع ہو گیا۔ کعب بن مالک نے کہا:

فلما تلاقیناهم ودارت بنا الرحی ولیس لأمر حمه الله مدفع[1]

جب ہم ان سے ملے اور مصائب کی چکی ہم پر گھومی، اللہ تعالیٰ جس امر کا قصد کرے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ حم امر اللہ کا معنی ہے اللہ کا امر قریب ہو گیا۔ جس طرح شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ابن عطیہ، جلد 5، صفحہ 141

قد حم    یومی    فسر    قوم

میرا دن قریب ہو گیا تو قوم خوش ہوئی۔

اسی معنی میں ہی (بمعنی) ہے کیونکہ یہ موت کے قریب کر دیتا ہے معنی مراد ہے اس کی مدد اس کے اولیاء کے قریب آ گئی اور اس کا انتقام اس کے دشمنوں کے قریب آ گیا جس طرح یوم بدر کو ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد حروف ہجاء ہیں۔ جرمی نے کہا: اسی وجہ سے اسے ساکن پڑھا جاتا ہے تو یہ حروف ہجی ہوئے جب اس کے ساتھ کسی شے کا نام رکھا جائے گا تو اسے اعراب دیا جائے گا تو کہے گا: قرأت حم تو اسے نصب دے گا۔

عیسیٰ بن عمر ثقفی نے حم میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس وقت اس کا معنی ہوگا: حم پڑھتا ہوں یا اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس پر زبر پڑھتے ہیں۔ ابن ابی اسحاق اور ابو سمال نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے امالہ اور کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے یا قسم کے طریقہ پر اسے مجرور پڑھا۔ ابو جعفر نے حا کو میم سے الگ کر کے پڑھا ہے باقی قراء نے وصل کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح حم عسق ہے۔ ابو عمرو، ابو بکر، حمزہ، کسائی، خلف اور ابن ذکوان نے دونوں میں امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو سے دو لفظوں کے درمیان مروی ہے، یہ نافع، ابو جعفر اور شیبہ کی قراءت ہے جبکہ باقی نے فتح کے ساتھ اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ یہ مبتدا ہے اور خبر مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تنزیل مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہے هذا تنزيل الكتاب یہ بھی جائز ہے کہ حم مبتدا ہو اور تنزیل اس کی خبر ہو اس کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا ہے منقول نہیں اور نہ ہی اس کو جھٹلانا جائز ہے۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ۔ فراء نے کہا: اسے معرفہ کی صفت کی طرح بنا دیا ہے جبکہ یہ نکرہ ہے۔ زجاج نے کہا: یہ بدل کے طور پر مجرور ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں کلام کی تحقیق اور تلخیص یہ ہے غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ میں جائز یہ ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اس شرط پر کہ اسم کے صیغے ماضی کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نعت ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مستقبل اور حال کے معنی میں ہوں تو یہ دونوں نکرہ ہوں گے، یہ جائز نہیں کہ اس کی تعبیر کی بناء پر نعت ہوں لیکن بدل ہونے کے اعتبار سے مجرور ہوں گے حال ہونے کی حیثیت سے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے جہاں تک شَدِيْدِ الْعِقَابِ کا تعلق ہے تو وہ نکرہ ہے اس کو بدل کی حیثیت سے مجرور پڑھنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اس کے لیے وہ غَافِرِ الذَّنْۢبِ (گناہوں کو بخشنے والا) ہے اور جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اس کے لیے قَابِلِ التَّوْبِ ہے اور جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں کہا اس کے لیے شَدِيْدِ الْعِقَابِ ہے۔

ثابت بنانی نے کہا: میں حضرت مصعب بن زبیر کے ایسے خیمہ میں ایسی جگہ تھا جہاں سے جانور نہیں گزرتے تھے میں نے کہا: حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ کو شروع کیا ایک آدمی میرے پاس سے ایک چوپائے پر سوار ہو کر گزرا جب میں نے غَافِرِ الذَّنْۢبِ پڑھا اس نے کہا: کہو یا غافر الذنب! اغفرلی ذنبی اے گناہوں کو بخشنے والے! مجھے بخش

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد اور قصد کیا ہر امت نے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کر لیں اور جھگڑتے رہے اس کے ساتھ باطل تاکہ مٹا دیں اس کے ذریعے حق کو، پس میں نے پکڑ لیا، پس کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ کفار پر وہ دوزخی ہیں۔ جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور جو عرش کے ارد گرد حلقہ زن ہیں، وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لیے کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو اپنی رحمت و علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچا لے انہیں عذاب جہنم سے۔ اے ہمارے رب! داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کو بھی جو نیک ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے، بے شک تو ہی سب سے زبردست اور حکمت والا ہے۔ اور بچا لے انہیں سزاؤں سے، اور جس کو تو بچا لے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر، اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی"۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ جماعت کے مؤنث ہونے کے اعتبار سے فعل مؤنث ذکر کیا یعنی كَذَّبَتِ الرُّسُلَ۔ وَالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی وہ قومیں جنہوں نے انبیاء کو جھٹلانے میں اجتماعیت کو اپنایا جس طرح قوم عاد اور قوم ثمود اور ان کے بعد جو قومیں ہوئیں۔

لِيَاْخُذُوْهُ یعنی نبی کو محبوس کر دیں اور اسے اذیت دیں۔ قتادہ اور سدی نے کہا: وہ اسے قتل کر دیں (1)۔ اخذ کا لفظ ہلاک کرنے کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ (الحج) عرب اسیر کو اخیذ کہتے ہیں کیونکہ وہ قتل کے لیے ماسور ہوتا ہے۔ قطرب نے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا:

فاما تاخذوني تقتلوني فكم من آخذ يهوى خلودي (2)

اگر تم مجھے پکڑ لو گے تو تم مجھے قتل کر دو گے اور کتنے ہی پکڑنے والے میری دائمی زندگی کو چاہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے رسول کو کب پکڑا (3) اس کے بارے میں دو قول ہیں: (1) جب اس رسول نے انہیں دعوت دی (2) جب ان پر عذاب نازل ہوا۔

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ یعنی اس کے ذریعے وہ حق کو زائل کر دیں۔ اسی معنی میں یہ لفظ بولا جاتا ہے مکان دحض ایسی جگہ جو پھسلاہٹ والی ہو۔ باطل کو داحض بھی کہتے ہیں، کیونکہ وہ پھسل جاتا ہے اور زائل ہو جاتا ہے ایک جگہ قرار نہیں پاتا۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: انہوں نے شرک کر کے انبیاء کے ساتھ مجادلہ کیا تاکہ اس کے ذریعے ایمان کو باطل کر دیں۔ انہیں عذاب نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 143　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 144

پکڑ لیا تو جھٹلانے والی قوموں کے لیے میرا عذاب کیسا تھا(1)، کہا: انہوں نے اسے حق نہیں پایا۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ یعنی واجب ہوگئی اور لازم ہوگئی یہ حق سے ماخوذ ہے کیونکہ حق بھی لازم ہوتا ہے كَلِمَتُ رَبِّكَ یہ عام قراءت ہے یعنی واحد کا صیغہ ہے۔ نافع اور ابن عامر نے اسے کلمات جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ اخفش نے کہا: اصل میں لانھم اور بانھم تھا۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ کو کسرہ دیتے ہوئے انھم پڑھا جائے اَصْحٰبُ النَّارِ یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا گفتگو مکمل ہوئی۔ پھر نئے سرے سے کلام شروع ہوئی اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ روایت کی جاتی ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے ایسے ہیں کہ ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑنے والے ہیں وہ سر جھکائے ہوئے ہیں وہ اپنی نظریں اٹھائے ہوئے نہیں وہ ملائکہ میں سے سب سے اشرف اور افضل ہیں(2)۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ صبح و شام حاملین عرش کو سلام پیش کریں مقصود تمام فرشتوں پر ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے عرش کو سبز موتی سے پیدا کیا ہے اس کے پایوں میں سے دو پایوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کو اسی ہزار سال لگتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کے اردگرد فرشتوں کی ستر ہزار صفیں ہیں جو عرش کا طواف کرتے ہیں وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہہ رہے ہوتے ہیں ان کے پیچھے ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں جو کھڑے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوتے ہیں وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ اکبر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہیں ان کے پیچھے ایک لاکھ صفیں ہیں جنہوں نے اپنے دائیں ہاتھ بائیں ہاتھوں پر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک ایسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے جن کے الفاظ کے ساتھ دوسرا تسبیح نہیں کر رہا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے العُرش پڑھا ہے۔ زمخشری نے ان تمام چیزوں کو ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے ذکر کے ساتھ متصل ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، کیونکہ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ کا معنی ہے وہ اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کفار کہتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مفسرین کے اقوال یہ ہیں کہ عرش ایک چارپائی ہے، ایک عظیم جسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے فرشتوں کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا اور ان پر لازم کیا کہ وہ عرش کی تعظیم بجا لائیں اور اس کا طواف کریں جس طرح زمین میں ایک گھر بنایا اور انسانوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور نماز میں قبلہ رو ہوں۔

ابن طہمان، موسیٰ بن عقبہ سے وہ محمد بن منکدر سے وہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے اجازت دی گئی ہے کہ حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا ذکر کروں کہ اس کے کانوں کی لوؤں سے لے کر اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہے(3)۔ یہ ثعلبی نے ذکر کیا سورۂ بقرہ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 144
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 52-151
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب الجہمیۃ، جلد 2، صفحہ 294

مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ سورۂ رعد میں اس آیت کی مثل گزر چکی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ایک آدمی جنت میں داخل ہوگا عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے باپ دادا اور میری ماں کہاں ہے؟ میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد اور میری بیویاں کہاں ہیں؟ تو کہا جائے گا: انہوں نے تیرے عمل جیسا عمل نہیں کیا تھا، تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کرتا تھا تو اسے کہا جائے گا: انہیں جنت میں داخل کر دو پھر یہ آیت تلاوت کی اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ آیت کے قریب یہ آیت ہے وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور:21)

وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ قتادہ نے کہا: انہیں ان چیزوں سے بچا جو انہیں تکلیف دیتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں گناہوں کے عذاب سے بچا۔ وقاہ اللہ یقیہ وقایۃ سے امر ہے یعنی اس کی حفاظت کر فَقَدْ رَحِمْتَهٗ یعنی جنت میں داخل کر کے ان پر تو نے رحم فرمایا، وہ عظیم نجات ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا سو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر و بزرگ ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اخفش نے کہا: لَمَقْتُ میں لام ابتدائیہ ہے جو يُنَادَوْنَ کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یقال لهم نداء بھی ایک قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے انہیں کہا جائے گا: لمقت اللہ ایاکم فی الدنیا اکبر من مقت بعضکم بعضا یوم القیامۃ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی اس سے بڑھ کر ہوگی جو قیامت کے روز تمہاری ایک دوسرے سے ناراضگی ہوگی کیونکہ ان میں سے بعض بعض سے قیامت کے روز دشمنی کریں گے

اور ناراضگی کا اظہار کریں گے اس موقع پر وہ مطیع فرمانبردار بنیں گے عاجزی کریں گے اور جہنم سے نکلنے کا مطالبہ کریں گے۔ کلبی نے کہا: جہنمیوں میں سے ہر ایک انسان اپنے آپ سے کہے گا: اے نفس! میں تجھ سے ناراض ہوں ملائکہ انہیں کہیں گے جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے: جب تم دنیا میں تھے جبکہ تمہاری طرف رسول مبعوث کیے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی تم سے ناراضگی آج تمہاری اپنے نفسوں سے ناراضگی سے بڑھ کر تھی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں ان کی کتاب دی جائے گی جب وہ اپنی برائیوں کو دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہوں گے تو انہیں ندا دی جائے گی دنیا میں تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جب تمہیں ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے آج تمہاری اپنی ذاتوں سے جو ناراضگی ہے اس سے بڑھ کر تھی۔ مجاہد نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے تم سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تو تم کفر کرتے اس سے بڑھ کر تھی جو تم اپنی ذاتوں سے ناراضگی کا اظہار کر رہے ہو جب تم نے جہنم کی آگ کو دیکھ لیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے ناراض ہوں گے؟ اس میں دو وجوہ ہیں: (1) انہوں نے اپنے نفوس کو گناہوں کی جگہ رکھا جو اس کا محل ہے جس سے ناراض ہوا جاتا ہے (2) جب وہ اس حالت تک جا پہنچیں گے تو ان سے خواہش نفس زائل ہو گئی اور انہیں علم ہو گیا کہ ان کے نفوس نے ہی انہیں نافرمانیوں میں رکھا تو وہ اس پر ناراض ہوئے۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: جب جہنمی اس چیز سے مایوس ہو گئے جو جہنم کے داروغوں کے پاس تھی تو مالک نے انہیں کہا تم اسی میں رہو گے جس کا ذکر بعد میں آئے گا تو ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اے ساتھیو! تم پر عذاب اور آزمائش نازل ہو چکی ہے جسے تم دیکھ رہے ہو آؤ ہم صبر کریں ممکن ہے صبر ہمیں کوئی نفع دے جس طرح اہل طاعت نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کیا۔ جب انہوں نے صبر کیا تو صبر نے انہیں نفع دیا پس سب نے صبر پر اتفاق کیا انہوں نے صبر کیا تو ان کا صبر ان پر طویل ہو گیا پھر انہوں نے جزع فزع شروع کر دی اور یوں ندا کی: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ (ابراہیم) محیص کا معنی پناہ گاہ ہے اس موقع پر ابلیس نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ (ابراہیم:22) اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ (ابراہیم:22) جب انہوں نے شیطان کا قول سنا تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہو گئے تو انہیں یوں ندا کی گئی: لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ تو انہیں جواب اس طرح دیا گیا: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ اہل تاویل نے اس کی کئی تعبیریں کی ہیں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور ضحاک نے کہا: وہ اپنے آباء کی پشتوں میں مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی پھر انہیں دنیا میں موت دی (1) جس

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 146

کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں پھر انہیں بعث اور قیامت کے لیے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہی دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (البقرہ: 28) میں یہی مراد ہے۔

سدی نے کہا: انہیں دنیا میں موت دی گئی پھر سوال و جواب کے لیے قبروں میں انہیں زندہ کیا گیا پھر انہیں موت دی گئی پھر انہیں آخرت میں زندہ کیا گیا (1)۔ یہ تعبیر اس لیے کی گئی کیونکہ عرف میں نطفہ پر میت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ علماء نے اس آیت سے قبر میں سوال کے اثبات کا استدلال کیا ہے اگر ثواب صرف روح کو ہوتا جسم کو نہ ہوتا تو زندہ کرنے اور مارنے کا کیا معنی تھا۔ جو لوگ آخرت کے احکام صرف ارواح تک محدود رکھتے ہیں اسے نہ موت آتی ہے نہ اس میں تغیر واقع ہوتا ہے نہ ہی وہ خراب ہوتی ہے وہ بذات خود زندہ ہے اسے موت، غشی اور فنا لاحق نہیں ہوتی۔ ابن زید نے أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ کے بارے میں کہا: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں پیدا کیا انہیں نکالا، انہیں زندہ کیا اور ان سے وعدہ لیا پھر انہیں موت دی پھر انہیں دنیا میں زندہ کیا پھر انہیں موت دی۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا انہوں نے اس وقت اعتراف کیا جب اعتراف انہیں نفع نہیں دیتا تھا وہ اس وقت شرمندہ ہوئے جب شرمندگی انہیں کوئی نفع نہ دیتی تھی۔ فَهَلْ إِلٰى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ۝ کیا ہمیں دنیا کی طرف لوٹایا جائے گا تاکہ ہم آپ کی اطاعت کے مطابق عمل کریں۔ اس کی مثل آیات یہ ہیں: هَلْ إِلٰى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ۝ (الشوریٰ) فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (السجدہ: 12) يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ (الانعام: 27)

ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ۔ ذلکم محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے الامر ذلکم یا تقدیر کلام یہ ہوگی ذلکم العذاب الذی انتم فیہ بکفرکم۔ کلام میں اس کی تقدیر متروک ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ لوٹنے کی کوئی راہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا تو تم نے اس امر کا انکار کر دیا کہ الوہیت صرف اس کے لیے ہو اگر کوئی مشرک اس کے ساتھ شرک کرتا ہے تو تم اس کی تصدیق کرتے ہو اور اس کے قول پر ایمان لاتے ہو۔ ثعلبی نے کہا: میں نے ایک عالم کو کہتے ہوئے سنا: اگر دنیا کی طرف لوٹائے جانے کے بعد بھی اس کے ساتھ شرک کیا جائے تو تم شرک کی تصدیق کرتے ہو۔ اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (الانعام: 28)۔ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ اس کی کوئی بیوی یا اولاد ہو۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ۝ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۝ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ۝ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ

---

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 146

الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

"وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار۔ بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ جس دن وہ سب ظاہر ہوں گے، پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ تعالیٰ کی جو واحد اور قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا، ذرا ظلم نہیں ہوگا آج، بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے"۔

اٰیٰتِہٖ سے مراد اس کی توحید اور قدرت کے دلائل ہیں۔ یہاں آیات کو ظاہر کرنا اور رزق کے نازل کرنے کو جمع کیا کیونکہ آیات کے ساتھ ادیان کا قوام ہوتا ہے اور رزق کے ساتھ ابدان کا قوام ہوتا ہے۔ یہ آیات جو آسمان اور زمین میں ہیں اور ان کے درمیان جو کچھ ہیں اور ان میں سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل، سمندر، نہریں، چشمے، پہاڑ، درخت اور ہلاک ہونے والی قوم کے آثار ہیں۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ۝ ان آیات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم رکھتا مگر جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت سے مراد طاعت ہے اگرچہ کافر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ناپسند کریں تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۔ ذو العرش مبتدا کے مضمر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ اخفش نے کہا: مدح کی بنا پر نصب دینا بھی جائز ہے۔ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ کا معنی ہے بلند صفات والا ہے۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، کلبی اور سعید بن جبیر نے کہا: سات آسمانوں کو بلند کرنے والا۔(1) یحییٰ بن سلام نے کہا: جنت میں اپنے اولیاء کے درجہ کو بلند کرنے والا۔ اس صورت میں رفیع، رافع کے معنی میں ہوگا یعنی فعیل، فاعل کے معنی میں ہے۔ پہلے قول کی بنا پر صفات ذات مراد ہوں گی معنی ہوگا اس سے قدر و منزلت میں بڑھ کر کوئی نہیں وہی مدح و ثنا کے درجات کا مستحق ہے۔ یہی درجات اس کی اصناف اور ابواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی ان کا مستحق نہیں۔ یہ حلیمی کا قول ہے ہم نے اس کا ذکر "الکتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ" میں کیا ہے۔ الحمد للہ۔ ذُو الْعَرْشِ وہ اس کا خالق اور مالک ہے وہ عرش کا محتاج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ثل عرش فلان یعنی اس کا ملک اور غلبہ زائل ہو گیا جبکہ اللہ تعالیٰ ذُو الْعَرْشِ ہے معنی ہے اس کی حکومت اور سلطنت قائم و دائم ہے ہم نے اس کی وضاحت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 147

بھی 'شرح اسماء اللہ الحسنیٰ' میں کی ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ روح سے مراد وحی اور نبوت ہے اسے روح کا نام دیا گیا کیونکہ لوگ روح کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس طرح بدن روحوں سے زندہ ہوتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: روح سے مراد قرآن ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ: 52) ایک قول یہ کیا گیا ہے: روح سے مراد جبریل امین ہے (1) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء: 194) فرمایا: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (النحل: 102)

مِنْ اَمْرِهٖ امر سے مراد قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قضا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من، باء کے معنی میں ہے یعنی اس کے امر سے۔ مَنْ یَّشَآءُ سے مراد انبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انبیاء ہوں گے۔ اس میں کسی نبی کی مشیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ۙ اللہ تعالیٰ رسول اس لیے مبعوث کرتا ہے تاکہ قیامت کے دن سے ڈرائے۔ لِیُنْذِرَ میں ضمیر رسول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے، معنی ہوگا اللہ تعالیٰ رسولوں کو مخلوقات کی طرف مبعوث کر کے انہیں ڈراتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے لِتُنْذِرَ پڑھا ہے۔ اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

یَوْمَ التَّلَاقِ ۙ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: یَوْمَ التَّلَاقِ سے مراد ہے جس روز آسمان اور زمین والے آپس میں ملیں گے۔ قتادہ، ابو العالیہ اور مقاتل نے کہا: جس میں مخلوق اور خالق ملیں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس روز عابد اور معبود ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ظالم اور مظلوم ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر انسان اپنے عمل کی جزا پانے کا۔ ایک ہی میدان میں پہلے اور بعد والے ملیں گے، یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس کا معنی گزر چکا ہے۔ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ یہ پہلے یوم سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم محل رفع میں ہے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور بٰرِزُوْنَ اس کی خبر ہے جملہ اضافت کی وجہ سے محل رفع میں ہے اسی وجہ سے یوم سے تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ تعبیر سیبویہ کے نزدیک اس وقت ہوگی جب ظرف اذ کے معنی میں ہو تو کہا جاتا ہے: لقیتك یوم زید امیر جب یہ اذا کے معنی میں ہو تو پھر جائز نہیں جس طرح یہ ہے: انا القاك یوم زید امیر۔ بٰرِزُوْنَ کا معنی ہے وہ قبروں سے نکلیں گے انہیں کوئی چیز پوشیدہ نہ رکھے گی کیونکہ اس روز زمین کھلا میدان ہوگی، اس میں کوئی کجی اور نشیب و فراز نہ ہوگا، جس طرح اس کی وضاحت سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

لَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ۚ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ میں معنی بیان ہے یعنی جس روز وہ نکلیں گے ان پر ان میں سے اور ان کے اعمال میں سے کوئی چیز مخفی نہ ہوگی۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ۚ مخلوق کے فنا ہونے پر بات ہوگی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سوال کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ اور

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 148　　2۔ ایضاً

جواب دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہوگا، کیونکہ یہ اس وقت فرمائے گا جس وقت کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو وہ خود ہی جواب دے گا (1)، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۝۔

نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے ان میں سے صحیح ترین ابووائل کی روایت ہے جو حضرت ابن مسعود سے مروی ہے: لوگوں کو چاندی کی مثل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی گئی ہوگی، ایک منادی کو ندا کرنے کا حکم ہوگا جو اعلان کرے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ تو مومن و کافر سب بندے کہیں گے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۝ مومن خوشی اور لذت حاصل کرتے ہوئے یہ کہیں گے اور کافر غم، عاجزی اور اطاعت کے طور پر کہیں گے۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ یہ سوال ہو اور مخلوق موجود نہ ہو تو یہ امر بعید ہے کیونکہ اس میں تو کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے اور قول صحیح ہے یہ قول قیاس اور رائے سے اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ نمایاں ہے کیونکہ مقصود بادشاہت میں انفرادیت کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ مدعیوں کے دعوے، انتساب کرنے والوں کے انتساب ختم ہو چکے ہیں کیونکہ ہر بادشاہ اور اس کا ملک، ہر متکبر اور اس کا ملک جا چکا ان کے نسب اور دعوی ختم ہو چکے ہیں۔ اسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ زمین کو لپیٹ لیا جائے گا روحیں قبض کر لی جائیں گی اور آسمان بھی لپیٹ لیے جائیں گے: انا الملك این ملوك الارض (2) میں بادشاہ ہوں اور زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جس طرح حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر کی حدیث میں گزر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ زمین کو دائیں ہاتھ اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا: پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں جبار کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ یہ دنیا کے زمانہ کا انقطاع ہے اس کے بعد دوبارہ اٹھنا اور حشر ہوگا۔

محمد بن کعب نے کہا: یہ ارشاد دو نفخوں کے درمیان ہوگا جب مخلوقات فنا ہو جائیں گی اور خالق باقی رہے گا اور وہ اپنی ذات کے سوا نہ کوئی مالک اور نہ کوئی مملوک دیکھے گا (3) اسے کوئی جواب نہ دے گا کیونکہ تمام مخلوق مردہ ہوگی تو وہ خود ہی جواب دے گا اور ارشاد فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کیونکہ وہ خود ہی باقی ہے اور اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا وہ کہے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ تو جنتی اسے جواب دیں گے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے: یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے (4)۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ انہیں یہ کہا جائے گا جب وہ اللہ وحدہ لا شریک کے لیے بادشاہت کا اقرار کر لیں گے یعنی ہر نفس نے خیر اور شر میں سے جو کچھ عمل کیا ہوگا اسے آج جزا دی جائے گی لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ہر ایک نے جو عمل کیا ہوگا اس کے بدلہ میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝ اسے غور و فکر اور گننے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی جس طرح حساب کرنے والے کرتے ہیں کیونکہ وہ

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 405
2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، یقبض اللہ الارض، جلد 7، صفحہ 965
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 148
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 157

ایسا عالم ہے جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی تو وہ کسی کی جزا میں تاخیر نہیں کرتا اس لیے کہ وہ کسی اور کو جزا دینے میں مشغول ہوتا ہے جس طرح وہ ایک ساعت میں سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ساعت میں سب کا محاسبہ کرے گا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: "ابھی نصف النہار کا وقت نہیں ہوگا کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں قیلولہ کریں گے۔"

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۭ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

"اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے تک اٹک جائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے، نہ ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ، اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں؟ کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، وہ قوت کے لحاظ سے بھی طاقتور تھے اور زمین میں چھوڑے ہوئے آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث، اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لیے کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے ہر بات سے انکار کر دیا، پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے، بے شک وہ بڑا طاقتور، سخت سزا دینے والا ہے۔"

يَوْمَ الْاٰزِفَةِ سے مراد یوم قیامت ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ وہ قریب ہے کیونکہ ہر وہ امر جو قریب آنے والا ہو وہ قریب ہی ہوا کرتا ہے۔ اَزِفَ فلان یعنی فلاں قریب ہوا اس کا مصدر اَزُوف اور اَزَف کے وزن پر آتا ہے۔ نابغہ نے کہا:

أَزِفَ التَّرَحُّلُ غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا ... لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنْ قَدِ

اس میں ازف کے لفظ کو قریب معنی ہے یعنی ہمارے کوچ کا وقت قریب آگیا۔ اس آیت کی مثل أَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝ (النجم) ہے یعنی قیامت قریب آگئی، ایک شاعر کہتا ہے:

تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (الاسراء: 101) ان کی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔ وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اس سے مراد واضح حجت ہے۔ سلطان یہ مذکر اور مؤنث دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ ان کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی تدبیر کا دارومدار انہیں افراد پر تھا۔ فرعون بادشاہ تھا، ہامان وزیر تھا اور قارون اموال اور خزانوں والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان دونوں کے ساتھ جمع کر دیا کیونکہ تکذیب میں اس کا عمل ان دونوں کے اعمال جیسا تھا۔ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے معجزات کو جادو پر محمول کر دیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا یہاں حق سے مراد ظاہر معجزہ ہے۔ قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قتادہ نے کہا: یہ قتل پہلے قتل سے مختلف ہے کیونکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد بچوں کو قتل کرنا چھوڑ دیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو سزا کے طور پر دوبارہ بنی اسرائیل کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ لوگ ایمان لانے سے رک جائیں اور ان کی جمعیت میں اضافہ نہ ہو کہ وہ اپنی اولادوں میں سے مذکر افراد سے قوت حاصل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو مختلف قسم کے عذاب نازل کیے جیسے مینڈکوں کی صورت میں عذاب، جوؤں کی صورت میں عذاب، خون اور طوفان کی صورت میں عذاب اس وجہ سے فرعونی بنی اسرائیل سے غافل ہو گئے یہاں تک کہ بنی اسرائیل مصر سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے: وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ ضلال کا معنی خسارہ اور ہلاکت ہے۔ لوگ ایمان لانے سے نہیں رکے اگرچہ وہ اس قسم کا عمل کرتے تو اس کا مکر باطل ہو جاتا ہے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ رَبَّهٗ اَقْتُلْ فعل مجزوم ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ وَ لْيَدْعُ مجزوم ہے کیونکہ وہ امر ہے۔ ذَرُوْنِيْۤ مجزوم نہیں اگرچہ امر ہے لیکن اس کا لفظ مجزوم کا لفظ ہے جبکہ وہ مبنی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرعون کو کہا گیا ہم ڈرتے ہیں کہ وہ تیرے خلاف بددعا کریں تو اس کی دعا قبول ہو جائے تو اس نے کہا: وہ اپنے رب کو بلائے یعنی وہ اپنے رب کا جو ذکر کرتا ہے وہ تمہیں خوفزدہ نہ کرے کیونکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ میں تو صرف اسی سے ڈرتا ہوں کہ تم جو میری عبادت کرتے ہو وہ اسے اپنے رب کی طرف نہ پھیر دے۔ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ اگر وہ تمہارے دین کو تبدیل کر سکے تو وہ زمین میں شر و فساد برپا کر دے گا یعنی اس کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف واقع ہو جائے گا۔ کوفیوں کی قراءت ہے اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ یعنی یا کو فتح اور الفساد کو رفع۔ کوفیوں کے مصاحف میں اسی طرح ہے اور واؤ الف کے ساتھ ہے۔ ابو عبید بھی اسی طرف گئے ہیں کہا: اس میں حرف زائد ہے اس میں فصل ہے اور او، واؤ کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: حاذق نحویوں کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ او واؤ کے معنی میں ہو کیونکہ اس میں دو معنی کا بطلان ہوتا ہے اگر یہ جائز ہو کہ او واؤ کے معنی میں ہو تو یہاں استدلال کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیونکہ واؤ کا معنی ہے میں دونوں امروں سے خوف کھاتا ہوں اور او کا معنی ہے دونوں میں سے ایک سے ڈرتا ہوں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا اگر یہ امر اس کے لیے مشکل ہو گیا تو وہ زمین

میں فساد کو ظاہر کر دے گا۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ جب فرعون نے آپ کو قتل سے دھمکایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖۗ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝

”اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے: میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے، اسے اپنے حال پر رہنے دو اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہوا (اور تم نے (انکو) تنگ کیا) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب اس کا جس نے تم سے وعدہ کیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہے“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے اس آدمی کا نام حبیب تھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام شمعون تھا۔ سہیلی نے کہا: یہ سب سے صحیح قول ہے۔ تاریخ طبری میں ہے اس کا نام خیر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل تھا۔ ثعلبی نے یہ قول حضرت ابن عباس اور اکثر علماء سے ذکر کیا ہے۔ زمخشری نے کہا: اس کا نام سمعان تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل یا حزبیل تھا۔ یہ اختلاف ہے کہ وہ قبطی تھا یا اسرائیلی تھا۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: یہ قبطی تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فرعون کا چچا زاد تھا (4)؛ یہ سدی کا قول ہے کہا: یہ وہی شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچا تھا اسی وجہ سے فرمایا: مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی٘ قَالَ یٰمُوْسٰۤی (القصص: 20) یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آل فرعون میں اس کے فرعون کی بیوی اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا تھا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا اس نے کہا تھا: سردار تمہیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں (5)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: صدیقین، حبیب نجار جو آل یٰسین کا مومن تھا آل فرعون کا مومن جس نے کہا تھا: کیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 162
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 407
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 152
5۔ ایضاً

کر دینے والی تھی کیونکہ انہیں اس چیز سے خبردار کیا کہ انہیں ان انواع میں سے کچھ لاحق ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں عذاب دنیا یا عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اگر وہ تکذیب کریں تو معنی یہ ہوگا تمہیں ان میں سے ایک عذاب لاحق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں عذاب پہنچے گا وہ یہ دنیا میں کہتے تھے یہ بعض وعید ہے پھر آخرت میں اس کے مترادف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تکذیب کریں تو عذاب کا وعدہ کیا اور اگر ایمان لائیں تو ثواب کا وعدہ کیا جب انہوں نے تکذیب کی تو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس کا بعض انہیں پہنچا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ جو اپنی ذات پر اسراف کرنے والا ہے كَذَّابٌ جو اپنے رب پر جھوٹ بولنے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے یہ مومن کے قول میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے اعتقاد میں اسراف کرنے والا ہے كَذَّابٌ جو اپنے دعویٰ میں کذاب ہے اس سے فرعون کی طرف اشارہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: بعض نے یہ گمان کیا کہ مکلف جب اپنے ایمان کو چھپائے زبان سے اس کا اظہار نہ کرے تو وہ شخص اپنے اعتقاد کی وجہ سے مومن نہ ہوگا (1)۔ امام مالک نے کہا: ایک آدمی جب اپنے دل سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کرتا ہے اور اپنی زبان سے طلاق نہ کہے تو طلاق اسے لازم ہو جائے گی جس طرح وہ اپنے دل کے اعتقاد کے ساتھ مومن اور کافر ہو جاتا ہے ایمان کا مدار دل پر ہے حقیقت میں معاملہ اسی طرح ہے لیکن یہ اطلاق اپنا نہیں ہم نے اس کی وضاحت اصول فقہ میں بیان کر دی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مکلف جب اپنے دل سے کفر کا ارادہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ اپنی زبان سے اظہار نہ کرے مگر جب وہ اپنے دل سے ایمان کی نیت کرے تو وہ کسی دل میں بھی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ زبان سے اس کا اظہار کرے تقیہ اور خوف اس بات سے مانع نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اس چیز کا اظہار کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات ہیں۔ تقیہ اس چیز سے مانع ہوتا ہے جسے غیر کو سنانے ایمان کی یہ شرط نہیں کہ کسی اور کو وہ سنانے غیر کا سننا اس لیے شرط ہے کہ وہ جان اور مال کا دفاع کرے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** بخاری اور مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت نقل کی کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے کہا: مجھے وہ واقعہ سناؤ (2) جس میں مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت ترین رویہ اپنایا ہو کہا: اسی اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں موجود تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا پکڑا آپ کو کپڑا گردن میں لپیٹا اور سختی سے آپ کا گلا دبایا حضرت ابوبکر صدیق آئے اس کا کندھا پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو دور کیا فرمایا: کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بینات لایا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

ترمذی حکیم نے "نوادر الاصول" (3) میں جعفر بن محمد سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1659
2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر، جلد 1، صفحہ 20-519
3۔ نوادر الاصول، صفحہ 45-244

گئے ہیں کہ قریش ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد اکٹھے ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ایک آتا آپ کو مارتا اور پیا تا آپ کو جھٹکے دیتا اس روز نبی کریم ﷺ نے مدد چاہی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے آپ ﷺ کی مدد نہ کی آپ کی دو مینڈھیاں تھیں آپ آگے بڑھے اس کو مارتے اور دوسرے کو پرے ہٹاتے اور بلند آواز سے کہتے: تم ہلاک ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اللہ کی قسم! اس دن حضرت ابو بکر صدیق کی ایک مینڈھی کٹ گئی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ابو بکر کا وہ دن آل فرعون کے مومن سے بہتر تھا، آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی تعریف کی۔ ابو بکر صدیق ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا، اپنے مال اور جان کو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول اس آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا، آپ نے اس کے ابتدائی مرحلہ کا ارادہ کیا تھا جبکہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا اور اسے نہ چھپایا ورنہ قرآن اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ آل فرعون کے مومن نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کی وضاحت آنے والی ہے۔

"نوادر الاصول" (1) میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لوگوں نے حضرت اسماء سے پوچھا: وہ کون سا تکلیف دہ امر ہے جو تم نے دیکھا جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے اپنایا؟ حضرت اسماء نے کہا: مشرک مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ وہ کیا کہتا ان کے معبودوں کے بارے میں، وہ سب اسی طرح تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے سب اٹھ کھڑے ہوئے جب وہ آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تو آپ ان کی تصدیق کرتے انہوں نے کہا: کیا تو ہمارے معبودوں کے بارے میں یہ نہیں کہتا؟ فرمایا: کیوں نہیں، تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے ایک خبر دینے والا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ سے کہا: اپنے ساتھی تک پہنچو۔ وہ ہمارے پاس سے نکلے جبکہ ان کی مینڈھیاں تھیں وہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ وہ کہہ رہے تھے: تم ہلاک ہو جاؤ کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بینات لایا ہے؟ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہماری طرف لوٹے آپ اپنی مینڈھیوں میں سے کسی کو ہاتھ نہ لگاتے مگر وہ آپ کے ساتھ ہی آ جاتی آپ کہتے: تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ
جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ وَ

1۔ نوادر الاصول، جلد 244-45

عام قراءت الف کے بغیر دال مخفف ہے دونوں صورتیں ہیں امیہ بن ابی صلت نے کہا:

وبث الخلق فيها إذ دحاها فهم سكانها حتى التناد[1]

جب اس زمین کو پھیلا دیا تو اس میں مخلوق کو پھیلا دیا وہ قیامت تک اس کے رہائشی ہیں۔

اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو ندا کریں گے اصحاب اعراف ایسے لوگوں کو ندا کریں گے جن کو وہ چہروں سے پہچانتے ہوں گے اصحاب جنت اصحاب النار کو آواز دیں گے: أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا (الاعراف: 44) اور جہنمی اصحاب جنت کو ندا کریں گے: أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ (الاعراف: 50) ایک منادی کرنے والا بدبختی اور سعادت کے حوالے سے اعلان کرے گا خبردار! فلاں بن فلاں ایسی بدبختی کے ساتھ بدبخت ہوا جس کے بعد وہ کبھی سعادت مند نہ ہوگا خبردار! فلاں بن فلاں ایسی سعادت کے ساتھ سعادت مند ہوا ہے جس کے بعد وہ بدبخت نہیں ہوگا جب اعمال کے وزن کے بعد ہوگا ملائکہ جنتیوں کو ندا کریں گے: أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الاعراف)

جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت ندا کی جائے گی: اے جنتیو! یہ ہمیشگی کی زندگی ہے اب موت نہیں اے جہنمیو! یہ ہمیشگی کی زندگی ہے اب موت نہیں۔ اس ندا کے علاوہ ہر قوم کو اپنے امام کے ساتھ ندا کی جائے گی۔ حضرت حسن بصری، ابن محیصن، یعقوب، ابن کثیر اور مجاہد نے التناد میں اور وقف دونوں صورتوں میں یا کو ثابت رکھنے کے ساتھ قراءت کی ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور عکرمہ نے یوم التناد دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض اہل عربیہ نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ یہ ند یند سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ اسی طرف بھاگ جائے جس طرف اس کا قصد ہو۔ کہا: قیامت میں اس کا کوئی معنی نہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ غلط ہے اس کی قراءت اچھی ہے جبکہ اس کا معنی یوم التنافر ہے۔ ضحاک نے کہا: جب وہ جہنم کی آواز سنیں گے تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے وہ زمین کے جس حصہ میں آئیں گے وہاں فرشتوں کی صفیں پائیں گے تو اسی جگہ کی طرف لوٹ جائیں گے جہاں سے آئے تھے[2] یہی یوم التناد اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الرحمن: 33) سے مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا (الحاقہ: 17) ابن مبارک نے اس کے معنی کو ذکر کیا۔ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے عبدالجبار بن عبداللہ بن سلمان نے آیت إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ ان کی آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر آنکھیں خون کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ خون ختم ہو جائے گا پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ جواب دیں گی کہا: ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب بھیجا جائے گا تو وہ منہ چھپا لیں گے پھر ان کی آنکھیں پیپ کے ساتھ انہیں جواب دیں گی وہ روئیں گے یہاں تک کہ پیپ ختم ہو جائے گی ان کی آنکھیں اتنی گہری ہو جائیں گی جس طرح نالی میں شق ہوتا ہے۔ یہ قول بیان کیا گیا ہے: یہ اس وقت ہوگا جب حضرت اسرافیل دوسرا صور پھونکیں گے۔ اسے علی بن معبد، طبری اور دوسرے علماء نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوع حدیث

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 154

2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 165

ذکر کیا ہے اس میں ہے زمین اس کشتی کی مانند ہو گی جو سمندر میں ہوتی ہے جسے موجیں تھپیڑے دیتی ہیں لوگ اس پر کانپ اٹھیں گے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ اپنے حملوں کو گرا دیں گی بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین بھاگتے ہوئے اڑ رہے ہوں گے فرشتے انہیں ملیں گے ان کے منہ پر ماریں گے جبکہ ایک دوسرے کو ندا کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مراد ہے یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ ہم نے اس کا ذکر کتاب "التذکرہ" میں کیا ہے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

علی بن نصر نے ابو عمرو سے وصل کی صورت میں خاص طور پر التنادِ دال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو معمر نے عبد الوارث سے وصل کی صورت میں خاص کر یاء کا اضافہ کیا ہے، یہ ورش کا مذہب ہے۔ ابو معمر سے دونوں حالت میں اس کا حذف مشہور ہے۔ ورش اور ابن کثیر کے علاوہ سب نے اسے اسی طرح پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے یَوْمَ التَّنَادِ اس لیے نام دیا گیا کیونکہ کافر اس دن اپنے لیے ویل، ثبور اور حسرت کو پکارے گا؛ یہ ابن جریج نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یوں ہے اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ یہ یَوْمَ التَّنَادِ سے بدل ہے۔

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ یعنی اللہ تعالیٰ جس کے دل میں گمراہی پیدا کر دے تو اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (1)۔ اس کے قائل کے بارے میں دو قول ہیں: (1) حضرت موسیٰ علیہ السلام (2) آل فرعون کا مومن؛ یہی زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

"(اے میری قوم!) بے شک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ علیہ السلام) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہو، یونہی گمراہ کرتا ہے انہیں جو جھگڑتے رہتے اللہ کی آیتوں میں کسی معقول دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو یہ طریقہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش دل پر"۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ

1۔ [illegible]، جلد 5، صفحہ 155

دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ابوداؤد کا قول بھی کل کے حذف پر دلالت کرتا ہے:

أَكُلَّ امْرِئٍ تَحْسَبِيْنَ امْرَأً وَنَارٍ تُوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا

کیا تو ہر انسان کو انسان گمان کرتی ہے اور ہر آگ جو رات کو روشن ہوتی ہے تو اسے ضیافت کی آگ سمجھتی ہے۔

حضرت ابن مسعود کی قراءت میں علی قلب کل متکبر ہے یہ قراءت تفسیر اور اضافت کی بنا پر ہے۔ ابو عمرو، ابن محیصن اور ابن ذکوان نے اہل شام سے قلب نقل کیا ہے کہ متکبر قلب کی صفت ہے قلب سے مراد پوری ذات ہے کیونکہ دل تکبر کرتا ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان فی الجسد لمضغة إذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (1) بے شک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے خبردار! وہ دل ہے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝

"اور فرعون نے کہا: اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل تاکہ میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے، اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا برا عمل۔ اور روک دیا گیا اسے راہ راست سے، اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے"۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا جب آل فرعون نے کہا جو کہا تو فرعون کو خوف ہوا کہ اس مومن کا کلام قوم کے دل میں اثر انداز ہوگا تو اسے خیال گزرا کہ وہ اس چیز کا امتحان لے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام توحید کا پیغام لائے ہیں اگر اس کا درست ہونا واضح ہو گیا تو وہ ان سے مخفی نہیں رکھے گا اگر وہ درست نہ ہوا تو وہ انہیں ان کے دین پر پختہ رکھے گا اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ محل بنائے۔ سورۂ قصص میں اس کا ذکر گزر چکا۔

لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ۔ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ پہلے الْاَسْبَابَ سے بدل ہے۔ قتادہ، زہری، سدی اور اخفش کے قول کے مطابق اسباب السماء سے مراد اس کے دروازے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا:

وَمَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنَلْنَهُ وَلَوْ رَامَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّمِ (2)

جو موتوں کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ اسے پالیتی ہیں اگرچہ آسمان کے دروازوں کا سیڑھی کے ذریعے قصد کرے۔

ابو صالح نے کہا: اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ سے مراد اس کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ امور ہیں جن کے وسیلے سے آسمان مضبوط ہوتے ہیں۔ اسباب کو عظمت شان کے لیے مکرر ذکر کیا ہے کیونکہ جب کسی چیز کو مبہم ذکر کیا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 13
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 150

پھر اس کی وضاحت کی جائے تو یہ اس کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى میں اس کے الٰہ کی طرف جھانکنے والے کی نظر سے دیکھوں۔ اس نے گمان کیا تھا کہ وہ ایسا جسم ہے جیسے مکان اپنے اندر سموئے ہوتے ہیں۔ فرعون الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ اسے ایک جگہ متحیز کرنا ثابت کیا جا سکتا ہے جہاں سے کسی کی نگرانی کی جائے۔ عام قراءت فَاَطَّلِعُ ہے اس کا عطف اَبْلُغُ پر ہے۔ اعرج، سلمی، عیسیٰ اور حفص نے فاطلع نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: لعلی کے جواب میں فاء کے ساتھ ہے۔ نحاس نے کہا: نصب کا معنی رفع کے معنی کے خلاف ہے کیونکہ نصب کا معنی ہے جب میں اسباب تک پہنچوں گا میں جھانکوں گا اور رفع کا معنی ہے میں اسباب تک پہنچوں پھر اس کے بعد اس کی اطلاع پاؤں مگر ثمّ فاء کی نسبت تراخی میں شدید ہے۔

وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا یعنی میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہ میرے سوا جو رب ہے اس کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں وہ جھوٹا ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ محض علت کو ختم کرنے کے لیے کر رہا ہوں یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں شک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ظن، یقین کے معنی میں ہے یعنی میں یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے میں جو کچھ کہتا ہوں یہ شبہ کو زائل کرنے کے لیے کہتا ہوں۔

وَ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ جس طرح فرعون نے یہ بات کی اور اسے شک ہوا شیطان نے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا مراد شرک اور جھٹلانا ہے۔

وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ یہ کوفیوں کی قراءت ہے وَ صُدَّ مجہول ہے۔ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ قول ہے۔ وَصِدَّ کی قراءت بھی جائز ہے دال کے کسرہ کو صاد کی طرف نقل کر دیا۔ یہ یحییٰ بن وثاب اور علقمہ کی قراءت ہے۔ ابن ابی اسحاق اور عبد الرحمن بن بکرہ نے وصدٌّ عن السبیل قراءت کی ہے یعنی رفع اور تنوین کے ساتھ قراءت کی ہے باقی قراء نے وَصَدَّ یعنی فرعون نے لوگوں کو صراط مستقیم سے روکا۔ تباب کا معنی خسران اور گمراہی ہے اسی سے تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ (لہب: 1) اور وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ (ہود) ایک جگہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مکر کو برباد کر دیا خود اور اس کی قوم ہلاک ہو گئی جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۟ۚ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ
الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۟ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤى
اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۟ وَ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ
تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ۟ؕ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ
وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ۟ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

مسرفین کا اصحاب نار میں سے ہونا ثابت ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ یہ دھمکی اور وعید ہے اور ما، الذی کے معنی میں ہونا بھی جائز ہے یعنی جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو یعنی میں نے تمہیں کہا ہے جب تم پر عذاب واقع ہوگا اس وقت تم میرا قول یاد کرو گے۔

وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ مومن پہاڑ کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہ اسے پکڑنے پر قادر نہ ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، زیادہ ظاہر یہی ہے کہ بات کہنے والا آل فرعون کا مومن تھا(1)۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِۚ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ

"پس بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونیوں کو سخت عذاب میں"۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا عذاب کی جو انواع انہوں نے آپ کو پہنچانے کا فکر کیا تھا جب انہوں نے اسے تلاش کیا اور نہ پایا کیونکہ اس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تھا۔ قتادہ نے کہا: وہ قبطی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بنی اسرائیل کے ساتھ نجات دی۔ اس تعبیر کی بنا پر ھا ضمیر آل فرعون کے مومن کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوگی جس طرح یہ اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ کسائی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے حاق یحیق حیقا وحیوقا جب کوئی چیز نازل ہو اور لازم ہو پھر عذاب کی وضاحت کی اور فرمایا: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا اس میں چھ وجوہ ہیں: یہ مرفوع ہو اور سوء سے بدل ہو یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو ھو النار یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو۔ فراء نے کہا: یہ ضمیر عائد کی وجہ سے مرفوع ہو تقدیر کلام یوں ہو النار علیہا یعرضون۔ رفع میں یہ چار وجوہ ہیں۔ فراء نے اس میں نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بعد ضمیر عائد ہے اور اس سے قبل وہ چیز ہے جس کے ساتھ یہ متصل ہے۔ اخفش نے الْعَذَابِ سے بدل کے طور پر جر کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ جمہور نے کہا ہے: یہ پیشی برزخ میں ہے۔

بعض علماء نے اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا سے عذاب قبر کا اثبات کیا ہے جب تک دنیا قائم ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا: مجاہد، عکرمہ، مقاتل اور محمد بن کعب نے اسی طرح کا قول کیا ہے سب نے کہا: یہ آیت دنیا میں عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عذاب آخرت کے بارے میں فرمایا: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 158

الْعَذَابِ۝ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث طیبہ میں ہے: ”آل فرعون اور جو ان کی مثل کافر ہیں ان کی روحوں کو صبح اور شام کے وقت آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں کہا جاتا ہے: یہ تمہارا گھر ہے“۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ”ان کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں وہ ہر روز صبح اور شام کے وقت دو دفعہ جہنم پر جاتے ہیں“ یہی ان کی پیشی ہے۔ شعبہ نے یعلی بن عطا سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے میمون بن مہران کو کہتے ہوئے سنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صبح کے وقت یہ اعلان کرتے: الحمد للہ ہم نے صبح کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا جب شام ہوتی تو اعلان کرتے الحمد للہ ہم نے شام کی اور آل فرعون کو آگ پر پیش کیا گیا: کوئی بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سنتا مگر آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا۔

حفص بن جریر نے نافع سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کافر جب فوت ہوتا ہے تو اسے صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا جب مومن فوت ہوتا تو اس کی روح صبح و شام جنت پر پیش کی جاتی ہے“۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو صبح اور شام کو اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہو تو جنتی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جہنمی ہو تو جہنمی ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تجھے دوبارہ اٹھائے گا“ (1)۔

فراء نے کہا: غداۃ اور عشیہ یہ ان دنیا کے اعتبار سے ہے: یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا: غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا یہ دنیا کے ایام کے اعتبار سے ہے۔ حماد بن محمد فزاری نے کہا: ایک آدمی نے اوزاعی سے کہا ہم پرندے دیکھتے ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں جو مغرب کی سمت کو جاتے ہیں وہ سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں وہ فوج در فوج ہوتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا جب پچھلا پہر ہوتا ہے تو اسی کی مثل سیاہ پرندے لوٹتے ہیں فرمایا: یہی وہ پرندے ہیں جن کی پوٹوں میں آل فرعون کی روحیں ہیں جنہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ ان کے پر جل چکے ہوتے ہیں اور وہ سیاہ ہو جاتے ہیں رات کے وقت ان کے سفید پر اگتے ہیں پھر وہ صبح کرتے ہیں تو انہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے پھر وہ اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب تک دنیا رہے گی ان کا یہ معمول رہے گا جب قیامت ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۝۔ اَشَدَّ الْعَذَابِ سے مراد ہاویہ ہے۔ اوزاعی نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے وہ چھ لاکھ ہیں غُدُوًّا اصل میں مصدر ہے مجازاً اسے ظرف بنا دیا گیا ہے وَّ عَشِيًّا کا اس پر عطف کیا گیا ہے گفتگو یہاں مکمل ہوئی پھر تو نئی کلام شروع کرے گا وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یوم کو نصب اَدْخِلُوْۤا کے قول سے دی گئی ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ يُعْرَضُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہو معنی ہوگا دنیا میں انہیں آگ پر پیش کیا جائے گا وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اس پر وقف نہ کیا جائے گا۔

نافع، اہل مدینہ، حمزہ اور کسائی نے ادخلوا پڑھا ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے اور خا مکسور ہے یہ اَدْخَلَ سے مشتق ہے: یہ ابو عبید

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، المیت یعرض علیہ مقعدہ، جلد 1، صفحہ 184

کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ انہیں جہنم میں داخل کریں اس کی دلیل اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ہے باقی قراء نے اسے اُدْخُلُوْا پڑھا ہے یہ دخل سے مشتق ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: اے آل فرعون! شدید ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ، یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ پہلی قراءت کے مطابق آل مفعول اول ہے اور اشد مفعول ثانی ہے یہاں حرف جار محذوف ہے۔ دوسری قراءت میں یہ منصوب ہے کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہے اور آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے دین اور مذہب پر تھے۔ جب وہ لوگ جو اس کے مذہب اور دین پر تھے ان کا عذاب شدید ترین تھا تو اس کے اپنے عذاب کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے: "بے شک بندہ جو مومن کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے مومن کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے حضرت یحییٰ بن زکریا ہیں وہ مومن کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں، مومن کی حیثیت سے زندہ رہے اور مومن کی حیثیت سے فوت ہوئے اور ایک بندہ کافر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کافر کی حیثیت سے زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت سے مرتا ہے ان میں سے ایک فرعون ہے کافر کی حیثیت سے پیدا ہوا، کافر کی حیثیت سے زندہ رہا اور کافر کی حیثیت سے مرا"۔ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔

فراء نے آیت میں تقدیم و تاخیر کا قاعدہ جاری کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا عرض کو آخر میں رکھا یہ نقطہ نظر اس کے خلاف ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ کلام کو اس کے سیاق پر رکھتے ہیں جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَاۤ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْۤا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

"(اور کتنا ہوش ربا سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ (میں پڑے) رہتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما دے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، وہ کہیں گے بے شک، داروغے کہیں

امام ترمذی اور دوسرے محدثین حضرت ابو درداء سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ بھوک ان کے اس عذاب کے ہم پلہ ہو جائے گی جس عذاب میں وہ مبتلا ہوں گے (1) وہ مدد طلب کریں گے تو ان کی ضریع کے ساتھ مدد کی جائے گی نہ وہ جسم کو موٹا کرے گا اور نہ بھوک سے نفع دے گا وہ اسے کھائیں گے وہ انہیں کچھ نفع نہ دے گا وہ مدد طلب کریں گے تو ان کی مدد ایسے کھانے سے کی جائے گی جو گلے میں اٹک جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان کے گلے اٹک جائیں گے وہ یاد کریں گے کہ وہ گلے میں رکاوٹ کو پانی سے ختم کرتے تھے وہ مشروب طلب کریں گے تو کنڈوں کے ساتھ کھولتا ہوا پانی ان کی طرف بلند کیا جائے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے مونہوں کے قریب ہوگا تو وہ انہیں جلا دے گا جب وہ کھولتا ہوا پانی ان کے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کی انتڑیوں اور جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہوگا اس کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ وہ فرشتوں سے مدد طلب کریں گے وہ کہیں گے: ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ فرشتے انہیں جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۚ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ ضلال کا معنی گھاٹا اور ہلاکت ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

”بے شک ہم اب بھی مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی ان کی دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے دوزخ کا بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو نور ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لیے“۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا رسلنا کے ضمہ کو اس کے ثقل کی وجہ سے حذف کرنا جائز ہے تو کہا جائے گا: رُسْلَنَا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اسم موصول محل نصب میں ہے اس کا عطف الرسل پر ہے اس سے مراد وہ مومن ہے جس نے وعظ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسل اور مومنین میں عام ہے۔ ابو العالیہ کے قول کے مطابق ان کی مدد سے مراد ان کے دلائل کو غلبہ دینا اور ان کو کامیابی دینا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔ سدی نے کہا: کسی قوم نے کسی نبی کو قتل نہیں کیا یا ایسی قوم کو قتل نہیں کیا جو مومن تھے (3) اور حق کی طرف دعوت دیا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ ان پر ایسے آدمی کو مسلط کر دیتا ہے جو ان سے انتقام لیتا ہے تو وہ سب رحمت سے دور کیے گئے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة جہنم، ما جاء فی صفة طعام اهل النار، جلد 2، صفحہ 82
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 160
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 161

ہوتے ہیں اگرچہ قتل ہی کیے جائیں۔

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ قیامت کے روز وہ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ زید بن اسلم نے کہا: اشہاد چار ہیں فرشتے، انبیاء، مومن اور جسم (1)۔ مجاہد اور سدی نے کہا: اشہاد سے مراد ملائکہ ہیں جو انبیاء کے بارے میں یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے پیغام حق پہنچایا اور امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ملائکہ اور انبیاء ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْاَشْهَادُ شہید کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے۔ زجاج نے کہا: الاشہاد شاہد کی جمع ہے جس طرح اصحاب صاحب کی جمع ہے (4)۔ نحاس نے کہا: فاعل کے وزن کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی اور نہ ہی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے مگر جو الفاظ اس بارے میں مسموع ہیں انہیں اس طرح ذکر کیا جائے گا جس طرح انہیں سنا گیا اس میں حروف زائدہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اعمش اور فراء نے ویوم تقوم الاشہاد فعل کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ جمع مؤنث ہوتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس سے جہنم کی آگ کو دور کرے پھر یہ آیت تلاوت کی"۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت مروی ہے: "جس نے کسی مومن کی ایسے منافق کے مقابلہ میں حمایت کی جو منافق مومن کی غیبت کیا کرتا تھا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا جو آگ سے اس کو بچائے گا۔ جس نے کسی مسلمان کا ذکر کسی ایسی چیز کے ساتھ کیا جو اس کے لیے عیب کا باعث تھا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ جو کچھ اس نے کہا تھا اس سے نکل جائے گا" (5)۔ يَوْمَ پہلے یوم سے بدل ہے لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ نافع اور کوفیوں نے یاء کے ساتھ اسے ینفع پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ لعنت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے اور سُوْٓءُ الدَّارِ سے مراد جہنم ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى یہ دنیا و آخرت میں رسولوں کی مدد میں داخل ہے یعنی ہم نے اسے تورات اور نبوت عطا فرمائی۔ تورات کو ھدی کہا گیا کیونکہ تورات میں ہدایت اور نور ہے قرآن حکیم میں ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (المائدہ: 44)

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ کتاب سے مراد تورات ہے یعنی ہم نے تورات کو ان کی میراث بنایا ہے هُدًى یہ الْكِتٰبَ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اصل میں ھو ھدی ہو یعنی ذات الکتاب اور اصحاب عقول کے لیے نصیحت ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 161 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 160 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 161

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، فی الرجل ینصب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً حدیث نمبر 4230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مراد نماز میں اور نماز کے باہر بھی تسبیح پر دوام اختیار کرو تا کہ اس کے ذریعے جو مقصد چاہتے ہو اس سے مشرف ہو جائیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ بے شک وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ان کے سینوں میں کبر ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں تکبر ہی ہے وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے والے نہیں۔ زجاج نے کلام میں حذف تسلیم کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے ما ھم ببالغی ارادتھم فیہ دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے وہ اپنے کبر کو پانے والے نہیں اس میں حذف نہیں کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جنہوں نے یہ اپنے تکبر کی وجہ سے کہا انہوں نے نبی کریم ﷺ کی اتباع کی تو ان کی بلندی میں کمی واقع ہو جائے گی اور ان کے حالات خراب ہو جائیں گے جب وہ آپ کی تابعداری نہیں کریں گے تو وہ بلند مقام پر رہیں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ جس بلندی کی امید رکھتے تھے جھٹلانے کی صورت میں اس بلندی تک نہیں پہنچ پائیں گے مراد مشرک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہودی ہیں، آیت مدنی ہے جس طرح سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے معنی اس کا یہ بنتا ہے اگر وہ حضرت محمد ﷺ سے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دجال عنقریب ظاہر ہوگا اور ملک ہماری طرف لوٹا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ نہریں چلیں گی جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے تو وہ ایسا کبر ہے جس تک وہ پہنچ نہیں سکتے تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ ابو العالیہ اور دوسرے علماء نے بات کی ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ وہ نکلے گا اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے سوا تمام علاقوں کو روندے گا ہم نے کتاب "التذکرہ" میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے وہ یہودی ہے اس کا نام صاف ہے اس کی کنیت ابو یوسف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہر وہ شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کا انکار کرے؛ یہ اچھی تعبیر ہے کیونکہ یہ عام ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے سینوں میں عظمت ہے وہ اسے پانے والے نہیں معنی ایک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کبر سے مراد بڑا امر ہے یعنی وہ نبوت کا مطالبہ کرتے ہیں یا بڑے امور کو طلب کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ آپ تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی قتل وغیرہ۔ وہ اس کو پانے والے نہیں یا آپ کا دین مکمل ہونے سے قبل آپ کی موت کی آرزو کرتے ہیں جبکہ وہ اسکو پانے والے نہیں۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ایک قول یہ کیا گیا: دجال کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیے یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو کہتا ہے کہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق کفار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تکبر اور کبر جیسی جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ [illegible] اِنَّهٗ هُوَ میں ھو ضمیر فصل ہے یہ مبتدا ہوگی اور اس کا مابعد خبر ہوگی اور جملہ ان کی خبر ہوگا جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ یہ مبتدا اور خبر ہے؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق دجال کی تخلیق سے بڑھ کر ہے جب یہودیوں نے اس کی عظمت بیان کی (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے یعنی وہ دونوں انسانوں کو دوبارہ تخلیق کرنے سے بڑھ کر ہیں تو انہوں نے کیوں یہ اعتقاد رکھا کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 162

میں اس سے عاجز ہوں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ یعنی یہ ظاہر ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ یعنی مومن اور کافر، گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر نہیں ہو سکتے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ جو اچھے اعمال کرتا ہے اور جو برے اعمال کرتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۞ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے، ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا کیونکہ اس سے قبل اور بعد غائب کے صیغے ہیں۔ کوفیوں نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ یہاں لام تاکید ہے جو اِنَّ کی خبر پر داخل ہے اس کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ کلام کے شروع میں ہو کیونکہ یہ بمعنی تاکید کے لیے آتا ہے مگر اسے اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا ہے سیبویہ نے بھی اسی طرح کہا ہے تو کہتا ہے ان عمرا لخارج عمرو جانے والا ہے۔ اسے اپنی جگہ سے مؤخر کیا گیا ہے تاکہ لام مفتوح اور انّ دونوں جمع نہ ہو جائیں کیونکہ یہ دونوں ایک ہی معنی دیتے ہیں اسی طرح اہل عربی کے نزدیک انّ انّ کو جمع نہیں کیا جاتا۔ ہشام نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ انّ انّ زیدا منطلق حق، اگر تو حق کے لفظ کو حذف کر دے تو میں کسی نحوی کو نہیں جانتا کہ جس نے کہا ہو کہ یہ جائز ہے جتنا میں علم رکھتا ہوں؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

لَا رَيْبَ فِيْهَا اس میں کوئی شک نہیں وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ یعنی وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے اس سے اطاعت شعار اور گنہگار کے درمیان جو فرق ہے واضح ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۞ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۞ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔ اللہ ہی ہے جس نے بنائی تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام کرو اور (بنایا ہے) دن کو روشن، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (و کرم)

کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں) کا شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس کیسے راہ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بدنصیبوں) کا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام گاہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی، حسین بنایا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ایسی خوبیوں والا اللہ تمہارا پروردگار ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"۔

**وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "دعا ہی عبادت ہے[1]" پھر اس آیت **وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝** کی تلاوت کی۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے[2]۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ دعا ہی عبادت ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی طرح کہا معنی یہ ہے تم میری وحدانیت کو بیان کرو اور میری عبادت کرو میں تمہاری عبادت قبول کروں گا اور میں تمہیں بخش دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ذکر، دعا اور سوال ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کو اپنی حاجت کا سوال اپنے رب سے کرنا چاہیے یہاں تک کہ اس کی جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے تو اس کا سوال بھی اپنے رب سے کرے۔" ایک قول یہ کیا جاتا ہے: دعا سے مراد گناہوں کا ترک کرنا ہے۔ قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ کعب الاحبار نے کہا: اس امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں کہ ان سے قبل نبی کے سوا کسی امت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں جب کسی نبی کو بھیجا جاتا تو اسے کہا جاتا: تو اپنی امت پر شاہد ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بارے میں فرمایا: **لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ** (بقرہ: 143) نبی کو کہا جاتا تھا: لیس علیک فی الدین من حرج اور اس امت کو کہا گیا: **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ** (حج: 78) ایک نبی کو کہا جاتا تھا: مجھ سے دعا کرو میں تیری دعا کو قبول کروں گا جبکہ اس امت سے فرمایا گیا: **اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ**۔

میں کہتا ہوں: اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کی جا سکتی وہ ایک مرفوع حدیث ہے جسے لیث، شہر بن حوشب سے وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "میری امت کو تین چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل انبیاء کو دی گئیں اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے: مجھ سے دعا مانگ میں تیری دعا قبول کروں گا اور اس امت کے بارے میں فرمایا: مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ بقرہ، جلد 2، صفحہ 121

2۔ جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، حدیث نمبر 3294، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث کرتا تو ارشاد فرماتا: مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور اس امت کے لیے فرمایا: وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو مبعوث فرماتا تو اسے اپنی قوم پر گواہ بناتا اور اس امت کو لوگوں پر گواہ بنایا''۔ اسے ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے۔

خالد بن ربعی کہا کرتے تھے: اس امت کی عجیب شان ہے اس امت کو کہا گیا: ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ انہیں دعا کا حکم دیا اور قبول کرنے کا وعدہ کیا دونوں کے درمیان کوئی شرط نہیں۔ ایک قائل نے اسے کہا: اس کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ: 25) یہاں شرط ذکر کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس: 2) اس میں عمل کی شرط نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اس میں شرط ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں کوئی شرط نہیں۔ امتیں گھبراہٹ میں ضرورتوں کے وقت اپنے انبیاء کی طرف جاتے تھے یہاں تک کہ انبیاء ان کے حق میں سوال کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مطلق ہے جبکہ سورۂ بقرہ میں مقید ہے جو بحث پہلے گزر چکی ہے یعنی استجب لکم ان شئت۔ اگر میں چاہوں گا تو تمہاری دعا قبول کروں گا جس طرح ارشاد فرمایا: فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ (انعام: 41) بعض اوقات دعا کی قبولیت عین مطلوب کے علاوہ میں ہوتی ہے جس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے وہاں کل اس میں غور کرلو۔ ابن کثیر، ابن محیصن، رویس نے یعقوب سے، عیاش نے ابو عمرو سے ابو بکر اور مفضل نے عاصم سے قراءت نقل کی ہے کہ سَیَدْخُلُوْنَ یہ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے داخرین کا معنی ہے وہ حقیر و ذلیل ہوں گے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ اس میں جعل، خلق کے معنی میں ہے جب جعل، خلق کے معنی میں ہو اور جب وہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو عرب ان میں فرق کرتے ہیں جب یہ خلق کے معنی میں ہو تو اس وقت یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور جب یہ خلق کے معنی میں نہ ہو تو اس وقت یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا (الزخرف: 3) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا یعنی دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس دن میں اپنی ضروریات کو دیکھو اور اپنی معاش کی طلب میں چل پھر سکو اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۝ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کا شکر بجا نہیں لاتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلالت کو واضح کیا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۝ جب تمہارے لیے دلائل واضح ہو چکے ہیں تو تم ایمان سے کیسے پھرتے ہو یعنی جس طرح دلیل کے قائم ہونے کے باوجود تم حق سے پھرتے ہو اسی طرح ان لوگوں کو حق سے پھیر دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا تعریف اور دلیل کی تاکید میں زیادتی کی ہے زمین کو تمہاری زندگی اور تمہاری موت کے بعد ٹھکانہ بنایا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

أمرا یعنی جب وہ کسی عمل کو کرنے کا ارادہ کرے تو اسے فرماتا ہے کُنْ فَیَكُوْنُ ﴿﴾ ابن عامر نے جواب امر کے طور پر یکون نصب دی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ۫ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ﴿﴾ فِی الْحَمِیْمِ ۙ۬ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿﴾ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿﴾ اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان نادانوں کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں، یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا انہیں (اپنی تکذیب کا انجام) معلوم ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا کھولتے ہوئے پانی میں پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے اللہ کے سوا؟ (بصد یاس) کہیں گے: وہ تو گم ہو گئے ہم سے بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے اس سے پہلے اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو۔ یہ سزا (اور رسوائی) بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے زمین میں (اپنے عارضی اقتدار پر) ناحق اور بدلہ ہے اس کا جو تم (اپنے فانی اموال و املاک پر) اترایا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو پس یہ بہت برا ٹھکانہ ہے تکبر و غرور کرنے والوں کا۔ (اے حبیب!) آپ ان کی نازیبا حرکتوں پر صبر فرمایئے اللہ کا وعدہ سچا ہے سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ان سے وعدہ کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھا لیں (یہ بچ نہیں سکتے) آخرکار ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی

نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر پس جب آجائے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائے گا حق (وانصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں سراسر گھاٹے میں رہیں گے"۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ۞ ابن زید نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا اکثر مفسرین نے کہا: یہ آیت قدریہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی تو میں نہیں جانتا کہ یہ کس کے حق میں نازل ہوئی؟ ابو قبیل نے کہا: میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ وہی ایمان والوں سے مجادلہ کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ آیت قدریہ کے بارے میں نازل ہوئی" یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ یعنی عنقریب انہیں علم ہو جائے گا کہ جس عقیدہ کو انہوں نے اپنا رکھا تھا اس میں وہ باطل تھے جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے۔ تیمی نے کہا: اگر جہنم کے طوقوں میں سے ایک طوق پہاڑ پر رکھا جائے تو اسے ریزہ ریزہ کر دے گا یہاں تک کہ سیاہ پانی تک پہنچ جائے گا۔

وَالسَّلٰسِلُ عام قراءت رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف الْاَغْلٰلُ پر ہے ابو حاتم نے کہا: يُسْحَبُوْنَ اس قراءت کی بنا پر جملہ مستانفہ ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ مسحوبین حضرت ابن عباس، ابو جوزاء، عکرمہ اور حضرت ابن مسعود نے السلاسل کو منصوب پڑھا ہے اور يَسْحَبُوْنَ کو یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس قراءت کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی یسحبون السلاسل۔ حضرت ابن عباس بنی پینیم نے کہا: جب وہ اسے کھینچیں گے تو یہ ان پر بہت سخت ہوگا بعض سے یہ السلاسلِ جر کی صورت میں مروی ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ معنی پر محمول ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہیں؛ یہ فراء نے کہا: زجاج نے کہا: جس نے وَالسَّلٰسِلِ يُسْحَبُوْنَ جر کی صورت میں پڑھا ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے زنجیروں میں انہیں گھسیٹا جائے گا۔ ابن انباری نے کہا: اس معنی کی بنا پر جر جائز نہیں کیونکہ جب تو یہ کہے زید فی الدار تو یہ اچھا نہیں کہ تو فی کو مضمر کر دے اور تو کہے زید الدار، لیکن معنی کے اعتبار سے جر دینا جائز ہے کیونکہ ان کی گردنیں اغلال اور سلاسل میں ہوں گی تو سلاسل کو عطف کی وجہ سے جر دینا جائز ہے کیونکہ اغلال جر کی تاویل میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: خاصم عبد اللہ زیدا العاقلون تو تو العاقلین کو نصب دے دونوں کو رفع دینا بھی جائز ہے کیونکہ دونوں میں سے جب ایک اپنے ساتھی سے مخاصمت کرے گا تو اس کا ساتھی بھی اس سے مخاصمت کرے گا۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

قد سالم الحيات منه القدما     الافعوان الشجاع الشجعما

الافعوان کو نصب حیات کی اتباع میں دی گئی جب انہوں نے قدم سے صلح کر لی تو قدم نے بھی ان سے صلح کر لی۔ جو آدمی السلاسل کو نصب دے گا یا اس کو جر دے گا تو وہ اس پر وقف نہیں کرے گا۔ حمیم اسے کہتے ہیں جو گرمی میں اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد کھولتی ہوئی پیپ ہے۔

نے ذکر کیا ہے۔ بعض نے اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے وہ بہت زیادہ گوشت کھاتے ہوں اسی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:
اتقوا هذه المجازر فان لها ضراوة كضراوة الخمر گوشت کھانے کی عادت سے بچو اس میں ایسی عادت ہے جس طرح
شراب کی عادت ہوا کرتی ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے، پہلا سفیان ثوری کا قول ہے اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی انہیں یہ
بات کہی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ (الحجر: 44)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے ہے۔ ہم تیرے لیے ان سے انتقام ضرور لیں گے اس دنیا
میں اور آخرت میں فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ شرط کی وجہ سے محل جزم میں ہے "ما" تاکید کی وجہ سے زائدہ ہے اسی طرح نون بھی تاکید کے
لیے ہے جزم زائل ہو گئی اور فعل مبنی بر فتحہ ہو گیا۔ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ اس کا اس پر عطف ہے فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ دو شرطوں کا جواب ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اس آیت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان سے قبل رسولوں نے تکلیفیں پائی
ہیں مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ یعنی ہم نے ان کی خبریں تمہیں بتا ئیں اور انہوں نے اپنی قوموں سے جو کچھ حاصل کیا وہ
تمہیں بتایا وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ یعنی کوئی رسول بھی اپنی جانب سے کوئی
آیت نہیں لایا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ یعنی جب ان کے عذاب کا مقررہ وقت آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک
کر دیا اس میں تاخیر اس لیے ہو رہی ہے تاکہ وہ لوگ اسلام لے آئیں جن کے اسلام لانے کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور اسی طرح
جو ان کی پشتوں میں ہیں اور انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ غزوہ بدر میں قتل کی طرف
اشارہ ہے قُضِيَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ۠ مبطلون سے مراد ہے جو باطل اور شرک کی اتباع کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۠ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ
لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۠ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ
فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ۠

"اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا
(گوشت) کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی
ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینے میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے
پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے"۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ ابو اسحاق زجاج نے کہا: انعام سے مراد یہاں اونٹ ہیں لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ۠ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا منع ہے اور اونٹ کا گوشت کھانا مباح ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے انعام کے بارے میں فرمایا: وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور گھوڑوں کے بارے میں فرمایا: وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا
(النحل: 8) ان کے کھانے کی اباحت کا ذکر نہیں کیا۔ سورۂ نحل میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اونٹ کے بالوں، اون، بکری کے بالوں، دودھ، مکھن، گھی اور پنیر وغیرہ میں تمہارے لیے منافع ہیں۔

لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ یعنی یہ جانور بوجھ اٹھاتے ہیں اور دور دراز سفروں پر لے جاتے ہیں۔ سورۂ نحل میں مفصل بحث گزر چکی ہے اب اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَعَلَيْهَا یعنی خشکی میں اونٹوں پر وَعَلَى الْفُلْكِ اور سمندر میں کشتیوں پر تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ یہاں آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ تُنْكِرُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ کلمہ استفہام کلام کے شروع میں آتا ہے اس لیے اس میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اگر فعل کے ساتھ ایسی ضمیر ہو جو اسی کی طرف لوٹے تو اس میں رفع پسندیدہ ہے اگر استفہام ہمزہ یا ہل کی صورت میں ہو اور ان کے بعد کوئی اسم ہو اس کے بعد فعل ہو جس کے ساتھ ایسی ضمیر ہو جو اس اسم کی طرف لوٹے تو نصب پسندیدہ ہوگا معنی یہ ہے کہ جب اس کا انکار نہیں کرتے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں تو تم دوبارہ اٹھانے پر اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

"کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آ جاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں بڑھ چڑھ کر تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے فخر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخرکار) گھیر لیا انہیں اس کا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے: ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب یہ دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے"۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی کہ وہ سابقہ قوموں کے آثار کا مشاہدہ کرتے جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ یعنی عمارات، اموال، اولاد اور پیروکاروں نے انہیں کچھ

# سورۃ فصلت

آیاتہا 54 | سورۃ فصلت مکیۃ 41 | رکوعاتہا 6

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی چون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی ترپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞

"حا۔ میم۔ اتارا گیا (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے ان لوگوں کے لیے ہے جو علم و فہم رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا (بروقت) خبردار کرنے والا ہے بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور (ان ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں"۔

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اس کا رفع مبتدا کے مضمر ہونے کی بنا پر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کِتٰبٌ یہ تَنْزِيْلٌ سے بدل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ تَنْزِيْلٌ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حٰمٓ کی تقدیر یہ ہے ھذہ حٰمٓ جس طرح تو کہتا ہے: باب کذا اصل میں ھو باب کذا ہے حٰمٓ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں یہ ھو حٰمٓ تھا تَنْزِيْلٌ دوسرا مبتدا ہے اور كِتٰبٌ اس کی خبر ہے فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ یعنی ان کی وضاحت و تفسیر بیان کردی گئی ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی یہ ہے اس کے حرام سے اس کے حلال کو اور اس کی معصیت سے اس کی اطاعت کو واضح کردیا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وعد اور وعید کو بیان کردیا گیا۔ سفیان نے کہا: ثواب اور عقاب کو بیان کردیا گیا ہے(1)۔ اسے فصلت بھی پڑھا گیا ہے یعنی ان آیات نے حق اور باطل میں فرق کردیا ہے یا ان آیات میں سے بعض اپنے معانی میں اختلاف کی وجہ سے دوسری آیات سے مختلف ہیں۔ تیسرا قول فصل من البلد سے مشتق ہے یعنی وہ ملک سے دور ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 167

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اس کے منصوب ہونے کی کئی وجوہ ہیں: اخفش نے کہا: یہ مدح کی حیثیت میں منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اذکر قرآنا عربیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوبارہ وہی فعل ہے یعنی فصلنا قرآنا عربیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی آیات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اس حال میں کہ وہ قرآن عربی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فصلت کا فعل آیات کے ساتھ مشغول ہو گیا یہاں تک کہ وہ نائب فاعل ہو گیا تو قرآنا اس کا بیان ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے منصوب اس لیے پڑھا گیا ہے کہ اسے ماقبل کلام سے الگ کیا گیا ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ضحاک نے کہا: قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ تورات اور انجیل میں وہ ایک الہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لغت عربی کو جانتے ہیں اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں اگر یہ عربی زبان میں نہ ہوتا تو اسے نہ جانتے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے یہ قریش کو عاجز کرنے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے ہے کہ قرآن معجزہ ہے بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یہ دونوں آیات سے حال ہیں وہ اس میں عامل فصلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قرآن کی صفتیں ہیں بشیرا یہ اولیاء اللہ کے لیے ہے اور نذیرا یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے ہے۔ اسے بشیر و نذیر بھی پڑھا گیا ہے یہ کتاب کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ یعنی اکثر اہل مکہ نے اعراض کیا تو ایسا سننا نہیں سنتے کہ وہ اس سے نفع اٹھائیں۔

روایت کیا گیا ہے کہ ابان بن ثعلب نے کہا کہ قریش کے سرداروں اور ابو جہل نے کہا: ہم پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے اگر تم کوئی ایسا آدمی تلاش کرتے جو شعر، کہانت اور جادو کو جانتا ہوتا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے پھر ان کے معاملہ کی ہمارے سامنے وضاحت کرے (2)۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے کہانت، شعر اور جادو کو سنا ہے میں اس کے بارے میں اتنا علم رکھتا ہوں اگر معاملہ ایسا ہوا تو مجھ سے مخفی نہیں رہے گا، انہوں نے کہا: ان کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو بہتر ہے یا قصی بن کلاب؟ تو بہتر ہے یا ہاشم؟ تو بہتر ہے یا عبدالمطلب؟ تو بہتر ہے یا عبداللہ؟ تو کس وجہ سے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے؟ ہمارے آباء کو گمراہ قرار دیتا ہے؟ ہمارے دانشمند لوگوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے؟ اور ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے؟ اگر تو ریاست چاہتا ہے تو ہم اپنے سارے جھنڈے تیرے سپرد کر دیتے ہیں جب تک تو زندہ رہے گا تو ہمارا سردار ہو گا، اگر تو شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم قریش کی بچیوں میں سے دس عورتوں سے تیری شادی کر دیتے ہیں جن سے تو چاہتا ہے، اگر تو مال کی خواہش رکھتا ہے تو ہم تیرے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں جس سے تو اور تیرے بعد والے غنی ہو جائیں گے، اگر یہ سب کچھ جن کے سایہ کی وجہ سے ہے جو تجھ پر غالب آ چکا ہے تو ہم تیرا علاج کروانے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم تیرے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 168

2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 60-61

ہے۔ ابوالولید نے کہا: یہ میری رائے ہے تم جو چاہو کرو۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ اکنہ۔ کنان کی جمع ہے جس کا معنی ڈھکنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: کنان دل کے لیے اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تیر کے لیے جعبہ (جو تیر پر چڑھا دیا جائے) ہوتا ہے (1)۔

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ہمارے کانوں میں گرانی ہے، تیرا کلام ہمارے کانوں میں داخل نہیں ہوتا، ہمارے دل سمجھ سے پردہ میں ہیں۔ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے یعنی دین میں اختلاف ہے کیونکہ وہ بتوں کی عبادت کیا کرتے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے۔ یہ معنی فراء اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پردہ جو قبول کرنے سے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابوجہل نے اپنا سر کپڑے سے ڈھانپا اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے۔ یہ بات اس نے مذاق کے انداز میں کی۔ یہ بات نقاش نے کی اور زمخشری نے اسے ذکر کیا۔ یہاں حجاب سے مراد کپڑا ہے۔

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝ یعنی ہماری ہلاکت کا اہتمام کرو ہم تیری ہلاکت کا اہتمام کرنے والے ہیں (2)۔ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: تو اپنے اس الٰہ کے لیے سرگرم عمل رہ جس نے تجھے بھیجا ہے اور ہم اپنے معبودوں کے لیے کام کرتے رہیں گے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیرا دین جو تقاضا کرتا ہے وہ کرو اور ہم وہ کریں گے جو ہمارا دین تقاضا کرے گا۔ پانچویں قول کا بھی احتمال ہے اپنی آخرت کے لیے کام کرو ہم اپنی دنیا کے لیے کام کریں گے (3)۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۝

”آپ فرمائیے: میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند البتہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خدائے یکتا ہی ہے پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے، اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا“۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بادشاہ نہیں بلکہ میں انسان ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی۔ يُوْحٰٓى اِلَيَّ یعنی فرشتوں کے ذریعے آسمانوں سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (4)۔

اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا معبود ایک ہے اس پر ایمان لاؤ اور دعا کرتے وقت اور سوال کرتے وقت اس کی طرف متوجہ ہو۔ وَاسْتَغْفِرُوْهُ اپنے شرک پر مغفرت طلب کرو۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 241　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 166　3۔ ایضاً　4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 412

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت نہیں دیتے یہ نفس کی زکوٰۃ ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا: وہ صدقہ نہیں کرتے اور اطاعت میں خرچ نہیں کرتے انہیں بخل پر شرمندہ کیا گیا ہے جس سے صاحب فضل لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ کافر کو ان کے کفر پر عذاب دیا جائیگا۔

فراء اور دوسرے علماء نے کہا: مشرک مال خرچ کرتے، حاجیوں کو پانی پلاتے، انہیں کھانا کھلایا کرتے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان پر ان چیزوں کو مشرکین نے حرام کر دیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اس وجہ سے وہ اطاعت میں خرچ نہیں کرتے، نہ وہ اپنے گناہوں پر بخشش طلب کرتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ مشرکین کے اوصاف میں سے زکوٰۃ کا انکار آخرت کے انکار کے ساتھ کیوں ملایا گیا ہے (1)؟ میں اس کا جواب دوں گا: انسان کو سب سے محبوب چیز اس کا مال ہوا کرتی ہے مال اس کی روح کا جزو ہے جب انسان اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے ثابت قدم ہونے، اس کی استقامت، صدق نیت اور خلوص عمل پر دلیل ہے کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھتا: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (البقرہ: 256) اپنے نفسوں کو ثابت رکھتے ہیں اور اپنے مال خرچ کر کے اس کے ثبات پر دلیل قائم کرتے ہیں مؤلفۃ قلوب (وہ کفار جن کو زکوٰۃ کا مال تالیف قلوب کے لیے دیا جاتا تھا) ان کے ساتھ تھوڑے سے دنیاوی مال پر تدبیر کی گئی جس سے ان کی رشتہ داری قوی ہوگئی اور ان کی طبیعتوں میں نرمی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد مرتدین نے زکوٰۃ کے انکار کے لیے ہی باہم تعاون کیا تو ان کے ساتھ جنگیں کی گئیں اور جہاد کیا گیا: اس میں مومنوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس کے روکنے پر سخت ڈرایا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ روکنے کو مشرکین کی صفات قرار دیا گیا ہے اور آخرت کے انکار کے ساتھ اسے ملایا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا معنی غیر مقطوع کیا ہے وہ ختم نہ ہوگا یہ مننت الحبل سے ماخوذ ہے جب تو اس کو کاٹ دے اسی معنی میں ذی الاصبع کا شعر ہے:

اِنِّیْ لَعَمْرُكَ مَا بَابِیْ بِذِیْ غَلَقٍ     عَلَى الصَّدِيْقِ وَلَا خَيْرِيْ بِمَمْنُوْنِ (2)

تیری زندگی کی قسم! میرا دروازہ دوست پر کبھی بند نہیں ہوا اور نہ میرا احسان ختم ہوا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَتَرٰى خَلْفَهَا مِنَ الرَّجْعِ وَالْوَقْعِ     مَنِيْنًا كَاَنَّهُ اَهْبَاءُ

منون سے مراد الغبار المنقطع الضعیف ہے۔

---

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 87-186     2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 169

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے(1)۔ مقاتل نے کہا: اس میں نقص نہیں ہوگا اسی سے منون کا لفظ ہے کیونکہ موت انسان کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔ زہیر نے کہا:

فضل الجواد على الخيل البطاء فلا  يعطي بذلك ممنونا ولا نزقا

جوہری نے کہا: اس کا معنی کاٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کا معنی نقص ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ۔ لبید نے کہا:

غُبْسٌ كَوَاسِبُ لَا يُمَنُّ طَعَامُهَا

مجاہد نے کہا: اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر کوئی احسان نہیں جتایا جائیگا۔ سدی نے کہا: یہ آیت اپاہج، مریضوں اور بوڑھوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اطاعت بجا لانے سے کمزور ہوئے تو ان کے لیے اتنا اجر لکھا جاتا رہے گا جتنا اجر ان کے لیے اس وقت لکھا جاتا تھا جب وہ عمل کیا کرتے تھے۔

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ۝ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

"آپ ان سے پوچھیے: کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لیے مد مقابل، وہ تو رب العالمین ہے (اس کا مد مقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے گاڑ دیے ہیں زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دیں ہیں اس میں غذائیں (ہر نوع کے لیے) چار دنوں میں (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لیے۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے) خوشی سے یا مجبوراً دونوں نے عرض کی: ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال، اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سوا انتظام سب سے عالم سب کچھ جاننے والے (خدا کا) ہے۔"

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 169

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ یعنی آسمان کی تخلیق کا ارادہ کیا اور اس کے درست کرنے کا قصد کیا۔ اکثر اقوال کے مطابق استواء افعال کی صفت ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (البقرۃ: 29) اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ یعنی اس کا امر آسمان کی طرف بلند ہوا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ جس نے یہ کہا یہ صفت ذاتیہ زائدہ ہے اس نے کہا: ازل میں اپنی صفات کا قصد کیا۔ ثم کا لفظ ذکر کیا تو آسمان کو دخان کی صفت سے حالت کثافت منتقل کیا یہ دھواں پانی کے سانس لینے سے پیدا ہوتا تھا جس طرح سورۂ بقرہ میں حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء سے منقول ہے۔

فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا یعنی میں نے تم دونوں سے جو منافع اور مصالح پیدا کیے تھے ان کو لے آؤ اور میری مخلوق کے لیے نکالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرمایا اپنے سورج، اپنے چاند اور اپنے ستاروں کو طلوع کرو اور اپنی ہوائیں اور بادل جاری کرو اور زمین سے فرمایا: اپنے دریاؤں کو جاری کرو، اپنے درخت اور پھلوں کو نکالو راضی ہو کر یا مجبور ہو کر۔ دونوں نے جواب دیا: ہم انہیں خوشی خوشی لے آئے ہیں۔ کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے اتینا امرک طآئعین۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر سے مراد تسخیر ہے یعنی تم دونوں ہو جاؤ تو وہ ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿ (النحل) اس تعبیر کی بنا پر یہ ارشاد اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق سے پہلے کیا ان دونوں کو جو ارشاد فرمایا اس کی دو توجیہیں ہیں: (1) یہ ایسا قول ہے جس کا تکلم ہوا۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدرت ہے جو ان دونوں کے حق میں ظاہر ہوئی تو مقصد کو پانے میں یہ کلام کے قائم مقام ہوگئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ﴿ اس میں بھی دو توجیہیں ہیں: (1) جب انہوں نے اطاعت کی اور جواب دیا تو دونوں سے اطاعت ظاہر ہوگئی تو یہ اطاعت ان کے قول کے قائم مقام ہوگئی؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے:

امْتَلَأَ الْحَوْضُ وَقَالَ قَطْنِی　مَهْلًا رُوَیْدًا قَدْ مَلَأْتَ بَطْنِی

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو اور میں نے اپنا پیٹ بھر لیا ہے۔

یعنی اس میں یہ امر ظاہر ہو گیا ہے، اس نے قول نہیں کیا اکثر اہل علم لوگوں کی رائے ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں میں کلام کو پیدا کیا تو دونوں نے اس طرح کلام کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا۔ ابو نصر سکسکی نے کہا: وہ کعبہ مشرفہ کی جگہ سے گویا ہوئی اور آسمان کی جو جگہ اس کے مقابل ہے وہ وہاں سے گویا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنا حرم رکھ دیا[1]۔ فرمایا: طَآىِٕعِیْنَ، طائعتین نہیں فرمایا لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اور نہ طائعات کہا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے کیونکہ دونوں کی آسمان اور زمینیں ہیں کیونکہ خبر ان دونوں میں جو کچھ ہے ان کے بارے میں دی جا رہی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان کی صفت قول اور جواب دینے سے لگائی گئی جو ذوالعقول کی صفات ہیں تو ضمیر میں بھی انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا گیا اسی کی مثل ہے رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ﴿ (یوسف) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ حدیث طیبہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 173

میں ہے: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اگر میں آسمان اور زمین کو جب یہ کہوں: ائتیا طوعا او کرھا تو وہ تیری فرمانبرداری کریں تو تو ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ فرمایا: میں اپنے جانوروں میں سے ایک جانور کو حکم دوں گا تو وہ ان دونوں کو نگل جائے گا۔ عرض کی: اے میرے رب! وہ دابہ (جانور) کہاں ہے؟ فرمایا: میری چراگاہوں میں سے ایک چراگاہ میں۔ عرض کی: وہ چراگاہ کہاں ہے؟ فرمایا: میرے علم میں“۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ نے آتیا مد اور فتح کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: آتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ معنی ہے تم دونوں اپنی جانب سے اطاعت پیش کرو۔ دونوں نے کہا: ہم نے خوشی خوشی اطاعت کی تو دونوں مفعول حذف کر دیئے گئے۔ اور یہ بھی جائز ہے اور یہ بہتر بھی ہے کہ آتینا فاعلنا کے وزن پر ہو تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ جس نے آتینا پڑھا ہے تو معنی ہو گا جو کچھ ہم میں تھا ہم اسے لے آئے جس طرح اس کی وضاحت کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ انہیں مکمل کیا اور ان سے فارغ ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے انہیں پختہ کیا جس طرح کہا:

وعلیہما مسرودتان قضاھما داود او صنع السوابغ تبع

ان دونوں پر زرہیں ہیں جنہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے پختہ بنایا ہے۔

فِیْ یَوْمَیْنِ ان چار ایام کے علاوہ جن میں زمین کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (یونس: 3) جس طرح اس کی وضاحت سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ مجاہد نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن ہزار سال کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزیوں کو پیدا کیا اور دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا کیا۔ زمین کو اتوار اور سوموار میں پیدا کیا منگل اور بدھ میں اس کی روزیوں کو مقرر کیا۔ آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کو پیدا کیا اور جمعہ کے روز آخری ساعت میں جلدی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی گھڑی میں قیامت برپا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور بھی پیدا کیا ہے وہ جمعہ کے دن سے ڈرتا ہے مگر انسان اور جن نہیں ڈرتے۔ معانی تفسیر کا یہی نقطہ نظر ہے مگر امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتے کے روز پیدا کیا[1]“ ہم نے اس کی سند کے بارے میں سورۃ الانعام میں گفتگو کی ہے۔

وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا قتادہ اور سدی نے کہا: اس میں اس کا سورج، اس کا چاند، اس کے ستارے اور افلاک پیدا کیے اور ہر آسمان میں اس کی مخلوق یعنی فرشتے اور اس میں اس کی مخلوق یعنی سمندر، اولوں اور برفوں کے پہاڑ پیدا کیے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جس کا فرشتے حج کرتے ہیں اور طواف کرتے ہیں یہ گھر کعبہ کے مقابلہ میں ہے جو گھر آسمان دنیا میں ہے وہ بیت معمور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفۃ القیامۃ، جلد 2، صفحہ 371

أَمْرَهَا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جس کا ارادہ کیا اور جس کا حکم دیا۔ یہاں سے مراد کل امر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (الزلزال) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ (المائدہ: 111) یعنی میں نے انہیں حکم دیا اور یہ امر تکوینی ہے۔

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ مصابیح سے مراد ایسے ستارے ہیں جو روشن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر آسمان میں روشن ستارے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو آسمان دنیا کے ساتھ خاص ہیں۔ وَحِفْظًا اس کی تقدیر کلام یہ ہے وحفظناها حفظاً یعنی ان شیاطین سے ہم نے اسے محفوظ کیا جو چوری چھپے سنتے تھے۔ یہ ستاروں کے ساتھ جو حفاظت ہے وہ یہی ہے جو شیاطین کو ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے جیسا سورۂ حجر میں بیان گزر چکا ہے۔ اس آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے تخلیق کیا گیا۔ ایک دوسری آیت میں ہے: أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا (النازعات) پھر فرمایا: وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (النازعات) اور یہ خلق سے مختلف چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پیدا کیا پھر زمین کو بچھایا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝ إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝

پھر اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرا دیا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد و ثمود کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔ (انہیں یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے بھی (ہر طرف سے) یہ سمجھانے کے لیے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی (ہمیں سمجھانے کی) تو فرشتے نازل کرتا پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اس کا سراسر) انکار کرتے ہیں۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق اور کہنے لگے: ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے زیادہ قوی ہے، اور وہ تو ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی ہوا منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان

کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی"۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اے محمد! ﷺ اگر کفار قریش ایمان سے اعراض کریں جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ یعنی میں نے ڈرایا ہلاکت سے جس طرح عاد اور ثمود کی ہلاکت تھی۔ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ یعنی ان کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا اور ان سے قبل قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اَنْ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر محذوف ہے اصل میں کلام یوں تھی بان لا تعبدوا۔ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً یعنی رسولوں کی جگہ فرشتے مبعوث کرتا فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ یعنی انذار اور تبشیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کی طرف سے استہزاء ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے انہوں نے اقرار کیا ہے کہ ان کی طرف رسول مبعوث ہوئے اس کی بعد انکار اور عناد ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ یعنی انہوں نے اللہ کے بندوں حضرت ہود اور مومنوں پر تکبر کیا۔ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً جب انہیں عذاب کی دھمکی دی تو انہوں نے اپنے جسموں کی وجہ سے دھوکہ کھایا انہوں نے کہا: ہم اپنی قوت کی زیادتی کی وجہ سے اپنے آپ سے عذاب دور کرنے پر قادر ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لمبے جسموں والے اور موٹے تھے۔ سورۃ اعراف میں بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان میں سے طویل ترین سو ہاتھ اور چھوٹا ساٹھ ہاتھ کا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۔ قوۃ کا معنی قدرت ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے سے قادر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ قادر ہے وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝ وہ ہمارے معجزات کا انکار کرتے تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا یہ صاعقہ کی تفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجی تھی ایسی ہوا جو سخت ٹھنڈی تھی آواز شدید اور تیز چل رہی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے: اصل میں صرر تھا جو صر سے مشتق ہے جس کا معنی ٹھنڈک ہے درمیانی راء کو فاء کلمہ سے بدل دیا جس طرح ان کا قول ہے کبکبوا اصل میں کببوا تھا۔ تجفجف الثوب اصل میں تجفف الثوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: صرصرا کا معنی ہے سخت آندھی۔ عکرمہ اور سعید بن جبیر نے کہا: سخت سرد۔ قطرب نے ابو حطیئہ کا قول ذکر کیا:

المطعمون اذا هبت بصرصرة والحاملون اذا استودوا على الناس (1)

جب سخت ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں تو وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور وہ بوجھ اٹھانے والے ہیں جب لوگوں پر سردار بنایا جائے۔

مجاہد نے کہا: سخت زہریلی (2)۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے اس کا معنی ٹھنڈی ہے۔ یہ عطا نے کہا: کیونکہ صرصر یہ صر سے ماخوذ ہے کلام عرب میں صر سے مراد برد ہے:

[illegible]

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 174          2۔ ایضاً

جس کو تم جانتے ہو۔ مہدوی نے کہا: نحس میں اسکان بھی سنا گیا ہے۔

جوہری نے کہا: فی یوم نحس میں اسے صفت کے طور پر پڑھا گیا ہے جبکہ اضافت بہت زیادہ اور عمدہ ہے نحس الشئ فھو نحس۔ شاعر نے کہا:

أبلغ جذاما ولخما أن إخوتهم　　طيا وبهراء قوم نصرهم نحس

جذام اور لخم کو خبر پہنچا دو ان کے بھائی طی اور بہراء ایسی قوم ہیں جن کی مدد غبار والے دن نے کی۔

اسی معنی میں ہے أيام نحسات ہے۔

لنذيقهم تاکہ ہم ان کو چکھا دیں۔ عذاب الخزي في الحياة الدنيا یعنی بانجھ ہوا کے ساتھ ولعذاب الآخرة أخزى آخرت کا عذاب بڑا اور شدید ہوگا۔

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾

"باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے"۔

وأما ثمود فهديناهم یعنی ہم نے ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور دوسرے علماء نے اما ثمود نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔

فاستحبوا العمى على الهدى انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا۔ ابو عالیہ نے کہا: انہوں نے وضاحت پر اندھے پن کو پسند کیا۔ سدی نے کہا: معصیت کو اطاعت پر پسند کیا(1)۔

فأخذتهم صاعقة العذاب الهون، الھون ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے۔ ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر جو کنانہ اور اسد سے تعلق رکھتا تھا۔ اھانہ اس کو حقیر و خفیف جانا اس کا اسم ھوان اور مھانہ ہے۔ صاعقہ کو عذاب کی طرف مضاف کیا کیونکہ صاعقہ کہتے ہیں ہلاک کرنے والی چیز کو۔ گویا فرمایا: مھلك العذاب یعنی ایسا عذاب جو مہلک ہے ھون اگرچہ مصدر ہے اس کا معنی اھانہ ہے اور اھانہ کا معنی عذاب ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی صفت بنا دیا جائے گویا کہا: صاعقة الهون وہ تیرے اس قول کی طرح ہے: عندی علم الیقین اور عندی العلم الیقین۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھون، دون کی طرح ایک اسم ہو جو جملہ کہا جاتا ہے: عذاب ھون یعنی ایسا عذاب جو ذلیل کرنے والا ہے جس طرح فرمایا: فما لبثوا في العذاب المهين ﴿ (سبا) ﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسے عذاب کا صاعقہ جو ذلت والا ہے بما کانوا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 175

يَتَّقُوْنَ۝ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں جس طرح یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی حضرت صالح علیہ السلام اور جو ایمان لائے تھے یعنی ہم نے انہیں کفار سے ممتاز کر دیا ان پر وہ عذاب نازل نہ ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تیری قوم کے مومنوں اور ان کے کافروں کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھر وہ گروہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے تو (حساب شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے: (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو"۔

نافع نے نحشر نون کے ساتھ پڑھا ہے اور اعداء کو نصب دی ہے باقی قراء نے يُحْشَرُ یاء مضموم کے ساتھ پڑھا ہے اور اَعْدَآءُ مرفوع ہے دونوں کا معنی واضح ہے۔ اَعْدَآءُ اللّٰهِ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور ان کے امر کی مخالفت کی فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ انہیں ہانکا جائے گا اور جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: پہلوں کو روکے آخری افراد پر روک لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ جمع ہو جائیں گے۔ ابو احوص نے کہا: جب تعداد مکمل ہو جائے گی تو جرم کے اعتبار سے سب سے بڑے پھر اس کے بعد بڑے کا آغاز کیا جائے گا۔ يُوْزَعُوْنَ کے بارے میں گفتگو سورۂ نمل میں مفصل گزر چکی ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا مَا میں ما زائدہ ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ چمڑے بذات خود ان پر گواہی دیں گے۔ سدی، عبید اللہ بن ابی جعفر اور فراء نے کہا: جلود سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ ایک ادیب نے عامر بن جویہ کا شعر پڑھا:

المرء يسعى للسلامة والسلامة حسبه

او سالم من قد تثنى جلده وابيض رأسه

وَقَالُوْا یعنی کفار نے کہا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا تم ہماری جانب سے جھگڑا کیا کرتے تھے تو قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ

جو تم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس اگر وہ صبر کریں یا نہ کریں آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا۔ اور ہم نے مقرر کر دیے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے وہ سب (اگلے اور پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے"۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ یہ جائز ہے کہ یہ اعضاء کا ان کے لیے قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کا قول ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس تین افراد جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی۔ ان کے دلوں میں فہم کم تھا اور پیٹوں کی چربی بہت زیادہ تھی ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ جو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: اگر ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم خفیہ طریقہ سے بات کریں تو وہ نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: جب ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے پھر جب ہم مخفی طریقہ سے بات کریں گے تب بھی وہ سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1): وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے کہا: بیت اللہ شریف کے پاس تین آدمی اکٹھے ہوئے پھر حرف بحرف اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہناد، ابو معاویہ سے وہ اعمش سے وہ عمارہ بن عمیر سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہا حضرت عبداللہ نے کہا: میں اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کے پردوں سے چھپائے ہوئے تھا کہ تین افراد آئے ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے اور دانش کم تھی ایک قریشی اور دو اس کے داماد ثقفی یا ایک ثقفی اور دو اس کے داماد قریشی تھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی جس کو میں نہ سمجھ سکا ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ، اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب ہم اپنی آوازیں بلند کریں تو وہ سن لیتا ہے اور جب ہم اپنی آوازوں کو بلند نہ کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ ہماری گفتگو سے کچھ سنتا ہے تو وہ تمام ہی سن لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(2)۔ ثعلبی نے کہا: ثقفی عبد یالیل تھا اور اس کے دو داماد ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔

تَسْتَتِرُوْنَ کا اکثر علماء کے نزدیک معنی ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی جسے اپنے نفوس سے چھپاتے ہو کہ اعضاء تمہارے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، وذالکم ظنکم، جلد 2، صفحہ 713

2۔ جامع الترمذی، باب ومن سورۃ حم السجدہ، حدیث نمبر 3171-3172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فإن تك بالأمس اقترفت إساءة — فثنّ بإحسان وأنت حميد

ولا ترج فعل الخير منك إلى غد — لعل غدًا يأتي وأنت فقيد

تیرا آج نیا ہے کل گزر گیا جو ایسا گواہ ہے جس کو عادل قرار دیا گیا ہے تیرا یہ دن اعمال پر گواہی دینے والا ہے اگر تو نے گزشتہ کل برا عمل کیا ہے تو دوسرا احسان کر جبکہ تو محمود ہے۔ اچھے عمل کو کل تک مؤخر نہ کر ممکن ہے کل آئے اور تو نہ ہو۔

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ یعنی تمہیں ہلاک کر دے اور تمہیں جہنم میں داخل کر دے، قتادہ نے کہا: یہاں ظن کا لفظ علم کے معنی میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یموتن أحدکم إلا وهو یحسن الظن بالله فإن قومًا أساءوا الظن بربهم فأهلکهم تم میں سے کوئی آدمی نہ مرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو اگر کوئی قوم اپنے رب کے بارے میں سوء ظن رکھے تو وہ انہیں ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ کا یہی مطلب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا: کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں آرزوؤں نے غافل کر دیا ہے(1) یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلے تو ان کے لیے کوئی نیکی نہ تھی ان میں سے ایک کہتا ہے: میں اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں اور وہ جھوٹ بولتا ہے اگر وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا تو حسن عمل کرتا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی۔ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ قتادہ نے کہا: جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ وہ مرے تو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو تو وہ ایسا کرے کیونکہ ظن دو طرح کے ہیں ایک ظن نجات دیتا ہے اور ایک ظن ہلاک کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ بدکاریاں کرتے رہے تھے اور ان سے توبہ نہ کرتے تھے اور مغفرت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے یہاں تک کہ وہ دنیا سے مفلس کی حیثیت سے نکلے پھر اس آیت کو پڑھا: وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۔

فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ اگر وہ دنیا میں جہنمیوں کے اعمال پر صبر کرتے رہے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ (بقرہ) جس طرح یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا اگر دنیا میں رضاء الٰہی کے طالب ہوتے جبکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہوں تو انہیں اللہ کی رضا نصیب نہیں ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ جہنم میں صبر کریں یا وہ جزع فزع کریں تو جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں جزع پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا کیونکہ مستعتب جزع کرتا ہے اور معتب اسے کہتے ہیں جس کی جزع قبول ہو۔ نابغہ نے کہا:

فإن أك مظلومًا فعبد ظلمته — وإن تك ذا عتبى فمثلك يعتب

اگر میں مظلوم ہوں تو ایسا بندہ ہوں جس پر تو نے ظلم کیا اگر تو رضا والا ہے تو تیری مثل ہی ناراضگی کا سبب دور کرتا ہے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 416

یعنی تیری شکل ہی وہ ذات ہے جو صالحیت کو قبول کرتی ہے اور مراجعت کو قبول کرتی ہے جب اس سے اس کا سوال کیا جائے۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ہے کہ محبت سے خطاب کرنا اور ناراضگی کا ذکر کرنا تو کہا جاتا ہے: عاتبته معاتبة۔ میں نے اس سے ناراضگی اور محبت کے ساتھ اظہار کیا یوں کہا جاتا ہے: بینهم أعتوبة يتعاتبون بها۔ یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: إذا تعاتبوا أصلح ما بينهم العتاب أعتبني فلان، جب وہ ناراضگی سے میری خوشی کی طرف لوٹ آئے۔ اس سے اسم عتبیٰ آتا ہے اس سے مراد جس پر عتاب کیا جا رہا تھا اس کا دوسری طرف لوٹنا جس سے عتاب کرنے والا راضی ہوتا ہے۔ استعتب اور اعتب کا معنی ایک ہی ہے۔ استعتب کا معنی یہ بھی ہے کہ کسی سے رضامندی کا مطالبہ کیا جاتا ہے: استعتبته فأعتبني میں نے اسے راضی کرنا چاہا تو اس نے مجھے راضی کر دیا۔ وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا معنی ہے انہوں نے رضا کو طلب کیا تو ان کی طلب نے انہیں کوئی نفع نہ دیا جن کے لیے جہنم ضروری ہے۔ تفسیر میں یہ معنی کیا گیا ہے اگر وہ اپنے رب سے بخشش کے طالب ہوں گے تو وہ بخشے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے (1)۔ عبید بن عمیر اور ابو العالیہ نے اسے پڑھا: وَ اِنْ یُّسْتَعْتَبُوْا یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی طرف لوٹا دے تب بھی وہ اس کی اطاعت والے عمل نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے کہ وہ بدبخت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28) یہ ہروی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلب نے کہا: جب وہ ناراض ہو تو کہا جاتا ہے عتب، جب وہ راضی ہو تو کہتے ہیں اعتب (2)۔

وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ نقاش نے کہا: ہم نے ان کے لیے شیاطین کو تیار کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے ان پر ایسے شیاطین مسلط کر دیے ہیں جو ان کے ہاں معاصی کو مزین کر کے پیش کرتے ہیں یہ دونوں شیاطین اور انسانوں میں سے قرین ہوں گے یہ کہا جاتا ہے: قیض الله فلانا لفلان وہ اس کے پاس سے آیا اور اس نے اس کے لیے مقدر کیا گیا یعنی جس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رزق کو مقرر کیا جس طرح میں اسے طلب کرتا تھا تقییض کا معنی بدل دینا ہے یہاں سے مقایضہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قایضت الرجل مقایضة یعنی میں نے اس کے ساتھ سامان کے ساتھ مبادلہ کیا۔

فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ۔ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد امور دنیا ہیں ان شیاطین نے اسے ان کے لیے مزین کیا یہاں تک کہ اسے آخرت پر ترجیح دی وَ مَا خَلْفَهُمْ ان کی موت کے بعد مزین کیا اور انہیں امور آخرت کی تکذیب کی طرف دعوت دی؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ یعنی جہنم میں فَزَیَّنُوْا لَهُمْ دنیا میں ان کے اعمال کو مزین کیا معنی ہے ہم نے ان پر مقدر کیا کہ ایسا ہوگا اور ہم نے ان کے خلاف اس کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اقران کا محتاج کر دیا یعنی ہم نے غنی کو فقیر کا محتاج کر دیا تا کہ وہ اس سے نفع لے اور غنی کو فقیر کا محتاج کر دیا ہے تا کہ وہ اس سے مدد لے تو ان میں سے بعض نے بعض کے لیے معاصی کو مزین کیا وَ مَا خَلْفَهُمْ کا عطف مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ پر نہیں بلکہ معنی ہے انہوں نے آخرت کو ان سے بھلا دیا۔ اس میں اضمار ہے۔ حضرت ابن عباس نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 177　　2۔ ایضاً

ذکر جاتے ہیں: مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد ہے ان کا امور آخرت کو جھٹلانا اور وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے دنیا کی رغبت دلانا۔ زجاج نے کہا: مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد ہے جو انہوں نے اعمال کیے(1) وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد ہے جو انہوں نے جن اعمال کا ارادہ کیا۔ مجاہد کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے گناہ کیے اور وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد جو ان کے بعد عمل کیا جاتا رہا۔

وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ ان پر عذاب ثابت ہو گیا جو عذاب ان سے قبل امتوں پر ثابت ہوا تھا جو کافر ہوئے جس طرح انہوں نے کفر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْ، مع کے معنی میں ہے معنی ہوگا وہ کافر امتوں کے ساتھ داخل ہوں گے جو ان سے قبل ہو گئیں: یعنی امور میں جن میں وہ داخل ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيْٓ اُمَمٍ، فی جملة امم کے معنی میں ہے اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

إن تك عن أحسن الصنيعة مأ　　فوكا ففي آخرين قد أفكوا

شاعر یہ ارادہ کرتا ہے تو آخرین کے زمرہ میں ہے تو کوئی اکیلا نہیں۔ فِيْٓ اُمَمٍ محل نصب میں ہے عَلَيْهِمْ کی ضمیر سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی حق علیهم القول کائنین فی جملة أمم۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ۝ دنیا میں اپنے اعمال میں خسارہ اٹھانے والے اور قیامت کے روز اپنی ذاتوں اور اہل میں خسارہ اٹھانے والے تھے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ۝

"اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچایا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم اس طرح غالب آجاؤ۔ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب کا مزہ اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ، ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے، یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں دکھا دو دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تا کہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے۔"

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 178

حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم سے یہی معنی مروی ہے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے صحیح مسلم میں روایت مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام میں ایک ایسی نصیحت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے بھی سوال نہ کروں (1)۔ فرمایا: "کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت کا اظہار کر"۔ ترمذی نے اس کا اضافہ کیا ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کس چیز کے بارے میں آپ مجھ پر زیادہ خوف کھاتے ہیں وہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی فرمایا: "یہ" (2)۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا معنی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا۔ اسود بن ہلال نے ان سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: تم ان دو آیات کے بارے میں کیا کہتے ہو اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ انہوں نے جواب دیا: انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور گناہ نہ کیے اور نہ ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اسے ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو اس کا معنی نہیں ہے قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا مراد ہے وہ کسی اور الٰہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ (الانعام: 82) انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے طریقہ پر قائم رہے پھر انہوں نے لومڑی کے طریقے نہ کیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے پھر انہوں نے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے فرائض ادا کیے۔ تابعین کے اقوال بھی اسی معنی میں ہیں۔

ابن زید اور قتادہ نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر پر مستقیم رہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لاتے رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا (3)۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پر مستقیم رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ سفیان ثوری نے کہا: اس کے موافق عمل کیا۔ ربیع نے کہا: انہوں نے ماسوی اللہ سے اعراض کیا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: فانی دنیا میں زہد اختیار کیا اور باقی (آخرت) میں رغبت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے عملی طریقہ سے استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح اقرار میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے فعل میں اسی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا جس طرح قول میں استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: رب کعبہ کی قسم! وہ میری امت ہیں۔ امام ابن فورک نے کہا: اس میں سین طلب کی سین ہے جس طرح استسقی میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جامع اوصاف الاسلام، جلد 1، صفحہ 48

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر 2334، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417

سوال نہ کرو وہ انہیں دین پر ثابت رکھے۔ حضرت حسن بصری جب اس آیت کو پڑھا کرتے تو کہتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما (1)۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ ان اقوال میں مفہوم باہم ملا ہوا ہے ان کی تلخیص یہ ہے عقیدہ، قول اور عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعتدال سے کام لو اور اس پر ہمیشگی اختیار کرو۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ابن زید اور مجاہد نے کہا: یہ موت کے وقت ہوگا (2)۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: جب وہ اپنی قبروں سے بعث کے لیے کھڑے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: یہ آخرت میں فرشتوں کی جانب سے ان کے لیے بشارت ہوگی۔ وکیع اور ابن زید نے کہا: بشارت تین مقامات پر ہوگی موت، قبر اور دوبارہ اٹھانے کے وقت (3)۔

اَلَّا تَخَافُوْا اصل میں بان لا تخافوا تھا تو حرف جر کو حذف کر دیا گیا۔ مجاہد نے کہا: موت سے نہ ڈرو۔ وَلَا تَحْزَنُوْا اپنی اولاد پر غم نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ان پر نائب ہے۔ عطا بن ابی رباح نے کہا: اپنے ثواب کے رد کا خوف نہ کرو کیونکہ وہ مقبول ہے، اپنے گناہوں کا غم نہ کرو کیونکہ میں تمہارے حق میں بخشنے والا ہوں۔ عکرمہ نے کہا: آنے والے وقت کا خوف نہ کرو اور اپنے گناہوں پر غمگین نہ ہو۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یہ بات انہیں فرشتے کہیں گے جو بشارت لے کر ان پر نازل ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جب قیامت کا دن ہوگا تو کہیں گے: ہم تم سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تمہیں جنت میں داخل کر دیں۔ سدی نے کہا: ہم دنیا میں تمہارے اعمال کے محافظ تھے اور آخرت میں تمہارے دوست ہوں گے (4)۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہو کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی اور مولیٰ ہے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ یعنی لذت والی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہے گا۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ جو تم سوال کرتے ہو اور جس کی تم تمنا کرتے ہو۔ نُزُلًا سے مراد رزق اور ضیافت ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے انزلناہ نزلا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نازل کی جمع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لکم ما تدعون نازلین۔ تَدَّعُوْنَ میں جو ضمیر مرفوع ہے اس سے حال ہے یا لکم میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 417 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 180 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کیے اور کہا کہ میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی، برائی کا تدارک اس نیکی سے کرو جو بہتر ہے تو ناگہاں وہ شخص تیرے اور اس کے درمیان میں عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان خصائل حمیدہ کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور اے سننے والے! اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ، یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا جنہوں نے قرآن میں لغو باتیں کرنے کی ایک دوسرے کو وصیت کی تو انہیں شر میں متعدد کیا جا رہا ہے معنی ہے قرآن سے بہتر کون سا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے والے سے بہتر قول میں کون اچھا ہو سکتا ہے؟ حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ ابن سیرین، سدی، ابن زید اور حسن بصری نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے(1)۔ حضرت حسن بصری جب یہ آیت پڑھتے تو کہتے: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ حبیب اللہ ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں، اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور لوگوں کو ایسے امر کی طرف دعوت دی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ، عکرمہ، قیس بن ابی حازم اور مجاہد نے کہا: یہ آیت موذنوں کے حق میں نازل ہوئی۔ فضیل بن رفیدہ نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کا موذن تھا مجھے عاصم بن ہبیرہ نے کہا: جب تو اذان کہے اور تو کہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ تو کہہ میں مسلمانوں میں سے ہوں پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ابن عربی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اذان مدنی ہے اگرچہ آیت بھی معنی کے اعتبار سے داخل ہو جائے گی نہ یہ کہ یہ قول کے وقت مقصود تھی اس میں حضرت ابو بکر صدیق بھی داخل ہوں گے جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس وقت کہا جب ملعون لوگوں نے آپ ﷺ کو جکڑ لیا تو فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (غافر: 28) یہ آیت ان تمام کاموں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جن میں توحید اور ایمان کا ذکر ہو۔

میں کہتا ہوں: تیسرا قول ہے یہ سب سے اچھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت ہر اس مومن میں عام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی(2)۔ قیس بن ابی حازم نے یہی بات کہی ہے کہا: یہ ہر مومن کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَعَمِلَ صَالِحًا کا معنی ہے اذان اور اقامت کے درمیان نماز۔ ابو امامہ نے کہا: آپ نے اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ عکرمہ نے کہا: وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد ہے نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔ کلبی نے کہا: فرائض ادا کیے(3)۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے اچھی تعبیر ہے جبکہ وہ محارم سے اجتناب اور مستحب امور کو کثرت سے بجا لانے، اللہ تعالیٰ بہ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 470 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 419 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 181

جو کہتا ہے وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ ابن عربی نے کہا: جو بحث پہلے گزر چکی ہے (1) وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں اسلام مراد ہے لیکن جب قول اور تلوار کے ساتھ دعوت اعتقاد اور غلبہ کے لیے ہوتی ہے اور عمل ریا اور اخلاص کے لیے ہو سکتا ہے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وضاحت ضروری ہے ان سب میں اعتقاد اللہ کے لیے ہے اور عمل اس کی رضا کی خاطر ہے۔

مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ اسے یہ نہیں فرمایا کہ کہے: ان شاء اللہ۔ اس میں اس آدمی کا رد ہے جو یہ کہتا ہے: أنا مسلم ان شاء اللہ۔

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ فراء نے کہا: لا زائدہ ہے کلام یوں ہے ولا تستوی الحسنة والسیئة اور یہ شعر پڑھا:

ما کان یرضی رسول اللہ فعلہم     والطیبان أبو بکر ولا عمر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر دونوں پاکیزہ ہستیاں ان کے عمل پر راضی نہ تھے۔ شعر میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ارادہ کیا یعنی تو حسنہ جس پر آپ ہیں اور شرک جس پر مشرک ہیں برابر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور سیئہ شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنہ سے مراد طاعت ہے اور سیئہ سے مراد شرک ہے یعنی یہ پہلا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حسنہ سے مراد عفو و درگزر ہے اور سیئہ سے مراد انتقام ہے۔ ضحاک نے کہا: حسنہ سے مراد علم ہے اور سیئہ سے مراد فحش ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حسنہ سے مراد آل رسول سے محبت ہے اور سیئہ سے مراد ان سے بغض ہے (2)۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ آیت سیف کی وجہ سے یہ منسوخ ہے اور اس میں سے مستحب باقی ہے وہ حسن معاشرت، برداشت کرنا اور چشم پوشی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آدمی تیرے ساتھ جہل سازی کرتا ہے اپنے حلم کے ساتھ اس کے جہل کو دور کرے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: مراد ایسا آدمی ہے جو دوسرے کو گالی دیتا ہے دوسرا کہتا ہے: اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے۔ اسی طرح ایک اثر مروی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات ایک ایسے آدمی سے کہی جس سے آپ نے اس قسم کی اذیت پائی تھی۔

مجاہد نے کہا: بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ سے مراد یہ ہے سلام کہنا جب وہ اپنے دشمن سے ملے؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک تیسرا قول ہے جو قاضی ابوبکر بن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے (3) جو مصافحہ ہے ایک اثر میں ہے تصافحوا یذھب الغل (4) باہم مصافحہ کیا کرو کینہ جاتا رہتا ہے۔ امام مالک مصافحہ کی رائے نہ رکھتے تھے آپ کی سفیان کے ساتھ ملاقات ہوئی اور مصافحہ کے بارے میں گفتگو کی۔ سفیان نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار سے اس وقت مصافحہ کیا تھا جب آپ حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ حکم خاص ہے۔ سفیان نے ان سے کہا: جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے وہ ہمارے لیے بھی خاص ہے جو آپ کے لیے عام ہے وہ ہمارے لیے بھی عام ہے مصافحہ ثابت ہے اس

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1662
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1663
4۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، ما جاء فی المهاجرة، صفحہ 708-7

کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

قتادہ نے روایت کی ہے کہا میں نے حضرت انس سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ کا معمول تھا(1)؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ایک اثر ہے: محبت کا کمال ہاتھ پکڑنا ہے۔ محمد بن اسحاق (جو امام مقدم ہے) زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھے جبکہ جسم پر پورا لباس نہ تھا اللہ کی قسم! میں نے اس سے قبل اور اس کے بعد آپ کو بے لباس نہ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ معانقہ کیا اور اسے بوسہ دیا(2)۔

میں کہتا ہوں: امام مالک سے مصافحہ کا جواز مروی ہے یہی علماء کی جماعت کا نقطہ نظر ہے۔ سورۂ یوسف میں یہ بحث گزر چکی ہے وہاں ہم نے حضرت براء کی حدیث کا ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے وہ جو دونوں میں محبت اور خلوص ہوا کرتی ہے تو ان کے گناہ ان دونوں کے درمیان گرا دیے جاتے ہیں''(3)۔

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۝ ولی حمیم یعنی قریبی دوست۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابو سفیان بن حرب کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچایا کرتا پہلے وہ دشمن تھا بعد میں رشتہ مصاہرت کی وجہ سے دوست بن گیا پھر وہ اسلام لے آیا، اسلام میں دلی دوست اور قرابت میں حمیم بن گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیا کرتا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو اس پر صبر اور درگزر کا حکم دیا، یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے(4)۔ پہلا قول ثعلبی اور قشیری نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے حکم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں غضب کے وقت صبر، جہالت کے وقت حلم اور زیادتی کے وقت عفو کا حکم دیا جب لوگ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اس کے دشمن کو زیر کر دیتا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی شیر خدا کے غلام قنبر کو گالی دی حضرت علی شیر خدا نے اپنے غلام کو آواز دی: اے قنبر! اپنے گالی دینے والے کو چھوڑ دو، اس سے بے نیاز ہو جا رحمٰن تجھ سے راضی ہوگا شیطان ناراض ہوگا اور تو اپنے گالی دینے والے کو سزا دے گا احمق کو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں کہ اس کو جواب نہ دیا جائے انہوں نے یہ اشعار ذکر کیے:

وَلَلْكَفُّ عَنْ شَتْمِ اللَّئِيمِ تَكَرُّمًا ... أَضَرُّ لَهُ مِنْ شَتْمِهِ حِينَ يُشْتَمُ

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب الاستئذان، ما جاء فی المصافحة، جلد 2، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاستئذان، ما جاء فی المعانقة، جلد 2، صفحہ 97-98

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی المصافحة، جلد 2، صفحہ 352

4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182

شرافت کی بنا پر کمینے آدمی کو گالی پر جواب نہ دینا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے بنسبت اس کے کہ گالی کے وقت اسے گالی دی جائے۔

ایک اور نے کہا:

وما شيء أحب إلى سفيه  إذا سب الكريم من الجواب

متاركة السفيه بلا جواب  أشد على السفيه من السباب

بے وقوف کے لیے جو سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں جب وہ کریم کو گالی دے۔ جواب کے بغیر سفیہ کو چھوڑ دینا بے وقوف کے لیے گالی دینے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

محمود وراق نے کہا:

سألزم نفسي الصفح عن كل مذنب  وإن كثرت منه لدي الجرائم

میں ہر گنہگار سے درگزر کرتا ہے اور یہ لازم کرتا ہوں اگرچہ اس کے جرائم میرے ہاں بہت زیادہ ہو جائیں۔

فما الناس إلا واحد من ثلاثة  شريف ومشروف ومثل مقاوم

فأما الذي فوقي فأعرف قدره  وأتبع فيه الحق والحق لازم

لوگ تینوں میں سے ایک ہی ہوتا ہے شریف، کمینہ اور مقابل جو مجھ سے بلند مرتبہ ہے میں اس کی قدر و منزلت کو پہچانتا ہوں اور میں اس کے بارے میں حق کی اتباع کرتا ہوں اور حق لازم ہے۔

وأما الذي دوني فإن قال صنت عن  إجابته عرضي وإن لام لائم

جو مجھ سے مرتبہ میں کم ہے اگر وہ کچھ بات کرے تو میں اپنی عزت کو اس کا جواب دینے سے محفوظ رکھتا ہوں اگرچہ ملامت کرنے والا ملامت کرے۔

وأما الذي مثلي فإن زل أو هفا  تفضلت إن الفضل بالحلم حاكم

جو مرتبہ میں میری مثل ہے اگر وہ لغزش کرے تو میں بڑائی کا اظہار کروں بے شک فضیلت کا فیصلہ علم کے ساتھ ہونے والا ہوتا ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ ضمیر سے مراد معروف اور اچھی خصلت ہے اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا جو غصہ پی کر اور اذیت برداشت کر کے صبر کرتے ہیں وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۞ حظ عظیم سے مراد بھلائی میں سے وافر حصہ ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے[1]؛ قتادہ اور مجاہد نے کہا: حَظٍّ عَظِيْمٍ سے مراد جنت ہے[2]۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حظ جنت کے بغیر کبھی بھی عظیم نہیں ہوتا[3]۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُلَقّٰهَآ میں ضمیر سے مراد جنت ہے یعنی جنت صرف صابر لوگ ہی پاتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 182　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔـمُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی۔ مت سجدہ کرو سورج اور چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ تکبر کرتے رہیں تو ان کی قسمت، پس وہ فرشتے جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ کسی وقت خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر بارش کا پانی تو جھومنے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے، بے شک وہ قادر مطلق ہے جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کا، بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

اٰيٰتِهٖ سے مراد وہ علامات ہیں جو اس کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ پھر ان دونوں کو سجدہ کرنے سے منع کیا اگرچہ یہ دونوں عظیم مخلوق ہیں لیکن ان میں یہ فضیلت ان کی حالت کی وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ عبادت کے مستحق بن جائیں کیونکہ ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو نیست و نابود کر دے یا ان کے نور کو ختم کر دے۔

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے انہیں صورت عطا کی اور انہیں مسخر کیا۔ ضمیر سورج، چاند، رات اور دن کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خاص کر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ تثنیہ بھی جمع ہوا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر آیات کے معنی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

ضمیر مؤنث ذکر کیا ہے جبکہ مذکر ہونے کی بنا پر اس میں مذکر و مؤنث کے اعتبار سے تغلیب کا قاعدہ جاری نہیں کیا کیونکہ یہ ایسے اسماء ہیں جو غیر عاقل ہیں۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا یعنی کفار اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اسم موصول سے مراد ملائکہ ہیں يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔـمُوْنَ ۝ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں اکتاتے۔ زہیر نے کہا:

سَئِمْتُ تَكَالِيْفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ ثَمَانِيْنَ حَوْلًا لَا اَبَا لَكَ يَسْاَمِ

میں زندگی کے امور سے اکتا گیا اور جو آدمی اسی سال کا ہو جائے تیرا باپ نہ ہو، وہ اکتا جاتا ہے۔

**مسئلہ**: یہ آیت بلا اختلاف آیت سجدہ ہے۔ سجدہ کے محل کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کا

بات سے بھٹکتی ہے تو ملحد کے ساتھ اس کی صفت بیان کی جاتی ہے اس کی صفت اعتبار سے لانا بھی جائز ہے کہ ربت اور اہتزاز ایک ہی چیز ہے یہ نبات کے نکلنے کی حالت ہے۔ سورۂ حج میں یہ معنی گزر چکا ہے۔

إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ کی مکمل بحث گزر چکی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ۝

"بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن وسلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) (اچھا) جو کرو جو تمہاری مرضی، یقیناً جو تم کرتے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا تو (وہ بہت مجرم لوگ ہیں) اور بے شک وہ بڑی عزت (وحرمت) والی کتاب ہے اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے، یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہی جاتی آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بے شک آپ کا پروردگار (اہل ایمان کے لیے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لیے) دردناک عذاب دینے والا ہے"۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا یعنی ہمارے دلائل میں حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ایک طرف جھکنا اور صراط مستقیم کو چھوڑنا ہے اسی سے قبر میں لحد ہے کیونکہ اسے قبر سے ایک طرف بنایا گیا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: الحد فی دین اللہ یعنی اس سے ایک طرف ہو گیا لحد اس میں ایک لغت ہے یہ کلام بھی انہی کے متعلق ہے جنہوں نے کہا: لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیات میں الحاد کیا اور حق سے ایک طرف جھک گئے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں یہ شعر ہے یا جادو ہے۔ آیات سے مراد قرآن کی آیات ہیں۔ مجاہد نے کہا: يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا سے مراد ہے وہ قرآن کی تلاوت کے موقع پر شور کرنے، لغو اور غنا کرنے کے ساتھ الحاد کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی کلام کو تبدیل کرنا اور بے موقع استعمال کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے ہماری آیات میں جھوٹ بولتے ہیں (1)۔ سدی نے کہا: وہ دشمنی اور مخالفت کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ شرک کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 185

مقاتل نے کہا: یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت سے مراد معجزات ہیں، یہ پہلے قول کی طرف راجع ہے کیونکہ قرآن عظیم معجزہ ہے۔

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ کہا: وہ جسے منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کے نزدیک وہ ابوجہل ہے۔ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَنْ يَّاْتِيْ سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مومن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے جسے آگ میں پھینکا جائے گا اس سے مراد کافر ہے جو قیامت کے روز امن سے آئے گا وہ مومن ہے، یہ ابن بحر کا قول ہے (1)۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ یہ امر تہدید کے لیے ہے یہ جاننے کے بعد کہ وہ برابر نہیں ہو سکتے تو تمہارے لیے جزا لازمی ہے۔ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یہ تہدید کے ساتھ وعید اور وعدہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ تمام کے اقوال میں یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں احکام ہیں۔ ان کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام هالكون او معذبون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خبر اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ہے، درمیان میں مَا يُقَالُ لَكَ جملہ معترضہ ہے پھر ذکر کی طرف کلام کو لوٹایا اور فرمایا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ پہلا قول پسندیدہ ہے۔ نحاس نے کہا: نحویوں کے نزدیک سب اقوال درست ہیں جنکا میں علم رکھتا ہوں۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے ایک قول یہ مروی ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عزیز کا معنی کریم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غالب کیا ہے باطل اس میں راہ نہیں پا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مناسب یہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کی عظمت شان کا اظہار کیا جائے اور اس میں کوئی لغو عمل نہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اس چیز سے محفوظ ہے کہ شیطان اس میں تبدیلی کرے، یہ سدی کا قول ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: یہ شیطان اور باطل سے محفوظ ہے۔ سدی نے کہا: یہ غیر مخلوق ہے اس کی کوئی مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عزیز کا معنی ہے اس سے ممتنع ہے کہ لوگ اس قسم کی کلام کریں (3)۔

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ اس سے قبل نازل ہونے والی کتاب اس کی تکذیب نہیں کرتی اور نہ اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہوگی جو اسے باطل اور منسوخ کر دے، یہ کلبی کا قول ہے۔ سدی اور قتادہ نے کہا: اس کے پاس شیطان نہیں آتا وہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں تبدیلی کرے نہ اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کمی کر سکتا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس میں تکذیب داخل نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج نے کہا: اس میں باطل نہیں آ سکتا جو ان چیزوں میں

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 185 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً

زبان میں ہوتا تو کہتے ہمیں اس زبان کا علم نہیں۔

**مسئلہ نمبر 2۔** جب یہ بات ثابت ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ قرآن عربی ہے اور یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے یہ عجمی زبان میں نازل نہیں ہوا اور جب اسے کسی اور زبان میں نقل کیا جائے گا وہ قرآن نہ ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ابو بکر، حمزہ، کسائی نے اسے ءاعجمی ءعربی دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ عجمی اسے کہتے ہیں جو عربی نہ ہو خواہ فصیح ہو یا نہ ہو۔ اعجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہیں ہوتا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہو۔ اعجم فصیح کی ضد ہے وہ ہوتا ہے جو اپنے کلام کی وضاحت نہیں کر سکتا حیوان جو غیر ناطق ہے اسے اعجم کہتے ہیں اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: صلوۃ النہار عجماء دن میں قراءت بلند آواز سے نہیں کی جاتی۔ عجم کی طرف نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ عجمی کی طرف نسبت بیان میں زیادہ موکد ہے۔ معنی ہوگا کیا قرآن عجمی اور نبی عربی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، نصر بن عاصم وغیرہ اور ہشام نے ابن عامر سے اعجمی ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا اس کی آیات کو کیوں بیان نہیں کیا گیا ان میں سے کوئی عربی تھا تو وہ عربی سمجھ لیتا اور کوئی عجمی تھا تو وہ عجمی سمجھ لیتا۔

سعید بن جبیر نے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے کہا: قرآن عجمی اور عربی کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات عجمی ہوتیں اور بعض عربی ہوتیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی قرآن حکیم میں ہر لغت سے کچھ نہ کچھ نازل کیا گیا ہے ان میں سجیل عجمی ہے یہ فارسی ہے اس کی اصل سنگ گل ہے یعنی مٹی اور پتھر۔ اس سے ایک لفظ قسطاس ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے اسی طرح قسورۃ ہے۔ ابن کثیر، ابو عمرو، ابن ذکوان اور حفص نے استفہام کے انداز میں پڑھا ہے مگر انہوں نے اپنے اصول کے مطابق ہمزہ کو لین کر کے پڑھا ہے صحیح قراءت استفہام کی قراءت ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن شک و ریب اور درد سے ہدایت اور شفا ہے ہر اس آدمی کے لیے جو اس پر ایمان لایا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ یعنی قرآن کے سننے سے بہرے ہیں اسی وجہ سے وہ آپس میں باہم لغو کلام کی وصیت کرتے ہیں اس آیت کی مثل وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (الاسراء) ہے۔ یہ بحث مکمل گزر چکی ہے۔ عام قراءت عَمًى ہے یہ مصدر ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ اور سلیمان بن قتہ نے اسے وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمٍ میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کے لیے وہ واضح نہیں۔ ابو عبید نے پہلی قراءت کو پسند کیا کیونکہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ پہلا قول ہے: هُدًى وَّشِفَآءٌ اگر یہ ھاد اور شاف ہوتا تو عمی میں کسرہ درست ہوتا کہ یہ نعت ہوتا تقدیر کلام یہ بنتی ہے جو ایمان نہیں رکھتے تو ان کو ترک کرنے میں ان کے قائم مقام ہیں جن کے کانوں میں ثقل ہے اور قرآن ان پر عمی والا ہے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وقر ہی ان پر عمی ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ یہ قول اس آدمی کے لیے کیا جاتا ہے جو کچھ نہیں سمجھتا۔ اہل لغت نے حکایت

بیان کی ہے کہ جو آدمی سمجھتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تسمع من قریب اور جو نہیں سمجھتا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انت تنادی من بعید گویا اسے دور سے ندا دی جاتی ہے تو وہ آواز تو سنتا اور اسے نہیں سمجھتا۔ ضحاک نے کہا: قیامت کے روز انہیں قبیح ترین نام سے بلایا جائے گا: ینادون من مکان بعید یہ ان کے لیے شدید ترین ہوگا مقصد انہیں شرمندہ کرنا اور ذلیل کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے قرآن میں تدبر نہیں کیا تو وہ اس آدمی کی طرح ہوگا جسے دور کے مکان سے ندا دی جاتی ہے بلانے والے کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تو وہ نہیں سنتا۔ حضرت علی شیر خدا، ابن جریج اور مجاہد نے کہا: وہ ان کے دلوں سے دور ہے۔(1) تفسیر میں ہے گویا انہیں آسمان سے ندا کی جاتی ہے تو وہ اسے نہیں سنتے۔ نقاش نے یہ معنی بیان کیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

"اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات طے نہ ہوئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (کبھی کا) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور بے شک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔

الْكِتٰبَ سے مراد تورات ہے۔ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا۔ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی آپ کی قوم جو آپ کی کتاب میں اختلاف کرتی ہے وہ آپ کو غمگین نہ کرے جو آپ سے قبل انبیاء ہو گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ یعنی انہیں مہلت دینے کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے عذاب کے جلدی آنے کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ وہ قرآن کے بارے میں سخت شک میں مبتلا ہیں۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کلبی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے عذاب کو قیامت تک مؤخر نہ کرتا تو انہیں عذاب آ چکا ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے ساتھ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے عذاب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی اصلاب سے مومن نکلنے والے تھے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ یہ کلام شرط اور جواب ہے۔ اسی طرح یہ کلام ہے وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا اللہ تعالیٰ بندوں کی اطاعت سے مستغنی ہے پس جو اطاعت کرے اس کے لیے ثواب ہے اور جو برائی کرے عتاب اسی پر ہوگا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے تھوڑے اور زیادہ ظلم سے نفی کی۔ جب مبالغہ کی نفی ہوتی تو تھوڑے کی بھی نفی ہو گئی اس کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 187

دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا (یونس: 44) عادل تو وہ ہے ثابت نے زاہد عادل سے انہوں ارقم سے وہ امین اسماء سے وہ رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان حرام کر دیا تم باہم ظلم نہ کیا کرو جبکہ وہ حکیم و مالک ہے مالک اپنی مملوکہ چیز میں جو تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا حق ہوتا ہے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

"اسی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم کے بغیر، اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا، اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں"۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی کب وہ قائم ہوگی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: اے محمد! اگر تو نبی ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ میں زائدہ ہے، مراد ہے جو اس کا پھل نکلتا ہے یعنی اَكْمَامِهَا اپنے برتنوں سے۔ اکمام پھلوں کے برتن ہوتے ہیں اس کی واحد کمۃ ہے یہ پھل اور دوسری چیزوں کا برتن ہوتا ہے اسی وجہ سے گابھے کے چھلکے کو کمۃ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کمۃ کفری کا اس وقت ہوتا ہے جو اس کا چھلکا ہو جب وہ پھٹ جائے تو وہ کمۃ نہیں ہوتا۔ سورۃ الرحمٰن میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔ نافع، ابن عامر اور حفص نے جمع کا صیغہ مِنْ ثَمَرٰتٍ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ پڑھا ہے مراد جمع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى یہاں بھی جمع مراد ہے فرماتا ہے: قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس طرح پھلوں اور بچوں کے جننے کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ندا کرے گا: اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ دنیا میں جن کے بارے میں تم گمان کیا کرتے تھے کہ وہ الہ ہیں اور سفارش کریں گے وہ کہاں ہیں؟ قَالُوْٓا بتوں نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مراد عابد اور معبود سب ہیں۔ اٰذَنّٰكَ ہم نے تجھے سنا دیا اور تجھے آگاہ کیا کہا جاتا ہے آذن یوذن جب وہ آگاہ کرے، کہا:

أذنتنا ببينها أسماء — اسماء نے اپنے جیوں کے بارے میں ہمیں آگاہ کیا۔

مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝ ہم تجھے آگاہ کرتے ہیں ہمارے پاس کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کی گواہی دے کہ تیرا کوئی شریک ہے۔ جب انہوں نے قیامت کو دیکھا تو انہوں نے بتوں سے براءت کا اظہار کیا اور بتوں نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا جس طرح یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

تو اس معنی میں ذکر کیا کہ یہ تکلیف ہمیشہ رہے گی۔ کلبی کا قول قریب قریب ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا یہاں رحمت سے مراد عافیت، آسودگی اور غنا ہے۔ ضراء سے مراد تکلیف، بیماری، سختی اور فقر ہے لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ یہ وہ چیز ہے جس کا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق بن چکا ہوں کیونکہ وہ میرے لیے عمل پر راضی ہو چکا ہے تو وہ نعمت کو حق اور اللہ تعالیٰ پر واجب خیال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هٰذَا لِیْ کا معنی ہے یہ میرے پاس ہے۔

وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور لام تاکید کے لیے ہے وہ عمل کے بغیر آرزو کیا کرتا ہے۔ حضرت حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو آرزوئیں ہوں گی جہاں تک دنیا کی آرزو کا تعلق ہے وہ کہے گا: وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ اور آخرت کے بارے میں کہے گا: یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿ (الانعام) اور یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿ (النبا)

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ہم ضرور انہیں جزا دیں گے۔ یہ قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر قسم اٹھائی ہے۔ غلیظ کا معنی شدید ہے۔

وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ انسان سے مراد کافر ہے اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں جنہوں نے اسلام سے اعراض کیا اور اس سے دور ہوئے۔ نَاٰ بِجَانِبِهٖ کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو بلند جانا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء پر تکبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نأى کا معنی دور ہونا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نأيته ونأيت عنه نأيا۔ میں اس سے دور ہوا۔ أنأيته فانتأى میں نے اسے دور کیا تو وہ دور ہو گیا۔ تناءوا، وہ دور ہو گئے۔ منتأى، دور جگہ۔ نابغہ نے کہا:

فَاِنَّكَ كَاللَّيْلِ الَّذِيْ هُوَ مُدْرِكِيْ ... وَاِنْ خِلْتُ اَنَّ الْمُنْتَاٰى عَنْكَ وَاسِعُ

تو رات کی طرح ہے جو مجھے پانے والی ہے اگرچہ میں خیال کرتا تھا کہ تجھ سے دوری بہت وسیع ہے۔

یزید بن قعقاع نے اسے ناء بجانبه پڑھا ہے یعنی ہمزہ سے پہلے الف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ناء سے مشتق ہو جب وہ اٹھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ہمزہ قلب کیا گیا ہو معنی پہلے والا ہی ہے وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ﴿ جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ دعائیں کرتا ہے۔ عرب طول اور عرض کا لفظ کثرت کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: أطال فلان في الكلام وأعرض في الدعاء جب وہ گفتگو اور دعا کثرت سے کرے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ تضرع کرنے والا اور مدد طلب کرنے والا ہے۔ کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور خوشحالی میں اسے نہیں پہچانتا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿

وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ یہ لطیف صنعت اور بدیع حکمت میں سے ہے یہاں تک کہ براز اور بول کے راستے اس میں شامل ہیں کیونکہ انسان ایک محل سے کھاتا پیتا ہے اور وہ کھانا پینا دو الگ الگ جگہوں سے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور حکمت میں بداعت اس کی آنکھوں میں نمایاں ہوتی ہے دونوں پانی کا ایک قطرہ ہیں وہ ان دونوں کے ساتھ زمین سے آسمان تک دیکھتا ہے جس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں بداعت کا اظہار ہے جن کے ساتھ وہ انسان مختلف آوازوں میں فرق کرتا ہے اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی بداعت کی امثلہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وہ نطفہ تھا اس کے بعد وہ ان کے احوال میں جو انتقال ہے جس طرح سورۃ مومنون میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے عنقریب تم وہ فتنے اور غیب کی خبریں دیکھو گے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبریں دی ہیں۔ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اس میں چار وجوہ ہیں: (1) وہ قرآن ہے (2) اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں (3) اللہ تعالیٰ جو مظاہر انہیں دکھاتا ہے اور جو کرتا ہے وہ حق ہے (4) محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی رسول برحق ہیں۔

اَوَ لَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ۔ بربک محل رفع میں ہے کیونکہ یکف کا فاعل ہے اَنَّهٗ، ربک سے بدل ہے اگر محل سے بدل بنائیں تو یہ مرفوع ہوگا اگر لفظ سے بدل بنائیں تو یہ مجرور ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام کے حذف کے ساتھ منصوب ہو معنی ہوگا کیا تیرا رب انہیں کافی نہیں ہوگا جس نے توحید پر ان کی راہنمائی کی ہے کیونکہ وہ ہر شے پر شہید ہے جب وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے تو اس پر جزا دے گا۔ یہ قول کیا گیا ہے: کیا تیرا رب کفار کو سزا دینے میں کافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا تیرا رب کافی نہیں کہ وہ کفار کے اعمال پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا تیرا رب گواہ کافی نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا یہ کافی نہیں کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے۔ یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی حضور ہے کیا تیرا رب ہر چیز کے پاس حاضر ہونے کے اعتبار سے کافی نہیں۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ۔ مریۃ کا معنی شک ہے مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ آخرت میں اپنے رب کی ملاقات سے۔ سدی نے کہا بعث سے۔ خبردار! وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں مبتلا ہیں (1) اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۝ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے؛ سدی نے یہ قول کیا۔ کلبی نے کہا: اس کی قدرت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے (2)۔ خطابی نے کہا: اس کی قدرت تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہی ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے، یہ مبالغہ کے طور پر وصف کے صیغہ میں آتا ہے اس کا حقیقی معنی ہر شے کا احاطہ کرتا ہے جس کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کو گھیرتا ہے یہ اصل میں محوطہ تھا یاء کی حرکت ماقبل حرف کی طرف نقل کر دی تو یاء ساکن ہو گئی اسی سے یہ کہا جاتا ہے: أحاط يحيط إحاطة وحيطة۔ اسی سے حائط الدار (گھر کی دیوار) ہے حاطت الخيل بفلان یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس آدمی کو ہر جانب سے گھیر لیا جائے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ (کہف: 42) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 180 — 2۔ ایضاً

# سورۃ الشوریٰ

آیاتہا 53 ۔ سورۃ الشوریٰ مکیۃ 42 ۔ رکوعاتہا 5

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور جابر کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: مگر چار آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى سے آخر تک۔ یہ ترپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ یُوْحِیْۤ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

"حا، میم، عین، سین، قاف۔ اسی طرح (کے مطالب غیبیہ) وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی سب سے اعلیٰ اور عظمت والا ہے"۔

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ عبد المومن نے کہا: میں نے حسین بن فضل سے پوچھا حٰمٓ کو عٓسٓقٓ سے کیوں الگ کیا گیا ہے جبکہ کٓهٰیٰعٓصٓ، الٓمٓرٰ اور الٓمٓصٓ کو الگ الگ نہیں کیا گیا (2)؟ فرمایا: کیونکہ حٰمٓ عٓسٓقٓ سورتوں کے درمیان ہے جن میں سے ہر ایک حٰمٓ ہے تو یہ ماقبل اور مابعد کے قاعدہ پر جاری ہوں گی گویا حٰمٓ مبتدا ہے اور عٓسٓقٓ خبر ہے اور اس کی اخوات جن کو اکٹھے لکھا گیا ہے وہ ایک آیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حروف تہجی سب کے سب ایک معنی میں ہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بیان اور کلام کا آغاز ہے؛ یہ جرجانی نے ذکر کیا۔ حٰمٓ، عٓسٓقٓ کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے اور کٓهٰیٰعٓصٓ کو متصل لکھا گیا ہے کیونکہ کہا گیا ہے حٰمٓ سے مراد ہے حم ما هو کائن، یعنی جو ہونے والا ہے اس کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے فرق کیا ہے جس میں فعل مقدر ہوتا ہے یا فعل مقدر نہیں ہوتا پھر اگر اسے الگ الگ کر دیا جاتا اور اسے متصل لکھا جاتا تو بھی جائز تھا۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس کی قراءت میں حم سق ہے (3)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حضرت علی شیر خدا ان کے ذریعے فتنوں کو پہچانا کرتے تھے۔ ارطاۃ بن منذر نے کہا: ایک آدمی نے حضرت ابن عباس سے عرض کی جبکہ ان کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان موجود تھے: مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان حم عسق کی تفسیر کے بارے میں بتائیے تو آپ نے اس سے اعراض کیا یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ اپنے سوال کو دہرایا تو پھر بھی حضرت ابن عباس نے اس سے اعراض کیا۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے کہا: میں تجھے اس کے بارے میں آگاہ کرتا ہوں میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 158 ۔ 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 73 ۔ 3۔ [illegible]

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وہ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے پاکی بیان کرتے ہیں جو اس کے وصف میں جائز نہیں اور
جو اس کے جلال کے لائق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مشرکین کی جرأتوں سے متعجب ہوتے ہیں اور تعجب کے موقع پر تسبیح
کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی تسبیح ان چیزوں پر تعجب کا اظہار ہے جو وہ دیکھتے ہیں کہ
مشرک ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی تسبیح سے
مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے جس کو وہ دیکھتے ہیں(2)۔ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ کا معنی ہے اپنے رب کے
امر سے، یہ سدی کا قول ہے۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ضحاک نے کہا: لِمَنْ فِي الْاَرْضِ سے مراد مومن ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے اس کی
وضاحت سورۃ المومن: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں گزر چکی ہے یہاں ملائکہ سے مراد حاملین عرش (عرش کو اٹھانے
والے) ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام فرشتے مراد ہیں۔ کلبی کے قول سے یہی ظاہر ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: وَ
يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ منسوخ ہے یہ جملہ مومنین کے لیے خاص ہے۔ مہدوی نے کہا: صحیح یہی ہے کہ وہ منسوخ نہیں
ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور مومنین کے لیے خاص ہے۔ ابوالحسن ماوردی نے کلبی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے جب ان دونوں
فرشتوں کو دیکھا جن کو آزمایا گیا اور زمین کی طرف انہیں بھیجا گیا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ زہرہ کی وجہ سے آزمائش
میں پڑ گئے اور وہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف بھاگ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ دونوں
فرشتوں نے حضرت ادریس علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ ان دونوں کے حق میں دعا کریں۔ فرشتوں نے اپنے رب کی حمد
بیان کرنے کے ساتھ تسبیح بیان کی اور بنی آدم کے لیے مغفرت طلب کی(3)۔ ابوالحسن بن حصار نے کہا: بعض جاہلوں نے یہ گمان
کیا کہ یہ آیت ہاروت و ماروت کے سبب نازل ہوئی ہے اور یہ مومنوں کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی اس کے ساتھ
منسوخ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ حاملین عرش تو مومنوں کے استغفار کے لیے خاص ہیں اللہ تعالیٰ کے اور فرشتے ہیں جو اہل زمین
کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: فرشتوں کے اہل زمین کے لیے استغفار میں(4) دو قول ہیں: (1) گناہوں اور
خطاؤں سے؛ مقاتل کے قول کا ظاہر یہی معنی ہے (2) ان کے لیے رزق اور خوشحالی کی طلب ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔
میں کہتا ہوں: یہی زیادہ نمایاں ہے کیونکہ زمین کا فرد اور غیر کو عام ہے مقاتل کے قول کے مطابق کافر اس میں داخل نہیں
اس بارے میں ایک روایت مروی ہے جسے عاصم احول نے ابو عثمان سے وہ سلمان سے نقل کرتے ہیں کہ بندہ جب خوشحالی
کے دور میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اسے تنگ دستی آتی ہے فرشتے کہتے: وہ خوشحالی کے دور میں اللہ کا ذکر کرتا تھا اب اسے تنگ
دستی نے آلیا ہے تو وہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کمزور آدمی سے معروف آواز ہے اور جب وہ خوشحالی کے دور میں اللہ
تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے تکلیف نے آلیا تو فرشتے کہتے ہیں: انسان سے اجنبی سی آواز ہے وہ خوشحالی کے دور میں اللہ
تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تھا تو اسے مصیبت لاحق ہوئی تو وہ اس کے لیے بخشش طلب نہیں کرتے۔ یہ تعبیر اس امر پر دلالت کرتی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 192
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 183
4۔ ایضاً

چیز نہیں۔ شاعر نے کہا:

و صالیات ککما یؤثفین (1)

یہاں کاف کو کاف پر داخل کیا گیا مقصود تشبیہ میں تاکید بیان کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مثل تاکید کے لیے زائد ہے۔ یہ ثعلب کا قول ہے لیس کھو شیء جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرہ: 137) یہاں بھی مثل زائد ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں فان آمنوا بما آمنتم به فقد اهتدوا ہے۔ اوس بن حجر نے کہا:

وقتلی کمثل جذوع النخیل یغشاھم مطر منهمر (2)

کتنے ہی مقتول ہیں جو کھجور کے تنوں کی طرح ہیں جنہیں موسلادھار بارش نے ڈھانپ رکھا ہے۔

شعر میں اصل کجذوع تھا۔ یہ ان سے جو بات مخلوق ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی، ملکوت، اسماء حسنیٰ، صفات کی بلندی میں اپنی مخلوقات میں سے کسی شے کے بھی مشابہ نہیں جہاں تک ان اسماء کا تعلق ہے جن کو شرع نے خالق اور مخلوق دونوں کے لیے ذکر کیا ہے تو حقیقی معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں کیونکہ قدیم ذات کی صفات مخلوق کی صفات سے مختلف ہیں کیونکہ مخلوقات کی صفات اغراض و اعراض سے جدا نہیں ہوتیں جبکہ اللہ تعالیٰ غرض و عرض سے پاک ہے بلکہ وہ ہمیشہ اپنی صفات و اسماء کے ساتھ رہتا ہے جس طرح ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں کی ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہو کافی ہے۔ بعض علماء محققین نے فرمایا: توحید کا مطلب ہے ایسی ذات کو ثابت کرنا جو کسی ذات کے مشابہ نہ ہو اور نہ ہی وہ صفات سے معطل ہو۔ واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زائد بیان کیا ہے اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے اسم جیسا کوئی اسم نہیں، اس کے فعل جیسا کوئی فعل نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں مگر لفظ میں موافقت ہو سکتی ہے ذات قدیم اس سے پاک ہے کہ اس کی صفت حادث ہو جس طرح یہ محال ہے کہ حادث ذات کی کوئی صفت قدیم ہو۔ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کی وضاحت سورۃ زمر میں گزر چکی ہے۔ نحاس نے کہا: جو چابیوں کا مالک ہوتا ہے وہ خزانوں کا بھی مالک ہوتا ہے (3)۔ مقالید کو اقلید کہتے ہیں اس کی جمع خلاف قیاس آتی ہے جس طرح حسن کی جمع

1۔ تفسیر طبری، جز 25، صفحہ 18 ۔ 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 28 ۔ 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 28

علاوہ قول معانی آتی ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ اس کی بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

"اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو (وہ یہ ہے کہ) اس دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں، بہت گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہیں بٹے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (صحیح) علم (یہ تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے ان کے بعد وہ اس کے متعلق بے چینی میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔"

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ وہ ذات پاک جس کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں اس نے تمہارے لیے وہ دین مقرر فرمایا جو قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ علیہم السلام کے لیے مقرر فرمایا تھا پھر اس کی وضاحت اپنے اس ارشاد سے بیان کی اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کے رسولوں، کتابوں، یوم جزا اور باقی ان تمام امور جنکو بجالانے سے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے پر ایمان لانا ہے۔ اور شرعی احکام جو امتوں کی مصلحتوں پر قائم ہیں اس طرح وارد نہیں ہوئے وہ مختلف اور متفاوت ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدہ:48) اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

شرع کا معنی ہے راستوں کو واضح کرنا۔ تشرع لھم یشرع شرعا یعنی اس نے ان کے لیے واضح کیا۔ شارع سے مراد راستہ ہے۔ تو شرع المنزل جب وہ ایسے راستے پر ہو جو آگے جاتا ہو۔ وشرعت الابل جب تو اونٹ کو کھلا چھوڑ دے جانے کا موقع دے شرعت الادیم جب تو اس کا چمڑا اتار دے۔ یعقوب نے کہا: میں نے ام الفارسی کو کہتے ہوئے سنا شرعت لی ھذا

الامر شیئا بالحق میں اس میں ختم کیا۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ اَن محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی والذی وصی بہ نوحا ان اقیموا الدین اس تعبیر کی بنا پر عیسیٰ پر وقف نہیں جائز ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ محل نصب میں ہے اس نے اقامت دین کو تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ بہ کی ضمیر سے بدل ہے گویا فرمایا بہ اقیموا الدین ان دو تعبیروں کی بنا پر عیسیٰ پر وقف کرنا جائز نہیں، یہ بھی جائز ہے کہ اَنْ تفسیر ہو جیسے اَنِ امْشُوْا (ص:6) میں۔ جب اس صورت میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوگا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: حدیث صحیح میں ثابت ہے (1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کبریٰ والی مشہور حدیث میں کہا: "بلکہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ عرض کریں گے: آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا" یہ صحیح ہے اس میں کوئی اشکال نہیں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام صرف نبی تھے آپ کے لیے فرائض متعین ہوئے نہ احکام کا حکم دیا گیا بعض امور کے بارے میں صرف تنبیہ تھی، معاش کی ضرورت تک معاملہ کو محدود رکھا گیا تھا۔ حیات و بقا کے کچھ معاملات کو اپنانے کا حکم تھا اور معاملہ حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کی حرمت کے ساتھ مبعوث کیا کچھ واجبات ان پر لازم کیے، دیانات میں آداب کو واضح کیا یہ امر رسولوں کے ساتھ مؤکد ہوتا رہا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یکے بعد دیگرے اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کے ساتھ پختہ ہوتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اختتام بہترین امت جو بہترین امت ہے پر کیا۔ یہ کام تمام رسولوں سے معزز ترین نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا تو معنی ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک دین کی وصیت کی یعنی اصول میں جن میں شریعت مختلف نہیں ہوتی وہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، صدق، عہد کو پورا کرنا، امانت ادا کرنا، صلہ رحمی، کفر، قتل، زنا اور مخلوقات کو اذیت پہنچانے کی حرمت کیسی بھی صورت ہو، حیوانات پر ظلم کرنا کسی بھی طریقہ سے ہو، ذلت و پستی کے امور میں داخل ہونے کی حرمت، جو امور مروت کو ختم کر دیں ان کی حرمت یہ سب امور مشروع تھے ان میں سب دین ایک دین اور سب ملتیں ایک ملت ہیں، انبیاء کی زبانوں سے ان امور میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ ان کی قومیں اور زمانے مختلف تھے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یہی مقصود ہے: اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ یعنی اسے قائم رکھو اس سے مراد اس کا محفوظ رکھنا ہے اس میں سے کسی قسم کا اختلاف نہ کرو کیونکہ ان امور میں کوئی اختلاف اور اضطراب نہیں، مخلوقات میں سے کچھ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جس نے اس کو توڑا فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (فتح: 10) ان چیزوں کے علاوہ میں شریعتوں میں چند امور میں اختلاف ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا یا مصلحت نے جس کا تقاضا کیا اور حکمت نے مختلف زمانوں میں امتوں پر ان کے رکھنے کو لازم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1656

جس کا تاکیدی حکم دیا ہے اس میں شک میں مبتلا ہیں۔ یہاں کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ سے مراد قریش ہیں مِنْۢ بَعْدِهِمْ ضمیر سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں لَفِيْ شَكٍّ قرآن یا حضرت محمد ﷺ میں شک میں مبتلا ہیں(1)۔ مجاہد نے کہا: مِنْۢ بَعْدِهِمْ کا معنی ہے ان سے قبل یعنی مشرکین کہتے پہلے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

"پس اسی دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کی اور فرما دیجئے کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان، اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، کسی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان، اللہ ہم سب کو جمع کردے گا اور اسی کی طرف سب نے پلٹنا ہے"۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ جب یہ جائز ہے کہ شک یہود و نصاریٰ کی جانب سے ہے یا شک قریش کی جانب سے ہے اسی لیے آپ کو فرمایا: آپ نے ان کے شک کو پہچان لیا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ یعنی اس دین کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لیے مشروع کیا اور انہیں اس کا تاکیدی حکم دیا۔ یہاں لام الیٰ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (زلزال) اس میں لها، الیها کے معنی میں ہے اور ذلك، هذا کے معنی میں ہے۔ سورۃ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ معنی ہے قرآن کی طرف دعوت دیجیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اسی وجہ سے تم دعوت دو اور استقامت کا مظاہرہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مخلوق کو قرآن کی دعوت دو وَاسْتَقِمْ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے امر پر استقامت کا مظاہرہ کرو(2)۔ سفیان نے کہا: قرآن پر استقامت کا مظاہرہ کرو۔ ضحاک نے کہا: رسالت کی تبلیغ پر استقامت کا مظاہرہ کرو(3)۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ جو آدمی آپ کی مخالفت کرتا ہے اس کی خواہشات کی طرف نہ دیکھو وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ لِاَعْدِلَ یعنی اَنْ اَعْدِلَ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (غافر) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ لام کئی ہے معنی ہے لکی اعدل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ نے کہا: تاکہ میں تمہارے درمیان دین میں برابری کروں اور میں ہر کتاب اور ہر رسول پر ایمان لاؤں۔ دوسرے علماء نے کہا: تاکہ تمام احوال میں عدل کروں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ عدل احکام میں عدل ہے(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تبلیغ میں عدل ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 198　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 199　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

دُحوضاً وہ باطل ہوئی۔ ادحضھا اللہ اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا۔ ادحاض کا معنی پھسلانا ہے۔ مکان دحض و دَحَض ایسی جگہ جس پر پھسلن ہو۔ دحضت رِجلہ تدحض دحضا اس کا پاؤں پھسل گیا دحضت الشمس عن کبد السماء سورج زائل ہو گیا وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ مراد ہے یعنی دنیا میں ان پر غضب ہوگا وَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ۝ اس سے مراد ہے آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيْزَانَ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ۝

"اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور نازل کیا ہے میزان کو اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو"۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ قرآن اور باقی کتب منزلہ ہیں۔ بِالْحَقِّ حق سے مراد صدق ہے وَ الْمِيْزَانَ سے مراد عدل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور اکثر مفسرین کا قول ہے(1)۔ عدل کو میزان کہتے ہیں کیونکہ میزان انصاف اور عدل کا آلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد وہ ہے جو کتاب میں واضح کیا گیا ہے جس پر عمل کرنا انسان پر واجب ہے۔ قتادہ نے کہا: میزان سے مراد مامور اور منہی میں عدل کرنا ہے(2)۔ یہ تمام اقوال معنی میں قریب قریب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اطاعت پر ثواب کے ساتھ جزا دینا اور معصیت پر عقاب سے جزا دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد ترازو ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان سے نازل کیا اور لوگوں کو اس کے ساتھ وزن کرنے کی تعلیم دی تاکہ لوگوں میں باہم ظلم اور حقوق میں کمی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید:25)

مجاہد نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے۔ انزل المیزان کا معنی ہے مخلوق کو الہام کیا کہ اس کو کام میں لائیں(3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ میزان سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ۝ قیامت کے وقت کے بارے میں آپ کو آگاہ نہ کیا، کتاب اللہ پر عمل، عدل، برابری اور شرائع پر عمل کرنے پر برانگیختہ کیا قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں محاسبہ اور اعمال کا وزن ہو جس نے ان احکام پر پورا پورا عمل کیا تو اس کو پورا پورا عطا کرے گا اور جس نے اس میں کمی کی ہوگی اس کے حق میں کمی کرے گا۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ۝ ممکن ہے قیامت آپ کے قریب ہو جبکہ آپ اپنی دانش سے اس کو نہ جانیں۔ یہاں قریبۃ نہیں فرمایا کیونکہ اس کی تانیث غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ وقت کی طرح ہے(4)؛ یہ زجاج کا قول ہے معنی ہے ممکن ہے بعث یا قیامت کا آنا قریب ہو۔ کسائی نے کہا: قریب صفت ہے جس کے ساتھ مذکر، مونث، واحد اور جمع کی صفت لگائی

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 114　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 200　3۔ ایضاً　4۔ المحرر الوجیز، جلد 6، صفحہ 31

جاتی ہے جو معناً جمع ہو اور لفظاً واحد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف)

شاعر نے کہا:

كنا قريبا والديار بعيدة

ہم قریب تھے اور گھر دور تھے۔ محل استدلال قریبا ہے۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝

"جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق وہ بڑی گمراہی میں جا پڑے ہیں"۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا وہ یہ کلام استہزاء کے طور پر کرتے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ قیامت واقع نہ ہوگی یا وہ لوگوں کو وہم دلاتے تھے کہ وہ واقع نہ ہوگی مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اطاعت میں جس طرح انہیں کوشش کرنی چاہیے اس میں انہوں نے کوتاہی کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (مومنون) وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ یعنی اس میں کوئی شک نہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ وہ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں اور اس میں مخاصمت کرتے ہیں لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ وہ حق اور عبرت کے راستہ سے بہت بعید ہیں کیونکہ اگر وہ سوچ و بچار کرتے تو وہ یہ جان لیتے کہ جس ذات پاک نے انہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ وہ پہنچے جہاں تک پہنچے تو وہ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں دوبارہ اٹھائے۔

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ۝

"اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہی قوی اور زبردست ہے"۔

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان پر شفیق ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ ان کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیک اور فاجر کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہے کیونکہ ان کے معاصی کی وجہ سے وہ بھوکوں نہیں مرتے۔ قرظی نے کہا: وہ پیشی اور حساب کے موقع پر شفقت فرمانے والا ہے۔ کہا:

غدا عند مولى الخلق للخلق موقف يسائلهم فيه الجليل فيلطف

قیامت کے روز مخلوق نے خالق کے ہاں کھڑا ہونا ہے اس روز اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا اور مہربانی فرمائے گا۔ جعفر بن محمد بن علی بن حسین نے کہا: رزق میں دو طریقوں سے مہربانی فرماتا ہے: (1) اس نے تیرا رزق پاکیزہ چیزوں سے بنایا ہے (2) اس نے رزق تجھے ایک ہی دفعہ نہیں دے دیا کہ تو اس میں فضول خرچی کرے۔ حسین بن فضل نے کہا: قرآن میں اس کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے اس کی تفسیر اور تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ جنید نے کہا: وہ اپنے اولیاء پر

مہربانی کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اسے پہچان لیتے ہیں اور اگر وہ اپنے دشمنوں پر مہربانی فرماتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے۔ محمد بن علی کتانی نے کہا: لطیف سے مراد اس کے بندوں سے جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے جب وہ مخلوق سے مایوس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر توجہ فرماتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث طیبہ میں آیا ہے: "اللہ تعالیٰ بوسیدہ قبروں کی طرف جھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان کے آثار مٹ گئے اور ان کی صورتیں محو ہو گئیں اور ان پر عذاب باقی ہے جبکہ میں لطیف ہوں اور ارحم الراحمین ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دو تو ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے" (1)۔ ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

أمر بأفناء القبور كأنني أخو فطنة والثوب فيه نحيف

ومن شق فاه الله قدر رزقه وربي بمن يلجأ إليه لطيف

میں قبرستانوں سے گزرتا ہوں گویا میں سمجھدار ہوں جبکہ کپڑا اس میں کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا منہ کھولتا ہے اس کا رزق مقرر کر دیتا ہے اور جو اس کی پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں جو اپنے بندوں کے مناقب کو ظاہر کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو چھپاتا ہے اسی تعبیر میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: یامن أظهر الجميل وستر القبيح اے وہ ذات پاک! جو جمیل کو ظاہر کرتی ہے اور قبیح امر کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لطیف اسے کہتے ہیں کہ قلیل کو قبول کرے اور عظیم چیز کو خرچ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کرے اور مشکل کو آسان کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے عدل سے ڈرا جاتا ہے اور اس کے فضل سے امید رکھی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے بندے پر اہمیت سے بڑھ کر نعمت کرتا ہے اور طاقت سے بڑھ کر اطاعت کی توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان: 20) وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء: 28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جو خدمت پر مدد کرتا ہے اور زیادہ مدح کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے جو اس کی نافرمانی کرے اس کو جلدی سزا نہیں دیتا اور جو اس سے امید رکھے اسے خائب و خاسر نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے سائل کو خالی نہیں لوٹاتا اور امید رکھنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو لغزش کرتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس پر رحم فرماتا ہے جو اپنے آپ پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ذات ہے جو عارفین کے دلوں میں مشاہدہ کا چراغ روشن کرتی ہے اور صراط مستقیم کو اس کا منہاج بنا دیتی ہے اور اپنی نیکی کے بادلوں سے ان کے لیے موسلا دھار بارش برساتی ہے۔ سورۃ الانعام میں ابو العالیہ اور جنید کا قول گزر چکا ہے ہم نے یہ سب باتیں الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں لطیف اسم کے ضمن میں ذکر کر دی ہیں۔ الحمد للہ۔

---

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 4، صفحہ 31

یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔ کسی قوم کو مال میں فضیلت دینے میں حکمت ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے محتاج رہیں جس طرح ارشاد فرمایا: لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (زخرف: 32) یہ بندوں پر مہربانی ہے۔ یہ بھی مقصود ہے کہ اس کے ذریعے غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کے ساتھ امتحان میں ڈالا جائے جس طرح ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ (فرقان: 20) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝

”جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم اپنے فضل و کرم سے اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے اور جو شخص خواہشمند ہو صرف دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ“۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ حرث سے مراد عمل اور کسب ہے۔ اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے: تو دنیا کے لیے یوں عمل کر گویا تو نے ہمیشہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لیے کوشش کر گویا تو نے کل ہی مر جانا ہے(1)۔ اسی وجہ سے انسان کو حارث کہتے ہیں۔ معنی ہے: ہم نے اسے رزق دیا ہے جو اسے آخرت کی کھیتی کے طور پر طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور دین کی عزت کی خاطر مال خرچ کرتا ہے تو ہم اس کا ثواب ایک کے بدلہ میں دس گنا، سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک دیتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا اللہ تعالیٰ نے اسے جو مال دیا ہے وہ اس کے ذریعے دنیا کی ریاست چاہتا ہے منصبات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے ہم اسے رزق سے محروم نہیں کرتے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ کا معنی ہے ہم اسے عبادت کی توفیق دیتے ہیں اور ہم اسے اس پر آسان کر دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَرْثَ الْاٰخِرَةِ سے مراد اطاعت ہے یعنی جس نے اطاعت کی اس کے لیے ثواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ کا معنی ہے ہم اسے دنیا آخرت کے ساتھ دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت جہاد کے بارے میں ہے یعنی جس نے جہاد کے ساتھ آخرت کا ارادہ کیا اسے ثواب دیا جائے گا جس نے اپنے جہاد سے غنیمت کا ارادہ کیا تو اسے غنیمت دے دی جائے گی۔

قشیری نے کہا: آیت کافر کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ جسے دنیا میں وسیع رزق دیتا ہے یعنی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس سے دھوکہ میں مبتلا ہو کیونکہ دنیا باقی رہنے والی نہیں۔ قتادہ نے کہا: جو آخرت کی نیت کرتا ہے(2) اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی چیزیں بھی عطا فرماتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جس نے دنیا کی نیت کی اسے صرف دنیا میں عطا فرماتا ہے۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 32
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 200

آپ فرمایئے میں نہیں مانگتا اس دعوت حق پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے، اور جو شخص کماتا ہے کوئی نیکی ہم بڑھا دیا کریں گے اس کے لیے اس میں حسن، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے"۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُبَشِّرُ کو باب تفعیل سے يُبَشِّرُ باب افعال سے يُبْشِرُ اور مجرد سے يَبْشُرُ بھی پڑھا گیا ہے اس میں حذف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس کی بشارت دیتا ہے تا کہ انہیں جلدی خوشنودی حاصل ہو اور اطاعت میں وہ زیادہ شوق و محبت پائیں۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے میں رسالت کی تبلیغ پر تم سے انعام کا سوال نہیں کرتا۔

زجاج نے کہا: اِلَّا الْمَوَدَّةَ مستثنیٰ ہے معنی یہ بنتا ہے میں تم سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا مگر یہ کہ تم میری قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو(1)۔ خطاب خاص طور پر قریش کے لیے تھا، یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، ابو مالک، شعبی وغیرہ کا قول ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کے بارے میں لوگوں نے ہم سے بہت زیادہ سوال کیے تو ہم نے اس کے متعلق سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لکھ بھیجا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ جنا ہو یعنی (سب کے ساتھ ننہال کی رشتہ داری تھی کسی کے ساتھ ابنی اور کسی کے ساتھ آباء و اجداد کی) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا: قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی جو رشتہ داری میرے اور تمہارے درمیان ہے تم اس کا لحاظ رکھو اور میری تصدیق کرو۔ یہاں الْقُرْبٰى سے مراد ننہال کی رشتہ داری ہے گویا فرمایا: اگر تم میری اتباع نبوت کی وجہ سے نہیں کرتے تو رشتہ داری کا پاس رکھتے ہوئے ہی میری اتباع کرو۔ عکرمہ نے کہا: قریش ننہالی رشتہ داری کا بڑا پاس کرتے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہوں نے اسے قطع کیا تو فرمایا: "تم میرے ساتھ ایسی ہی صلہ رحمی کرو جس طرح تم کیا کرتے تھے"۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا لیکن میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

بخاری شریف میں طاؤس سے مروی ہے(2) وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان سے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے بارے میں پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے کہا: قربیٰ سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو نے بہت جلدی کی ہے قریش کے خاندانوں میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری نہ ہو تو فرمایا: مگر یہ کہ تم رشتہ داری کی وجہ سے صلہ رحمی کرو؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قربیٰ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے، معنی ہے میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا(3) مگر یہ کہ تم میری قرابت اور اہل بیت اطہار سے محبت کرو جس طرح اپنی قریبی رشتہ داروں کی تعظیم کا حکم دیا؛ یہ قول علی بن

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 201 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ حٰم عسق، جلد 2، صفحہ 713 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 202

حسین بن فضل کا نقطہ نظر ہے۔ جویبر نے ضحاک سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں ثعلبی نے کہا: یہ قول قوی نہیں جو آدمی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی اطاعت سے ہو اس سے نبی کی محبت کے ساتھ اور اہل بیت کی محبت کے ساتھ والا امر منسوخ ہے اس کے قول کی قباحت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر مرا وہ شہید کی حیثیت سے مرا۔ جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کے زائرین رحمت کے فرشتوں کو بنا دے گا۔ جو آل محمد کے بغض پر مرا تو وہ قیامت کے روز یوں آئے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔ جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ جو میرے اہل بیت کے بغض پر مرا تو میری شفاعت میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں"۔

میں کہتا ہوں: اس روایت کو زمخشری نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی طویل نقل کیا ہے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا، جو آل محمد کی محبت پر فوت ہوا تو مومن کی حیثیت سے فوت ہوا جو وہ کامل الایمان والا ہو کر مرا، خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا ملک الموت پھر منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے خبردار! جو آل محمد کی محبت میں مرا اسے جنت کی طرف یوں لے جایا جائے گا جس طرح دلہن کو اس کے خاوند کے گھر لے جایا جاتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اس کی قبر میں دو دروازے جنت کی طرف کھول دیے جاتے ہیں خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے خبردار! جو آل محمد کی محبت پر مرا وہ سنت اور جماعت پر مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ قیامت کے روز یوں آئے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ کافر کی حیثیت سے مرا خبردار! جو آل محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا" (1)۔ نحاس نے کہا: عکرمہ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ کہا: قریش صلہ رحمی کیا کرتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انہوں نے قطع رحمی کی۔ فرمایا: میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو میری قرابت کی حفاظت کرو اور مجھے نہ جھٹلاؤ۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس کا قول جو بخاری میں ہے امام شعبی نے بھی ان سے یہی قول نقل کیا ہے یہ غیر منسوخ ہے۔ نحاس نے کہا: حضرت حسن بصری کا قول حسن ہے اس کی صحت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ہمیں احمد بن محمد ازدی نے، ربیع بن سلیمان مرادی سے وہ اسد بن موسیٰ سے وہ قزعہ بن سوید البصری سے وہ عبد اللہ بن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو کچھ بینات اور ہدایت میں تمہیں پہنچاتا ہوں اس پر میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت اختیار کر کے اس کا قرب حاصل کرو" اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ واضح امر ہے آپ سے قبل انبیاء نے بھی یہی بات کہی تھی۔ قرآن

اجری الا علی اللہ (سبا: 47)

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 220

کہا: جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو ایسی مشکلات پیش آتیں اور ایسے حقوق ادا کرنے پڑتے جو کچھ وسائل آپ کے پاس ہوتے وہ آپ کو کفایت نہ کرتے۔ انصار نے کہا: اس ذات نے تمہاری اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی کی ہے جبکہ یہ تمہارے عزیز بھی ہیں انہیں ایسے حوادث کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ایسے حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ انہیں کافی نہیں ہوتا ہم آپ کے لیے مال جمع کرتے ہیں انہوں نے اسی طرح کیا پھر وہ مال آپ ﷺ کے پاس لے آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انصار اور مہاجرین نے باہم فخر کیا، انصار نے کہا: ہم نے یہ کیا، مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی قرابت پر فخر کیا (1)۔ مقسم نے حضرت ابن عباس بنی ہیم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی امر کے بارے میں سنا تو خطبہ ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: "کیا تم بے عزت نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے عزت دی؟" (2) فرمایا: "تم مجھے جواب نہیں دو گے؟" انصار نے عرض کی: ہم کس طرح آپ کو جواب دیں؟ فرمایا: "تم کہتے کیا آپ ﷺ کی قوم نے آپ کو وطن سے نہیں نکال دیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انہوں نے آپ کو جھٹلایا نہیں تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؟" حضور ﷺ نے کئی باتیں ان پر شمار کیں کہا: صحابہ کرام گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا: ہماری جانیں اور ہمارے مال آپ کے لیے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ نے کہا: مشرکوں نے کہا حضرت محمد ﷺ جو چیز لاتے ہیں شاید اس کے ساتھ اجر کے طالب ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی تاکہ ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رشتہ داروں کی محبت پر برانگیختہ کرے۔ ثعلبی نے کہا: پہلی تعبیر آیت کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ سورت مکی ہے۔

وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً۔ يَقْتَرِفْ کا معنی يكتسب ہے۔ قرف کا اصل معنی کسب ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان يقرف لعياله فلاں اپنے اہل و عیال کے لیے مزدوری کرتا ہے۔ اقتراف کا معنی اکتساب ہے، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے رجل قرفة جب وہ محنت مزدوری کرتا ہو۔ سورۃ انعام میں اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس بنی ہیم نے کہا: وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً سے مراد ہے جس نے آل محمد سے محبت کی نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ہم اس کے بدلے یا اس سے زائد کنا اجر دے دیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۝ قتادہ نے کہا: غَفُوْرٌ یعنی گناہوں کو بخشنے والا شَكُوْرٌ یعنی نیکیوں پر خوش ہونے والا (3)۔ سدی نے کہا: آل محمد علیہم السلام کے گناہ بخشنے والا اور ان کی نیکیوں پر اجر دینے والا (4)۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر، اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے، بے شک وہ جاننے والا

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 423　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 202　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

ہے جو کچھ سینوں میں ہے"۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۔ ام میم کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہے ایقولون افتری یہ کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوریٰ: 15) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (شوریٰ: 17) بیان کو مکمل کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اور ضمیر سے مراد کفار قریش ہیں انہوں نے کہا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا ہے۔

فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ یہ شرط اور جواب ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مہر لگا دے گا اور تجھے قرآن بھلا دے گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تو اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یوں ہی معاملہ کرتا جس کی اس نے اس آیت میں خبر دی ہے۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل کو ان کی اذیتوں پر صبر والا کر دے ان کے قول سے آپ کے دل کو کوئی مشقت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیری دانش کو زائل کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تیرے دل میں خیال آئے کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے تو وہ تیرے دل پر مہر لگا دے[1]۔ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کفار کے دلوں اور زبانوں پر مہر لگا دے اور جلدی عذاب میں مبتلا کر دے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور کفار مراد ہیں، یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ پھر کلام شروع کی اور فرمایا: وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ ابن انباری نے کہا: يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ۔ کسائی نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے کلام اس طرح ہے: وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ مصحف میں واؤ محذوف ہے[2]۔ یہ کلام محل رفع میں ہے جس طرح ان آیات میں حذف ہے سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (علق) کیونکہ اس کا عطف يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ پر ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا مکمل گفتگو ہے وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ یہ ان لوگوں کے خلاف استدلال ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیغام حق کا انکار کرتے ہیں یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لاتے ہیں وہ باطل ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا جس طرح بہتان لگانے والوں کے بارے میں اس کی عادت ہے۔

وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ حق سے مراد اسلام ہے یعنی اسلام کو قرآنی آیات کے ساتھ ثابت کرتا ہے اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ یہ عام ہے یعنی بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حکم خاص ہے اس کا معنی ہے اگر تیرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور تیرے دل پر مہر لگا دے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۝

"اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو"۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 202　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 18

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آیت قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا نازل ہوئی تو کچھ لوگوں نے اپنے دلوں میں کہا آپ ﷺ یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے بعد ہمیں اپنے قریبی رشتہ داروں کی اتباع پر برانگیختہ کریں۔ جبریل امین نے اس بارے میں نبی کریم ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ انہوں نے آپ ﷺ پر تہمت لگائی ہے تو یہ آیت اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا نازل ہوئی تو ان لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ سچے ہیں اور ہم توبہ کرتے ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے اولیاء اور اہل اطاعت کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ آیت عام ہے (2)۔ توبہ کے معنی اور اس کے احکام کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔ سورۂ براءت میں یہ لفظ گزر چکا ہے۔

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ یعنی اسلام لانے سے قبل جو شرک کیا کرتا تھا اس کو معاف فرماتا ہے اور تم جو اچھا یا برا عمل کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ حمزہ، کسائی، حفص اور خلف نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں کی قراءت ہے۔ باقی نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ دو خبروں کے درمیان ہے۔ پہلی خبر وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اور دوسری وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝

”اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کے حق سے بھی انہیں زیادہ دیتا ہے اپنی مہربانی سے، اور کفار، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“

الَّذِيْنَ محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس آدمی کی عبادت قبول فرماتا ہے جس نے دل کے اخلاص کے ساتھ عبادت کی ہو اور اپنے بدن کے ساتھ اطاعت کی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی عرضداشت کو قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے حق میں ایک دوسرے کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجابت اور استجابت کا ایک معنی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ مومنوں کی ایک دوسرے کے حق میں شفاعت قبول فرماتا ہے۔ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ کا معنی ہے وہ ان کے بھائیوں کے حق میں سفارش قبول فرماتا ہے (3)۔ مبرد نے کہا: وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنی ہے ویستدعی الذین آمنوا الاجابة باب استفعال کے معنی میں طلب پائی جاتی ہے۔ الَّذِيْنَ محل رفع میں ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 63
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 84
3۔ ایضاً

"اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لیے تو سرکشی کرنے لگتے زمین میں لیکن وہ اتارتا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کے احوال سے خوب آگاہ ہے سب کچھ دیکھنے والا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** آیت کے نزول کے بارے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اہل صفہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رزق کی وسعت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ حضرت خباب بن ارت نے کہا: یہ ہمارے بارے میں آیت نازل ہوئی ہم نے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے اموال کو دیکھا تو ہم نے اس کی تمنا کی تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

ولو بسط اس کا معنی ہے وسیع کرتا۔ بسط الشیء کا معنی ہے اس کو پھیلا دیا۔ جب یہ لفظ سین کی بجائے صاد کے ساتھ ہو تب بھی اس کا یہی معنی ہوتا ہے۔

لبغوا فی الارض وہ سرکش ہو جاتے اور نافرمانی کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بغیہم سے مراد ہے ایک منزل کے بعد دوسری منزل، ایک جانور کے بعد دوسرا جانور، ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرنا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ انہیں کثیر مال دیتا تو وہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتے کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اگر انسان کی سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی خواہش کرتا ہے (3)"۔ یہی بغی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا یہی مطلب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم سب کو مال میں برابر کر دیتے تو ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی اطاعت نہ کرتا اور صنعتیں معطل ہو کر رہ جاتیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رزق سے مراد بارش ہے جو رزق کا سبب ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ بارش لگاتار عطا فرماتا رہتا تو وہ دعا سے غافل ہو جاتے وہ کبھی کبھی بارش روک لیتا ہے تو وہ آہ و زاری شروع کر دیتے ہیں اور کبھی اس میں فراخی عطا فرماتا ہے تو وہ شکر بجا لاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب وہ خوشحال ہوتے ہیں تو وہ ایک دوسرے پر غارت گری کرتے ہیں تو بغی کو اس پر محمول کرنا کوئی بعید نہیں۔ زمخشری نے کہا: لبغوا بغی سے مشتق ہے جس کا معنی ظلم ہے یعنی ایک دوسرے پر ظلم کرے اور دوسرا پہلے پر ظلم کرے کیونکہ مال و دولت تکبر و غرور کا باعث ہوا کرتی ہے قارون عبرت کے لیے کافی ہے (4)۔

اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أخوف ما أخاف على أمتي زهرة الدنيا وكثرتها جن چیزوں سے میں اپنی امت سے ڈرتا ہوں ان میں سے خوفناک ترین دنیا کی ترو تازگی اور کثرت ہے۔ ایک عرب نے کہا:

وقد جعل الوسمي ينبت بيننا … وبين بني دودان نبعا وشوحطا

1۔ لباب النقول فی اسباب النزول، صفحہ 194
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 84
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، کراہیۃ الحرص علی الدنیا، جلد 1، صفحہ 235
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223

موسم بہار کی پہلی بارش اور سے اور تی روزال۔ کے درمیان نبج اور شوحط (دو قسم کے درخت) کو اگاتی ہے۔

یعنی ان میں خوشحالی آئی تو انہوں نے بغاوت اور باہم ظلم کا ارادہ کیا یا یہ لفظ بغی سے مشتق ہے جس کا معنی تکبر و غرور ہے یعنی تاکہ وہ زمین میں تکبر کریں اور وہ غلبہ پانے اور فساد برپا کرنے کی کوشش کریں جو اس تکبر کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

وَّلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ وہ ان کے رزق اس مقدار میں نازل فرماتا ہے جتنا چاہتا ہے اور جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ مقاتل نے کہا: يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ کو جسے چاہتا ہے غنی بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** ہمارے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے افعال مصلحتوں سے خالی نہیں ہوں گے اگرچہ اللہ تعالیٰ پر یہ واجب نہیں۔ وہ اپنے بندے کے حال کو جانتا ہے کہ اگر وہ اس پر رزق کو وسیع کر دے تو یہ اسے فساد کی طرف لے جائے گا تو وہ مصلحت کے باعث اس سے دنیا لپیٹ لیتا ہے۔ یہ رزق کی کمی اس کی ذلت نہیں اور نہ ہی رزق کی وسعت فضیلت ہے اس نے کئی قوموں کو رزق کی فراوانی دی جبکہ اسے علم تھا کہ وہ اسے فساد میں استعمال کریں گے اگر وہ اس کے برعکس کرے تو یہ مصالح کے زیادہ قریب ہوگا مجموعی طور پر امر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں اصطلاح کا عقیدہ رکھنا از حد ضروری ممکن نہیں۔

حضرت انس بن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "جس نے میرے دوست کو ذلیل کیا اس نے مجھے دعوت مبارزت دی، میں اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں دوسروں سے زیادہ تیز ہوں میں ان کے لیے اس طرح غضبناک ہوتا ہوں جس طرح غضبناک شیر غصہ میں ہوتا ہے جس چیز کو میں کرنے والا ہوتا ہوں میں کسی میں بھی اتنا متردد نہیں ہوتا جتنا متردد اس مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے۔ میں اسے ناراض کرنا ناپسند کرتا ہوں اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوتا بندہ مومن کسی ذریعہ سے میرے قریب نہیں ہوتا جس قدر وہ فرائض کی بجا آوری کے ذریعے قریب ہوتا ہے بندہ مومن نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان اور ہاتھ اور تائید کرنے والا بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے عبادت کے ایک دروازے کا سوال کرتے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں اگر میں انہیں وہ دے دوں تو اس میں عجب داخل ہو جائے گا اور وہ چیز انہیں تباہ و برباد کر دے گی اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں غنا ہی درست کر سکتی ہے اگر میں اسے فقر و تنگدستی دوں تو فقر اسے تباہ و برباد کر دے اور میرے مومن بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں فقر ہی درست کر سکتا ہے اگر میں اسے غنی کر دوں تو غنا اسے فاسد کر دیتی ہے۔ میں اپنے بندوں کے معاملات سے باخبر رہتا ہوں کیونکہ مجھے ان کے دلوں کا علم ہوتا ہے، کیونکہ میں علیم و خبیر ہوں"[1]۔ پھر حضرت انس نے دعا کی اے میرے اللہ! میں تیرے ان مومن بندوں میں سے ہوں جنہیں غنا ہی درست کر سکتی ہے اپنی رحمت کے صدقہ مجھے غنی فرما۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

1۔ [illegible]، جلد 5، صفحہ 84

تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (النحل) فراء نے کہا: یہاں مراد وہ ہیں جو چھپائی جانے والی چیزیں ہیں جب کہ وہ چیزیں جو آسمان میں ہیں جس طرح یہ فرمان ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن) جبکہ نمکین سمندر سے نکلتے ہیں میٹھے سمندر سے نہیں نکلتے ہیں۔ ابوعلی نے کہا: اس کی تقدیر یوں ہے جو ان میں سے ایک میں چھپا دیں تو مضاف کو حذف کر دیا گیا يَخْرُجُ مِنْهُمَا یعنی من احدهما قیامت کے روز ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۝ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

"اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ کریم درگزر فرماتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو زمین میں اور نہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔"

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ: نافع اور ابن عامر نے بما کسبت فاء کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ حرف اور جزاء میں زیادتی ہے۔ مہدوی نے کہا: اگر تو یہ مقدر کرے کہ ما موصول ہے تو فاء کا حذف اور اس کا اثبات جائز ہے اور فاء کو ثابت رکھنا بہت اچھا ہے۔ اگر تو اسے شرطیہ کہے تو سیبویہ کے نزدیک اس کا حذف جائز نہیں۔ اخفش نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝ (الانعام) یہاں مصیبت سے مراد دنیا کی مصیبتیں ہیں۔ یہ حضرت حسن بصری نے کہا: (1) ضحاک نے کہا: کسی انسان نے قرآن سیکھا پھر اس کو بھول گیا تو یہ کسی گناہ کے سبب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ پھر کہا: قرآن بھولنے سے بڑی مصیبت کونسی ہوگی؟ اسے ابن مبارک نے عبدالعزیز بن ابی رواد سے نقل کیا ہے۔ ابو عبید نے کہا: یہ ترک کرنے پر ہے جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو تلاوت کرتا رہتا ہے وہ اس کے حفظ پر حریص ہوتا ہے مگر نسیان اس پر غالب آ جاتا ہے تو یہ اس میں سے نہیں جو چیز اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن بھول جایا کرتے یہاں تک کہ آپ کو یاد دلایا جاتا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کی قراءت کو سنا تو فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر ہو اس نے مجھے اتنی آیات یاد دلائی ہیں جن کو میں فلاں فلاں سورت سے بھول گیا تھا" (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما، الذی کے معنی میں ہے معنی یہ ہے: زمانہ گزشتہ میں جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: کتاب اللہ میں سے زیادہ امید والی یہ آیت ہے جب وہ مصائب کے ساتھ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تو کفارہ اور معافی کے بعد کیا رہ جاتا ہے! (3) یہی چیز آپ نے

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 424 2۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نسیان القرآن وهل يقول نسيت آية كذا وكذا، جلد 2، صفحہ 753

3۔ [illegible]، جلد 4، صفحہ 35

ایک مرفوع حدیث میں بھی بیان کیا ہے حضرت علی شیر خدا نے کہا: کیا میں تمہیں کتاب اللہ میں سے سب سے افضل آیت کے بارے میں آگاہ نہ کروں جس کا ذکر نبی کریم ﷺ نے ہم سے کیا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ہے فرمایا: "اے علی! جو تمہیں بیماری، تکلیف یا آزمائش دنیا میں آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے کہ وہ آخرت میں تمہیں دوبارہ سزا دے اور دنیا میں جس گناہ کو اس نے معاف کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ حلم والا ہے کہ وہ معافی کے بعد اس پر سزا دے" (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے کہا: جو رگ پھڑکتی ہے، جو لکڑی سے خراش آتی ہے اور جو انسان پتھر پر گرتا ہے تو یہ کسی نہ کسی گناہ کے باعث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ بخش دیتا ہے" (2)۔

حضرت حسن بصری نے کہا: ہم عمران بن حصین کے پاس گئے تو ایک آدمی نے کہا: جو تکلیف میں تجھ میں دیکھ رہا ہوں میں اس کے بارے میں تم سے ضرور سوال کروں گا۔ عمران نے کہا: اے میرے بھائی! اس طرح نہ کر اللہ کی قسم! میں اس درد کو پسند کرتا ہوں اور جو اسے پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے (3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۝ یہ میرے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے جو گناہ باقی بچے ہیں میرے رب نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ وہ تعداد میں بہت بڑھ کر ہیں۔

مرہ ہمدانی نے کہا: میں نے شریح کی ہتھیلی کی پشت پر ایک زخم دیکھا میں نے پوچھا: اے ابو امیہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ میرے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت زیادہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

ابن عون نے کہا: جب محمد بن سیرین پر قرض چڑھ جاتا تو اس وجہ سے وہ غمگین ہوتے فرماتے: میں اس غم کو پہچانتا ہوں یہ اس گناہ کی وجہ سے ہے جو میں نے چالیس سال پہلے کیا تھا۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: ابو سلیمان دارانی سے کہا گیا: ان عقلاء کو کیا ہو گیا ہے انہوں نے ان لوگوں سے ملامت کو زائل کر دیا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی؟

انہوں نے جواب دیا: کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث آزمائش میں ڈالا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۝۔

عکرمہ نے کہا: انسان کو گرنے کی صورت میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس گناہ کے باعث ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے ساتھ بخشنے والا تھا یا وہ ایسا درجہ پائے جس درجہ تک اس مصیبت کو برداشت کیے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ایک روایت کی گئی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: اے موسیٰ! علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء ان بعض الاذی دم موصن ... روایت باصل، حدیث نمبر 2550، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 25-424

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 37

وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اس کی ان علامات میں سے جو اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہے وہ سمندر میں چلنے والی کشتیاں ہیں گویا وہ بڑے ہونے میں پہاڑ ہیں۔ اعلام کا معنی پہاڑ ہے جوار کی واحد جاریة ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ (الحاقہ) اسے جاریہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ پانی میں چلتی ہے۔ جاریہ کا معنی نوجوان لڑکی بھی ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس میں نوجوانی کا پانی چلتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اعلام کا معنی محلات ہیں اس کا واحد علم ہے (1)، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے ان سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں (2)۔ خلیل نے کہا: عربوں کے ہاں ہر بلند شے کو علم کہتے ہیں۔ خنساء اپنے بھائی صخر کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتی ہے:

وان صخرا لتأتم الهداة به ... كأنه علم في رأسه نار (3)

بے شک صخر کا راہنما بھی قصد کرتے ہیں گویا وہ ایسا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيٰحَ اہل مدینہ نے اسی طرح جمع کا صیغہ پڑھا ہے فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ کشتیاں سطح سمندر پر ساکن رہتی ہیں وہ چلتی نہیں ہیں، رکد الماء رکودا یعنی پانی ٹھہر گیا اسی طرح ہوا اور کشتی ہے۔ سورج جب دوپہر کو ٹھہر جائے تو اس کے لیے بھی رکد کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو کسی جگہ ثابت ہو اسے راکد کہتے ہیں راکد المیزان جب وہ جھکنے سے رک جائے، مراکد ان مقامات کو کہتے ہیں جہاں انسان اور دوسری چیزیں ٹھہرتی ہیں۔ قتادہ نے اسے فیظللن پہلے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح ضللت اضل ہے اور لام کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے؛ یہ قراءت مشہور ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ آیات سے مراد دلالات اور علامات ہیں یعنی جو آزمائش پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجا لاتا ہے۔ قطرب نے کہا: صابر و شاکر بندہ کتنا اچھا ہے جب اسے عطا کیا جائے تو شکر کرتا ہے اور جب اسے آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر کرتا ہے (4)۔ عون بن عبد اللہ نے کہا: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن پر انعام کیا جاتا ہے تو شکر نہیں کرتے اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو امتحان میں ڈالا جاتا تو صبر نہیں کرتے۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

"یا اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور وہ درگزر فرمایا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور اس وقت جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں"۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا اگر وہ چاہے تو ہواؤں کو آندھیاں بنا دے اور کشتیوں کو تباہ کر دے یعنی ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کشتیوں والے افراد کو ہلاک کر دے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 86 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 205 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝ ان کشتیوں والے بہت سے افراد کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کشتیوں کے ساتھ انہیں غرق نہیں کرتا؛ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور انہیں ہلاکت سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتا ہے۔ قشیری نے کہا: عام قراءت وَيَعْفُ ہے اس میں اشکال ہے کیونکہ معنی ہے اگر چاہے تو ہواؤں کو ساکن کر دے اور وہ کشتیاں ایک ہی جگہ ٹھہری رہیں اور ان کے سواروں کے گناہوں کے سبب انہیں تباہ کر دے اس صورت میں عطف کرنا اچھا نہیں کیونکہ اس صورت میں معنی بن جاتا ہے اگر چاہے تو معاف کر دے یہ ٹھیک نہیں ہے معنی ہے بغیر مشیت کی شرط کے انہیں معاف کرنے کی خبر دی جاتی ہے اس صورت میں مجزوم پر عطف لفظ کے اعتبار سے ہوگا معنی کے اعتبار سے نہیں ہوگا۔

وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا ۖ مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ۝ اس کا مصداق کفار ہیں یعنی جب وہ سمندر کے بیچ میں ہوتے ہیں اور ہوائیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں یا کشتیاں ٹھہری رہتی ہیں تو انہیں علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ ہی انہیں بچانے والا ہے اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرے پس وہ اللہ تعالیٰ کی خلوص سے عبادت کریں۔ یہ بحث بھی کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ سمندر میں سفر کرنے کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ اور دوسرے مقامات پر گزر چکی ہے اس لیے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ نافع اور ابن عامر نے ویعلم رفع کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ شرط و جزا کے بعد رفع استئناف کے طریقہ پر ہوگا جس طرح سورۂ توبہ میں ہے وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ (14) پھر فرمایا: وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ (التوبہ: 15) رفع کے طور پر فرمایا۔ اس کی مثل کلام عرب میں ہے ان تاتنی آتک وینطلق عبد اللہ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور نصب کلام کو پھیرنے کے اعتبار سے ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ (آل عمران) جزم کی حالت سے نصب کی حالت کی طرف اسے پھیرا ہے مقصد تخفیف پیدا کرنا ہے کیونکہ پے در پے جزم ہونا ثقیل ہوتا ہے جس طرح نابغہ کا قول ہے:

فإن يهلك أبو قابوس يهلك ... ربيع الناس والشهر الحرام

ونمسك بعده بذناب عيش ... أجب الظهر ليس له سنام

اگر ابو قابوس ہلاک ہو گیا ہے تو لوگوں کا موسم بہار اور شہر حرام فوت ہو گیا۔ ہم اس کے فوت ہونے کے بعد زندگی کی دم کو پکڑے رہیں گے جس کی کوہان کٹی ہوئی ہے۔

یہ فراء کے قول کا معنی ہے۔ اگر یعلم کو جزم دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ زجاج نے کہا: ان کے مضمر ہونے کی بنا پر اسے نصب دی جائے گی(1) کیونکہ اس سے پہلے جزم ہے تو کہتا ہے: ما تصنع اصنع مثله واکرمك۔ اگر تو چاہے تو تو کہہ سکتا ہے واکرمك بعض مصاحف میں ولیعلم ہے یہ اس امر پر دال ہے کہ نصب معنی کی وجہ سے ہے کیونکہ پہلا مصدر کی تقدیر میں ہے ویکون منه عفو وان یعلم۔ جب اسے اسم پر محمول کیا تو فعل کو مضمر کیا جس طرح تو کہتا ہے: ان تاتنی وتعطینی اکرمك اور تو تعطینی کو نصب دیتا ہے تقدیر کلام یہ ہے کہ ان یکن منك اتیان وان تعطینی۔

---

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 227

مِّنْ مَّحِيْصٍ کا معنی فرار اور بھاگنے کی جگہ ہے (1)؛ یہ قطرب نے کہا۔ سدی نے کہا: معنی ہے پناہ گاہ۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے (2): حاص به البعير حيصة جب اونٹ نے اسے چھینک دیا اسی معنی میں ان کا قول ہے: فلان يحيص عن الحق فلاں حق سے مائل ہوتا ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

"پس جو کچھ تمہیں دیا گیا یہ دنیوی سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں"۔

مِّنْ شَيْءٍ سے مراد دنیا میں غنا اور خوشحالی ہے فَمَتَاعُ یہ چند دنوں کا سامان ہے جو دن ختم ہو جائیں گے اس لیے مناسب نہیں کہ کوئی اس پر فخر کرے، خطاب مشرکوں کو ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى سے مراد اطاعت پر ثواب ہے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جنہوں نے تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے آپ کو ملامت کی۔ حدیث طیبہ میں آیا ہے "انہوں نے اسی ہزار خرچ کیا"۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝

"اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ اسم موصول محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پر ہے یعنی ان لوگوں کے لیے جو بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ کبائر کے بارے میں بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے كبير الاثم پڑھا ہے اضافت کے وقت واحد سے بھی جمع کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: 34) جس طرح حدیث طیبہ میں ہے منعت العراق درهمها وقفيزها (3) کل واحد الی درهمها وقفيزها ہے۔ باقی قراء نے یہاں اور سورۂ نجم میں جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَالْفَوَاحِشَ سدی نے کہا: اس سے مراد زنا ہے (4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ سے مراد شرک ہے۔ ایک قوم کا نقطۂ نظر ہے: یہاں كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ سے مراد گناہ ہیں کہ جب کوئی ان سے اجتناب کرتا ہے تو چھوٹے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ فواحش بھی کبائر میں داخل ہوتے ہیں لیکن یہ زیادہ فحش اور زیادہ شنیع ہو جاتے ہیں جس طرح قتل ذکی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 205
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب [illegible]، جلد 2، صفحہ 391
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 21

"اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا مناسب بدلہ دیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پس جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد یہی وہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں، بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد کرتے ہیں زمین میں ناحق یہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو شخص ان مظالم پر صبر کرے اور طاقت کے باوجود معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

ان میں چودہ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ یعنی مشرکوں کی جانب سے ان پر زیادتی کی جائے۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں: اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بغاوت کی انہیں اذیتیں دیں اور انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نکلنے کی اجازت دی، زمین میں انہیں اقتدار دیا اور جنہوں نے بغاوت کی تھی ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا (الحج) کا یہی مصداق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر باغی میں عام ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن یعنی جب انہیں ظالم کی جانب سے ظلم پہنچتا ہے تو وہ اس کے ظلم کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے اس میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اقامت حدود کی طرف اشارہ ہے۔

ابن عربی نے ذکر کیا: جب اللہ تعالیٰ نے ظلم کی صورت میں مدد کا ذکر مدح کے انداز میں کیا ہے ایک اور موقع پر جرم سے معافی کا ذکر مدح کے انداز میں کیا۔ جبکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو ختم کرنے والا ہے(1) اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ دو حالتوں کی طرف راجع ہوں ان دونوں حالتوں میں سے ایک حالت یہ ہے کہ باغی اعلانیہ فجور کرنے والا ہے، عام لوگوں میں بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہو اور چھوٹے بڑے کو اذیتیں دینے والا ہو تو ایسے شخص سے انتقام لینا افضل ہے اس کی مثل میں حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفوس کو ذلیل کریں کہ فاسق ان پر جری ہو جائیں۔

2۔ دوسرا امر جلد بازی میں ہو جب کہ یا اس سے واقع ہو جو لغزش کا اعتراف کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو یہاں معاف کرنا افضل ہے اسی کی مثل میں یہ آیات نازل ہوئیں وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (البقرہ: 237) اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدہ: 45) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (النور: 22)

میں کہتا ہوں: یہ تقسیم بہت اچھی ہے۔ کیا طبری نے احکام میں یہی ذکر کیا ہے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالَّذِيْنَ اِذَآ

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1669

کرتا اور جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے اتنا ہی ظلم کرتا ہے جس طرح عرب کیا کرتے تھے جزا کو سیئۃ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بدلہ اس عمل (ظلم) کے مقابلہ میں ہے پہلے نے مال اور بدن میں زیادتی کی اور یہ قصاص اسی کی شکل بنا ہے (1)۔ یہ بحث سورۂ بقرہ میں مفصل گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے قصاص کو ترک کیا اور اپنے اور ظالم کے درمیان معافی کے ساتھ مصالحت کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر اجر دے گا۔ مقاتل نے کہا: عفو اہل معاصی میں سے ہے۔ سورۂ آل عمران میں اتنی بحث گزر چکی ہے جو اس میں کفایت کر جاتی ہے۔ الحمد للہ۔

ابو نعیم حافظ نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: "جب قیامت کا روز ہوگا تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے انہیں کہا جائے گا: جنت کی طرف چلے جاؤ، فرشتے انہیں ملیں گے وہ پوچھیں گے: کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف جا رہے ہیں فرشتے پوچھیں گے: حساب سے بھی پہلے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں۔ فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے: فضیلت والے۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہاری فضیلت کیا ہے؟ وہ فرمائیں گے: جب ہمارے ساتھ جہالت کا رویہ اپنایا جاتا تو ہم حلم کا مظاہرہ کرتے اور جب ہم پر ظلم کیا جاتا تو ہم صبر کرتے جب ہم پر زیادتی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے۔ فرشتے کہیں گے: جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا اجر کتنا ہی اچھا ہے" اور حدیث کا ذکر کیا۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝ جو ظلم کا آغاز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا (2)؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی قصاص میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے (3)۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ جو مسلمان کافر سے بدلہ لے تو اس مسلمان پر ملامت کرنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ مسلمان کی اس وجہ سے تعریف کی جائے گی، اگر کوئی مسلمان مسلمان ظالم سے بدلہ لے تو پھر بھی اس پر کوئی ملامت نہیں۔ کافر سے انتقام لینا حق کی بات ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور معاف کر دینا مستحب ہے۔

**مسئلہ نمبر 5۔** وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ۝ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ اپنا پورا پورا بدلہ لے۔ یہ تین قسموں میں منقسم ہے (1) وہ بدن میں قصاص ہو جس کا ایک آدمی مستحق ہوتا ہے اگر وہ زیادتی کے بغیر پورا پورا حق لیتا ہے اور حکام کے نزدیک اس کا حق ثابت ہوتا ہے تو اس پر کوئی حرج نہ ہوگا لیکن امام اسے جھڑکے کیونکہ اس پر خون بہانے پر جرأت کا اظہار کرتا ہے اگر اس کا حق حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس میں اس پر کوئی حرج نہ ہوگا وہ ظاہر میں مطالبہ کرنے والا ہے اور اپنے فعل کے ساتھ مواخذہ کرنے والا ہے اور سزا دینے والا ہے۔ 2۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حد ہو کسی آدمی کا اس میں کوئی حق نہ ہو جس طرح حد زنا، چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا اگر یہ حاکم کے نزدیک ثابت نہ ہو تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی اگر حاکم کے نزدیک وہ ثابت ہو تو انتظار کیا جائے گا اگر چوری میں کاٹا

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1669
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 207
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 208

کی سزا ہو تو حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ جس عضو کا کاٹنا لازم ہوا تھا وہ عضو زائل ہو چکا ہے اس پر اس بارے میں کوئی حق ثابت نہیں ہوا کیونکہ تعزیر ادب سکھانے کے لیے ہے۔ اگر اس آدمی کی سزا کوڑے مارنا ثابت ہو تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس نے تعدی کی ہے جبکہ اس کا محل باقی ہے تو وہ اس میں ماخوذ ہوگا۔ 3۔ مال میں اس کا حق ثابت ہو تو مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق پر غلبہ حاصل کرے یہاں تک کہ اگر وہ پایا جاتا ہے تو اس مال تک رسائی حاصل کرے اگر وہ نہیں پایا جاتا تو مہلت دی جائے اگر مطالبہ کی صورت میں مال تک پہنچنا ممکن ہو تو خفیہ طریقہ سے لینا جائز نہیں اگر مطالبہ کے ساتھ پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ جس پر حق لازم ہوتا ہے وہ انکاری ہے کوئی گواہ بھی نہیں جو گواہی دے تو خفیہ طریقہ سے مال لینے میں دو مذہب ہیں: (1) یہ جائز ہے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے (2) اس طرح لینا منع ہے؛ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے (1)۔

**مسئلہ نمبر 5۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ** ان لوگوں پر ملامت ہے جو لوگوں پہ ظلم کرتے ہیں یعنی ان پر اپنی جانب سے حد سے تجاوز کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن جریج نے کہا: وہ ان پر شرک کے ذریعے ظلم کرتے ہیں جو ان کے دین کے مخالف ہے (2)۔

**وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** وہ زمین میں ناحق نفوس اور اموال کے معاملہ میں فساد برپا کرتے ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: بغیھم سے مراد نافرمانیوں کے اعمال کرنا ہے (3)۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے قریش کے کفار جس کی امید رکھتے تھے یعنی کہ مکہ میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ہو (4)۔ اس تعبیر کی بنا پر ابن زید نے کہا: یہ سب جہاد کے ساتھ منسوخ ہے؛ یہ مشرکین کے ساتھ خاص ہے۔ قتادہ کا قول ہے: یہ عام ہے کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ الحمدللہ۔

**مسئلہ نمبر 7۔** ابن عربی نے کہا: یہ آیت سورۂ براءۃ میں آیت کے مقابل ہے (5) وہ آیت یہ ہے **مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ** (التوبہ: 91) جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والے پر ملامت کی نفی کی اسی طرح مظلوم جب بدلہ لے تو اس پر سے ملامت کی نفی کر دی دونوں قسموں کو مکمل کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 8۔** علماء نے ایسے حاکم کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو ایک بستی کے لوگوں پر معین مال لازم کرتا ہے جو مال ان سے لے گا وہ لوگ اپنے اموال کی مقدار کے مطابق اسے دیں گے کیا وہ آدمی جو اس مال کی ادائیگی سے چھٹکارا پا سکتا ہے اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے جب وہ اس سے چھٹکارا پا جاتا ہے تو حاکم باقی مکینوں سے پورا مال لیتا ہے جو اس نے ان پر لازم کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں؛ یہ ہمارے علماء میں سے سحنون کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں ایسا کر سکتا ہے اگر وہ چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر ہو؛ اسی طرف ابو جعفر احمد بن نصر داؤدی مالکی گئے ہیں۔ امام مالک کا قول جو زکوٰۃ کا مال وصول کرنے والے کے بارے میں ہے اس کی تائید کرتا ہے: جو شریک افراد میں

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 208 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 209 5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1670

سے ایک کے ریوڑ میں سے ایک بکری لیتا ہے سب میں نصاب نہیں تھا جس سے بکری لی گئی وہ اس پر ظلم ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کہا: سحنون سے جو روایت مروی ہے میں اسے اپنانے والا نہیں کیونکہ ظلم میں کوئی برابری نہیں کسی آدمی پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے آپ کو محض اس خوف سے ظلم میں داخل کرے کہ کسی اور پر ظلم دوگنا ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ علماء نے تحلیل (کسی کے لیے کوئی چیز حلال قرار دینا، کسی کے لیے کوئی چیز جائز قرار دینا) میں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسیب سامان اور مال میں سے کوئی چیز کسی کے لیے حلال نہیں کرتے تھے سلیمان بن یسار اور محمد بن سیرین سامان تجارت اور مال میں سے ہر چیز جائز قرار دے دیتے تھے۔ امام مالک مال کو جائز قرار دے دیتے تھے سامان تجارت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ ابن قاسم اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے آپ سے سعید بن مسیب کے قول لا احلل احدا کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ میں نے عرض کی: اے ابا عبداللہ! ایک آدمی دوسرے کو مال قرض دیتا ہے اور وہ مال ہلاک ہو جاتا ہے اب وہ اس کو ادا بھی نہیں کر سکتا؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ مال دینے والا مال لینے والے کے لیے مال حلال کر دے یہ میرے نزدیک افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (الزمر: 18)

آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: ایک آدمی دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ فرمایا: میں اس کے لیے تحلیل کی رائے نہیں رکھتا یہ میرے نزدیک پہلے قول سے مختلف ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ میری رائے نہیں کہ اس نے جو ظلم اس پر کیا ہے اسے اس پر حلال کر دے۔

ابن عربی نے کہا: اس مسئلہ میں تین قول ہیں: (1) کسی حال میں بھی اس کے لیے حلال نہ کرے یہ سعید بن مسیب کا قول ہے (2) وہ اس کے لیے حلال کر دے۔ یہ محمد بن سیرین کا قول ہے (3) اگر مال ہو تو حلال کر دے، اگر ظلم ہو تو حلال نہ کرے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا اسے حلال نہ کرے یہ صورت ایسی ہوگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کرنے کی طرح ہوگا۔ دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ اس کا حق ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ساقط کر دے جس طرح وہ قصاص اور سامان تجارت کا حق ساقط کر دیتا ہے۔

تیسرے قول کی دلیل جسے امام مالک نے پسند کیا ہے ایک آدمی تیرا حق ادا کرنے میں مغلوب ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ نرمی کی صورت یہ ہے کہ وہ مال اس کے لیے حلال کر دے اگر وہ ظالم ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ تو اسے نہ چھوڑے تاکہ ظالم لوگ دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں اور اپنے قبیح افعال میں آزاد نہ ہو جائیں۔

صحیح مسلم میں ابو یسر طویل کی حدیث ہے اس میں ہے کہ آپ۔ نے اپنے مقروض سے کہا: باہر آ جاؤ میں جانتا ہوں تو کہاں چھپا ہوا ہے؟ مقروض باہر آ گیا آپ نے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس امر پر برانگیختہ کیا کہ تو مجھ سے چھپے؟ جواب دیا: اللہ کی

اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا ہے کیونکہ یہ دائمی عذاب میں ہیں اور انہوں نے اپنے اہل میں بھی خسارہ اٹھایا ہے کیونکہ ان کے گھر والے اگر آگ میں ہوں گے تو ان کی وجہ سے انہیں کوئی نفع نہ ہوگا اگر اہل جنت میں ہوں گے تو اس کے اور ان کے درمیان رکاوٹ موجود ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل کے خسران سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ ایمان لاتے تو جنت میں ان کے اہل حور عین میں سے ہوتے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک گھر جنت میں ہے اور ایک گھر دوزخ میں ہے جب وہ مرتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے تو جنتی اس کے گھر کا وارث بن جاتا ہے (1) اللہ تعالیٰ کے فرمان: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ (المومنون) کا یہی مطلب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسند دارمی میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی آدمی جسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ بہتر (72) بیویاں حور عین میں سے اور ستر (70) جہنمیوں کی میراث کے طور پر عطا فرماتا ہے ان میں سے ہر ایک کی شرمگاہ دل پسند ہوگی اور اس کا آلہ تناسل دہرہ نہیں ہوگا'' (2)۔

ہشام بن خالد نے کہا: من میراثہ من اھل النار سے مراد ایسے مرد ہیں جنہیں جہنم میں داخل کیا گیا تو جنتی ان کی عورتوں کے وارث ہو گئے جس طرح فرعون کی بیوی کے وارث ہو جائیں گے (3)۔

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ یعنی ایسا عذاب جو ختم نہ ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مومنوں کا قول ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ کلام ہو۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝

''اور نہیں ہوں گے ان (روز) ان کے لیے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر، اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لیے بچنے کی کوئی راہ نہیں''۔

اَوْلِيَآءَ سے مراد مددگار ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اس کے عذاب سے انہیں بچائیں وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ نہیں جس کے ذریعے وہ دنیا میں حق تک اور آخرت میں جنت تک پہنچ سکے کیونکہ ان پر نجات کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفۃ الجنۃ، جلد 332 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، باب فی صفۃ الجنۃ، حدیث 4327، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

"(لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آ جائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ نہ ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا"۔

اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ اس نے تمہیں ایمان اور اطاعت کی طرف جو دعوت دی ہے اس پر لبیک کہو: استجاب اور اجاب دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں ہوگی جو تمہیں عذاب سے نجات دے۔

وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ۝ کوئی مددگار نہیں جو تمہاری مدد کرے (1)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نکیر منکر کے معنی میں ہے جس طرح الیم، مولم کے معنی میں ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا تو اس روز تم کسی انکار کرنے والے کو نہ پاؤ گے؛ یہ ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے (2)۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان گناہوں کے انکار پر قادر نہ ہوں گے جن سے وہ آگاہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِّنْ نَّكِیْرٍ سے مراد ہے تم پر جو عذاب نازل ہوگا اس کو تبدیل کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ نکیر اور انکار کا معنی ہے ناپسندیدہ چیز کو تبدیل کرنا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ۝

"پس اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا آپ کا فرض تو صرف احکام کا پہنچا دینا ہے اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث تو شور مچانے لگتا ہے بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے"۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا اگر انہوں نے ایمان سے اعراض کیا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا یہاں تک کہ آپ ان کے اعمال پر محاسبہ کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ جب تک وہ ایمان نہ لائیں آپ ان سے جدا نہ ہوں یعنی انہیں ایمان پر مجبور کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہے وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ یہاں انسان سے مراد کافر ہے مِنَّا رَحْمَةً رحمت سے مراد خوشحالی اور صحت ہے فَرِحَ بِهَا اس کی وجہ سے وہ اترانے لگتا ہے وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ اگر انہیں آزمائش اور سختی آتی ہے بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ۝ یہاں کفور کا معنی ہے جو نعمتیں اس پر پہلے ہو چکی ہیں ان کی ناشکری کرنے والا ہے جو مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 246
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 210

صرف بیٹیاں عطا کی گئیں ان کے ساتھ بیٹے نہ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں عطا کیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو کوئی اولاد نہ دی۔ اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسحاق بن بشر سے مروی ہے۔ اسحاق نے کہا: یہ آیت انبیاء کے بارے میں نازل ہوئی پھر یہ حکم عام ہو گیا ہے یَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا یعنی حضرت لوط علیہ السلام ان کا کوئی بیٹا نہ تھا ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کوئی بیٹی نہ تھی بلکہ ان کے آٹھ بیٹے تھے اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپ کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا یعنی حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا یَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا کا مصداق حضرت لوط علیہ السلام ہیں ان کی صرف بیٹیاں تھیں ان کا کوئی بیٹا نہ تھا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ کا مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کے بیٹے تھے ان کی کوئی بیٹی نہ تھی اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں حضرت حواء ہر بطن سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنا کرتی تھیں، اس بطن کے لڑکے کی دوسرے بطن کی مونث سے شادی کر دی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں حرمت کے حکم کو قطعی طور پر پختہ کر دیا اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے بھی تھے اور بیٹیاں بھی تھیں قاسم، طیب، طاہر، عبداللہ، زینب، ام کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ سب حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ اس تقدیر پر جو اس کی حکمت بالغہ اور مشیت نافذہ کے ساتھ متعلق ہے نظام چل رہا ہے تا کہ نسل باقی رہے مخلوقات بڑھتی رہیں وعدہ پورا ہو گا، یہ امر ثابت ہو گا اور یہ دنیا آباد ہوتی رہے جنت اور جہنم میں سے ہر ایک اپنا حصہ لے جو اس کو بھر دے اور کچھ حصہ باقی رہے حدیث صحیح میں ہے کہ "جہنم نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: قط قط۔ مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے جہاں تک جنت کا معاملہ ہے تو اس کا کچھ حصہ باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اور مخلوق پیدا فرمائے گا"۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت تامہ اور قوت شدیدہ کی وجہ سے مخلوق کو ابتداءً بغیر کسی چیز سے پیدا فرماتا ہے وہ اپنی عظیم مہربانی اور حکمت بالغہ کے ساتھ ایک چیز سے دوسری چیز پیدا فرماتا ہے یہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ حاجات سے پاک ہے اور آفات سے سلامت ہے(1)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا فرمایا اور حضرت حواء کو آدم سے پیدا فرمایا اور دونوں سے مخلوق کو نسل کے طور پر پیدا فرمایا؛ وہ حمل ہوتا ہے وہ جنین ہوتا ہے پھر وضع حمل ہوتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچی پیدا ہوتی ہے" صحیح میں اسی طرح ہے "جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو بچہ چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے"۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1672

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا معنی ہے(1): اس کے الفاظ میں امام مسلم نے حضرت عروہ بن زبیر کے واسطہ سے ان سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: جب عورت کو احتلام ہو اور وہ پانی دیکھے تو کیا وہ غسل کرے گی؟ فرمایا: "ہاں" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے فرمایا: تربت یداک والت کلمہ تعجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دے مشابہت تو اسی وجہ سے ہوتی ہے جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو وہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے"۔

ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے مقتضا کے مطابق غلبہ مشابہت کا تقاضا کرتا ہے، حضرت ثوبان کی حدیث میں ہے(2) جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودی سے فرمایا: "مرد کا پانی سفید اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے جب دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچی پیدا ہوتی ہے"۔

اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہوا کہ غلبہ مذکر اور مونث کا تقاضا کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ چچاؤں کے ساتھ مشابہت کے ساتھ اور مذکر ہونا اس صورت میں ہوگا جب مرد کا پانی غالب آ جائے اسی طرح جب عورت کا پانی غالب آ جائے تو ماموؤں کے ساتھ مشابہت اور مونث ہونا لازم آئیگا کیونکہ دونوں چیزیں ایک علت کا معلول ہیں معاملہ اسی طرح نہیں بلکہ اس کے خلاف بھی صورت موجود ہوتی ہے کیونکہ ہم یہ پاتے ہیں کہ مشابہت ماموؤں کے ساتھ ہوتی ہے اور بچہ ہوتا ہے اور چچاؤں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جبکہ بچی ہوتی ہے پس دونوں حدیثوں میں سے ایک کی تاویل متعین ہوگی حدیث ثوبان کا جو معنی متعین ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غلبہ تو یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے سابقنی فلان فسبقته فلاں نے میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں اس پر سبقت لے گیا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ (الواقعہ) یعنی ہم مغلوب نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غلبہ کا معنی ہے علا علیہ اس قول کی تائید حدیث کرتی ہے "جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو بچی پیدا ہوتی ہے"(3)۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے ان احادیث کی بنا پر قاعدہ بنایا ہے کہا: ان دونوں پانیوں کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (1) مرد کا پانی پہلے نکلے۔ (2) عورت کا پانی پہلے نکلے۔ (3) مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو۔ (4) عورت کا پانی پہلے نکلے اور زیادہ ہو۔ تقسیم اسی طرح مکمل ہوتی ہے کہ مرد کا پانی پہلے نکلے پھر اس کے بعد عورت کا پانی نکلے اور عورت کا پانی زیادہ ہو یا اس کے برعکس ہو جب مرد کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچہ ہوگا اور کثرت کی وجہ سے بچہ چچاؤں کے مشابہ ہوگا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منہا، جلد 1، صفحہ 146
2۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب بیان صفۃ منی الرجل والمرأۃ، جلد 1، صفحہ 148
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1672

جب عورت کا پانی پہلے نکلے اور وہ زیادہ ہو تو سبقت کی وجہ سے بچی ہوگی اور کثرت کی وجہ سے مشابہت ماموؤں کے ساتھ ہوگی اگر مرد کا پانی پہلے نکلے لیکن جب عورت کا پانی نکلا تو وہ زیادہ تھا تو سبقت کی وجہ سے بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے پانی کی مشابہت سے بچہ ماموؤں کے مشابہ ہوگا۔ اگر عورت کا پانی پہلے نکلے لیکن جب مرد کا پانی نکلا تو وہ عورت کے پانی پر غالب آ گیا تو بچی ہوگی کیونکہ عورت کا پانی پہلے نکلا تھا اور مشابہت چچوؤں کے ساتھ ہوگی کیونکہ مرد کا پانی غالب تھا۔ کہا: اقسام کو اس طرح ترتیب دینے سے کلام درست ہو جاتی ہے احادیث کے درمیان تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ تمام تر پاکیزگیاں خالق حکیم کے لیے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ہمارے علماء نے کہا: نسل انسانی مذکر اور مونث کی حیثیت سے رواں دواں رہی یہاں تک کہ دور جاہلیت میں پہلا خنثیٰ واقع ہوا۔ سے علم میراث کے ماہر اور ان کے علم آرائی عامر بن ظرب کے سامنے پیش کیا گیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے بارے میں کیا کہے اس نے ان سے مہلت مانگی۔ جب اس پر رات تاریک ہوئی تو وہ بے کل ہو گیا وہ پہلو بدلتا رہا اس کے ذہن میں ایک سوچ آتی اور ایک جاتی یہاں تک کہ اس کی خادمہ نے اس کی کیفیت کو بھانپ لیا پوچھا: کیا بات ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک معاملہ میرے پاس پیش کیا گیا ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اس وجہ سے جاگ رہا ہوں؟ خادمہ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ عامر نے اسے کہا: ایک آدمی ہے جس کا ذکر اور فرج دونوں ہیں اس کا میراث میں کیا حال ہوگا؟ لونڈی نے اسے کہا: جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے اسی مناسبت سے اسے وراثت دے دو۔ عامر اسے سمجھ گیا صبح کی اور عامر نے اس کا حل پیش کر دیا وہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ یہی صورت حال تھی کہ اسلام آگیا حضرت علی شیر خدا کے دور میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اس بارے میں فیصلہ کیا۔ کلبی نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ذکر اور فرج بھی تو کس اعتبار سے اسے وراثت دی جائے گی؟ فرمایا: ”جہاں سے اسے پیشاب آتا ہے“ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی خدمت میں انصار کا ایک خنثیٰ پیش کیا گیا تو فرمایا: ”جہاں سے اسے پہلے پیشاب آتا ہے اس اعتبار سے اسے وارث بناؤ“ محمد بن حنفیہ نے کہا: حضرت علی شیر خدا سے اسی طرح مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن مسیب، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ مزنی نے کہا: امام شافعی سے اسی طرح مروی ہے۔

ایک قوم کا نقطہ نظر یہ ہے: پیشاب کا کوئی اعتبار نہیں اگر دونوں سے پیشاب آئے تو امام ابو یوسف کا قول ہے اکثر پر حکم لگایا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے اس کا انکار کیا ہے فرمایا: کیا تو اس کو کیل کرے گا؟ امام شافعی کے مقلدین نے اکثریت پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ حضرت علی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی پسلیاں شمار کی جائیں گی (1) کیونکہ عورت کی پسلی مرد کی نسبت ایک زائد ہوتی ہے۔ میراث والی آیت میں علماء نے جو گفتگو کی ہے مفصل گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: ایک قوم نے خنثیٰ کے وجود کا انکار کیا (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے مونث اور مذکر ہم کہتے ہیں: یہ لغت سے ناواقفیت فصاحت سے کند ذہنی اور قدرت کی وسعت کی پہچان

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1674

2۔ ایضاً

سے کوتاہی کی بنا پر ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق ہے کیونکہ وہ وسعت والا اور علیم ہے جہاں تک قرآن کے ظاہر کا تعلق ہے وہ خنثیٰ کے وجود کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ تو یہ عموم مدح ہے اس میں تخصیص جائز نہیں کیونکہ قدرت اس کا تقاضا کرتی ہے جہاں تک اس آیت يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا کا تعلق ہے تو یہ موجودات میں غالب کی خبر دیتی ہے نادر کے ذکر سے سکوت فرمایا کیونکہ وہ کلام اول کے عموم کے تحت داخل ہے وجود اس کی گواہی دیتا ہے اور مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ ریاہ میں ہمارے ساتھ ابوسعید خنثیٰ امام شہید کے پاس پڑھتا تھا جو بلاد مغرب سے تعلق رکھتا تھا، اس کی داڑھی تھی اور وہ دو پستان والے تھے اس کے پاس ایک لونڈی تھی میرا رب اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے طویل صحبت کے باوجود حیا اس سے سوال کرنے سے مانع رہا تاہم میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی رہی کہ کاش میں اس کے حال سے آگاہ ہو جاتا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿51﴾

"اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ یا بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اس کا سبب یہ ہے (1) کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: اگر آپ نبی ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اس کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اسکو دیکھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ اس طرح کریں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت موسیٰ علیہ السلام ہرگز اس کو نہیں دیکھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ نقاش، واحدی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَحْيًا مجاہد نے کہا: یہ پھونکنا ہے اس کے دل میں پھونکا جاتا ہے (2) تو وہ الہام ہوتا ہے؛ اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها واجلها فاتقوا الله واجملوا فی الطلب روح القدس نے میرے دل میں الہام کیا کہ ایک نفس ہرگز نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ اپنا مکمل رزق پائے گا اور اپنی مدت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلب اچھی کرو۔

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ یا حجاب کے پیچھے سے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی۔ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا جس طرح حضرت جبریل امین کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا وَحْيًا کا معنی ہے (3) ایسے خواب جنہیں وہ اپنی نیند میں دیکھتا

1۔ اسباب نزول للواحدی، صفحہ 185 | 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 212 | 3۔ ایضاً

ہے: یہ محمد بن زبیر کا قول ہے اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا زبیر نے کہا: رسول سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں (1) فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ یہ وحی جبریل کی جانب سے ہوتی ہے یہ رسل یعنی فرشتوں کی جانب سے انبیاء کو خطاب ہوتا ہے جس کو انبیاء سنتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں، حضرت جبریل امین کی بھی یہی حالت تھی جب وہ وحی لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت جبریل امین ہر نبی کے پاس آتے رہے مگر حضرت جبریل امین کو حضرت محمد علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام کے سوا کسی نے بھی نہیں دیکھا جہاں تک دوسرے انبیاء کا تعلق ہے تو ان کی طرف وحی نیند کی حالت میں الہام ہوا کرتا تھا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا وَحْیًا سے مراد ہے جبریل امین کو بھیج کر اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا جس طرح تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

زہری، شیبہ اور نافع نے اَوْ یُرْسِلُ رَسُوْلًا فَیُوْحِیْ دونوں فعلوں کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے۔ رفع جملہ مستانفہ کے طور پر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی هو یرسل ایک قول یہ کیا گیا ہے یرسل فعل حال ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الا موحیا او مرسلا جنہوں نے دے نصب دی ہے انہوں نے فعل کو وحی پر معطوف کیا ہے تو اس کا معنی ہوگا کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو مگر یہ اس کی طرف وحی کرے یا رسول بھیجے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نصب حرف جار کے حذف کی وجہ سے ہو تو ان مضمرہ سے پہلے ہے اور وہ حال کے محل میں ہو تقدیر کلام یہ ہو اوبان یرسل رسولا یہ جائز نہیں کہ او یرسل منصوب فعل کا عطف اَنْ یُّكَلِّمَهُ پر ہو کیونکہ معنی میں فساد واقع ہوتا ہے کیونکہ معنی یہ بنتا ہے کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اسے بھیجے یا اس کی طرف رسول بھیجے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں رسول بنا کر بھیجے ہیں اور انسانوں کی طرف بھیجے ہیں۔

**مسئلہ نمبر2۔** اس آیت سے اس آدمی نے استدلال کیا ہے جس کی رائے یہ ہے: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں آدمی سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس آدمی کی طرف قاصد بھیجا تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ آدمی بھیجنے والے کو بھی بعض اوقات اس آدمی کے ساتھ کلام کرنے والا ہی سمجھا جاتا ہے جس کی طرف اس نے آدمی بھیجا تھا مگر یہ صورت مختلف ہوگی کہ اس نے بالمشافہ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ابن منذر نے کہا: اس آدمی کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جو یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا تو اس نے اس کی طرف خط لکھا یا اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا تو ثوری نے کہا: رسول کلام نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس کا حانث ہونا واضح نہیں ہوگا۔ امام نخعی نے کہا: خط کی صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا۔ امام مالک نے کہا: وہ خط اور قاصد دونوں کی صورت میں حانث ہو جائے گا۔ ایک دفعہ کہا قاصد خط سے آسان ہے۔ ابو عبید نے کہا: کلام، خط اور اشارہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 212
2۔ ایضاً

تمہارے دلوں میں قرآن نے پیدا کیا ہے کیونکہ قرآن اور اس کا مفہوم ہے یہ کسی طرح باقی نہیں کا وہم ہوتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ یعنی تم ایمان کی طرف ہدایت پانے والے نہ تھے اور نہ ہی کچھ جانتے تھے۔ اس کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی سے پہلے آپ ایمان سے متصف نہیں تھے۔ قشیری نے کہا: یہ امر عقلی کے مجوزات میں سے ہے اکثر علماء جس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر وہ وقت سے پہلے اس پر ایمان لانے والا تھا یہ بھی عقل سے ہے۔ یہ حکم لگاتا ہے مگر یہ قطعی دلیل سے امر ثابت ہو۔ قاضی ابو الفضل عیاض نے کہا: بعثت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے وہ بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے جاہل ہونے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک سے پاک تھے انبیاء سے اخبار و آثار اس امر کی تائید کرتی ہیں کیونکہ جب سے وہ پیدا ہوئے وہ اس نقص سے پاک تھے بلکہ ان کی پیدائش توحید و ایمان پر ہی ہوئی بلکہ معرفت کے انوار کے اشراق اور الطاف سعادت کے نفحات پر ہوئی۔ جو آدمی ان کی ولادت سے لے کر ان کی بعثت تک کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس کو تسلیم کرتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے حوالے سے معروف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (مریم)

مفسرین نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اللہ کا علم ان کے بچپنے میں دے دیا گیا تھا۔ معمر نے کہا: اس وقت ان کی عمر دو سال یا تین سال تھی۔ بچوں نے ان سے کہا: تو کھیلتا کیوں نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں کھیل کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 39) کے بارے میں کہا: حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ ان کی عمر تین سال تھی حضرت یحییٰ نے گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی جبکہ وہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم کو کہا کرتی تھی: میرے بطن میں جو بچہ ہے وہ تیرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے سلام کی غرض سے سجدہ کرتے ہوئے پاتی ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو انہوں نے اپنی والدہ سے گفتگو کی جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّا تَحْزَنِيْ (مریم: 24) اس کی قرأت کے مطابق جس نے مِنْ تَحْتِهَا کی قرأت کی ہے، یہ ..... جس نے کہا: ندا کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور گہوارے میں ان کی نداء ہے جیسے بیان فرمایا: اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ (مریم) اور فرمایا: فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (الانبیاء: 79) حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے بارے میں کہا گیا جبکہ وہ بچے تھے۔ بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے یہ فیصلہ جو انہوں نے رجم کی جانے والی عورت اور بچے کے بارے میں کیا تھا جس کی وجہ سے ان کے والد حضرت داؤد نے ... کی تھی۔

طبری نے یہ حکایت بیان کی ہے: جب ان کو حکومت ملی اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ جو واقعہ ہے وہ بھی اسی طرح ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑی جبکہ ابھی وہ بچے تھے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (الانبیاء: 51) کے بارے میں فرمایا: ...

اسے ہدایت دی جبکہ اس کی عمر چھوٹی تھی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن عطا نے کہا: اس کی پیدائش سے قبل ہی اس کو چن لیا گیا۔ بعض نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا میں نے ایسا کر لیا ہے یہ نہیں کہا میں ایسا کروں گا؛ یہ ان کی ہدایت تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا اور ان کا امتحان ہوا اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی، حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کی صورت میں امتحان سات سال کی عمر میں ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، چاند اور سورج سے جب استدلال کیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو کنویں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت آپ بچے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا (یوسف: 15) اس کے علاوہ بھی اخبار موجود ہیں۔

سیرت نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جب ولادت ہوئی تو آپ اپنے ہاتھ زمین پر پھیلائے ہوئے تھے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں کا بغض پیدا ہو گیا، شعر سے بغض پیدا ہو گیا اور جاہلیت کے لوگ جس قسم کے کام کرتے تھے میں نے ان میں سے کسی شے کا ارادہ نہیں کیا مگر صرف دو دفعہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں دفعہ مجھے اس سے محفوظ رکھا پھر میں نے اس کا ارادہ نہ کیا" (1)۔

پھر ان کے لیے یہ امر پختہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی نوازشات پے در پے ان پر واقع ہوتی ہیں، معارف کے انوار ان میں روشن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہا تک جا پہنچتے ہیں یہ کسی تجربہ و مشق کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا (القصص: 14)

قاضی نے کہا: تاریخ دانوں میں سے کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو نبوت عطا کی گئی ہو یا اسے منتخب کیا گیا ہو جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ اس نے اس سے قبل کفر اور شرک کیا ہو اس بارے میں جس پر انحصار کیا جا سکتا ہے وہ اخبار متواترہ ہیں بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس آدمی کا یہ طریقہ رہا ہو دل اس سے نفرت کرتے ہیں۔

قاضی نے کہا میں کہتا ہوں: قریش نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر اس بات کے ساتھ اعتراض کیا جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا، امتوں کے کفار نے اپنے انبیاء کو ہر اس چیز سے عار دلائی جو ان کے لیے ممکن تھا اور جس کو انہوں نے گھڑا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا یا راویوں نے ہمارے سامنے اسے نقل کیا لیکن ہم یہ نہیں پاتے کہ ان میں سے کسی نے کسی نبی کو اس بات پر شرمندہ کیا ہو جس امر میں وہ اس کے ساتھ متفق تھا اب اس کو ترک کر دیا ہے اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ اعتراض کرنے میں جلدی کرتے اپنے معبود کو تبدیل کرنے پر اس کے خلاف استدلال کرتے وہ نبی انہیں جس چیز سے منع کرتا ہے جبکہ وہ خود

1۔ [illegible]، باب عصمة النبی من عمل الجاهلیة، جلد 4، صفحہ 273

پہلے اس کی عبادت کرتے تھے اس معاملہ میں ان کا اسے شرمندہ کرنا یہ دلیل میں زیادہ قوی اور اعتماد کی چیز ہوتا اس کی نسبت کہ اس نے ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور ان معبودوں کو چھوڑ دیا جن کی ان کے آباء پرستش کیا کرتے تھے ان لوگوں کا اس نبی سے اعراض پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ایسی کوئی راہ نہیں پائی تھی کیونکہ اگر کوئی بات ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی اور وہ خاموش نہ رہتے جس طرح وہ تحویل قبلہ کے بارے میں خاموش نہ رہے انہوں نے کہا: مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا (البقرہ:142) جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکایت بیان کی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ علماء نے ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں گفتگو کی کہ وحی سے قبل آپ کس دین پر تھے؟ کچھ نے تو مطلقاً اس کا انکار کیا اور اس دعویٰ کو عقل کے اعتبار سے محال جانا انہوں نے کہا: جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ وہ تابع ہے اس کے لیے متبوع ہونا بعید ہے انہوں نے اس کی بنیاد حسن و قبح پر رکھی ہے۔

دوسری جماعت نے کہا: نبی کریم ﷺ کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور کسی قطعی حکم سے انکار کیا کیونکہ عقل ان دونوں میں سے کسی صورت کو ناممکن قرار نہیں دیتی اور نہ ہی بطریق نقل ان میں سے کوئی صورت واضح ہے یہ ابوالمعالی کا مذہب ہے۔

تیسری جماعت کا نقطہ نظر ہے: آپ پہلی شریعت کے پیروکار تھے اور اس پر عامل تھے، پھر ان علماء نے تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ کا دین تمام ماسبق ادیان اور ملل کے لیے ناسخ تھا کیونکہ یہ بات ثابت نہیں کہ نبی منسوخ دین پر عمل پیرا ہو۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ آپ ﷺ ان کی اولاد تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء تھے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ وہ دین ان میں سے سب سے قدیم دین ہے۔

معتزلہ کا کہنا ہے: لازم ہے کہ آپ کسی دین کے پیروکار تھے مگر وہ کون سا دین تھا یہ ہمیں معلوم نہیں۔ ہمارے ائمہ نے ان تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایسے اقوال ہیں جو متعارض ہیں ان میں کوئی قطعی دلیل نہیں اگرچہ عقل ان سب کو جائز قرار دیتی ہے جو بات قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی ایک نبی کی طرف اس طرح منسوب نہیں تھے کہ وہ نسبت یہ تقاضا کرتی ہو کہ آپ اس کے امتی ہیں اور اس کی شریعت کے مخاطب ہیں بلکہ ان کی شریعت بذات خود مستقل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا آغاز ہوا آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے آپ ﷺ نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا، نہ شرک کیا، نہ کسی قسم میں حاضر ہوئے اور نہ حلف مطیبین کی قسم اٹھانے والوں میں حاضر ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے محفوظ رکھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے: عثمان بن ابی شیبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے(1) کہ حضرت جابر نے کہا کہ نبی کریم ﷺ مشرکین کے ساتھ ان کے مشاہد میں حاضر ہوتے تو آپ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا: جاؤ یہاں تک کہ ان کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ تو دوسرے نے کہا: میں ان کے پیچھے کیسے کھڑا ہو سکتا ہوں جبکہ اس کا وقت بت کو سلام کرنے کا ہے اس کے بعد آپ ﷺ کبھی بھی ان کے ساتھ ان کی مجلسوں میں حاضر نہ ہوئے۔

1۔ کتاب الشفاء، صفحہ 470

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس روایت پر سخت جرح قدح کی ہے کہا: یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے۔ دار قطنی نے کہا: عثمان کو سند میں وہم ہوا ہے، حدیث منکر ہے اس کی سند پر اتفاق نہیں اس وجہ سے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔

علماء کے نزدیک اس کے برعکس ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بُغِّضَتْ اِلَیَّ الْاَصْنَامُ اور بحیرا راہب کے قصہ میں آپ کا ارشاد: لَا تَسْاَلْنِی بِهِمَا فَوَاللّٰهِ مَا اَبْغَضْتُ شَیْئًا قَطُّ بُغْضَهُمَا اس پر دلیل ہے بحیرا راہب نے جب شام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی جبکہ اس سفر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ تھے اور ابھی بچے تھے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی علامات دیکھیں تو بطور امتحان کہا: لات اور عزیٰ کی قسم اٹھاؤ تو آپ نے یہ جواب دیا تھا: "مجھ سے ان کے بارے میں قسم کا سوال نہ کرو جتنا میں ان دونوں سے بغض رکھتا ہوں ایسا بغض میں کسی سے نہیں رکھتا"۔ بحیرا نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! جو میں تجھ سے پوچھوں گا تم ضرور اس کا جواب دو گے۔ فرمایا: "جو چاہو سوال کرو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بھی معروف ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ نبوت کے اعلان سے قبل حج کے موقع پر مشرکین کی مخالفت کرتے وہ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں وقوف کرتے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ (البقرۃ:135) فرمایا: اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (النحل:123) فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (الشوریٰ:13) یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ شریعت کے پیروکار تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امور میں سے ہے جن میں شریعتوں میں اختلاف نہیں ہوتا جیسے توحید، اقامت دین۔ جس کی وضاحت کئی مواقع پر ہو چکی ہے۔ اس سورت میں شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو یہ بات جان لو کہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ کی تعبیر کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس آیت میں ایمان کا معنی ایمان کے شرائع اور معالم ہیں؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس شرع کی تفاصیل مراد ہیں یعنی ان کی تفاصیل نہیں جانتے تھے۔ ایمان کے لفظ کا اطلاق شرع کی تفاصیل پر کرنا بھی جائز ہے؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وحی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ آپ کیسے مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دیں؛ اسی کی مثل ابو العالیہ سے مروی ہے۔

ابو بکر قاضی نے کہا: یہاں ایمان سے مراد فرائض اور احکام ہیں، کہا: اس سے پہلے آپ توحید پر ایمان رکھنے والے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن سے پہلے آپ آگاہ نہ تھے احکام کے مکلف بنائے جانے کے ساتھ ایمان میں اضافہ ہوا۔ یہ چاروں اقوال قریب قریب ہیں۔

ابن خزیمہ نے کہا: ایمان سے مراد نماز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرۃ:143)

مراد یہ ہے تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی ہے اس کو ضائع کرنے والا کوئی نہیں لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی اہل ایمان کو جانتے تھے۔ یہ کلام اس قبیل سے ہوگی جس میں مضاف حذف ہوتا ہے یعنی کون ایمان لائے گا، ابو طالب، حضرت عباس یا کوئی اور۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ گہوارے میں تھے اور بلوغت سے قبل آپ کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

ماوردی نے علی بن عیسیٰ سے اسی کی مثل روایت بیان کی ہے۔ اگر رسالت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر بلوغت نہ ہوتی تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم تم پر انعام نہ کرتے تو آپ نہ جانتے کہ کتاب کیا ہے اور اگر ہم آپ کو ہدایت نہ دیتے تو آپ نہ جانتے کہ ایمان کیا ہے، اس میں احتمال موجود ہے۔

اس ایمان میں دو وجوہ ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان، اسے آپ بلوغت کے بعد اور نبوت سے پہلے جانتے تھے (2) دین اسلام، اسے آپ نبوت کے بعد جانتے تھے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے پیدائش سے لے کر بالغ ہونے تک جس طرح یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ یعنی آپ اپنی قوم سے تعلق رکھتے تھے وہ نہ کتاب کو جانتے اور نہ ہی ایمان کو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (العنکبوت) یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا: ضمیر غائب سے مراد ایمان ہے (2)۔ سدی نے کہا: مراد قرآن ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی ہے یعنی ہم نے اس وحی کو بنایا نور۔

نُّوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ یعنی نَّشَآءُ سے مراد جسے ہم نبوت کے لیے پسند کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (البقرہ: 105) ضمیر واحد ذکر کی کیونکہ کثرت اسماء میں فعل ایک فعل کے قائم مقام ہوتا ہے تو اسم واحد میں ہو گیا تو نہیں دیکھا کہ وہ کہتا ہے: اِقْبَالُكَ وَ اِدْبَارُكَ يُعْجِبُنِيْ تو ضمیر غائب واحد کی لاتا ہے جبکہ اقبال اور ادبار دو چیزیں ہیں۔

وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تو راہنمائی کرتا ہے اور دعوت دیتا ہے سیدھے دین کی طرف جس میں کوئی کجی نہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے (4)۔

عاصم اور حجدری نے وَ اِنَّكَ لَتُهْدٰى مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یعنی فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف کا صیغہ پڑھا ہے حضرت ابی کی قراءت میں وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قراءت نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ یہ مصحف کے مخالف ہے اس قسم کے قول کو قائل کی جانب سے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ یہ تفسیر کے طور پر ہے جس طرح کہا: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ یعنی آپ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 212 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 213 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 212 4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 213

دعوت دیتے ہیں۔

معمر نے قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ کی تفسیر میں یہ آیت ذکر کی وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (الرعد)

صِرَاطِ اللّٰهِ یہ پہلے صراط سے بدل ہے جس طرح معرفہ نکرہ سے بدل ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اسلام ہے۔ حضرت نواس بن سمعان نے یہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ یعنی ملک، بندہ اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ دوبارہ اٹھانے اور جزا دینے کی وعید ہے۔ سہل بن ابی جعد نے کہا: ایک مصحف جل گیا اس میں سے صرف اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ باقی بچا۔ ایک مصحف غرق ہوا اس میں سے سب مٹ گیا صرف اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ باقی بچا۔ والحمد للہ وحدہ۔

# سورۃ الزخرف

آیاتہا ۸۹ ۔ ۶۳ سورۃ الزخرف مکیۃ ۔ رکوعاتہا ۷

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے مقاتل نے کہا مگر یہ آیت مدنی ہے وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ ۔ اس کی نواسی آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ﴿۳﴾

"حا میم۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی ہم نے اتارا ہے اسے قرآن عربی زبان میں تاکہ تم اس کے مطالب کو سمجھو"۔

حٰمٓ ۚ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حٰمٓ قسم ہے وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ دوسری قسم ہے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلۡنٰہُ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَ الۡکِتٰبِ کا جواب حٰمٓ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے نزل واللہ، وجب واللہ اس نے الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ پر وقف کیا ہے جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلۡنٰہُ کو بنایا ہے اس نے وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلۡنٰہُ کا معنی ہے ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی، اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ (المائدہ:103) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔

عَرَبِیًّا ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی (2)؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقاتل نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنایا جَعَلۡنٰہُ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝ ۔ لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجمیوں کے لیے نہیں ہوگا (4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچو و بچار کرو، اس تعبیر کی بنا پر عربوں اور عجمیوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 215　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۝

"اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز ہے"۔

وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن لوح محفوظ میں ہے لَدَيْنَا یعنی ہمارے پاس لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۝ یعنی بلند اور محکم۔ اس میں اختلاف اور تناقض نہیں پایا جاتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ (الواقعہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (البروج) ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّهٗ سے مراد مخلوق کے اعمال یعنی ایمان، کفر، اطاعت اور معصیت ہیں لَعَلِيٌّ وہ اس سے بلند ہے کہ اسے پایا جا سکے اور اس میں تبدیلی کی جا سکے حَكِيْمٌ وہ نقص اور تغیر سے پاک ہے(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اسے حکم دیا کہ جس کو پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے لکھے کتاب اس کے پاس ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی(2)۔ حمزہ اور کسائی نے اُمِّ الْكِتٰبِ کے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ۝

"کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو"۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ ضحاک اور دیگر سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذکر سے مراد عذاب ہے یعنی کیا ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے اور تمہارے اسراف اور کفر پر تمہیں سزا نہ دیں گے؛ یہ مجاہد، ابو صالح اور سدی کا قول ہے(3)۔ عوفی نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تم سے عذاب کو روک لیں گے جبکہ تم نے وہ کچھ نہیں کیا جس کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کیا تم قرآن کو جھٹلاتے ہو اور تمہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ سدی نے یہ بھی کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں فضول چھوڑ دیں گے اور ہم تمہیں حکم نہیں دیں گے اور ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے کیا ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے اور تمہیں حکم نہیں دیں گے اور تمہیں نہیں روکیں گے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا ہم قرآن نازل کرنے سے رک جائیں گے جبکہ اس لئے کہ تم اس پر ایمان نہیں لائے ہو گے اور تم پر اسے نازل نہ کریں گے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اٹھا لیا جاتا جب اس امت کے لوگوں نے اس کا رد کیا تھا تو وہ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ اسے لوٹایا اور بار بار نازل کیا۔ کسائی نے کہا: ہم تم سے ذکر کو لپیٹ دیں گے تو تمہیں نصیحت کی جائے گی اور نہ ہی تمہیں حکم دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد تذکیر ہے گویا فرمایا: کیا تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ تم فضول خرچ قوم ہو۔ یہ تعبیر ان کے نزدیک ہے جس نے ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے جس نے اسے کسرہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 215 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 91 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 218

دیا ہے اس نے اسے شرط کے لیے بنایا ہے اور اس کا ماقبل اس کا جواب ہے کیونکہ یہ لفظوں میں عمل نہیں کرتا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرۃ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے اس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے جس طرح تو کہتا ہے: انت ظالم ان فعلت زجاج کے نزدیک ہمزہ کے کسرہ کی صورت میں حال کا معنی ہوگا کیونکہ کلام میں تقریر و توبیخ کا معنی پایا جا رہا ہے صَفْحًا کا معنی اعراض کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے صفحت عن فلان جب تو نے اس سے کنارہ کشی کی قد ضربت عنه صفحا جب تو نے اس سے اعراض کیا اور اس کو ترک کر دیا۔ اس کا اصل معنی گردن کا پہلو ہے یہ کہا جاتا ہے: اعرضت عنه یعنی میں نے اس سے اپنی گردن کا پہلو پھیر لیا۔ شاعر نے کہا:

صَفُوحًا فما تلقاك إلا بخيلة ... فمن ملّ منها ذلك الوصل ملّت (1)

وہ گردن کا پہلو پھیرنے والی ہے وہ تجھے بخل کی حیثیت سے ہی ملے گی جو اس وصل سے اس سے اکتا جائے وہ اکتا جاتی ہے۔
صَفْحًا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ اَفَنَضْرِبُ کا معنی ہے فنصفح ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے أفنضرب عنكم الذكر صافحين جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان مشیا۔
مُّسْرِفِيْنَ کا معنی ہے مشرکین۔ ابو عبید نے ان میں ہمزہ کے فتحہ کو اختیار کیا ہے: یہ ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم اور ابن عامر کی قراءت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر پر عتاب کیا جو ان سے واقع ہوا اور ان کے عمل سے پہلے اسے جان لیا۔

وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

"اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے ہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا"۔

وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہاں کم خبریہ ہے، یہاں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے معنی ہے ہم نے جو انبیاء بھیجے ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہے جس طرح فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ (الدخان) انہوں نے کتنے ہی زیادہ باغات اور چشمے چھوڑے۔

وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ یعنی ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ لوگ اس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے۔ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا یعنی اس قوم کو ہلاک کیا جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھی مِنْهُمْ میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے جو اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کے مخاطب ہیں پہلے خطاب کیا اس کے بعد ضمیر ذکر کی اَشَدَّ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مفعول ہے یعنی وہ لوگ جو بدن اور مددگاروں کے اعتبار سے ان سے قوی تھے انہیں ہلاک کر دیا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ مجاہد نے کہا: مثل سے مراد عقوبت ہے یہ قتادہ سے مروی ہے (2) ایک قول یہ کیا گیا ہے: صفۃ الاولین سے مراد ہے ان کی خبر کہ انہیں

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 216
2۔ ایضاً

ان کے کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا، یہ نقاش اور مہدوی نے ذکر کیا ہے (1)۔ مثل کا معنی وصف اور خبر ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے: پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست سب کچھ جاننے والے نے"۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ضمیر سے مراد مشرکین ہیں مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ خلق اور ایجاد کا اس کے لیے اقرار کیا پھر اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی یہ ان کی طرف سے جہالت ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

"جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور بنا دیے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو"۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اللہ تعالیٰ نے کمال قدرت کے ساتھ اپنی صفت بیان کی یہ کلام نئی شروع ہو رہی ہے اپنے بارے میں خبر دی اگر یہ کفار کے قول کی خبر ہوتی تو کلام یوں ہوتی الذی جعل لنا الارض۔

مَهْدًا یعنی بستر اور بچھونا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ کوفیوں نے اسے مَهْدًا پڑھا ہے وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا یعنی زندگی کے اسباب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُبُلًا کا معنی ہے راستے تاکہ جہاں تم جانا چاہتے ہو ان میں چلو۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم اس کی مقدورات سے اس کی قدرت پر استدلال کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنے سفروں میں ہدایت پاؤ، یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو پہچانو، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ تم اپنی زندگی کے اسباب کی طرف راہنمائی پاؤ۔

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

"اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو یونہی تمہیں بھی قبروں سے نکالا جائے گا"۔

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر بغیر اندازہ کے نازل کیا گیا یہاں تک کہ انہیں غرق کر دیا بلکہ وہ اندازے سے نازل کیا گیا غرق کرنے والے طوفان کی صورت میں نہیں اور نہ ہی ضرورت سے کم یہاں تک کہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپاؤں کے لیے زندگی کا سبب بن گیا (4)۔

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا یعنی ہم نے پانی کے ذریعے چٹیل بستی کو زندہ کر دیا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 216　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 217　3۔ ایضاً　4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 128

ہیں (1)؛ یہی صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”اسی اثنا میں کہ ایک آدمی گائے پر سوار تھا کہ گائے نے اس سے کہا: مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا مجھے تو ہل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے (2) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں، ابوبکر اور عمر اس پر ایمان لائے“ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ سورۃ النحل کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ اس سے مراد خاص طور پر اونٹ ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور کشتیوں کے اندر بیٹھا جاتا ہے ان کشتیوں پر سوار نہیں ہوا جاتا لیکن سورت کے آغاز میں ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ کشتی کے ظاہر کو اس کا باطن بنا دیا جائے کیونکہ پانی کشتی کو ڈھانپے اور چھپائے ہوئے ہوتا ہے اس کا باطن ہی ظاہر بنا دیا جائے گا، کیونکہ یہ باطن لوگوں کے لیے منکشف ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہی پشت ہوتی ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ یعنی جس پر سواری کرتے ہو۔ نعمت کے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے کہ اس نے اس چیز کو ہمارے لیے خشکی اور تری میں مسخر کر دیا ہے وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا یعنی اس نے ہمارے لیے سواری کو مسخر کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے سبحان من سخر لنا هذا۔

وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۝ یعنی ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی کا قول ہے (3)۔ اخفش اور ابو عبیدہ کا نقطۂ نظر ہے کہ مُقْرِنِیْنَ کا معنی ہے ضابطین؛ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قوت میں مماثل۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرن فلان جب وہ قوت میں اس کی مماثل ہو۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان مقرن لفلان یعنی فلاں، فلاں کو قابو کرنے والا ہے، اسی معنی میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں اقرنت كذا، اقرنت له وہ اس پر قوی ہو گیا گویا وہ اس کا ہم مقابل ہو گیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ یعنی ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ قطرب نے عمرو بن معد یکرب کا شعر پڑھا:

لقد علم القبائل ما عقيل لنا في النائبات بمقرنينا

قبائل جان گئے ہیں عقیل حادثات زمانہ میں ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

ركبتم صعبتي اشرا و حيفا ولستم للصعاب بمقرنينا

نیز مقرن اسے کہتے ہیں جس پر ضیاع غالب آ جائے اس کے اونٹ ہوں یا بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور ان پر اس کا کوئی معاون نہ ہو یا وہ اونٹوں کو پانی پلائے اور انہیں کوئی ہنکانے والا نہ ہو۔ سکیت نے کہا: اس کی اصل میں دو قول ہیں: (1) یہ اقرانت سے ماخوذ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 217
2۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر و عمر، جلد 2، صفحہ 209
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 218

ہے یہ باب چلایا جاتا ہے اقرن یقرن اقرانا جب وہ طاقت رکھے اقرنت کذا جب تو اسے مقہم بنائے تو یا اسے پہاڑ میں بنایا قرن سے مراد پہاڑ ہے اسے پختہ بنایا اور مضبوط کیا (2) یہ مقارنہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: قرنت کذا بکذا جب تو اسے اس کے ساتھ باندھ دے اور تو اسے اس کا ساتھی بنا دے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جب ہم سواریوں پر سوار ہوں تو ہم کیا کہیں اور جب ہم کشتی پر سوار ہوں تو حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے ایک اور آیت میں اس کو بھی بیان کیا ہے وہ یہ ارشاد ہے: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ہود) کتنے ہی جانوروں پر سوار لوگ ہیں کہ سواری سوار کے ساتھ لڑکھڑا گئی یا سرگرداں ہو گئی یا اس نے سوار کو نیچے گرا دیا یا سوار اس کی پشت سے نیچے گر گیا اور ہلاک ہو گیا۔ کتنے ہی کشتی میں سوار ہونے والے ہیں کشتی ان کے ساتھ ٹوٹ گئی تو سب غرق ہو گئے۔ جب سوار ہو یا ایک ممنوع امر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور تلف کے اسباب میں سے چند اسباب کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ اس کی قضا سے بچنے والا نہیں وہ اپنے دل اور زبان سے اس کے ذکر کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ملاقات کے لیے اس طرح تیار ہو جائے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے والا ہو اور اس احتیاط کو بھی پیش نظر رکھے کہ اس کی یہ سواری اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی موت کے اسباب میں سے ہو اور وہ خود اس سے غافل ہو۔

سلیمان بن یسار نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ لوگ سفر میں تھے جب وہ سوار ہوئے تو کہتے: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ ان میں سے ایک آدمی تھا جو انتہائی کمزور سواری پر سوار تھا اونٹ میں سے رازم اسے کہتے ہیں جو زمین پر کھڑا رہتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کرتا یا یوں جملہ بولا جاتا ہے قد رزمت الناقة ترزم وترزم رزوما ورزاما وہ تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے کھڑی ہو گئی وہ حرکت نہیں کرتی۔ صحاح میں جوہری نے یہ بات کہی ہے۔ اس آدمی نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو اس پر غالب ہوں اس اونٹنی نے اسے گرا دیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک بدو اپنے قعود اونٹ (جو ہر ضرورت کے لیے جس اونٹ کو استعمال کرتا ہو) پر سوار ہوا اس نے کہا: اسے قابو کرنے والا ہوں وہ قعود اونٹ اسے لے کر دوڑ پڑا یہاں تک کہ اسے گرا دیا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی، پہلا واقعہ ماوردی اور دوسرا ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ کہا: کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس دعا کو چھوڑے۔ زبان سے اس کا ذکر واجب نہیں جب وہ سوار ہو تو یہ کہے اور سفر میں جب اسے یاد آ جائے سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور اہل و مال میں تو ہی خلیفہ ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے، واپس پلٹنے کے غم، کور کے بعد حور اور اہل و مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الحور بعد الکور سے مراد ہے امور کے مجتمع ہونے کے بعد ان کا بکھر جانا۔

عمرو بن دینار نے کہا: میں ابو جعفر کے ساتھ ان کی زمین کی طرف نکلا جو بڑی شان والی تھی جسے مدرک کہتے وہ ایک تند خو اونٹ پر سوار ہوئے میں نے ان سے عرض کی: اے ابو جعفر! کیا تجھے ڈر نہیں کہ یہ تجھے گرا دے گا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: "ہر اونٹ کی کوہان پر ایک شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام یاد کیا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے پھر اس سے خدمت لو" (1)۔ حضرت علی بن ربیعہ نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک روز سوار ہونے جب آپ نے اپنا قدم رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ جب سواری پر بیٹھ گئے تو کہا: الحمد للہ پھر کہا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ پھر تین بار کہا: الحمد للہ واللہ اکبر اللھم لا الٰہ الا انت ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت پھر آپ ہنسے۔ میں نے ان سے پوچھا کس چیز نے تجھے ہنسایا ہے؟ کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جو اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے پھر آپ ہنسے میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے فرمایا: اس بندے کے قول پر تعجب کی وجہ سے جو کہتا ہے: اللھم لا الٰہ الا انت ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت (2) وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ ابوداؤد طیالسی نے اسے اپنی مسند میں اور ابو عبد اللہ محمد بن خویز منداد نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مختصر نقل کیا ہے، الفاظ یہ ہیں نبی کریم ﷺ جب اپنا قدم رکاب میں رکھتے تو فرماتے بسم اللہ جب اوپر بیٹھ جاتے تو فرماتے (3): الحمد للہ علی کل حال سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ جب تم کشتی اور چوپائے سے نیچے اترو تو کہو اللھم انزلنا منزلا مبارکا و انت خیر المنزلین۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی سوار ہوا اور سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ نہ کہا شیطان اسے کہتا ہے: تو اس کے لیے نغمہ گا (4)۔ اگر وہ اچھی طرح نہ گا سکتا ہو تو اسے کہتا ہے: اپنی طرف سے بنالے۔ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

جو آدمی اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: آج ہم گھوڑوں پر سیر کریں یا کشتی میں سیر کریں وہ سوار ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنے ساتھ شراب کے برتن اور آلات لہو و لعب اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ لگاتار اسے پیتے رہتے ہیں یہاں تک شراب سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے جبکہ وہ جانوروں کی پشتوں پر ہوتے ہیں یا کشتیوں کے اندر ہوتے ہیں جبکہ کشتیاں انہیں لے کر چل رہی ہوتی ہیں وہ صرف شیطان کا ذکر کرتے ہیں، وہ صرف اس کے حکم کو ہی مانتے ہیں وہ ایسے لوگوں کے پاس کھڑا ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

زمخشری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک حاکم سوار ہوا جبکہ وہ شراب پیتا تھا ایک شہر سے دوسرے شہر کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی اسے ہوش نہ آیا مگر جب وہ اپنے گھر پہنچ گیا تھا اسے سفر کا احساس تک نہ ہوا اپنے سواروں کے عمل اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو حکم دیا ہے ان کے درمیان کتنا بعد ہے (5)۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 677

2۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا رکب الناقۃ، جلد 2، صفحہ 182

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 230

4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48

5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 249

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۟ؕ

"اور بنا دی ہے مشرکوں نے اس کے لیے اس کے بندوں سے اولاد، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے"۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا یہاں جزء، نصیب کے معنی میں ہے یعنی مثل(1)۔ قتادہ سے مروی ہے: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ زجاج اور مبرد نے کہا: یہاں جزء سے مراد بیٹیاں ہیں۔ مومن ان کی جہالت پر متعجب ہوئے جب انہوں نے یہ اقرار کیا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک اور بیٹا بنایا انہیں علم نہیں تھا کہ جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر قادر ہے وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ قوت حاصل کرے یا اس سے انس حاصل کرے کیونکہ یہ نقص کی صفات میں سے ہے۔

ماوردی نے کہا: عربوں کے نزدیک جزء سے مراد بیٹیاں ہیں(2)۔ جب عورت بیٹیاں جنے تو عرب کہتے ہیں: اجزأت المرأۃ۔ شاعر نے کہا:

إن أجزأت حرة يوما فلا عجب ... قد تجزئ الحرة المذكار أحيانا(3)

اگر شریف عورت نے کسی روز بچی جنی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کئی مواقع پر وہ بچے بھی جنتی ہے۔

زمخشری نے کہا: عجیب و غریب تفاسیر میں سے یہ ہے کہ جزء کی تفسیر عورتوں سے کی جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ جزء کا لفظ لغت عرب میں عورتوں کے لیے آتا ہے(4) یہ عربوں پر جھوٹ ہے اور نئی وضع ہے انہوں نے اسی پر قناعت نہ کی یہاں تک کہ انہوں نے اس سے یہ فعل مشتق کر لیا اجزأت المرأۃ پھر شعر بنا لیے:

إن أجزأت حرة يوما فلا عجب ... زوجتها من بنات الأوس مجزئة(5)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ کے ساتھ متصل ہے۔ اگر تو ان سے آسمانوں اور زمین کے خالق کے بارے میں پوچھے تو وہ اس کا اعتراف کریں گے اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کا جزء بنا دیا ہے اور مخلوق کو جزء کی صفت سے اس کا وصف بیان کیا ہے مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا کا معنی ہے انہوں نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا جزء بنا دیا جس طرح اولاد والد کا جزء ہوا کرتی ہے۔ اسے جُزُؤًا دو ضموں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ۟ انسان سے مراد کافر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مصائب کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے مُبِيْنٌ کا معنی ہے وہ کفر کو ظاہر کرتا ہے(5)۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۟

"کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں اپنے لیے اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ"۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 219 — 2۔ ایضاً — 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 48

4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 241 — 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 219 — 6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 4

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ ام میں میم زائدہ ہے تقدیر کلام یہ ہے کیا اس نے جو پیدا کیا ہے اس کو بیٹیاں بنا لیا ہے جس طرح تمہارا گمان ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لفظ استفہام کا ہے معنی توبیخ ہے وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ۝ تمہیں بیٹوں کے لیے خاص کیا، یہ جملہ کہا جاتا ہے: اصفیتہ بکذا یعنی میں نے اس کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ اصفیتہ الود میں نے اس کے لیے محبت کو خالص کیا، صافیتہ وتصافینا ہم نے خالص کیا۔ اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کو منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کو منتخب کیا جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو پسند کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ اگرچہ جاہل یہ وہم کرے کہ اس نے اپنے لیے بیٹا منتخب کیا ہے۔ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کی طرف دو جنسوں میں ارفع جنس کو کیوں منسوب نہیں کیا انہوں نے اپنے لیے معزز جنس کو کیوں بنایا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ردی درجے کی جنس کو منتخب کیا یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى۝ (النجم)

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ۝

"اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے"۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا یعنی اس کی بیٹی پیدا ہوئی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی یہ صورت حال اس لیے ہوئی ہے کہ اس نے جو مثال بیان کی تھی وہ باطل ہو گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے بچی کی جو بشارت دی گئی ہے اس کی یہ حالت ہوئی ہے اس کی دلیل سورۂ نحل میں موجود ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان میں سے ایک کو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بچی پیدا ہوئی ہے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ غصے اور افسوس سے سیاہ ہو جاتا ہے جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ ایک عرب کے بارے میں یہ مروی ہے کہ اس کی عورت نے بچی جنی تو اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا جس میں اس کی بیوی تھی تو اس عورت نے کہا:

ما لأبي حمزة لا يأتينا    يظل في البيت الذي يلينا

غضبان ألا نلد البنينا    وإنما نأخذ ما أعطينا(1)

ابوحمزہ کو کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے پاس نہیں آتا اور اس گھر میں رہتا ہے جو ہمارے پڑوس میں ہے۔ وہ ناراض ہے کہ ہم بیٹوں کو کیوں نہیں جنتیں ہم تو وہی کچھ لیتی ہیں جو کچھ ہمیں عطا کیا گیا ہے۔

اسے مسود اور مسواد بھی پڑھا گیا ہے۔ جماعت کی قرات کے مطابق وَجْهُهٗ یہ ظَلَّ کا اسم ہے اور مُسْوَدًّا اس کی خبر ہے (1)۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَجْهُهٗ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور مسود کو رفع اس لیے دیا جائے کہ یہ اس کی خبر ہو، ظل میں اس کا اسم ہو اور جملہ اس کی خبر ہو كَظِیْمٌ کا معنی ہے غمگین (2)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس

1۔ تفسیر [illegible]، جلد 4، صفحہ 243    2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 218

(1) یہ بھی جائز ہے کہ ظل میں ایک ضمیر ہو جو احد کی طرف لوٹے جو اس کا اسم ہو اور وجھہ اس کا بدل ہو اور مسود ظل کی خبر ہو۔

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُوْنَ ۝ یعنی آخرت میں ان سے سوال کیا جائے گا۔ زہری نے اسے اَشْهِدُوْا پڑھا ہے یعنی ہمزہ مفتوحہ ، ہمزہ مضموم پر داخل ہوا اس کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا مگر مسیبی سے ایک روایت مروی ہے کہ وہ اسے مد کے ساتھ پڑھتے تھے مفضل نے عاصم سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور دونوں ہمزوں کے محقق ہونے کی روایت کی ہے باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ جو استفہام ہے قراءت کی ہے اشہدوا زہری نے أُشْهِدُوْا اخلقہم قراءت نقل کی ہے یعنی یہ خبر ہے سَتُكْتَبُ عام قراءت ہے فعل مجہول ہے اور تاء مضموم ہے اور شَهَادَتُهُمْ مرفوع ہے۔ سلمی، ابن سمیقع اور ہبیرہ نے حفص سے سَنَكْتُبُ اور شهادتهم منصوب نقل کیا ہے کیونکہ فعل معروف ہے۔ ابو رجاء نے سَتُكْتَبُ شهاداتهم جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

"اور کفار کہتے ہیں کہ اگر چاہتا خدائے رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔"

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مشرکوں نے مذاق کے انداز میں کہا: تمہارے گمان کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی پوجا نہ کرتے۔ یہ ان کی طرف سے قول تو صحیح تھا مگر باطل تھا ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا کرتی ہے اس کا ارادہ ثابت ہے اسی طرح اس کا علم بھی ثابت ہے اس کے ارادہ کے ساتھ استدلال کرنا ممکن نہیں اسی طرح معلوم کے خلاف بھی ممکن نہیں۔ مراد تحت القدرت ہے اگرچہ واقع نہ ہو اگر وہ بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تو ہم جان جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی چیز کا ارادہ کیا جو ان سے حاصل ہوا۔ سورۂ انعام میں یہ بحث گزر چکی ہے سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا (انعام: 148) سورۂ یٰسین میں اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ (47)

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یہ کلام وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا کی طرف لوٹائی جائے گی یعنی وہ یہ کہتے ہیں الملائکۃ بنات اللہ انہیں کچھ علم نہیں (1)۔ یہ قتادہ، مقاتل اور کلبی کا قول ہے۔ مجاہد اور ابن جریج نے کہا: اس سے مراد بت ہیں یعنی بتوں کی جو عبادت کرتے ہیں اس کا انہیں کچھ علم نہیں (2)۔ جہل ذاتی ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ وہ اندازے لگاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں غیر اللہ کی عبادت کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ان کے کلام کا معنی استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہم سے اس بات پر راضی ہوا ہمیں اس چیز سے منع نہ کیا اور ہمیں جلدی سزا نہ دی۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝

"کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔"

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کا معادل ہے معنی ہے کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے یا ہم نے قرآن

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 131

2۔ ایضاً

سے پہلے کوئی کتاب انہیں عطا کی تھی جس نے انہیں اس امر کی دعوت دی تھی وہ اس کو پکڑے ہوئے ہیں وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔

بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۝ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۝

"بلکہ وہ خود کہتے ہیں: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** علی امۃ مراد طریقہ اور مذہب ہے؛ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے(1)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور قتادہ اسے إمة پڑھا کرتے تھے اور امۃ کا معنی طریقہ ہے۔ جوہری نے کہا: امۃ کا معنی نعمت ہے اور امۃ، امۃ کی بھی ایک لغت ہے اس سے مراد طریقہ اور دین ہے؛ یہ ابو عبیدہ سے مروی ہے۔ عدی بن زید نے نعمۃ کا معنی لیتے ہوئے کہا:

ثم بعد الفلاح والملك والامة وارتهم هناك القبور — کامیابی، بادشاہت اور نعمت کے بعد وہاں قبروں نے انہیں چھپا لیا۔

یہ جوہری کے علاوہ سے مروی ہے۔ قتادہ اور عطیہ نے کہا: علی امۃ کا معنی ہے دین پر(2)۔ قیس بن خطیم کا قول اسی معنی میں مروی ہے:

كنا على أمة آبائنا ويقتدي الآخر بالاول

ہم اپنے آباء کے دین پر ہیں اور بعد والا پہلے کی اقتدا کر رہا ہے۔

جوہری نے کہا: امۃ کا معنی طریقہ اور دین ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان لا أمة له فلاں کا کوئی دین نہیں، شاعر نے کہا:

وهل يستوي ذو امة وكفور

کیا دین والا اور کافر برابر ہو سکتے ہیں۔

مجاہد اور قطرب نے کہا: علی دین، معنی ملة(3)۔ دین اور ملت پر۔ بعض مصاحف میں ہے قالوا انا وجدنا آباءنا علی ملة یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں(4)۔ فراء سے مروی ہے: ملت پر، قبلہ پر۔ اخفش نے کہا: استقامت پر۔ اور نابغہ کا شعر پڑھا:

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة وهل يأثمن ذو امة وهو طائع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 221
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً

قال اولو پڑھا ہے یہ نذیر کی طرف سے خبر ہوگی یعنی اس نے ان لوگوں سے کہا تھا۔ ابو جعفر نے اسے قل اولو جئتکم نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے تو خطاب رسول اللہ ﷺ نے تمام رسولوں کی جانب سے کیا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾

"اور یاد کیجئے جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے پس وہی میری راہنمائی کرے گا"۔

وَ اِذْ قَالَ انہیں یاد دلایئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔ براء کا لفظ واحد اور اس سے اوپر کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا نہ تثنیہ بنایا جا سکتا ہے نہ جمع اور نہ ہی اس کا مؤنث بنایا جاتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور صفت کی جگہ اسے رکھا گیا ہے یہ نہیں کہا جاتا: البراءان، البراءون، کیونکہ معنی ذو البراء اور ذوو البراء ہے۔ جوہری نے کہا: تبرأت من کذا؛ انا منہ براء وخلاء منہ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں بنائی جاتی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے جس طرح سمع سماعا جب تو کہے: انا بری منہ وخلی۔ اس کا تثنیہ، جمع اور مؤنث بنائی جاتی اور تو جمع میں کہے گا: نحن منہ براء، جس طرح فقیہ کی جمع فقہاء آتی ہے اور براء بھی آتی ہے جس طرح کریم کی جمع کرام آتی ہے ابراء بھی جمع آتی ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے اس کی جمع ابریاء بھی آتی ہے جس طرح نصیب کی جمع انصباء اور بریئون آتی ہے یوں کہا جاتا ہے: مرأة بریئة، هما بریئتان، هن بریئات، برایا اسی طرح یہ استعمال ہوتا ہے رجل بری وبراء جس طرح عجیب اور عجاب ہے البراء جب فتحہ کے ساتھ استعمال ہو تو یہ مہینے کی پہلی رات ہوتی ہے اسے یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ چاند سورج سے بری ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ یہ مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ انہوں نے اپنے معبودوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ کہا کرتے تھے اللہ ربنا اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہو یعنی لیکن جس نے مجھے پیدا کیا وہ مجھے ہدایت دے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اپنی قوم کو تنبیہ کرنے کی غرض سے تھا کہ ہدایت اپنے رب کی جانب سے ہوتی ہے۔

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

"اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً جعلها میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ کی طرف لوٹ رہی ہے اور جَعَلَهَا میں ضمیر فاعل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مراد ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس قول اور گفتگو کو آپ کے خاندان میں باقی رہنے والا بنا دیا تو وہ آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد ہے یعنی وہ وارث در وارث غیر اللہ کی عبادت سے براءت کا اظہار کرتے رہے اور انہوں نے اس معاملہ میں ایک دوسرے کو وصیت کی۔ عقب اسے کہتے ہیں جو بعد میں آتا ہے۔ سدی نے کہا: اس

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی ذریت میں شامل کیا جبکہ وہ ان کی بیٹی کی اولاد میں سے تھے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شاعر نے کہا:

بنونا بنو أبنائنا وبناتنا بنوهن أبناء الرجال الأباعد

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے بعید مردوں کے بیٹے ہیں۔

انہیں کہا جائے گا: اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کے قول کا معنی یہ ہے اس کے بیٹوں کی مذکر اولاد وہ افراد ہیں جن کا حکم وراثت اور نسب میں اس کے اپنے بیٹوں جیسا ہے اس کے نواسوں کا حکم اس معاملہ میں بیٹیوں کے حکم جیسا نہیں کیونکہ وہ غیر منسوب ہوتے ہیں تو یہ بتایا کہ حکم میں مختلف ہیں جبکہ نام میں اکٹھے ہیں۔ بیٹیوں کی اولاد سے ولد کے اسم کی نفی نہیں کی جا سکتی جیسا کہ وہ اس سے بعض اوقات ایک آدمی اولاد کے بارے میں کہتا ہے: لیس هو بابنی وہ میرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ میری اطاعت نہیں کرتا اور نہ ہی میرے حق کا خیال کرتا ہے وہ اس کے لیے ولد کے اسم کی نفی نہیں کرتا وہ اس سے حکم کی نفی کا ارادہ کرتا ہے۔

جس نے اس شعر سے یہ استدلال کیا ہے کہ بیٹی کی اولاد کو ولد نہیں کہتے تو اس نے معنی کو فاسد کر دیا اور اس کے قواعد کو باطل کر دیا اور قائل کے قول کی ایسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ عربی زبان میں بیٹے کی اولاد کو ابن کہا جائے اور بیٹی کی اولاد کو ابن نہ کہا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولادت کا معنی جس سے ولد کا اسم مشتق ہے اس میں واضح اور قوی ہے کیونکہ بیٹی کی اولاد ولادت کے حقیقی معنی کی وجہ سے اس کی اولاد ہے اور بیٹے کی اولاد اس کی اولاد ہے کیونکہ یہ ولادت کا سبب بنا ہے۔ امام مالک نے بیٹیوں کی اولاد کو اس حصہ سے خارج نہیں کیا جب وہ کوئی چیز اپنی اولاد کے لیے وقف کرتا ہے کہ وہ نام اسم لغت میں ان پر واقع نہیں ہوتا آپ نے ان کو وراثت کے احکام پر قیاس کرتے ہوئے خارج کیا ہے۔ یہ بحث سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

3۔ ذریۃ۔ یہ لفظ ذرأ اللہ الخلق سے ماخوذ ہے اس میں بیٹیوں کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى (الانعام) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی جانب سے ان کی اولاد میں سے تھے ذریۃ کے لفظ کی تحقیق سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام میں گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

4۔ عقب۔ لغت میں اس کا معنی ہے کوئی شے جب کسی شے کے بعد ہو وہ اس کی جنس سے ہو یا اس کی جنس سے نہ ہو۔ یہ بولا جاتا ہے: اعقب اللہ بخیر یعنی اللہ تعالیٰ نے تنگی کے بعد خوشحالی دی۔ اعقب الشیب السواد۔ سیاہ بالوں کے بعد سفید بال آئے۔ عقب یعقب عقوبا وعقبا اسی وجہ سے انسان کی اولاد کو اس کی عقب کہتے ہیں معقاب من النساء۔ وہ عورت جو مونث کے بعد مذکر جنے اسی طرح ہمیشہ سلسلہ رہے۔ عقب الرجل۔ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد جو اس کے بعد

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1679

طرح مبلغ الیہ اور مبلغ عنہ میں فرق ہے۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے یعش یعنی وہ اعراض کرتا ہے: یہ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف نہیں۔ قرظی نے کہا: وہ اپنی کمر کو پھیرا کرتا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: اس کی آنکھ تاریک ہو جاتی ہے۔ عتبی نے اس کا انکار کیا ہے کہ عشوت، اعرضت کے معنی میں ہے کہا درست تعاشیت ہے یہ قول ابو ہیثم اور ازہری کا ہے تمام اہل علم نے یہی کہا ہے: نُقَيِّضْ اعمش، ابن اسحاق، یعقوب اور عصمہ نے عاصم اور اعمش سے یقیض پڑھا ہے کیونکہ الرحمٰن کا ذکر ہے معنی ہو گا رحمٰن اس کے لیے شیطان مسلط کر دیتا ہے باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ قرین کا معنی ساتھ رہنے والا اور ساتھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ شیطان سے کنایہ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اعراض عن القرآن سے کنایہ ہے یعنی وہ شیطان کا قرین ہے وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ شیاطین انہیں ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ وَ مَنْ يَّعْشُ میں مَنْ جمع کے معنی میں ہے وَ يَحْسَبُوْنَ میں ضمیر سے مراد کفار ہیں یعنی کفار گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ شیاطین ہدایت یافتہ ہیں پس کفار ان کی اطاعت کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا فعل کا صیغہ واحد ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور حفص نے یہ پڑھا ہے یعنی جب کافر قیامت کے روز ہمارے پاس آئے گا، باقی قراء نے اسے جَآءٰنَا تثنیہ کا صیغہ پڑھا ہے یعنی کافر اور اس کا ساتھی جب ہمارے پاس آئے گا دونوں کو ایک سلسلہ میں رکھا گیا ہے تو کافر کہے گا: يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ یعنی موسم سرما اور موسم گرما کا مشرق، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ (الرحمٰن) اسی کی مثل مقاتل کا قول ہے۔ واحد کے صیغہ کی قرات اگرچہ اس کا ظاہر تو افراد کے معنی پر ہے تاہم معنی دونوں کے لیے ہے کیونکہ مابعد کلام سے اسے پہچان لیا گیا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

وعین لها حدرة بدرة شقت مآقیها من أخر

محل استدلال یعنی ہے لفظ میں واحد ہے اور معنی میں تثنیہ کیونکہ مآقیہما اس پر دلالت کر رہا ہے۔

مقاتل نے کہا: کافر تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان اتنی دوری ہوتی جو سال کے طویل ترین اور مختصر ترین دن کے درمیان ہوتی ہے اسی وجہ سے فرمایا: بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ۔ فراء نے کہا: مراد مشرق و مغرب ہے ان دونوں میں سے ایک کے نام کو غلبہ دیا جس طرح کہا جاتا ہے قمران، مراد سورج اور چاند ہوا کرتا ہے۔ عمران، مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق ہوتے ہیں بصرتان، کوفہ اور بصرہ کے لیے۔ عصران، صبح اور عصر کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أخذنا بآفاق السماء علیکم لنا قمراها و النجوم الطوالع(1)

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کے آفاق کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے ہمارے پاس اس کا سورج اور چاند روشن ستارے ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 226

ابوعبیدہ نے جریر کا شعر پڑھا:

ما كان يرضى رسول الله فعلهم والعمران أبوبكر ولا عمر

ان کے عمل سے رسول اللہ ﷺ، عمران یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما راضی نہیں۔

جریر نے یہ شعر پڑھا: قدنی من نصر الخبیبین قدی

خبیبین سے مراد عبداللہ اور مصعب ہے جو حضرت زبیر بن العوام کے بیٹے تھے وہ ابوخبیب عبداللہ تھے۔

فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ تو کتنا برا ساتھی ہے کیونکہ وہ اسے آگ پر لے جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا: جب کافر کو اٹھایا جائے گا تو شیطان میں سے اس کے ساتھی کو ساتھ ملا دیا جائیگا وہ اس سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جہنم میں چلا جائے گا (1)۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝

"اور (یہ شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم دنیا میں ظلم کرتے رہے ہو تم سب اس عذاب میں حصہ دار ہو"۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اذ، یوم سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے فرمائے گا: جب تم نے دنیا میں شرک کیا تو اس وقت تمہاری یہ گفتگو تمہیں کوئی نفع نہ دے گی۔ وہ کافر کا قول ہے يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ۔ یعنی آج تمہیں ندامت نفع نہ دے گی اَنَّكُمْ میں ہمزہ مکسور ہے فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ یہ ابن عامر کی قراءت ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے یہ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے گی لن ینفعکم الیوم اشتراککم فی العذاب کیونکہ ہر ایک کے لیے اس کا وافر حصہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ تمہیں اس کو منع کر دیا گیا ہے کہ وہ غم کا اظہار کریں جس طرح مصیبت زدہ لوگ دنیا میں غم کا اظہار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے اظہار سے اہل دنیا راحت حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے لی فی البلاء والمصیبۃ أسوۃ۔ آزمائش اور مصیبت میں میں ایک نمونہ ہوں۔ اس طرح وہ غم سے سکون حاصل کرتا ہے جس طرح خنساء نے کہا:

فلولا كثرة الباكين حولي على إخوانهم لقتلت نفسي

وما يبكون مثل أخي ولكن أعزي النفس عنه بالتأسي (2)

اگر میرے اردگرد اپنے بھائیوں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے نفس کو قتل کر دیتا وہ میرے بھائی جیسے بھائیوں پر نہیں روتے مگر اپنے نفس کو اس غم کے اظہار پر تسلی دیتی ہوں۔

جب آخرت میں غم کا اظہار انہیں کوئی نفع نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مشغول کر دے گا۔ مقاتل نے کہا: آج معذرت اور شرمندگی تمہیں کوئی نفع نہ دے گی (3)، کیونکہ تمہارے ساتھی اور تم عذاب میں باہم شریک ہو جس طرح تم

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 100 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 137 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 100

کفر میں شریک ہو۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

"کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں"۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ خطاب سرور دو عالم ﷺ کو ہے وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ یعنی یہ آپ کے لیے نہیں اس لیے اگر وہ کفر کرتے ہیں تو آپ کا سینہ تنگ نہ پڑے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی ہے اس میں قدریہ اور دوسرے افراد کے لیے رد ہے یعنی دل میں ہدایت ارشاد اور گمراہی یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی تخلیق فرما دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝

"پس اگر ہم لے جائیں آپ کو اس دار فانی سے تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے بے شک ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں"۔

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ اس سے مراد ہے یا ہم آپ کو مکہ مکرمہ سے قریش کی اذیت سے نکال کر لے جائیں فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ اس سے مراد تیری زندگی میں ان سے انتقام لینا ہے فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ منظر بدر کے روز دکھایا: یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: یہ مسلمانوں میں ہے اس سے مراد حضرت محمد ﷺ کے بعد فتنے ہیں(1) نَذْهَبَنَّ بِكَ اس پر ہم تجھے موت عطا کر دیں گے نبی کریم ﷺ کے بعد شدید انتقام واقع ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عزت بخشی اللہ تعالیٰ آپ کو لے گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت میں نہیں دکھایا مگر وہی جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوں اور انتقام کو اس کے بعد تک رکھا کوئی نبی نہیں گزرا مگر اس کی امت میں انتقام اسے دکھایا گیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی امت جب آزمائش کو پانے والی تھی وہ آپ کو دکھائی گئی تو آپ ہمیشہ منقبض ہی رہے آپ کھل کر نہ ہنسے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کو قبض کر لیتا ہے اور اس نبی کو اس امت کے لیے فرط اور سلف بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے جبکہ اس کا نبی زندہ ہوتا ہے تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب انہوں نے نبی کی تکذیب کی اور اس کے حکم کی نافرمانی کی"۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ

---

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 8　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 227

وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝

"پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس قرآن کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (اے فرزندان اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی"۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ۔ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ سے مراد قرآن حکیم ہے اگرچہ اس کو جھٹلایا جس نے جھٹلایا۔ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ اس کی رضا اور ثواب تک پہنچا دے گا۔ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یعنی قرآن تیرے لیے اور تیری قوم قریش کے لیے شرف ہے کیونکہ یہ انکی لغت اور انہیں میں سے ایک فرد پر نازل ہوا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) یعنی تمہارے لیے شرف ہے قرآن حکیم قریش کی زبان میں نازل ہوا اور انہیں کو خطاب کیا پس تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں جو بھی ایمان لائے وہ ان کے خوشہ چین ہوئے کیونکہ تمام لغتوں والے اس امر کے محتاج ہیں کہ ان کی لغت کو اپنائیں یہاں تک کہ اس معنی پر آگاہی حاصل کریں جس کا امر، نہی اور خبر سے ارادہ کیا گیا ہے اس اعتبار سے قریش تمام اہل لغات پر شرف والے ہو گئے اسی وجہ سے انہیں عربی کہا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے لیے اور تیری امت کے لیے بیان ہے جس کے تم محتاج ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تذکرہ ہے جس کی مدد سے تم دین کا معاملہ سمجھتے ہو اور اس پر عمل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اس سے مراد خلافت ہے یہ قریش میں ہے۔ یہ غیروں میں نہ ہوگی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس معاملہ میں لوگ قریش کے تابع ہیں لوگوں کے مسلمان قریش کے مسلمانوں کے تابع ہوں گے اور ان کے کافر ان کے کافروں کے تابع ہوں گے"(1)۔

امام مالک نے کہا: اس سے مراد آدمی کا یہ قول ہے: مجھے میرے والد نے میرے باپ سے روایت بیان کی ہے جب سے وہ حضرت مالک بن انس سے روایت نقل کرتے ہیں؛ یہ ماوردی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا(2)۔ ابن عربی نے کہا: میں نے اسلام میں ایسا مرتبہ کسی کے لیے نہیں پایا مگر بغداد میں ایسا پایا(3) کیونکہ بنی تمیم وہاں یہ کہا کرتے تھے: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہا اور رسول اللہ ﷺ تک چلا گئی اس طرح ان کی اقدار شرف والی ہو گئیں، لوگوں نے ان کی شان کو عظیم خیال کیا اور خلافت نے انہیں تلاش کیا۔

میں نے مدینۃ السلام میں ابو محمد رزق اللہ بن عبد الوہاب ابو الفرج بن عبد العزیز بن حارث بن اسد بن لیث بن سلیمان بن اسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبد اللہ تمیمی کے دو بیٹوں کو دیکھا دونوں کہہ رہے تھے: ہم نے اپنے باپ رزق اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہا: میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا یہ سلسلہ آخر تک چلا اور آخر میں کہا: میں نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے حنان منان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: حنان اسے کہتے ہیں جو اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، جلد 2، صفحہ 119

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227

3۔ احکام القرآن لابن عربی، جلد 4، صفحہ 84-1683

طرف توجہ کرے جو اس سے اعراض کرے اور مناسب ہے کہ ہمیں جو سوال سے پہلے عطا کرے۔ جس نے یہ کہا تھا میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: وہ ایک ہی عبداللہ ہے جو ان کا جد اعلیٰ تھا۔ زیادہ قوی یہ ہے وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ سے مراد قرآن حکیم ہو کلام کا انحصار اسی پر ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ماوردی نے کہا: وَ لِقَوْمِكَ میں دو قول ہیں (1) آپ کی امت میں سے جو آپ کی اتباع کرے؛ (1) یہ قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری سے اسے ذکر کیا ہے (2) مراد قریش ہیں (2)، کہا جاتا ہے: وہ کن سے ہے؟ تو جواب دیا جاتا ہے: عربوں میں سے۔ یہ پوچھا جاتا ہے: کون سے عرب؟ تو جواب دیا جاتا ہے: قریش سے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ شرف عمل کرنے والے کے لیے ہے وہ قریش سے ہو یا غیر قریش سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سریہ یا غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا فرمایا: ”اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ دے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تجھے کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ اپنی ازواج سے بھی اسی کی مثل فرمایا، اپنی اولاد کو بھی اسی کی مثل فرمایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے بنو ہاشم لوگوں میں سے اولیٰ نہیں میری امت میں سے بہترین نہیں میری امت میں سے بہترین متقین ہیں، موالی (جو غلام تھے یا جن کے ساتھ معاہدہ ہوا یا جو کسی قبیلے کے سردار کے ہاتھ پر اسلام لائے) میری امت سے بہترین متقین ہیں تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو تم صاع کے کناروں سے بھرے پیمانے کی مانند ماپ کی طرح ہو کسی ایک کو دوسرے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں کو اس امر سے رک جانا چاہیے کہ وہ جہنم کے کوئلہ میں سے ایک کوئلہ پر فخر کرتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ بھونرے سے بھی زیادہ شریر ہوں جو اپنی ناک سے بدبو پھینکتا ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا عیب اور آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے، مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے“ دونوں روایات طبری نے ذکر کی ہیں۔ سورۂ حجرات میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۝ تم سے ان نعمتوں پر شکر بجا لانے کے بارے میں پوچھا جائے گا (3)؛ یہ مقاتل اور فراء کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا ہے اس کے بارے میں آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے باز پرس ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے اس بارے میں جو عمل کیا اس کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا؛ معنی قریب قریب ہے۔

وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ۝

”اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خدا رحمٰن کے علاوہ دوسرے خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی، مسجد اقصیٰ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 227 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سے مراد مسجد بیت المقدس ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی اولاد میں سے مرسلین کو بھیجا جبکہ جبریل امین نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے حضرت جبریل امین نے اذان کہی پھر نماز کے لیے اقامت کہی پھر کہا: اے محمد ﷺ آگے بڑھو اور انہیں نماز پڑھاؤ، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے جبریل امین نے کہا: اے محمد! آپ سے قبل جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے ان سے پوچھیے: کیا اللہ تعالیٰ نے رحمن کے علاوہ اور الہ بنائے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نہیں پوچھوں گا تو مجھے کافی ہے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ستر نبی تھے جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے آپ نے ان سے سوال نہ کیا کیونکہ آپ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری روایت میں ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سات صفیں بنا کر نماز پڑھی مرسلین کی تین صفیں تھیں اور انبیاء کی چار صفیں تھیں، رسول اللہ ﷺ کے متصل پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل اور ان کی بائیں جانب حضرت اسحاق پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام تھے پھر باقی ماندہ مرسلین تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور کہا: "میرے رب نے میری طرف وحی کی کہ میں تم سے سوال کروں کیا تم میں سے کوئی ایسا رسول بھی بھیجا گیا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہو؟" انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں وہ سب باطل ہے آپ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں آپ نے ہمیں جو امامت کرائی ہے اس سے یہ امر ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تیرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں"(1)۔

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ لیلۃ المعراج کو رسولوں سے ملے۔ ولید بن مسلم نے اس ارشاد کی وضاحت میں کہا: میں نے اس بارے میں خلید بن دعلج سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے بیان کیا کہا: معراج کی رات ان سے سوال کیا آپ انبیاء سے ملے حضرت آدم سے ملے اور جہنم کے خازن سے ملاقات کی۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہی کہی گئی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر رُّسُلِنَآ سے پہلے من زائد نہیں۔ مبرد اور علماء کی ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے تم سے قبل جو رسول بھیجے گئے ان کی امتوں سے پوچھو۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے واسأل الذی ارسلنا الیهم قبلک رسلنا یہ قراءت تفسیر کی بنا پر ہے اس تعبیر کی بنا پر من زائد ہے؛ یہ مجاہد، سدی، ضحاک، قتادہ، حسن بصری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے(2)۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو دو کتابوں یعنی تورات و انجیل والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد ﷺ ہم سے ان انبیاء کے بارے میں پوچھیں جو آپ سے قبل مبعوث کیے گئے من کو حذف کر دیا گیا اور رُّسُلِنَآ پر وقف تام ہے پھر انکار کے طریقہ پر

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 45
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 228

استفہام سے ابتدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان رسولوں کے پیروکاروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تو یہاں سے مضاف محذوف ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد ساری امت ہے۔

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۝ آلهة کی خبر اس صیغہ کے ساتھ لگائی گئی جس صیغہ کے ساتھ ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے فرمایا یُعْبَدُوْنَ۝ ، تعبد اور یعبدن نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک آلھہ ذوالعقول کے قائم مقام ہیں تو ان کی خبر اسی طریقہ پر لگائی گئی جیسے ذوالعقول کی خبر لگائی جاتی ہے۔

سوال کے امر کا سبب یہ تھا کہ یہودیوں اور مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: جو آپ لاتے ہیں وہ اس کے مخالف ہے جو آپ سے قبل انبیاء لائے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ انبیاء سے سوال کریں (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو رسولوں نے جواب دیا: ہمیں توحید کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا؛ یہ واقدی کا قول ہے۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال نہیں کیا تھا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں یقین تھا یہاں تک کہ یہ حکایت بیان کی گئی کہ حضرت میکائیل نے حضرت جبریل امین سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان اور یقین اس سے عظیم ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوال کریں (1)۔ یہ بحث دونوں روایات میں گزر چکی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىٕهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ۝ وَ مَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا٘ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۝ وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ١ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ۝ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ١ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ١ۙ۬ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ۝

"اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس آپ نے انہیں کہا: بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اسی وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے اور ہم نے جکڑ دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آجائیں۔ اور وہ بولے: اے جادوگر! دعا مانگ ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 228

یا ایۂ القلبُ النجوۂ المتعیں　　اُفق من البیض الحسانِ اللُّعَّیں

محل استدلال یا ایۂ ہے۔

ھا کا ضمہ یاء کے ضمہ پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے۔ سورۂ نور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، یحییٰ اور کسائی نے ایھا الف کے ساتھ اصل پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ مصحف میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ یعنی جس عہد کا تم نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے اسے دور کر دے گا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے تو وہ ہم سے اس تکلیف کو دور کر دے اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۝ کہ ہم آنے والے وقت میں ہدایت پانے والے ہوں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے تکلیف کو رفع کر دیا اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۝ یعنی وہ عہد جو انہوں نے اس بارے میں کیا تھا اس کو انہوں نے توڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا قول اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۝ انہوں نے اپنے بارے میں ایمان کی خبر دی جب ان سے عذاب دور ہو گیا تو وہ مرتد ہو گئے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب فرعون نے ان معجزات کو دیکھا تو اسے خوف ہوا کہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہو جائے گی تو اس نے کہا: نادی، قال کے معنی میں ہے(1)، یہ ابو مالک کا نقطہ نظر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے پاس قبطیوں کے سردار لوگ ہوں تو ان کے درمیان آواز کو بلند کیا پھر وہ تمام قبطیوں میں اس بات کو عام کر دیں گویا اس طریقے سے ان میں ندا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں ندا کرے، یہ ابن جریج کا نقطہ نظر ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ یعنی اس بارے میں مجھ سے کوئی جھگڑا نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ مصر کے چالیس فرسخ کا ملک تھا، یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہاں ملک سے مراد اسکندریہ ہے وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ یعنی نیل کی نہریں۔ ان کی چار بڑی نہریں تھیں نہر ملک، نہر طولون، نہر دمیاط اور نہر تنیس۔ قتادہ نے کہا: وہاں باغات اور نہریں تھیں جو اس کے محل کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے تخت کے نیچے سے بہتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنْ تَحْتِيْ سے مراد ہے میرا تصرف ان میں نافذ ہے ان میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ ان کی لگام کھینچتا تو نیل چلنے سے رک جاتا۔ قشیری نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ربوبیت کے مدعی کے ہاتھ پر خارق للعادۃ امور کا ظہور مراد ہے کیونکہ اس کو غیر سے تمیز کے لیے خارق للعادۃ امر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ سے مراد قائدین، رؤساء اور جابرہ ہیں جو اس کے جھنڈے کے نیچے چلا کرتے تھے، یہ ضحاک کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہار سے مراد اموال ہیں ان کی کثرت اور ظہور کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 229　　2۔ ایضاً

جا پر انہیں انہار سے تعبیر کیا ہے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ میں انہیں ان افراد پر تقسیم کر دیتا ہوں جو میری اتباع کرتے ہیں کیونکہ ترغیب اور قدرت اموال میں ہوتی ہے انہار میں نہیں ہوتی۔

**اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾** کیا تم میری عظمت، قوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری کو نہیں دیکھتے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے وسائل رزق پر میری قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عجز کو نہیں دیکھتے؟ وَ هٰذِهِ میں واؤ اس میں جائز ہے کہ عاطفہ ہو اور الْاَنْهٰرُ کا عطف مُلْكُ مِصْرَ پر ہو اور تَجْرِيْ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور اسم اشارہ ہو اور الْاَنْهٰرُ اسم اشارہ کی صفت ہو اور تَجْرِيْ مبتدا کی خبر ہو تَحْتِيْ کی یاء کو اہل مدینہ، بزی اور ابو عمرو نے فتح دیا ہے باقی قراء نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ رشید سے مروی ہے جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی تو کہا: میں یہ اپنے غلاموں میں سے سب سے خوبصورت کو دوں گا تو اس نے وہ خصیب کو دے دیا وہ اسے وضو کرایا کرتا تھا۔ عبداللہ بن طاہر سے مروی ہے کہ وہ اس کا والی بنا اور اس کی طرف نکلا جب اس نے اس شہر کو دیکھا اور اس پر اس کی نظر پڑی کہا: کیا یہ وہ بستی ہے جس پر فرعون نے فخر کیا تھا یہاں تک کہ اس نے کہا تھا اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ اللہ کی قسم! یہ تو اس سے کم درجہ کا ہے کہ میں اس میں داخل ہوں تو اس نے اپنی لگام موڑ لی۔

پھر اس کی حالت کی وضاحت کی اور کہا: اَمْ اَنَا خَيْرٌ ابو عبیدہ اور سدی نے کہا: ام یہاں بل کے معنی میں ہے (2)۔ یہ حرف عطف نہیں، اکثر مفسرین کا یہی قول ہے معنی ہے فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس سے بہتر ہوں مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ یعنی اس کے لیے کوئی عزت نہیں وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث اپنی حاجات کے لیے اپنے آپ کو ذلت میں ڈالتا رہتا ہے۔

**وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾** یہ بات اس نے اس لیے کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس طرح سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ فراء نے کہا: ام میں دو وجوہ ہیں: اگر چاہے تو اسے استفہام بنا دے کیونکہ یہ ما قبل کلام کے ساتھ متصل ہے اگر چاہے تو اسے عاطفہ بنا دے معطوف علیہ یہ کلام ہے اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائدہ ہے ابو زید نے عربوں سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ام کو زائدہ قرار دیتے ہیں معنی ہوگا میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر و ذلیل ہے۔ اخفش نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہوگا افلا تبصرون ام تبصرون۔

جس طرح شاعر نے کہا:

أيا ظبية الوعساء بين جلاجل ... وبين النقا آأنت أم أم سالم

مراد ہے کیا تو اچھا ہے یا ام سالم اچھی ہے۔

پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا فرمایا: اَنَا خَيْرٌ خلیل اور سیبویہ نے کہا: اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ کا معنی ہے کیا تم دیکھنے والے ہو تو ام کے ساتھ تُبْصِرُوْنَ پر عطف کیا کیونکہ اَمْ اَنَا خَيْرٌ کا معنی ہے یا تم دیکھنے ہو کہ میں اس سے بہتر ہوں اس کا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 230
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 258

وجہ یہ ہے جب انہوں نے اسے کہا: انت خیر منہ فرعون کے نزدیک وہ دیکھنے والے اور بصیرت والے تھے۔

عیسیٰ ثقفی اور یعقوب حضرمی سے مروی ہے کہ وہ ام پر وقف کرتے تو اس بنا پر تقدیر کلام یہ ہوگی افلا تبصرون ام تبصرون تو دوسرا تبصرون حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے ام پر وقف کیا اس نے اسے زائدہ بنایا گویا اس نے اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ پر وقف کیا۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک تبصرون پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ ام فعل سے اتصال کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ پر وقف ہے پھر اَنَا خَیْرٌ سے نیا کلام ہے اس کا معنی ہے بل انا بلکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

بدت مثل قرن الشمس فی رونق الضحی وصورتها ام انت فی العین املح (1)

اس میں بھی معنی ہے بل انت املح۔ فراء نے ذکر کیا: ایک قاری نے پڑھا اما انا خیر اس کا معنی ہوگا کیا میں بہتر نہیں۔

مجاہد کے بارے میں مروی ہے: وہ ام پر وقف کرتے پھر نئے سرے سے پڑھتے انا خیر اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

”اگر یہ نبی ہے تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار“۔

فَلَوْلَا یہ ھلا کے معنی میں ہے اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اس نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ اس وقت یہی معمول تھا اور سرداروں کا لباس تھا۔ حفص نے اسے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے جس طرح خمار کی جمع اخمرۃ آتی ہے باقی قراء نے اساورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے۔ حضرت ابن مسعود نے اسے اساویر پڑھا ہے۔ ابی قراءت نے اساورۃ پڑھا ہے جو اسورۃ کی جمع ہے یہ جمع کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اساورۃ اسوار کی جمع ہو تو جمع میں ھاء، یاء کے عوض میں داخل کی گئی ہے جس طرح زنادیق، زنادقہ، بطاریق بطارقہ کی جمع ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اساورۃ، اساور اور اساویر کی واحد اسوار ہے یہ سوار میں ایک لغت ہے۔ مجاہد نے کہا: جب وہ کسی کو سردار بناتے تو اسے دو کنگن پہناتے اور گلے میں سونے کا ایک طوق ڈالتے۔ یہ اس کے سردار ہونے کی علامت ہوتی فرعون نے کہا: اگر یہ سچا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں پھینکے؟

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ یعنی پے در پے: یہ قتادہ کا قول ہے(2)۔ مجاہد نے کہا: وہ اکٹھے چلتے تھے(3)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جو ان کی مخالفت کرتا اس کے خلاف ان کی مدد کرتے یعنی ہے اس کے ساتھ ملائکہ کیوں نہ لائے گئے جن کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے رب کے پاس ہوتے ہیں تا کہ ان کے ساتھ لشکر وہ تعداد میں زیادہ ہو جاتا اور اپنے امر نبی میں انہیں کام میں لاتا یہ امر دلوں میں زیادہ ہیبت کا باعث ہوتا اس نے اپنی قوم کو وہم دلایا کہ اللہ کے رسل کے بارے میں مناسب یہی ہے کہ وہ جثوں میں بادشاہوں کے رسولوں کی طرح ہوں اسے علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے

1۔ تفسیر ... جلد 8 صفحہ 22  2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 231  3۔ ایضاً

رسولوں کی آسمانی لشکروں سے مدد کی جاتی ہے جو دانشمند آدمی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی جب کہ وہ یکہ و تنہا تھے اور فرعون کے پاس لشکروں کی تعداد بے شمار تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد عصا اور ید بیضاء کے ساتھ کی۔ یہ وہ اس سے زیادہ موثر تھی اس کی نسبت کہ ان کے ساتھ بھیجے جاتے یا ان کے مددگار فرشتے ہوتے۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ بات کی جاتی، ممکن ہوگی یہ بھی کہ قول ہے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ معجزہ کافی ہوتا ہے یہ جو ذکر کیا فرشتوں کے آنے کے ساتھ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی جس طرح معجزات کے ظہور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی جاتی فرعون نے ملائکہ کا ذکر اس لیے کیا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ذکر کرتے تھے کیونکہ جو آدمی فرشتوں کے خالق کو نہیں پہچانتا وہ ملائکہ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔

**فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿54﴾**

"پس اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے در حقیقت یہ نافرمان لوگ تھے"۔

**فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ** ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے اس نے اپنی قوم کو جاہل جانا **فَاَطَاعُوْهُ** تو انہوں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی اطاعت کی یہ جملہ کہا جاتا ہے: استخفہ یعنی اسے جہالت پر برانگیختہ کیا کے معنی میں ہے ولا یستخفنک الذین لا یوقنون ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے انہیں گفتگو کے ساتھ دھوکا دیا تو قوم نے جھٹلانے میں اس کی اطاعت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استخف قومہ یعنی اس نے انہیں کم عقل پایا۔ یہ امر اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ ان پر اطاعت کرنا واجب تھا تو اس صورت میں اضمار کی ضرورت ہوگی اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وجدھم خفاف العقول فدعاھم الی الغوایۃ فاطاعوہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اپنی قوم کو دھمکایا اور ان پر جبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی اتباع کی یہ کہا جاتا ہے: استخفہ یہ استثقلہ کے برعکس ہے۔ استخف بہ اس کو ذلیل کیا۔

**اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿54﴾** وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

**فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿55﴾**

"پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا"۔

**فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ** ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ ہم پر غصے ہوا وہ ہم پر غضبناک ہوئے (2)۔ علی بن ابی طلحہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ہم سے ناراض ہو گئے۔ ماوردی نے کہا: دونوں کا معنی مختلف ہے دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ سخط سے مراد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور غضب سے مراد انتقام کا ارادہ ہے۔ قشیری نے کہا: یہاں اسف سے مراد غضب ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت کی جاتی ہے یا تو اس سے مراد سزا کا ارادہ ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ صفات ذات میں سے ایک صفت ہوگی یا اس سے مراد سزا ہوگی تو اس صورت میں یہ صفات فعل میں سے ہوگی،

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 231
2۔ ایضاً

ماوردی کے قول کا یہی معنی ہے۔ عمر بن ذر نے کہا: اے اللہ کی نافرمانی کرنے والو! اللہ تعالیٰ جو تم سے طویل وقت تک حلم سے ہوئے ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اس کی پکڑ سے ڈرو، کیونکہ اس نے ارشاد فرمایا: فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے اٰسَفُوْنَا وہ ہمارے رسولوں اور ہمارے مومن اولیاء پر غضب ناک ہوئے جس طرح علماء اور بنی اسرائیل۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ (الاحزاب: 57) یہاں یؤذون اللہ مراد اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے رسول ہیں۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

"اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لیے"۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا ہم نے قوم فرعون کو پیش رو بنا دیا۔ ابو مجلز نے کہا: یعنی جو ان جیسا عمل کرے ان کا پیش رو بنا دیا اور جو ان جیسا عمل کرے اس کے لیے نمونہ بنا دیا (1)۔ مجاہد نے کہا: سَلَفًا یعنی حضرت محمد ﷺ کی امت کو خبر دینے والا اور مَثَلًا یعنی امت محمد ﷺ کے لیے عبرت بنا دیا (2)۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے آپ کی قوم کے کفار کے لیے قیادت کرنے والا بنا دیا وہ جہنم کی طرف ان کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: جہنم کی طرف آگے جانے والا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت۔ سلف کا معنی آگے جانے والا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سَلَفَ يَسْلُفُ سَلَفًا، جس طرح طلب يطلب طلبا ہے جس کا معنی آگے جانا اور گزرنا۔ سلف له عمل صالح یعنی آگے چلا گیا القوم السلاف آگے جانے والے لوگ۔ سلف الرجل۔ آگے جانے والے آباء اس کی جمع اسلاف اور سلاف ہے عام قراءت سَلَفًا ہے یہ سالف کی جمع ہے جس طرح خادم کی جمع خدم ہے، راصد کی رصد ہے، حارس کی جمع حرس ہے۔

حمزہ اور کسائی کی قراءت سُلُفًا فراء نے کہا: یہ سليف کی جمع ہے جس طرح سعید کی جمع سعد آتی ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ سلف کی جمع ہے جس طرح خشب کی جمع خُشُب۔ ثمر کی جمع ثُمُر آتی ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود، حضرت علقمہ، حضرت ابو وائل، نخعی اور حمید بن قیس نے اسے سُلَفًا پڑھا ہے یہ سُلفة کی جمع ہے یعنی گزر جانے والی جماعت۔ مورج اور نضر بن شمیل نے کہا: سُلَفًا یہ سُلفة کی جمع ہے جس طرح غرفة کی جمع غرف اور طرفة کی جمع طرف، ظلمة کی جمع ظلم آتی ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

"اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ تو مشرکوں نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے ساتھ جوڑا اور کہا: (حضرت) محمد ﷺ کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم اسے اپنا الٰہ بنا لیں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو الٰہ بنا لیا۔ یہ قتادہ کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد کا قول ہے قریش نے کہا: حضرت محمد ﷺ تو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 232
2۔ ایضاً

کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو عبداللہ بن زبعری نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا تو یہ مثال دینے والا عبداللہ بن زبعری تھا جو اس نے حالت کفر میں مثال دی تھی جب قریش نے اس سے کہا: بے شک حضرت محمد ﷺ یہ تلاوت کرتے ہیں إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) اس نے کہا: اگر میں ان کے پاس حاضر ہوتا تو میں جواب دیتا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: تو انہیں کیا کہتا؟ اس نے کہا: میں انہیں کہتا: یہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ یہودی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں جہنم کا ایندھن ہیں؟ قریش اس کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد ﷺ اس کے سامنے لاجواب ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَصِدُّونَ کا بھی یہی معنی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿﴾ (انبیاء) اگر ابن زبعری آیت پر غور کرتا تو اس پر اعتراض نہ کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا تَعْبُدُونَ یہ ارشاد نہیں فرمایا ومن تعبدون اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد بت اور غیر ذوی العقول چیزیں لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت مسیح اور فرشتے مراد نہیں لیے اگرچہ ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ سورۂ انبیاء کے آخر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا: ''اے قریش کی جماعت! اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہو؟'' انہوں نے سوال کیا: کیا تو یہ گمان نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے اور نبی تھے اور عبد صالح تھے اگر بات اس طرح ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو تو ان کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿﴾ وہ یوں آوازیں نکالتے ہیں جس طرح وہ اونٹ آواز نکالتا ہے جس پر بوجھ لادا جائے۔

نافع، ابن عامر اور کسائی نے يَصُدُّونَ صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے، یہ نخعی کا قول ہے۔ باقی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح يَعْرِشُونَ اور يَعْرُشُونَ، ینمون، ینمون اس کا معنی شور وغل ہے۔ جوہری نے کہا: صدّ اور یصدّ صدیدا، شور وغل کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمہ کے ساتھ صدود سے مشتق ہے جس کا معنی اعراض کرنا ہے اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی شور وغل کرتا ہے، یہ قطرب کا قول ہے۔ ابو عبید نے کہا: اگر یہ حق سے اعراض کرنے کے معنی میں ہو تو مطلب ہوگا آپ کی قوم حق سے اعراض کرتی ہے۔ فراء نے کہا: دونوں برابر ہیں منہ صدون یعنی ہو۔ ابن مسیب نے کہا: یصدون کا معنی شور وغل کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آوازیں بلند کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنستے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس نے صاد کو ضمہ دیا ہے تو اس کا معنی ہوگا وہ اعراض کرتے ہیں تو معنی ہوگا وہ میلان کی وجہ سے اعراض کرتے ہیں یصدون کو من کے ساتھ متعدی نہیں کرتے جس نے صاد کو کسرہ دیا تو اس کا معنی ہے وہ شور وغل کرتے ہیں، من، یصدون کے ساتھ متصل ہے معنی ہے وہ اسے سن کر شور وغل کرتے ہیں۔

وَ قَالُوْۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَیْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝

"اور کہتے ہیں: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لیے درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں"۔

وَ قَالُوْۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَیْرٌ اَمْ هُوَ یعنی کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا حضرت عیسیٰ؟ یہ سدی کا قول ہے کہا: انہوں نے نبی کریم ﷺ سے جھگڑا کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں ہوگا تو ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام، فرشتوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ ہوں (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (انبیاء) قتادہ نے کہا: وہ اَمْ هُوَ سے حضرت محمد ﷺ مراد لیا کرتے تھے (2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں ہے آلهتنا خير ام هذا یہ قتادہ کے قول کی تائید کرتا ہے یہ استفہام تقریری ہے کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ کوفیوں اور یعقوب نے جدلا پڑھا ہے یہ حال ہے جدلونا کا معنی دے رہا ہے یعنی انہوں نے آپ کے لیے یہ مثال بیان نہیں کی مگر جھگڑا مقصود تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) سے مراد وہ چیزیں ہیں جن بے جان چیزوں کو انہوں نے معبود بنا لیا تھا۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ بلکہ وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہیں۔ صحیح ترمذی میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر انہوں نے جھگڑا کیا (3)" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۝ وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓىِٕكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝

"نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے"۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک بندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جس پر نبوت کا انعام کیا ہے اور بنی اسرائیل کے لیے مثال بنا دیا ہے یعنی ایک آیت اور عبرت بنا دیا ہے جس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ معجزات عطا کیے وہ مردوں کو زندہ کرتے، مادرزاد اندھوں، برص کے مریضوں اور تمام قسم کی امراض سے تندرست کر دیتے جبکہ ان کے زمانہ میں اس قسم کی شان کسی اور کو نہ دی گئی جبکہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل بہترین مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے تھے جبکہ لوگ ان سے درجہ میں کم تھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منعم علیہ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 61
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 234
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، من سورۃ زخرف، جلد 2، صفحہ 157

ذات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ واضح ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلے بنا دیتے مَّلٰٓئِكَةً جو تمہارے خلیفہ ہوتے؛ یہ سدی کا قول ہے اسی کی مثل مجاہد سے مروی ہے: فرشتے جو تمہارے بعد زمین کو آباد کرتے (1)۔ ازہری نے کہا: من بعض اوقات بدل کے لیے آتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ معنی سورۂ براءت اور دوسری سورتوں میں بھی گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہم چاہتے تو انسانوں میں سے فرشتے بنا دیتے اگرچہ یہ عادت نہیں ہے، جواہر سب ایک ہی جنس ہیں، اختلاف اوصاف کی بنا پر ہے معنی ہے اگر ہم چاہتے تو ہم زمین میں فرشتے بنا دیتے انہیں آسمانوں میں ٹھہرایا، ان کا شرف نہیں کہ ان کی عبادت کی جانے لگے اور انہیں کہا جانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یَخْلُفُوْنَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے کی نیابت کرتے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۝ وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝

"اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان اس راہ سے بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہ قیامت کے قریب ہونے پر دلالت ہے یا اس کے ذریعے قیامت، اس کی ہولناکیوں اور احوال کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، سدی اور قتادہ نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے وقوع سے تھوڑا پہلے انہیں آسمان سے نازل فرمائے گا جس طرح دجال کا ظاہر ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، قتادہ، مالک بن دینار اور ضحاک نے اسے وانہ لعلم الساعۃ عین اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی نشانی ہے۔ عکرمہ سے دو لاموں کے ساتھ للعلم مروی ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملے تو سب نے قیامت کا ذکر کیا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو شروع کی اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ تھا پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تو ان کے پاس بھی کوئی علم نہ تھا تو گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی گئی تو انہوں نے کہا: مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ وجبہ کے بعد ہے جہاں تک وجبہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اور دجال کے ظاہر ہونے کا ذکر کیا کہا: میں اتروں گا اور اسے قتل

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 249 | 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 61 | 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 234

کریں گا اور حدیث کا ذکر کیا (1) اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو مبعوث کرے گا دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے پاس اتریں گے وہ حلہ زیب تن کیے ہوں گے۔ اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوں گے جب اپنا سر نیچے جھکائیں گے تو ان سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتی گریں گے جو لولو کی طرح ہوں گے کافر کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے سانس کی ہوا پائے مگر جو پائے گا وہ مر جائے گا اس کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک نظر پہنچے گی آپ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے لد کے دروازے پر پائیں گے اور اسے قتل کردیں گے (2)۔

ثعلبی، زمخشری اور دوسرے مفسرین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارض مقدس کے ایک ٹیلہ پر آسمان سے اتریں گے جس ٹیلہ کو افیق کہتے ہیں اور دو کپڑے زیب تن کیے ہوں گے جو ہلکے سے زرد ہوں گے ان کے سر کے بالوں کو تیل لگا ہوگا ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ ہوگا امام ان کی امامت کروا رہا ہوگا امام پیچھے ہٹے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کریں گے اور اسی امام کے پیچھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر آپ خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، کلیسوں اور گرجوں کو برباد کردیں گے نصاریٰ کو قتل کریں گے مگر جو ایمان لے آئے (3)''۔

خالد نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے قریبی ہوں اس کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں وہ سب سے پہلے آسمان سے اتریں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور اسلام کے حق میں لوگوں سے جنگ کریں گے'' (4)۔

ماوردی نے کہا: ابن عیسیٰ نے ایک قوم سے یہ بیان کیا انہوں نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو لوگوں کو مکلف بنانے کا معاملہ اٹھا لیا جائے گا تاکہ وہ اس زمانہ کی طرف رسول نہ ہوں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیں اور انہیں روکیں۔ یہ قول تین وجوہ سے مردود ہے: ان میں سے ایک حدیث بھی ہے، دوسری وجہ یہ ہے دنیا کی بقا امور کا مکلف ہونے کا تقاضا کرتی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے کی حیثیت میں اتریں گے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے امر صرف اسلام کی تائید، اسلام کا حکم دینے اور اس کی طرف دعوت دینے تک محدود ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے اتریں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اس پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جائے گا، دشمنی، باہمی بغض اور حسد ختم ہو جائے گا ایک آدمی مال لینے کو دعوت دے گا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، صفحہ 339

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، ذکر الدجال، جلد 2، صفحہ 399 — 3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 235 — 4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 235

تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا (1)"۔ ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارا کیا حال ہوگا جب حضرت ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم سے ہوگا" ایک روایت میں ہے "تمہاری امامت تم میں سے ایک آدمی کرے گا (2)"۔ ابن ابی ذئب نے کہا: تو جانتا ہے امکم منکم سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: تو مجھے بتائے گا۔ کہا: "وہ تمہاری امامت تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت کے مطابق کرائے گا" ہمارے علماء نے کہا: یہ روایت اس امر میں نص ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مجدد کے طور پر اتریں گے جو دین انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوگا وہ کسی نئی شریعت کے ساتھ نہیں اتریں گے جبکہ احکام کے مکلف ہونے کا سلسلہ باقی ہوگا جس طرح ہم نے یہاں اور کتاب "التذکرہ" میں ذکر کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا قیامت اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے پر دلیل ہے؛ یہ ابن اسحاق نے کہا۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی نشانی ہوں اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں اور قیامت یوں مبعوث کیے گئے ہیں (3)" اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (4)۔

**فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا** تم قیامت میں شک نہ کرو؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سدی نے کہا: تم اس کو نہ جھٹلاؤ اور تم اس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ یہ لازماً ہو کر رہنے والی ہے (5) **وَاتَّبِعُونِ** تم توحید کے عقیدہ میں میری اتباع کرو اور جو میں تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اس میں میری اتباع کرو۔

**هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ** یہ اللہ تعالیٰ کی جانب جانے والا سیدھا راستہ ہے یعنی اس کی جنت کی طرف جانے والا سیدھا راستہ ہے۔ یعقوب نے **وَاتَّبِعُونِ** میں دونوں حالتوں میں یا کو قائم رکھا ہے اسی طرح اطیعون میں قائم رکھا ہے۔ ابو عمرو اور اسماعیل نے نافع سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وصل میں قائم رکھا اور وقف میں حذف کر دیا باقی قراء نے دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

**وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ** اس کے وساوس سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ جھگڑا کرنے والے کفار کو شیطان سے تشبیہ دی گئی کیونکہ انبیاء کی شریعتیں توحید میں مختلف نہیں اور قیامت کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اسی طرح جنت یا دوزخ کے بارے میں انہوں نے جو خبریں دی ہیں اس میں وہ مختلف نہیں۔

**إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ** سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 17۔ سنن ابن ماجہ، باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، حدیث 4067

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، جلد 1، صفحہ 87 3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، قرب الساعۃ، جلد 2، صفحہ 406

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 9 5۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 236

تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۝

"اور جب آئے (عیسیٰ علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا: میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے"۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ حضرت ابن عباس بنیدھما نے کہا: بینات سے مراد مردوں کو زندہ کرنا، مریضوں کو صحت مند کرنا، پرندوں کو بنانا، دستر خوانوں کا نزول وغیرہ اور بہت سی غیب کی خبریں دینا۔ قتادہ نے کہا: یہاں بینات سے مراد انجیل ہے۔

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ حکمت سے مراد نبوت ہے، یہ سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس بنیدھما نے کہا: مراد ایسا علم ہے جو نیکی کی طرف لے جائے اور برائی سے روک دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد انجیل ہے؛ یہ قشیری اور ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَلِاُبَیِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ مجاہد نے کہا: مراد ہے جو تورات میں تبدیلی کی گئی (1)۔ زجاج نے کہا: میں انجیل میں بعض ایسی چیزیں تمہارے لیے بیان کروں گا تورات میں تبدیلی کے متعلق تم جن میں باہم اختلاف کرتے ہو۔ مجاہد نے کہا: جن چیزوں کے وہ محتاج ہیں انجیل کے علاوہ ان کے لیے واضح کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تورات کے احکام کے بارے میں انہوں نے جو اختلاف کیا جس قدر انہوں نے سوال کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے واضح کیا۔ یہ بھی جائز ہے انہوں نے اس کے علاوہ میں اختلاف کیا جس کے بارے میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال نہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل نے دین کے امور میں کچھ چیزوں میں اختلاف کیا اور دنیاوی امور میں سے چند چیزوں کے بارے میں اختلاف کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے دینی امر کے بارے میں واضح کر دیا۔

ابو عبیدہ کا مذہب یہ ہے کہ یہاں بعض، کل کے معنی میں ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ (غافر: 28) اخفش نے لبید کا شعر پڑھا:

تراك أمكنة إذا لم أرضها أو تعتلق بعض النفوس حمامها (2)

موت بعض نفوس کے متعلق نہیں ہوتی موت کو علوق اور علاق کہتے ہیں۔ مفضل بکری نے کہا:

وسائلة بثعلبة بن سير وقد علقت بثعلبة العلوق

ثعلبہ بن سیر کو کتنے پوچھنے والے ہیں جبکہ موت ثعلبہ کے ساتھ متعلق ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 238	2۔ جامع القرآن للطبری، جز 25-26، صفحہ 109

مقاتل نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرح ہے: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران: 50) یعنی انجیل میں وہ چیزیں حلال کرنے والا ہوں جن کو تورات میں حرام کر دیا گیا تھا جس طرح اونٹ کا گوشت، ہر حیوان کی چربی، ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرنا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ شرک سے بچو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جب یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ الٰہ ہو یا الٰہ کا بیٹا ہو۔

وَاَطِيْعُوْنِ یعنی توحید اور دوسرے امور کی طرف دعوت دینے والا ہوں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۝ اللہ تعالیٰ کی عبادت صراط مستقیم ہے اس کے سوا ٹیڑھا راستہ ہے اس پر چلنے والا حق تک نہ پہنچنے والا ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝

"پھر اختلاف کرنے لگے ان کے گروہ آپس میں پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے دن سے۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو۔"

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ قتادہ نے کہا: یہاں من زائدہ ہے معنی بینھم ہے ان کے بارے میں دو قول ہیں (1) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اہل کتاب ہیں انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کی (1)۔ یہ مجاہد اور سدی کا قول ہے (2) نصاریٰ کی مختلف جماعتیں ہیں نسطوریہ، ملکیہ، یعقوبیہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا نسطوریہ نے کہا: وہ ابن اللہ ہیں۔ یعقوبیہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ ملکیہ نے کہا: وہ تین میں سے تیسرا ہے، ان میں سے ایک اللہ ہے؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا انہوں نے کفر اور شرک کیا جس طرح سورۂ مریم میں ہے مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ۝ یعنی جس کا عذاب دردناک ہے اس کی مثل لیل نائم ہے اس رات میں سویا جاتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ واو ضمیر سے مراد احزاب ہیں یعنی وہ انتظار نہیں کرتے اِلَّا السَّاعَةَ سے مراد قیامت ہے اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً بغتۃ یعنی اچانک۔ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ کئی اور مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے عرب کے مشرک صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں اس ضمیر کی بنا پر احزاب سے مراد وہ قوم ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گروہ بندی کی تھی اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا کے ساتھ متصل ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 237

"میرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے بجز ان کے جو متقی اور پرہیزگار ہیں"۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ یوم سے مراد یوم قیامت ہے بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی وہ دشمن ہیں جو ایک دوسرے سے دشمنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۠ کیونکہ وہی دنیا و آخرت میں دوست ہیں؛ یہ معنی حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ نقاش نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی وہ دونوں دوست تھے(1) عقبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا تھا قریش نے کہا: عقبہ بن ابی معیط صابی ہو گیا۔ امیہ نے اس سے کہا: اگر تو محمد سے ملا اور تو نے اس کے منہ پر نہ تھوکا تو میرا تجھ سے ملنا حرام ہوگا۔ عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی نذر مانی اور اسے غزوہ بدر کے موقع پر قتل کر دیا۔ امیہ معرکہ میں قتل ہو گیا انہیں کے متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے دو مومن دوست تھے اور دو کافر دوست تھے دو مومنوں میں سے ایک مر گیا اس نے عرض کی: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکا کرتا تھا اور وہ مجھے خبر دیتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں اے میرے رب! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا اسے اسی طرح ہدایت دینا جس طرح اس نے مجھے ہدایت دی ہے اسے عزت بخشنا جس طرح اس نے مجھے عزت بخشی۔ جب اس کا مومن دوست فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میں سے ہر ایک دوست اپنے ساتھی کی تعریف کرے گا ایک عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا، وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور مجھے برائی سے روکا کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وہ کتنا اچھا دوست ہے کتنا اچھا بھائی اور کتنا اچھا ساتھی ہے۔ کہا: کافروں میں سے ایک مرے گا اور کہے گا: اے میرے رب! فلاں آدمی مجھے تیری اطاعت سے اور تیرے رسول کی اطاعت سے روکتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا اور مجھے نیکی سے روکتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں۔ اے میرے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا۔ اور اسے اسی طرح گمراہ کرنا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اسے ذلیل و رسوا کرنا جس طرح تو نے مجھے ذلیل و رسوا کیا ہے جب اس کا کافر دوست مرتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے فرماتا ہے: تم دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے تیری نافرمانی اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا تھا وہ مجھے برائی کا حکم دیتا تھا خیر سے منع کرتا تھا اور مجھے بتایا کرتا تھا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنے والا نہیں ہوں میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو اس پر عذاب دوگنا کر دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو کتنا برا ساتھی، بھائی اور دوست ہوگا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک ساتھی پر لعنت کرے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت ہر مومن، متقی، کافر اور گمراہ کے بارے میں عام ہے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَۚ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 238

"اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم آج غمزدہ ہو گے"۔

مقاتل نے کہا اور اسے معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے: منادی کرنے والا کل جب اعلان کرے گا
اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں۔ کھلے میدان والے اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو منادی کرنے والا کہے گا:
الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ تو مسلمانوں کے علاوہ تمام ادیان والے اپنے سروں کو جھکا لیں گے۔ کلبی نے
روایت میں ذکر کیا ہے: اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن منادی کرنے والا ندا کرے گا: يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ
الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ مخلوقات اپنے سروں کو اوپر اٹھائے گی وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بندے ہیں (1)۔ پھر دوبارہ
ندا کرے گا: الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ کفار اپنے سروں کو جھکا لیں گے اور موحد اپنے سروں کو اٹھائے رکھیں
گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ (یونس) تو گناہ کبیرہ کرنے والے اپنا سر جھکا لیں
گے اور تقویٰ اختیار کرنے والے اپنے سر اٹھائے رکھیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خوف اور حزن کو زائل کر دیا ہوگا جس
طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہوگا کیونکہ وہ معززین میں سے سب سے معزز ہے وہ اپنے ولی کو بے یار و مددگار نہیں
چھوڑتا اور ہلاکت کے وقت اسے کسی کے سپرد نہیں کرتا۔ اسے یٰعِبَادِ پڑھا گیا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۝

"یعنی وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت
میں تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش"۔

زجاج نے کہا: الَّذِينَ۔ عبادی کی صفت کے طور پر محل نصب میں ہے کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے۔ ایک قول یہ
کیا گیا ہے: الَّذِينَ آمَنُوا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے ھم الذین آمنوا
یا یہ الذین آمنوا یقال لھم ادخلوا الجنۃ۔

ابو بکر اور زر بن حبیش نے یا عبادی پڑھا ہے یا مفتوح ہے اور دونوں حالتوں میں ثابت ہے اسی وجہ سے نافع، ابن
عامر، ابو عمرو اور رویس نے دونوں حالتوں میں یا ساکنہ کو ثابت رکھا ہے باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یا کو حذف کیا ہے
کیونکہ اہل شام اور اہل مدینہ کے مصاحف میں یہ ثابت ہے کسی اور مصحف میں یا نہیں ہے۔

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی انہیں کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ یا کہا جائے گا: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو
جنت میں داخل ہو جاؤ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ یعنی جو دنیا میں مسلمان تھیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنوں میں سے جو
تمہارے ساتھی ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حور عین میں سے جو تمہاری ازواج ہیں۔

تُحْبَرُونَ ۝ تمہاری عزت کی جائے گی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تم معزز

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 143
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 238

ہوگے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں خوش کیا جائیگا اس سے مراد دل میں خوشی ہے۔ قتادہ نے کہا: تم پر انعام کیا جائے گا اس سے مراد بدن میں نعمت ہے۔ مجاہد نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا اس سے مراد آنکھوں میں خوشی ہے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: تمہیں خوش کیا جائے گا یہاں حبر سے مراد اس چیز کا پانا ہے جو پسند ہو۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: اس سے مراد سماع کے ذریعے لذت حاصل کرنا ہے۔ سورۂ روم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۟

"گردش میں ہونگے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ یعنی ان کے لیے جنت میں کھانے اور مشروبات ہونگے جنہیں سونے اور چاندی کے تھالوں میں ان پر گھمایا جائے گا، یہاں کھانوں اور مشروبات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ تھالوں اور پیالوں کے گھمانے کا کوئی مطلب نہیں جب ان میں کھانے اور مشروبات نہ ہوں۔ صحاف میں سونے کا ذکر کیا جبکہ اکواب میں اس کے ذکر سے استغنا برتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ (الاحزاب: 35)

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: لا تلبسوا الحریر ولا الدیباج ولا تشربوا فی آنیۃ الذهب والفضۃ ولا تأکلوا فی صحافها فإنها لهم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ (1)۔ ریشم اور دیباج کا لباس نہ پہنو اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو ان کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ سورۂ حج میں یہ گزر چکا ہے جس نے ان دونوں میں دنیا میں کھایا یا دنیا میں ریشم کا لباس پہنا اور توبہ نہ کی آخرت میں ہمیشہ کے لیے اس پر یہ چیزیں حرام کر دی جائیں گی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مفسرین نے کہا: جنت میں سب سے کم مرتبہ جنتی پر ستر ہزار غلام سونے کے پیالوں کے ساتھ گھومیں گے ان کا کھانا سے پیش کیا جائیگا ہر ایک برتن میں ایسی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔ وہ اس کے آخر سے اسی طرح کھائے گا جس طرح پہلے سے کھاتا ہے آخری کو اسی طرح لذیذ پائے گا جس طرح پہلے کو لذیذ پاتا ہے اسکا بعض بعض کے مشابہ نہ ہوگا۔

وَّ اَكْوَابٍ یعنی اس پر پیالے گھمائے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ (الدہر: 15) ابن مبارک نے ذکر کیا ہے ہمیں معمر نے بیان کیا وہ ایک آدمی سے وہ ابو قلابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: ان کے پاس کھانا اور مشروب لایا جائے گا جب وہ ان کے آخر تک پہنچیں گے تو ان کے پاس شراب طہور لایا جائے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل فی اناء مفضض، جلد 2، صفحہ 816

تو اس کے لیے ان کے پیٹ ضامر ہو جائیں گے ان کے جسموں سے مشک سے پاکیزہ خوشبو نکلے گی پھر یہ پڑھا: شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ (الدہر)

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "جنتی اس میں کھائیں گے، اس میں پئیں گے، وہ تھوکیں گے نہیں، وہ پیشاب نہیں کریں گے، وہ براز نہیں کریں گے، وہ ریشہ نہیں پھینکیں گے" (1)۔ پوچھا: کھانے کا کیا بنے گا؟ کہا: "ڈکار اور مہک جس طرح کستوری کی مہک ہوتی ہے انہیں تسبیح، تحمید اور تکبیر کا الہام کیا جائے گا" ایک روایت میں یلھمون التسبیح کی جگہ یلھمون النفس کے الفاظ ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ آئمہ نے حضرت ام سلمہ کی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے فرمایا: "وہ آدمی جو سونے اور چاندی کے برتن سے پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ پیتا ہے (2)" اور کہا: "سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور اس کے پیالوں (برتنوں) میں نہ کھاؤ (3)" یہ روایات حرمت کا تقاضا کرتی ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

علماء نے اور مقاصد کے لیے ان کے استعمال کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ مردوں کے لیے کسی مقصد کے لیے انہیں استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے اور ریشم کے بارے میں ارشاد ہے: "یہ دونوں چیزیں میری امت کے مذکر افراد کے لیے حرام ہیں اور مؤنث افراد کے لیے حلال ہیں" (4) ان میں کھانے پینے سے نہی ان کے استعمال کی حرمت پر دال ہے کیونکہ یہ بھی سامان کی ایک صورت ہے جو جائز نہیں اس کا اصل کھانا اور پینا ہے اس کی علت آخرت کے امر کو جلدی چاہنا ہے اس اعتبار سے اس میں کھانا پینا اور باقی ماندہ انتفاع کی جو صورتیں ہیں سب مراد ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے دنیا میں حصہ نہیں بنایا"۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ جب برتن پر ان سے کلی کی گئی ہو یا برتن میں ان دونوں میں سے حلقہ ہو۔ امام مالک نے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس برتن میں پیا جائے، اسی طرح آئینہ ہو جس میں چاندی کا حلقہ ہو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا برتن تھا جس پر چاندی کی کلی کی گئی تھی اور کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس برتن میں مشروب پلایا تھا۔ ابن سیرین نے کہا: اس میں لوہے کا حلقہ تھا تو حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس میں چاندی کا حلقہ لگوائیں تو حضرت ابو طلحہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل کیا ہے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا تو حضرت انس نے اسے ترک کر دیا۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ جب ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں تو ان کو جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ جس چیز کا استعمال جائز نہیں اس کو ذخیرہ کرنا بھی جائز نہیں ہوتا جس طرح بت اور طنبور (آلہ لہو)۔ ہمارے علماء کی کتابوں میں ہے: جو آدمی کسی کا ایسا برتن

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، ابنۃ الصنفۃ، جلد 2، صفحہ 379
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، ابنۃ الفضۃ، جلد 2، صفحہ 842
3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، تحریم استعمال اوانی الذہب والفضۃ، جلد 2، صفحہ 189
4۔ سنن ابی داؤد، باب فی الحریر والذہب للنساء، حدیث نمبر 3584، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

والذاذ۔ بعض میں نے اسے لذ پایا۔ التذذت بہ وتلذذت بہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ یعنی جنت میں وہ چیز ہوگی جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی تو وہ خوبصورت منظر والا ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے لذت حاصل کریں گی جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: اسألك لذة النظر الی وجهك۔

وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ باقی رہو گے، ہمیشہ رہو گے کیونکہ یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو یہ منغص رہتا ہے۔

**وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝**

"اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ انہیں یہ بات کہی جائے گی: یہ وہ جنت ہے جس کی صفت دنیا میں تمہارے لیے بیان کی جاتی تھی۔ ابن خالویہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف اشارہ تلک سے اور جہنم کی طرف ھذہ سے کیا ہے تاکہ جہنم سے ڈرائے اور اسم اشارہ قریب کے ساتھ اشارہ کر کے اس کو مؤکد ذکر کیا، اسم اشارہ قریب کے ساتھ اسے یوں بیان کر دیا گیا جس طرح وہ چیز حاضر ہو جس کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے لیے جنت اور دوزخ پیدا کی ہے۔ کافر مسلمان کی جہنم کا وارث بنے گا اور مسلم کافر کی جنت کا وارث بنے گا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (مومنون) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور سورۃ الاعراف میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔

**لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ۝**

"تمہارے لیے بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)"۔

فَاكِهَةٌ کا لفظ معروف ہے اس کی جمع فواکہ ہے فاکہانی اسے کہتے ہیں جو پھل بیچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تمام پھل ہیں تر بھی اور خشک بھی، یعنی جنت میں کھانے اور پینے کے علاوہ کثیر پھل جن کا تم لطف لو گے۔

**إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ۝**

"بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑے بیٹھے ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے"۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ جب اہل جنت کے احوال کا ذکر کیا تو اہل جہنم کے احوال کا ذکر کیا تاکہ اطاعت شعار کی نافرمان پر فضیلت کو بیان کرے۔ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ ان سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ وہ رحمت سے مایوس ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خاموش ہو گئے، سکوت کا معنی نا امیدی ہے۔ سورۃ انعام

میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ہم نے عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر شرک کا ارتکاب کر کے ظلم کرنے والے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الظالمون کو مرفوع پڑھا جائے یہ مبتدا اور خبر ہو اور جملہ کان کی خبر ہو۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝

"اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے"۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ مالک جہنم کا خازن ہے اپنے غضب کے اظہار کے لیے اسے پیدا کیا جب وہ جہنم کو جھڑکے گا تو اس کا بعض بعض کو کھا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں قراءت بیان کی ہے ونادوا یامال یہ مصحف کے خلاف ہے۔ حضرت ابو درداء اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ونادوا یامال قراءت کی یعنی خاص طور پر لام کے ساتھ یعنی اسم میں ترخیم کا قاعدہ جاری کیا اور کاف کو حذف کر دیا۔ ترخیم کا معنی حذف ہے اسی سے ندائیہ اسم میں ترخیم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے آخر سے ایک یا زیادہ حرف حذف کر دیے جائیں تو مالک میں کہے گا: یامال۔ حارث میں کہے گا: یاحار۔ فاطمہ میں کہے گا: یافاط۔ عائشہ میں کہے گا: یاعائش۔ مروان میں کہے گا: یامرو اسی طرح باقی کے بارے میں بھی یہی صورت ہوگی۔ کئی اشعار میں اسی طرح آیا ہے۔ حدیث طیبہ میں اسی قول اور علت موجود ہے اسم مرخم کے آخر میں تیرے لیے دو صورتیں موجود ہیں (1) حذف سے پہلے آخری حرف کی جو حالت تھی اس پر اسے باقی رکھے (2) اسے مبنی بر ضمہ بنا دے جس طرح یا زید گویا تو نے اسے کامل اسم کے قائم مقام رکھا ہے اور اس میں محذوف کی رعایت نہیں کی۔ ابو بکر انباری نے ذکر کیا کہا محمد بن مروزی کہا مجھ سے جو ابن معدان ہے وہ حجاج سے وہ شعبہ سے وہ حکم بن عتیبہ سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں: کہا ہم نہیں جانتے تھے کہ زخرف کیا ہے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ کی قراءت میں بیت من ذھب کے الفاظ پائے اور ہم وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور يٰمٰلِكُ کے بارے میں نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں پایا یامال یعنی ترخیم کے طریقہ پر پڑھا۔ ابو بکر نے کہا: اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مقبول نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس امر کی زیادہ حقدار ہے کہ اس میں احتیاط کی جائے اور باطل کی اس سے نفی کی جائے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں صفوان بن یعلی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر پڑھتے ہوئے سنا: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ یعنی کاف کو ثابت رکھا (1)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے یا میرے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جہنمیوں نے خزان سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ (غافر) تو ان کی عرض داشت رد کر دی گئی اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (غافر) جب وہ خازنوں سے مایوس

1۔ صحیح بخاری، باب قولہ ونادوا یامالک [illegible] جلد 2 صفحہ 713

ہو چکے تو انہوں نے مالک کو ندا کی وہ ان پر سردار تھا اور اس کی مجلس خازنوں کے وسط میں ہے اور پل ہیں جن کے اوپر عذاب کے فرشتے گزرتے ہیں وہ جہنم کے بعید ترین حصہ کو یوں ہی دیکھتا ہے جس طرح اس کے قریب ترین حصہ کو دیکھتا ہے ان جہنمیوں نے عرض کی: یٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ انہوں نے موت کا سوال کیا کہا مالک ان سے خاموش رہے گا انہیں اسی سال تک کوئی جواب نہ دے گا کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا مہینہ تیس دن کا ہوگا اور دن ان ہزار سالوں کے برابر ہوگا جسے تم شمار کرتے ہو پھر اسی (80) سال کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوگا اور کہے گا: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ اور حدیث کا ذکر کیا۔ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو درداء نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: "وہ کہیں گے مالک کو بلاؤ وہ عرض کریں گے: اے مالک! تمہارا رب ہمیں موت ہی عطا کر دے تو اس نے جواب دیا تم اسی طرح رہو گے (1)" اعمش نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا ہے ان کے بلانے اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہوگا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ عرض کریں گے تو مالک ایک ہزار سال تک انہیں جواب نہیں دے گا پھر وہ کہے گا: تم ہمیشہ اسی طرح رہو گے (2)۔ مجاہد اور نوف بکالی نے کہا: ان کی ندا اور اس کے جواب کے درمیان سو سال کا عرصہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: چالیس سال کا عرصہ ہوگا؛ اسے ابن مبارک نے ذکر کیا۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝

"بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس دین حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے"۔

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مالک کا قول ہے یعنی تم جہنم میں ہی رہو گے کیونکہ دنیا میں تمہارے پاس حق لائے تو تم نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ آج ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کلام ہو یعنی ہم نے تمہارے لیے دلائل کو واضح کیا اور تمہاری جانب رسول بھیجے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں اکثر کل کے معنی میں ہے یہاں کثرت سے مراد رؤساء اور قائدین ہیں جہاں تک پیروکاروں کا تعلق ہے تو ان کا کوئی اثر نہ ہوگا یعنی اسلام کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو كٰرِهُوْنَ ناپسند کرتے تھے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۝

"اور اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں"۔

مقاتل نے کہا: یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی جب کفار نے دار الندوہ میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں تدبیر کی جب ان کا مشورہ اس بات پر اختتام کو پہنچا جو ابو جہل نے رائے پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی سامنے آئے تا کہ وہ آپ ﷺ کے قتل میں شریک ہو تو اس طرح قصاص کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان سب

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ طعام اہل النار، جلد 2، صفحہ 82

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 230

سرداروں کو بدر کے واقعہ میں قتل کیا گیا۔ اَبۡرَمُوۡۤا کا معنی ہے انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا(1)۔ ابرام کا معنی پختہ کرنا ہے ابرمت الشئ میں نے اسے پختہ کیا۔ ابرام الفتال، جب رسے بٹنے والا اچھی طرح بٹے اس سے مراد دوسری دفعہ بٹنا ہوتا ہے پہلے کو سحیل کہتے ہیں جس طرح صن سحیل و مبرم ہے آیت کا معنی ہے انہوں نے تدبیر کو پختہ کیا(2) ہم بھی ان کے لیے تدبیر کو پختہ کرنے والے ہیں، یہ ابن زید، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے یا انہوں نے تکذیب پر اتفاق کر لیا تو ہم دوبارہ اٹھانے کے ساتھ جزا پر پختہ عزم کیے ہوئے ہیں۔ کلبی نے کہا: یا انہوں نے معاملہ کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف عذاب کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ام، بل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا کا عطف اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ۝ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحقیق ہم تمہارے پاس حق لائے تو تم نے نہ سنا یا سنا تو سہی مگر اعراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں ایسے امر کا فیصلہ کر لیا تھا جس کے ذریعے وہ عقاب سے امن میں ہو جاتے۔

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ۝

"کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی کو، ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں"۔

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ یعنی جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور وہ جو سرگوشیاں کر رہے ہیں بَلٰى کیوں نہیں ہم سنتے اور جانتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ۝ ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت ان تین افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت اللہ شریف اور اس کے پردوں کے درمیان تھے(3) ان میں سے ایک نے کہا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: جب تم بلند آواز سے باتیں کرو تو وہ سنتا ہے اور جب تم رازداری سے باتیں کرو تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر وہ تمہاری اعلانیہ گفتگو سنتا ہے تو پھر جب تم رازداری سے بات کرو تب بھی سنتا ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ سورۂ فصلت میں یہی چیز حضرت ابن مسعود کی روایت میں گزر چکی ہے۔

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ۝ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۝ فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِيۡ يُوۡعَدُوۡنَ ۝

"آپ فرمائیے: (بفرض محال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (اے حبیب) آپ رہنے دیں انہیں کہ بے ہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل تماشہ کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 240 — 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 65 — 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 24

جاتی ہے۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ نے یوں قراءت کی ہے وھو الذی فی السماء اللہ وفی الارض اللہ یہ مصحف کے خلاف ہے (1)۔ اِلٰهٌ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ذات جو آسمان میں ہے وہ معبود ہے؛ یہ ابو علی کا قول ہے۔ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے ضمیر کا حذف کرنا اچھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فی، علی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ: 71) اس میں فی علی کے معنی میں ہے یعنی وہ آسمان اور زمین پر قادر ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

تَبٰرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی اس کے قیام کا وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے اسے والیہ یرجعون پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن محیصن، حمید، یعقوب اور ابن ابی اسحاق اپنے اصول کے مطابق علامت مضارع کو فتحہ اور جیم کو کسرہ دیتے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا، ہاں شفاعت کر سکیں گے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہوں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ من محل جر میں ہے الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ سے مراد حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں، یعنی یہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے مگر اس کے حق میں جو حق کی گواہی دے اور علم و بصیرت سے ایمان لائے؛ یہ سعید بن جبیر اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کہا: حق کی شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: من محل رفع میں ہے یعنی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا حق نہیں رکھتے۔ مراد معبودان باطلہ ہیں۔ قتادہ کے قول میں ہے: معبود اپنے عبادت گزاروں کے حق میں شفاعت نہیں کر سکتے مگر وہ معبود جو حق کی گواہی دیں جیسے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کیونکہ وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں (2)۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ کہ انہوں نے گواہی دی اس کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ نضر بن حارث اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اگر (حضرت) محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے تو ہم تو فرشتوں کے دوست ہوئے وہ فرشتے اس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 66
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 67

کی جائے گی۔ جس کے حق میں شفاعت کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یعنی وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ملائکہ، بت، جن یا شیاطین ان کے حق میں شفاعت کریں گے۔ قیامت کے روز کسی کے حق میں کوئی شفاعت نہیں۔

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یعنی مومنوں کے حق میں شفاعت کریں گے جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے کیا مراد ہے جس نے یہ گواہی دی: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر یہ عبادت کرنے والے اس کے حق دار نہیں کہ کوئی ان کی شفاعت کرے مگر جو حق کی گواہی دے کیونکہ جو حق کی گواہی دے گا اس کے حق میں شفاعت کی جائے گی اور مشرک کے حق میں شفاعت نہیں کی جائے گی۔ الا یہ لکن کے معنی میں ہے۔ مشرک شفاعت نہیں پائیں گے مگر شفاعت وہ پائے گا جو حق کی گواہی دے گا۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو کیونکہ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ میں ملائکہ بھی شامل ہیں یوں کہا جاتا ہے: شفعته، شفعت له، جس طرح کلته، کلت له۔ سورۂ بقرہ میں شفاعت کا معنی اور اس کا اشتقاق گزر چکا ہے تو اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ سے مراد ہے جس کے حق میں فرشتے گواہی دیں کہ وہ دنیا میں حق پر تھا جبکہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی ہے یا انہوں نے اسے ایمان کی حالت میں دیکھا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ یہ کلام دو معنوں پر دلالت کرتی ہے: (1) حق کے بارے میں سفارش نفع نہیں دیتی مگر جب علم ہو اور تقلید بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک مقالہ کے حق ہونے کا علم نہ ہو۔ (2) حقوق اور دوسرے امور میں تمام شہادات کے لیے شرط یہ ہے کہ شاہد اس کے بارے میں آگاہ ہو۔ اس کی مثل نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: اذا رأيت مثل الشمس فاشهد والا فدع[1] جب تو سورج کی طرح کسی امر کو دیکھے تو گواہی دے بصورت دیگر اسے چھوڑ دے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے، پھر کدھر بہکے پھرتے ہیں"۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ کیسے اس کی عبادت سے پلٹتے ہیں اور اس سے پھرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اس کے ساتھ اوروں کو شریک کیا اور ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کی امید رکھتے ہیں۔ اَفَكَهُ يَأْفِكُهُ اَفْكًا سے مراد اسے کسی چیز سے پھیر دیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (احقاف: 22) ایک قول یہ کیا گیا: اگر آپ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں کس نے انہیں پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔ فَاَنّٰى

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 386

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت محمد ﷺ کے لیے ہے جبکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ۔ ابو قلابہ نے یہ پڑھا یارب، قیل، قول کی طرح مصدر ہے اسی معنی میں حدیث ہے نہی عن قیل وقال، قیل وقال سے منع کیا۔ یوں بھی جمع کیا جاتا ہے: قلت قولہ وقیلا وقالا سورۃ نساء میں موجود ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

"پس (اے حبیب!) درگزر کیجئے ان سے اور فرمایئے: تم سلامت رہو وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے"۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر ان کو قتل کرنے کا حکم دیا جس سے صلح کا حکم تلوار والے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے وَقُلْ سَلٰمٌ یعنی انہیں اچھی بات کہیے۔ یعنی مکہ کے مشرکوں کو پھر فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ پھر اسے سورۂ براءۃ میں منسوخ کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (آیت: 5) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ عام قرأت فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کو دھمکی کی خبر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے تعلمون پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے مشرکین کو دھمکی کا خطاب ہے۔ سَلٰمٌ یہ علیکم کے مضمر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے: یہ فراء کا قول ہے اس کا معنی ہے انہیں لفظ سلام کہہ کر ان سے اعراض کر دیں یا ان کے لیے سلام کہیں یہ مقاتل نے بیان کیا ہے۔ شعیب بن حجاب نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس ذریعے یہ پہچان کرا دی کہ انہیں سلام کیسے کہا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

# سورۃ الدخان

آیاتہا ۵۹ | سورۃ الدخان مکیۃ ۶۴ | رکوعاتہا ۳

علما کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر یہ آیت اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا۔ یہ ستاون آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انسٹھ آیات ہیں۔ مسند دارمی میں حضرت ابو رافع سے مروی ہے جس نے جمعہ کی رات سورۃ الدخان پڑھی وہ صبح بخشے ہوئے کرے گا اور حور عین سے اس کی شادی کر دی جائے گی۔ ثعلبی نے حضرت ابو ہریرہ کے واسطہ سے اسے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے جمعہ کی شب سورۂ دخان پڑھی تو وہ صبح بخشے ہوئے کرے گا"۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ نے یہ الفاظ نقل کیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے رات کے وقت سورۂ دخان پڑھی تو وہ صبح یوں کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں بخشش طلب کر رہے ہوں گے (1)"۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن سورۂ دخان پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا"(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝

"حا۔ میم۔ حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبردار کر دیا کرتے ہیں"۔

اگر حٰمٓ کو جوابِ قسم بنائے تو کلام الْمُبِيْنِ پر مکمل ہو جائے گی پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے گا اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ اگر تو اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ کو اس قسم کا جواب بنائے جو قسم الْكِتٰبِ ہے تو تو مُنْذِرِيْنَ پر وقف کرے گا اور فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ سے نئی کلام شروع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ ہے۔ بعض نحویوں نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ مقسم بہ کی صفت ہے تو مقسم بہ کی صفت جواب قسم نہ ہوگی اور اَنْزَلْنٰهُ عام قرآن کے لیے ہے۔ جس نے کہا: باقی کتابوں کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ میں ضمیر سے مراد غیر قرآن ہے جس کا بیان سورۂ [illegible] کی ابتدائی حصہ میں ہو چکا ہے۔ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اس سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے(3)۔ اس کے چار نام ہیں 1۔ لیلۃ مبارکہ، 2۔ لیلۃ البراءۃ، 3۔ لیلۃ الصک، 4۔ لیلۃ القدر(4)۔ اس کی صفت برکت سے لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکات، خیرات اور ثواب اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی حم الدخان، جلد 2، صفحہ 112

2۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 581، حدیث نمبر 2634 | 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 244 | 4۔ ایضاً

قتادہ نے حضرت واثلہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "صحف ابراہیم رمضان شریف کی پہلی رات میں نازل کیے گئے۔ تورات نازل ہوئی جبکہ رمضان شریف کے چھ دن گزر چکے تھے، زبور اس وقت نازل ہوئی جب رمضان شریف کے بارہ دن گزر چکے تھے، انجیل اس وقت نازل ہوئی جب رمضان کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے اور قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا جب رمضان کے چوبیس دن گزر چکے تھے"۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے کہ پھر قرآن اس رات کو آسمان دنیا پر نازل ہوا پھر تھوڑا تھوڑا باقی دنوں میں اسباب کے موافق نازل ہوتا رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر لیلۃ القدر کو اتنا نازل ہوتا جتنا پورے سال میں نازل ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے نزول کا آغاز اس رات میں ہوا۔ عکرمہ نے کہا: لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کے نصف کی رات ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (القدر) قتادہ اور ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن لیلۃ القدر میں ام الکتاب سے بیت العزۃ کی طرف جو آسمان دنیا میں ہے نازل کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی ﷺ پر راتوں اور دنوں میں تیئس سالوں میں نازل کیا۔ یہ بحث سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (185) میں گزر چکی ہے۔ ان شاء اللہ ابھی یہ بحث آئے گی۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝

"اس رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ دنیا کے امور کا اگلی لیلۃ القدر تک فیصلہ فرما دیتا ہے وہ چیز زندگی سے متعلق ہو، موت سے متعلق ہو یا رزق سے متعلق ہو (2)۔ یہ قتادہ، مجاہد، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر بدبختی اور سعادت مندی، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تبدیل نہیں ہوتیں؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے (3)۔ مہدوی نے کہا: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو کچھ اس سال میں ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ شعبان کی نصف کی رات ہے جس میں سال بھر کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مردوں سے زندوں کو لکھ لیا جاتا ہے حاجیوں کے کام لکھ لیے جاتے ہیں، اس میں نہ کسی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس میں سے کوئی فرد کم کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان بن مغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کے مرنے والوں کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کا نام مردوں میں شامل ہو چکا ہوتا ہے" (4)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: "جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس کی رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے ساتھ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں کیا کوئی مصیبت کا شکار ہے کہ میں اس کی مصیبت کو دور کروں کیا کوئی رزق طلب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 245　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 694، حدیث نمبر 42780

ان اوقات کے منسوخ کرنے کے بارے میں کوئی حدیث ہے تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔

زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے لیلۃ براءۃ میں لوح محفوظ سے لکھنے کا عمل شروع ہوگا اور لیلۃ القدر میں اس سے فراغت ہوگی(1)۔ رزقوں کا نسخہ حضرت میکائیل کے حوالے کیا جائے گا حروب کا نسخہ حضرت جبریل کے حوالے کیا جائے گا اور اسی طرح زلزلوں صاعقوں اور دھنسانے کا معاملہ سپرد ہوگا اعمال کا نسخہ حضرت اسماعیل جو آسمان دنیا کے ذمہ دار ہیں ان کے سپرد ہوگا جو عظیم فرشتہ ہے۔ مصائب والا نسخہ (مسودہ) ملک الموت کے حوالے کیا جائے گا۔ بعض سے یہ مروی ہے: ہر عامل کو اس کے عملوں کی برکات عطا کی جائیں گی مخلوق کی زبانوں پر اس کی مدح ڈال دی جائے گی اور ان کے دلوں پر ہیبت ڈال دی جائے گی۔ اسے یفرق اور یفرق بھی پڑھا گیا ہے ہر ایک میں صیغہ معروف ہوتا ہے اور کل کو نصب دی جائے گی جدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفرق پڑھا ہے۔

كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ یعنی امر حکمت والا ہے ہر عمل کرنے والا ہے حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے۔

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

"ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی (کتاب و رسول) بھیجنے والے ہیں سراپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے، بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے"۔

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا نقاش نے کہا: امر سے مراد قرآن ہے، اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی جناب سے نازل کیا ہے(2)۔ ابن عیسیٰ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے احوال میں سے فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ مصدر ہے اور حال کے محل میں ہے۔ اسی طرح رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ہے اخفش کے نزدیک دونوں حال ہیں ان کی تقدیر ہے انزلناہ آمرین بہ و راحمین مبرد نے کہا: امرا مصدر کے محل میں ہے تقدیر کلام ہے انزلناہ انزالا فراء اور زجاج نے کہا: أَمْرًا يُفْرَقُ کی وجہ سے منصوب ہے۔ جس طرح تیرا قول ہے یفرق فرقا یعنی امر فرق کے معنی میں ہوگا یہ مصدر ہے جس طرح تیرا قول یضرب ضربا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یُفْرَقُ ابو صیرورت پر دلالت کرتا ہے یہ اس عمل کا مصدر ہے جو اس سے قبل ہے۔ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ۔ فراء نے کہا: رَحْمَةً، مُرْسِلِينَ کا مفعول ہے۔ رحمۃ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ زجاج نے کہا: رحمۃ مفعول لہ ہے تقدیر کلام ہے ارسلناہ للرحمۃ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر اس سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے۔ زمخشری نے کہا: أَمْرًا اختصاص کے طور پر منصوب ہے۔ ہر امر کو عظیم بنایا کہ اس کی صفت حکیم سے بنائی پھر اس کی عظمت میں اضافہ کیا اور فخامت عطا کی کہ یہ کہا اس امر سے میری مراد یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جو ہماری جناب سے حاصل ہے یعنی ہماری جناب سے واقع ہوگا اور جس طرح ہمارے علم اور ہماری تدبیر نے تقاضا کیا۔ زید بن علی کی قراءت میں ہے امر من عندنا تقدیر کلام یہ ہوگی ہو امر یہ اس کے اختصاص کی بنا پر منصوب ہونے پر دال ہے۔ حضرت حسن بصری نے رحمۃ پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ہی رحمۃ یہ اس کے مفعول لہ کے طور پر منصوب ہونے کی مدد کرتا ہے۔

---

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 271 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 248

پر دردناک عذاب ہوگا"۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۝ ارتقب کا معنی ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کے ساتھ انتظار کریں جس آسمان پر واضح دھواں ہوگا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ان کی بات کو یاد رکھیے تا کہ جس روز آسمان پر واضح دھواں ہوگا اس روز آپ ان پر گواہی دیں۔ اسی وجہ سے نگہبان کو رقیب کہتے ہیں۔ دخان کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یہ ابھی ظاہر نہیں ہوا یہ زمین میں چالیس روز تک رہے گا جو زمین و آسمان کے درمیانی حصہ کو بھر دے گا۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر زکام ہوتا ہے جہاں تک کافر اور فاجر کا تعلق ہے تو وہ دھواں ان کے ناکوں میں داخل ہوگا اور ان کے کانوں میں سرایت کر دے گا اور ان کی سانسیں تنگ پڑ جائیں گی۔ قیامت کے روز یہ جہنم کے آثار میں سے ہوگا۔ جس نے کہا: یہ دھواں ابھی ظاہر نہیں ہوا وہ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، زید بن علی، حضرت حسن بصری، ابن ابی ملیکہ اور دوسرے علماء ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت نقل کی ہے: "وہ ایسا دھواں ہوگا جو قیامت کے روز لوگوں پر حق سے گردش کر رہا ہوگا (1)۔ مومن اس سے زکام جیسی تکلیف محسوس کرے گا اور کافر پھولنے مارے گا یہاں تک کہ اس کے کانوں سے وہ دھواں نکلے گا"۔ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوالطفیل سے وہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک تشریف لائے جبکہ ہم گفتگو کر رہے تھے۔ پوچھا: "تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ (2)" ہم نے عرض کی: ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا: "قیامت ہرگز برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے قبل دس نشانیاں دیکھو گے اور ان کا ذکر کیا دھواں، دجال، دابہ، مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، تین دفعہ دھنسنا، ایک دھنسنا مشرق میں، ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرہ عرب میں ہوگا ان کے آخر میں آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی"۔

ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ دس نشانیاں ظاہر ہوں گی مشرق میں دھنسنا، مغرب میں دھنسنا، جزیرہ عرب میں ایک دفعہ دھنسنا، دھواں، دجال، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج، سورج کا مغرب سے نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی"۔ اسے ثعلبی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان نشانیوں میں سے پہلی نشانی دجال کا نکلنا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم کا نکلنا، عدن کے نشیبی علاقہ سے آگ کا نکلنا (3) جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 247
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال، صفحہ 472
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 272

آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ قیلولہ کریں گے یہ آگ بھی قیلولہ کرے گی، جہاں وہ صبح کریں گے یہ آگ بھی صبح کرے گی، جہاں لوگ شام کریں گے یہ آگ بھی شام کرے گی"۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! یہ دھواں کیا ہے؟ تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ جو مغرب و مشرق کو بھر دے گا، یہ دھواں چالیس دن اور راتیں رہے گا، جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اسے زکام جیسی تکلیف لاحق ہوگی، جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ نشے والے آدمی کی حالت کی طرح ہوگا، دھواں اس کے منہ، اس کے نتھنوں، اس کی آنکھوں، اس کے کانوں اور اس کی دبر سے نکلے گا" یہ ایک قول ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ دھویں سے مراد وہ بھوک ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قریش کو پہنچی تھی یہاں تک کہ ایک آدمی آسمان اور زمین کے درمیان دھواں دیکھتا؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مصیبت کو دور کر دیا اگر یہ قیامت کے دن ہوتا ان سے اس دھویں کو دور نہ کیا جاتا۔ ان سے یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی میں موجود ہے۔ امام بخاری نے کہا: یحییٰ، ابو معاویہ سے، وہ اعمش سے، وہ مسلم سے، وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا: یہ قحط اس لیے آیا تھا کیونکہ قریش نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر خشک سالی کے مسلط ہونے کی دعا کی انہیں قحط اور مشقت نے آلیا یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں ایک آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنے اور آسمان کے درمیان دھویں جیسی چیز کو دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا کہا: لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے مضر کے لیے بارش کو طلب کیجئے کیونکہ وہ تو ہلاک ہوا جاتے ہیں (1)۔ فرمایا: "مضر کے لیے؟ تو تو بہت جری ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی تو ان پر بارش ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ جب ان کے پاس خوشحالی آئی تو وہ پھر اسی حالت کی طرف لوٹ آئے۔ یہ خوشحالی کی حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ کہا: اس سے مراد غزوہ بدر ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: دخان کا معنی خشک سالی ہے۔ قتیبی نے کہا: زمین کے خشک ہونے کی وجہ سے اسے دھواں کا نام دیا جب وہ زمین سے اٹھتی ہے جس طرح دھواں۔

3۔ اس سے مراد فتح مکہ ہے جب غبار نے آسمان کو چھپا دیا؛ یہ عبدالرحمن اعرج کا قول ہے۔

يَّغْشَى النَّاسَ یہ دخان کی صفت ہے۔ اگر مراد وہ ہے جو ابھی گزرا ہے جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ اہل مکہ کے مشرکوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے تو یہ عام ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں یہ ارشاد فرمائے گا۔ جس نے کہا: دخان (دھواں) گزر چکا ہے تو هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ حال ماضیہ کی حکایت ہے، جس نے اسے آنے والے واقعات میں شمار کیا ہے تو وہ آنے والے حالات کی حکایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هٰذَا یہ ذٰلِكَ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ اس دھویں کے بارے میں کہیں گے: یہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ یغشی الناس ھذا عذاب الیم، جلد 2، صفحہ 714

دردناک عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کے قریب آنے کی خبر ہے جس طرح تو کہتا ہے: ھذا الشتاء فاعدلہ یہ موسم سرما ہے اس کے لیے تیاری کر۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝

"(اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں"۔

وہ عرض کریں گے: ہم سے عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں یعنی اگر تو ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: اگر اللہ تعالیٰ ہم سے اس عذاب کو دور کر دے تو ہم اسلام لے آئیں گے پھر انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں عذاب سے مراد دھواں ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد بھوک ہے: نقاش نے اس کی حکایت بیان کی۔

میں کہتا ہوں: کوئی تناقض نہیں کیونکہ دھواں اس بھوک کی وجہ سے تھا جو انہیں لاحق ہوئی جس طرح یہ بحث گزری ہے بعض اوقات بھوک اور قحط کو بھی دخان کہتے ہیں کیونکہ خشک سالی کی وجہ سے زمین خشک ہوتی ہے اور بارشوں کے کم ہونے کی وجہ سے غبار بلند ہوتا ہے اسی وجہ سے خشک سالی کو غبراء کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہاں عذاب سے مراد برف ہے۔ ماوردی نے کہا: اس کی کوئی توجیہ نہیں کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا یا اہل مکہ کے لیے ہوگا جبکہ مکہ برف باری کا علاقہ نہیں مگر یہ بات کی گئی تو ہم نے اس کا ذکر کر دیا (2)۔

أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝

"ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا: سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے"۔

أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ یعنی ان کے لیے عذاب کے نازل ہونے کے وقت کہاں سے نصیحت ہوگی۔ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ یعنی ایسا رسول جو ان کے لیے حق کو واضح کرتا ہے۔ ذکریٰ اور ذکر ایک ہی چیز ہیں: یہ امام بخاری کا قول ہے (3)۔ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی انہوں نے اعراض کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت حاصل کرنے سے دور کر دیا تو اب وہ کیسے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب کے ظاہر ہونے کے بعد اور قیامت کی نشانیوں کے ظہور کے بعد ان کا قول إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ انہیں کیسے نفع دے گا جبکہ علامات علم بھی بن چکی ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب تو دخان کو ایسی علامت بنائے جس کا انکار کیا جا رہا ہے۔ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ یعنی اسے کسی انسان نے تعلیم دی یا اسے کاہنوں اور شیاطین نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 247
2۔ ایضاً
3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ انی لہم الذکری وقد جاءہم رسول مبین، جلد 2، صفحہ 714

تعلیم دی ہے اس سے بڑھ کر یہ مجنون ہے معلوم نہیں ہے۔

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾

"ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لیے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے"۔

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا یعنی وقتاً قلیلاً۔ وعدہ کیا کہ ان سے وہ عذاب تھوڑے عرصہ کے لیے دور کر لیا جائے گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والے نہیں بلکہ اس عذاب کے دور ہونے کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹ جائیں گے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے جب نبی کریم ﷺ کی بارش کی دعا کرنے کے بعد عذاب دور ہو گیا تو وہ جھٹلانے والے طریقہ کی طرف لوٹ گئے (1)۔ جس نے یہ کہا تھا: دھوئیں کا انتظار کیا جا رہا ہے کہا اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں کے درمیان تھوڑی کچھ سہولت و رخصت دی گئی پھر جس پر کفر کا فیصلہ ہو چکا ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم رہے گا۔ جس نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا اگر ہم تم سے عذاب کو دور کر دیں تو تم کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم ہماری طرف لوٹنے والے ہو، یعنی تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم ایمان نہ لائے تو تم جہنم کی آگ کی طرف لوٹنے والے ہو (2)۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

"جس روز ہم انہیں شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے"۔

يَوْمَ یہ لفظ اس پر محمول ہے جس پر مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾ دلالت کرتا ہے یعنی ہم ان سے انتقام لیں گے۔ بعض نحویوں نے اسے بعید از حقیقت خیال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مابعد ماقبل کی تفسیر بیان نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں مُنتَقِمُونَ ہے یہ قول بھی بعید ہے کیونکہ ان اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسے عَائِدُونَ کے متعلق کرنا بھی اچھا نہیں اور اسی طرح إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ کے متعلق کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ معنی کا اس پر انحصار نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے مضمر ہونے کے ساتھ اسے نصب دی جائے گویا فرمایا: ذکرھم یا اذکر۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم لوٹنے والے ہو۔ جب تم لوٹو گے تو تم سے اس روز انتقام لیا جائے گا جس روز ہم بڑی پکڑ سے پکڑیں گے۔ اسی وجہ سے یہ فرعون کے قصہ کے ساتھ کلام ملی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان سے عذاب دور کر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے پھر وہ ایمان نہ لائے یہاں تک کہ غرق کر دیے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾ یہ مکمل کلام ہے۔ پھر يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾ نئی کلام ہے یعنی ہم تمام کفار سے انتقام لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دھوئیں کا انتظار کرو اور ان کا انتظار کرو جس روز ہم پکڑیں گے تو واؤ عطف کو حذف کیا گیا جس طرح تو کہتا ہے: اتق النار اتق العذاب۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 247
2۔ ایضاً

الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول میں اس سے مراد یوم بدر ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول کیا گیا: قیامت کے روز عذاب جہنم مراد ہے(2)؛ یہ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے؛ اسے زجاج نے پسند کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ دھواں ہے جو دنیا میں واقع ہوگا یا بھوک یا قحط جو قیامت سے پہلے واقع ہوگی۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا ہے کیونکہ دنیا میں یہ پکڑوں میں سے آخری پکڑ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نقمہ اور عقوبہ میں فرق ہے عقوبت معصیت کے بعد ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی عاقبہ میں سے ہے مگر بعض اوقات پہلے ہوا کرتی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقوبت اسے کہتے ہیں جو اندازے سے ہو اور انتقام جو اندازے سے نہیں ہوتا۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾

"اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول"۔

یعنی ہم نے انہیں آزمایا(3)۔ اس فتنہ اور ابتلا کا معنی یہ ہے حاجت کا امر یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کر کے مستحق کا سا معاملہ کیا تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اسے محمد ﷺ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم تیرے دشمنوں کے ساتھ اسی قوم کا معاملہ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کو فتنہ میں ڈالنے کا مطلب ہے ہم نے انہیں غرق کرنے کے ساتھ عذاب میں ڈالا۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آل فرعون کے پاس رسول کریم آئے تو ہم نے انہیں غرق کر دیا کیونکہ فتنہ رسول کے آنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی۔ كَرِيْمٌ کا معنی ہے وہ اپنی قوم میں معزز تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اخلاق میں کریم تھے یعنی درگزر سے کام لیتے تھے(4)۔ فراء نے کہا: وہ اپنے رب کی بارگاہ میں معزز تھے کیونکہ آپ کو نبوت اور کلام سنانے کے لیے مختص کیا گیا۔

اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾

"اس نے فرمایا تھا کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں اور نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں۔ میں لے آیا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل"۔

اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے وہ ان کے پاس آیا اس نے کہا میری اتباع کرو۔ عِبَادَ اللّٰهِ یہ منادیٰ ہے۔ مجاہد نے کہا: اللہ کے بندوں کو میرے ساتھ بھیج دو اور انہیں عذاب سے آزاد کر دو۔ اس تعبیر کی بنا پر عباد اللہ مفعول بہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مجھے اپنی قوت سماعت دو یعنی میری بات سنو یہاں تک کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ان نبطش البطشۃ الکبریٰ، جلد 5، صفحہ 15
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 248
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 2249
4۔ ایضاً

اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ﴿۱۸﴾ یعنی میں وحی پر امین ہوں تم میری نصیحتوں کو قبول کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو میں تم سے لیتا ہوں اس میں امین ہوں میں اس میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔

وَّ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ تم اس پر تکبر نہ کرو اور اس کی طاعت سے اپنے آپ کو بلند نہ جانو۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ پر بغاوت نہ کرو (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کرنے میں سستی نہ کرو۔ بغی اور افتراء میں فرق ہے بغی فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور افتراء قول کے ساتھ ہوتا ہے (2)۔ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ پر عظمت نہ جتاؤ (3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہ کرو (4)۔ تعظیم اور استکبار میں فرق ہے تعظیم سے مراد مقتدر فرد کو بڑا جاننا اور استکبار کا معنی ہے ذلیل کے مرتبہ والی کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

اِنِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۚ۱۹﴾ قتادہ نے کہا: واضح عذر۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: واضح دلیل۔ معنی ایک ہی ہے یعنی واضح دلیل۔

وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّكُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿۫۲۰﴾

''اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کرو''۔

گویا انہوں نے آپ کو قتل کی دھمکی دی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی۔ قتادہ نے کہا: تم پتھروں سے رجم کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مجھے گالیاں دو تو تم کہو یہ تو جادوگر جھوٹا ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے عذت کی ذال کو ظاہر کر کے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔ ادغام تخفیف کو طلب کرنے کے لیے ہے اور اظہار اصل قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: زمانہ گذشتہ میں، میں نے تجھ سے پناہ چاہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا اور فرمایا: فلا یصلون الیکما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اعوذ کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: نشدتک باللہ، اقسمت علیک باللہ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔

وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾

''اور اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ''۔

وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ اگر تم میری تصدیق نہ کرو اور میری دلیل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ لی کا [illegible]۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہاں لام، باء کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ (العنکبوت: 26) یہاں بھی لام باء کے معنی میں ہے۔

فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾ مجھے چھوڑ دو نہ میری طرف داری کرو اور نہ میرے خلاف کسی کی مدد کرو۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم مجھ سے الگ تھلگ ہو جاؤ میں تم سے الگ تھلگ ہو جاتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھ سے اپنی اذیت کو روک دو (5)۔ معنی قریب قریب ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 249　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً
4۔ ایضاً　　5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 71

ان کے پیچھے بھی نہ جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا گیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: رھو کا معنی سکون نہیں بلکہ اس سے مراد دو چیزوں کے درمیان کشادگی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: رھا ما بین الرجلین اس نے اپنی دونوں ٹانگوں کو کھلا کیا۔ عیش راہ خوشحال زندگی۔ افعل ذلك سهوا رهوا اس امر کو نرمی سے تنگی کے بغیر کرو۔ ہم نے اس کا ذکر بھی کیا ہے إِنَّهُمْ یعنی فرعون اور اس کی قوم جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۞ وہ غرق ہونے والے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی گئی تا کہ ان کا دل پرسکون رہے۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا
فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝

"وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات اور بہت سارا ساز و سامان
جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے"۔

کم کثرت بیان کرنے کے لیے ہے۔ سورۂ شعراء میں اس آیت کے معنی کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔ نَعْمَةٍ نون کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی تنعیم ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نعمه الله وناعمه فتنعم اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا تو وہ بھی خوشحال زندگی گزارنے لگا۔ نعمة کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی احسان ہے جو تجھ پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نعمی ہے۔ اگر تو نون کو فتح دے گا تو اسے مد کے ساتھ پڑھے گا تو کہے گا: نعماء۔ نعم اس کی مثل ہے۔ فلان واسع النعمة۔ اس کے پاس وسیع مال ہے؛ یہ سب اقوال جوہری کی صحاح سے منقول ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نَعْمَة سے مراد دریائے نیل ہے(1)۔ ابن لہیعہ نے کہا: فیوم ہے۔ ابن زیاد نے کہا: مصر کی سرزمین ہے جس میں بہت زیادہ منافع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خوشحالی ہے۔ اسے نَعمة اور نِعمة دونوں طرح پڑھا جاتا ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے(2)۔ کہا: دونوں میں فرق کی دو وجوہ ہیں: 1۔ نون کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا اطلاق ملک میں ہوتا ہے اور فتح کے ساتھ ہو تو بدن اور دین میں ہوتا ہے؛ یہ نضر بن شمیل نے کہا ہے۔ 2۔ یہ کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی فضل و احسان کرنا اور عطیہ دینا ہے۔ فتح کے ساتھ ہو تو معنی تنعیم ہے جس سے مراد خوشحال زندگی اور راحت ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ فرق صحاح میں موجود ہے، ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ ابو رجاء، حضرت حسن بصری، ابو اشہب، اعرج، ابو جعفر اور شیبہ نے فكهين پڑھا ہے۔ یہ الف کے بغیر ہے اس کا معنی اترانے والے ہیں۔ جوہری نے کہا: فكه الرجل اس سے اسم فاعل فكه ہے جب وہ اچھے مزاج کا مزاح کرنے والا ہو۔ فكه کا معنی بھی اترانے والا ہے۔ اسے ونعمة كانوا فيها فكهين ان میں اترانے والے ہیں۔ فكهين لطف اندوز ہونے والے خوشحال۔ قشیری نے کہا: اس کا معنی ہے مزاح کرنے والے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: انه لفاكه۔ وہ مزاح کرنے والا ہے۔ فيه فكاهة اس میں مزاح کی حس موجود ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں، جس طرح حاذر اور حذر، فاره اور فره۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فاکه اسے کہتے ہیں جو لذت کی

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 251
2۔ ایضاً

یہ تمثیل اور تخییل کا طریقہ ہے جو رونے میں مبالغہ کے لیے ہے اس کا معنی ہے وہ ہلاک ہوئے تو ان کی مصیبت عظیم ہو گئی تو ان کی شدت کو محسوس کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں اضمار ہے معنی ہے ان پر آسمان اور زمین والے یعنی فرشتے نہیں روئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) بلکہ وہ ان کی ہلاکت سے خوش ہوئے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ یزید رقاشی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی مومن نہیں مگر اس کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور ایک دروازہ ہے جس سے اس کا کلام اور عمل داخل ہوتا ہے۔ جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس کی کمی محسوس کرتے ہیں اور اس پر روتے ہیں" (1)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ یعنی انہوں نے زمین پر کوئی عمل صالح نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر رویا جائے۔ اور آسمان کی طرف بھی ان کا کوئی عمل صالح نہیں چڑھا کہ آسمان اس کے مفقود ہونے پر روئے۔ مجاہد نے کہا: آسمان اور زمین مومن پر چالیس دن تک روتے ہیں۔ ابو یحییٰ نے کہا: میں ان کے قول پر متعجب ہوا مجاہد نے کہا: کیا تو تعجب کا اظہار کرتا ہے زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جو اسے رکوع اور سجود کے ساتھ آباد کرتا تھا اور آسمان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بندے پر نہ روئے جس کی تسبیح اور تکبیر کی وجہ سے اس کی آواز ہوتی تھی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر زمین میں سے اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں سے اس کے عمل کے بلند ہونے کی جگہ روتی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر آیت کی تقدیر یہ ہو گی آسمان میں سے اس کے اعمال کے بلند ہونے کی جگہ اور زمین میں سے اس کی عبادات کی جگہ اس پر روئے؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کے قول کا معنی ہے۔ آسمان اور زمین کے رونے کی تین وجوہ ہیں: 1۔ وہ معروف طریقہ ہے جس طرح حیوان روتا ہے؛ یہ مجاہد کے قول کے مشابہ ہے۔ شریح حضرمی نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسلام شروع ہوا تو بھی یہ تنہا تھا لوگ اسلام لائے اور جس طرح شروع ہوا تھا اسی حالت کی طرف یہ لوٹ جائے گا۔ قیامت کے روز ان تھوڑے سے افراد کے لیے مبارک ہے" (2)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: "وہ وہ لوگ ہیں جب لوگ فساد کا شکار ہو جائیں گے تو وہ سب نیکی کو اپنا لیں گے" پھر فرمایا: "خبردار! اب مومن پر کوئی تنہائی نہیں کوئی مومن تنہائی میں نہیں مرتا جب اس پر رونے والے اس سے غائب ہوتے ہیں تو آسمان اور زمین اس پر روتے ہیں" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ پھر فرمایا: "بے شک یہ دونوں کافر پر نہیں روتے۔"

میں کہتا ہوں: ابو نعیم محمد بن معمر نے کہا: ابو شیبہ حرانی، یحییٰ بن عبد اللہ سے وہ اوزاعی سے وہ حضرت عطا خراسانی سے روایت نقل کرتے ہیں: "کوئی بندہ بھی زمین کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے تو وہ ٹکڑا زمین قیامت کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ دخان، جلد 2، صفحہ 158۔ ایضاً، حدیث نمبر 3177، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان ان الاسلام بدأ غریبا، سیعود غریبا، جلد 1، صفحہ 94

وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ۝

"اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی"۔

وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ۝ قتادہ نے کہا: آیات سے مراد انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دینا، ان کے لیے سمندر کو پھاڑنا، ان پر بادلوں سے سایہ کرنا اور من و سلویٰ کو نازل کرنا ہے(1)۔ یہ خطاب بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عصا اور ید بیضا کا معجزہ ہے۔ یہ فراء کے قول کے مشابہ ہے اور خطاب قوم فرعون کی طرف متوجہ ہوگا۔ ایک تیسرا قول یہ ہے: اس سے مراد وہ برائی ہے جس سے آپ نے ان کو روکا اور وہ بھلائی ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ خطاب ایک ہی ہے دونوں فریقوں کی طرف متوجہ ہوگا یعنی قوم فرعون اور بنی اسرائیل۔ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ میں چار قول ہیں: 1۔ ظاہر نعمت؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا (انفال: 17)

زہیر نے کہا:

فأبلاهما خير البلاء الذي يبلو

وہ نعمت جو وہ کرتا ہے اس میں سے بہترین نعمت ان دونوں پر کی۔ 2۔ شدید عذاب؛ یہ فراء کا قول ہے۔ 3۔ اس آزمائش جس کے ساتھ مومن کافر سے ممتاز ہو جاتا ہے؛ یہ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی قول مروی ہے: خوشحالی اور تنگ دستی کے ساتھ آزمائش، پھر یہ آیت پڑھی: وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً (انبیاء: 35)

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ۝ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

"بے شک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں: نہیں ہے (ہمارے لیے) مگر ہماری (یہی) پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو"۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ۝ وہ ضمیر سے مراد قریش کے کفار ہیں اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى یہ مبتدا اور خبر ہے جس طرح یہ کلام ہے اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ (اعراف: 155) اور یہ کلام ہے اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا (انعام: 29) وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ۝ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اٹھایا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ منشورون کا معنی مبعوثون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار قریش میں سے یہ بات کرنے والا ابو جہل تھا اس نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تو اپنے قول میں سچا ہے تو ہمارے آباء میں سے دو آدمی اٹھا، ان

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 254

آدمی کا گریبان پکڑے اور اسے اپنی طرف کھینچتا کرتا۔ اسے قید خانہ اور پھانسی اور امتحان کی طرف لے جائے۔ عتلت الرجل اعتله، اعتله عتلا۔ جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے رجل معتل۔ شاعر نے گھوڑے کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

نفرعه فرعا ولسنا نعتله

ہم اس گھوڑے کو لگام کھینچ کر روک لیتے ہیں ہم اسے گھسیٹتے نہیں۔ اس میں دو لغتیں ہیں یَعْتِلُه، یَعْتُلُه۔ ابن سکیت نے کہا: کوفیوں اور ابو عمرو نے کہا: فَاعْتِلُوْهُ یعنی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا اور باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ یعنی جہنم کے وسط میں ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾۔ مقاتل نے کہا: مالک فرشتہ جو جہنم کا خازن ہے وہ ابوجہل کے سر پر لوہے کا ایک ہتھوڑا مارے گا تو ابو جہل کا سر دماغ والی جگہ سے پھٹ جائے گا تو اس کا دماغ اس کے جسم پر بہہ جائے گا۔ پھر مالک فرشتہ اس میں کھولتا ہوا پانی انڈیلے گا جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوگی تو وہ پانی اس کے پیٹ میں جا پہنچے گا تو فرشتہ کہے گا: عذاب کا مزا چکھو اس کی مثل ہے: یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ (الحج)

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

''تو چکھو تم بڑے معزز (و مکرم) ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے''۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ ابن انباری نے کہا: عوام نے اِنَّ کے کسرہ پر اتفاق کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اَنَّکَ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کسائی نے اسی طرح پڑھا ہے جس نے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے اس نے ذُقْ پر وقف کیا ہے۔ جس نے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے اس نے ذُقْ پر وقف نہیں کیا کیونکہ معنی ہے تم چکھو کیونکہ تو عزیز و کریم ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ابو جہل کے حق میں آیت نازل ہوئی (1) اس نے کہا تھا: اس وادی میں مجھ سے بڑھ کر قوت والا اور معزز نہیں اسی وجہ سے اسے کہا گیا: ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ عکرمہ نے کہا: نبی کریم ﷺ اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے کہوں اولیٰ لک فاولیٰ۔ ابو جہل نے کہا: تو کس چیز کے ساتھ مجھے دھمکی دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! تو اور تیرا رب طاقت نہیں رکھتے کہ تم میرے ساتھ کچھ معاملہ کرو۔ میں اس وادی کا غالب ترین شخص ہوں اور اپنی قوم کا معزز ترین فرد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر کے دن قتل کر دیا اور اسے ذلیل و رسوا کر دیا اور یہ آیت نازل ہوئی یعنی اسے فرشتہ کہے گا: چکھو تم اپنے گمان کے مطابق معزز و مکرم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ استخفاف، توبیخ، استہزاء، اہانت اور تنقیص کے معنی میں ہے یعنی اسے کہا: تو ذلیل و رسوا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب کو کہا تھا: اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾ (ہود) ایک تاویل کے مطابق وہ اس سے سفیہ و جاہل مراد لیتے۔ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یعنی فرشتے انہیں کہیں گے: یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق تم دنیا میں شک کیا کرتے تھے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 77

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾

"یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغات میں اور (بہتے ہوئے) چشموں میں پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے"۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مستقر اور عذاب کا ذکر کیا تو مومنوں کی مہمانی اور ٹھکانوں کا ذکر کیا۔ نافع اور ابن عامر نے فی مُقام پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی نے کہا: مقام سے مراد مکان ہے اور مقام سے مراد اقامت بھی ہے جس طرح شاعر نے کہا

عفت الدیار محلھا فمقامھا

گھر یعنی اترنے کی جگہیں اور اقامت کی جگہیں ناپید ہو گئے۔

جوہری نے کہا: مقام اور مُقام دونوں میں سے ہر ایک اقامت کے معنی میں ہوتے ہیں بعض اوقات یہ قیام کی جگہ کے لیے بھی لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ جب تو اسے قام یقوم سے مشتق مانے تو یہ مَقام ہوگا اور اگر تو اسے اقام یقیم سے مشتق مانے تو مُقام ہوگا کیونکہ جب فعل غیر ثلاثی ہو تو اسم ظرف کے صیغہ میں میم مضموم ہوگا، کیونکہ یہ فعل رباعی کے مشابہ ہوتا ہے جس طرح دحرج سے مدحرج۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقام کا معنی حاضر ہونے کی جگہ اور مجلس ہے اور مُقام اس سے مکان مراد لینا ممکن ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مصدر ہو اس میں مضاف مقدر ہو یعنی ٹھہرنے کی جگہ۔

أَمِينٍ ﴿٥١﴾ اس میں آفات سے امن ہوتا ہے فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ یہ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ سے بدل ہے۔

يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کیے ہوں گے ان کی مجلس گردش کرے گی جہاں وہ گردش کریں گے۔ سندس سے مراد وہ ریشم ہے جو باریک ہو، استبرق سے مراد وہ ریشم ہے جو موٹا ہو۔ سورۂ کہف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾

"ایسا ہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم حوروں سے"۔

كَذَٰلِكَ امر اسی طرح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ كَذَٰلِكَ پر وقف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جس طرح ہم نے انہیں جنت میں داخل کیا اور ان کے ساتھ معاملہ کیا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اسی طرح ہم نے انہیں عزت دی کہ ان کی شادی حورعین سے کر دی۔ عین کے بارے میں گفتگو سورۂ صافات میں گزر چکی ہے۔ حور کا معنی سفید ہے (1) یہ قتادہ اور عام علماء کا قول ہے۔ یہ حوراء کی جمع ہے۔ حوراء کا معنی سفید ہے، جس کی پنڈلی اس کے کپڑے کے باہر سے دکھائی دے گی اور

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 188

دیکھنے والا اپنا چہرہ اس کے چہرے سے دیکھ لے گا جس طرح آئینہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کی جلد بڑی باریک، چہرہ تروتازہ اور رنگ صاف ہوگا۔ ابن عربی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں بعیس عین ہے۔ ابو بکر انباری نے احمد بن یحییٰ سے، وہ حسین سے، وہ ابو عمار اسدی سے روایت کرتے ہیں کہا: میں نے منصور بن معتمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے حم الدخان میں بعیس عین لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الاولیٰ پڑھا۔ عیس کا معنی سفید ہے اسی وجہ سے سفید اونٹوں کو عیس کہتے ہیں، اس کا واحد بعیر اعیس ہے اور ناقہ عیساء ہے۔ امرؤ القیس نے کہا

یَرُعْنَ اِلٰی صَوْتِیْ اِذَا مَا سَمِعْنَہٗ   کَمَا تَرْعَوِیْ عِیْطٌ اِلٰی صَوْتِ اَعْیَسَا

وہ میری آواز کی طرف لوٹ آتی ہیں جب وہ اسے سنتی ہیں جس طرح جوان اونٹنی اونٹ کی آواز کی طرف لوٹ آتی ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حور کا معنی ہے خوبصورت، روشن، سفید۔ ابن مبارک نے ذکر کیا: ہمیں ابواسحاق نے وہ عمرو بن میمون اودی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: حورعین میں سے عورت ایسی ہوگی جس کی پنڈلی کا گودا، گوشت اور ہڈی اور ستر حلوں کے پیچھے سے دکھائی دے گا جس طرح سرخ شراب سفید شیشے میں دکھائی دیتا ہے۔ مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ آنکھ ان کے حسن، سفیدی اور رنگ کی صفائی میں حیران ہو جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں حور اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں حور ہوگا۔ حور سے مراد آنکھوں میں شدید سیاہی میں انتہائی سفیدی ہے۔ امراۃ حوراء اسے کہتے ہیں جس کی حور واضح ہو یہ جمع کیا جاتا ہے: احورت عینہ احورارا، احور الشئ یعنی وہ شے سفید ہوگئی۔ اصمعی نے کہا: میں نہیں جانتا آنکھوں میں حور کیا ہوتی ہے۔ ابو عمرو نے کہا: حور یہ ہے کہ ساری آنکھ سیاہ ہو جائے جس طرح ہرنوں اور گائیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں کہا: انسانوں میں حور نہیں ہوتا عورتوں کو حورالعین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہرنوں اور گائیوں کے مشابہ ہوتی ہیں۔ عجاج نے کہا

بِاَعْیُنٍ مُحَوَّرَاتٍ حُوْرِ

عین یعنی آنکھیں جو صاف سفید ہوں جس کی سیاہی بھی سخت سیاہ ہو۔ عین، عیناء کی جمع ہے اس سے مراد کھلی بڑی آنکھوں والی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حورعین کا مہر کھجور کی مٹھی اور روٹی کا ٹکڑا ہوگا"(1)۔

حضرت ابو قرصافہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "مسجدوں سے کوڑا کرکٹ کا نکالنا حورعین کا مہر ہے"(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: "مساجد کی جھاڑو دینا حورعین کا مہر ہے"(3)۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے ہم نے کتاب التذکرہ میں اس بارے میں ایک الگ باب باندھا ہے۔ الحمد للہ۔

---

1۔ [illegible] الاعمال الصالحة [illegible]، جلد 2، صفحہ 203   2۔ ایضاً

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، [illegible]، صفحہ 311

ہے تو وہی کا لفظ بطور مجاز ذکر کیا جاتا ہے۔

وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے فَضْلًا یہ مصدر ہے جس کا بدعون عامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل وَوَقٰىهُمْ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فعل مضمر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی اس کلام کا معنی ہے جو اس سے قبل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر فضل و احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں ایسے اعمال کی توفیق دی جن کے باعث وہ جنت میں داخل ہوتے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ یعنی سعادت، عظیم نفع اور عظیم نجات۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے فاز بکذا، یعنی اسے پایا اور اس کے ساتھ کامیاب ہوا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

”پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں“۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ یعنی قرآن ہم نے اسے آپ کی زبان پر نازل کر کے آپ پر اور جو کوئی اسے پڑھے اس پر آسان کر دیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کریں اور اپنے برے اعمال سے رک جائیں اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿﴾ (القمر) اس سورت کا اختتام قرآن کی اتباع پر برانگیختہ کرنے پر کیا ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح سورت کے آغاز میں ہوا اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اور اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿﴾ (القدر) جس طرح پہلے گزر چکا۔ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ میں نے آپ سے ان کے خلاف جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کیجئے جس طرح وہ آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کی جانب سے فتح کا انتظار کیجئے جس طرح وہ اپنے گمان کے مطابق تجھ پر غلبہ پانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جس طرح وہ تیرے بارے میں حادثات کا انتظار کر رہے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے تجھ سے ثواب کا جو وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کرو وہ اس طرح ہیں گویا میں نے ان سے جو عقاب کا وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم قیامت کا انتظار کرو کیونکہ وہ فیصلہ کا دن ہے اگرچہ وہ اس کے وقوع کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ انہیں انتظار کرنے والا بنا دیا گیا ہے کیونکہ ان کا انجام یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ہیں ان کے لیے جو عقل مند ہیں"۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی ان دونوں کی تخلیق میں۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ رزق سے مراد بارش ہے فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ تمام بحث سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔ عام قراءات وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ دونوں میں آیات رفع کے ساتھ ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے دونوں میں تا کے نیچے کسرہ دیا ہے۔ پہلے میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ وہ منصوب ہے وہ ان کا اسم ہے اور اس کی خبر فِي السَّمٰوٰتِ ہے دوسرے لفظ آیات میں کسرہ اس پر عطف کی وجہ سے ہے جو اس میں عامل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ان فی خلقکم وما یبث من دابۃ آیات جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں نصب لفظ آیات کے تکرار کی وجہ سے ہے جب کلام لمبا ہو گیا جس طرح تو کہتا ہے: ضربت زیدا زیدا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس پر محمول کریں گے جس میں ان عامل ہے اس میں فی کو محذوف مقدر مانیں گے۔ تقدیر کلام یہ ہے فی اختلاف اللیل والنھار آیات، فی محذوف ہو گیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ سیبویہ نے اس کے حذف میں یہ شعر پڑھا ہے:

اَكُلَّ امرئٍ تَحْسِبِيْنَ امرأً وَنَارٍ تَوَقَّدُ بِاللَّيْلِ نَارًا(1)

"کیا ہر آدمی کو تو آدمی خیال کرتی ہے اور ہر آگ جو رات کو روشن کی جاتی ہے اسے ضیافت کی آگ شمار کرتی ہے"۔ لفظ کل حذف کر دیا گیا جو نار کی طرف مضاف ہے جو مجرور ہے حذف کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ دو عاملوں پر عطف کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ سیبویہ نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ اخفش اور کوفیوں کی جماعت نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ وَاخْتِلَافِ کا عطف وَفِيْ خَلْقِكُمْ پر ہے پھر فرمایا: وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ تو یہ دو عاملوں پر عطف کا محتاج ہے اور دو عاملوں پر عطف قبیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف عطف عامل کے قائم مقام ہوتے ہیں پس یہ اس کی قوت نہ رکھیں گے کہ دو مختلف عاملوں کے قائم مقام ہو جائیں کیونکہ اگر یہ ناصب اور رافع کے قائم مقام ہو تو یہ ایک ہی عامل میں رفع اور نصب دینے والا ہوگا۔ جہاں تک رفع کی قراءت کا تعلق ہے تو یہ ابتدا اور جس میں ان عامل ہے اس کے محل پر محمول ہوگا جبکہ نحویوں نے اس صورت میں بھی دو عاملوں پر عطف کو لازم کیا ہے، کیونکہ اس نے وَاخْتِلَافِ کا عطف وَفِيْ خَلْقِكُمْ پر کیا ہے اور اٰيٰتٌ کا عطف پہلے لفظ اٰيٰتٌ کے محل پر کیا ہے لیکن لفظ فی کو مکرر مقدر کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماقبل کلام سے اسے قطع کر کے رفع دیا جائے تو اسے مبتدا ہونے کی حیثیت میں اسے رفع دیا جائے گا اور ما قبل اس کی خبر ہوگی اور جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا۔ فراء نے اختلاف اور اٰيٰتٌ دونوں کے رفع کا ذکر کیا ہے اور اختلاف ہی کو آیات بنایا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝

"یہ سب نشانیاں ہیں اللہ کی (قدرت کی) ہم بیان کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ پس وہ کون سی انوکھی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے"۔

1۔ الحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 80

"اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنا یا تھا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا"۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْــٴًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا جس طرح وہ زقوم کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ مکھن اور کھجور کا مجموعہ ہے جہنم کے داروغوں کے بارے میں کہتا: اگر وہ انیس ہیں تو میں اکیلا انہیں کافی ہو جاؤں گا۔ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ مُّهِیْنٌ سے مراد ذلیل و رسوا کرنے والا ہے۔ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ جَهَنَّمُ دنیا میں جس غلبہ میں تھے اور حق سے تکبر کیا کرتے تھے اب ان کے آگے جہنم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ وَّرَآىٕهِمْ جَهَنَّمُ ان کے آگے جہنم ہے۔ اس کی مثل مِنْ وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝ (ابراہیم) یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ شاعر نے کہا:

ألیس ورائی إن تراخت منیتی　　أدب مع الولدان أزحف کالنسر

اگر میری موت موخر ہو جائے تو کیا میرے آگے ایسا وقت نہیں کہ میں بچوں کے ساتھ رینگوں گا اور گدھ کی طرح گھسٹوں گا۔

وَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْــٴًا یعنی مال اور اولاد میں سے کوئی چیز انہیں نفع نہ دے گی۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًا (آل عمران:10) یہاں بھی مراد مال اور اولاد ہے۔ وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ مراد بت ہیں وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا اور تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝

"یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لیے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے"۔

هٰذَا هُدًى یہ مبتدا خبر ہے یعنی قرآن سراپا ہدایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دلائل کا انکار کیا لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝ رجز سے مراد عذاب ہے، یعنی ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (بقرہ:59) رجز سے مراد عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجز سے مراد ناپاک شے ہے جس طرح رجس ہوا کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَ یُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝ (ابراہیم) یعنی گندہ مشروب پینے کی صورت میں ان کے لیے عذاب ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی واقع ہوا ہے ابن محیصن نے رِجز کو ضمہ دیا ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن اور حفص نے اَلِیْمٌ کو مرفوع پڑھا ہے معنی ہے ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو رجز ہے۔ باقی قراء نے اَلِیْمٍ کو مجرور پڑھا ہے یہ رجز کی صفت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں نازل ہوئی جو ان کا معاملہ غزوہ بنی مصطلق میں عبداللہ بن ابی کے ساتھ ہوا تھا(1)۔ یہ سب لوگ ایک چشمہ پر فروکش ہوئے جسے مریسیع کہا جاتا۔ عبداللہ نے اپنا غلام پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے واپس آنے میں دیر کی۔ عبداللہ بن ابی نے پوچھا: کس چیز نے تجھے روکے رکھا؟ اس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب کا غلام کنویں کے منہ پر بیٹھ گیا اس نے کسی کو بھی پانی بھرنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ اس نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور اپنے آقا کا مشکیزہ بھرا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: ہماری اور ان کی مثال ایسے ہی ہے جس طرح کہا گیا ہے: سمن کلبک یاکلک اپنے کتے کو موٹا کرو کہ وہ تمہیں کھا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پہنچی تو آپ نے تلوار لی آپ اس کی طرف جانا چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما دیا۔ یہ عطا کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی: من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ مدینہ کا یہودی جس کو فنحاص کہا جاتا تھا اس نے کہا: محمد ﷺ کا رب محتاج ہو گیا ہے۔ کہا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سنی تو آپ نے تلوار لی اس کی تلاش میں نکلے جبریل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے فرمایا: ان ربک یقول لک قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ حضرت جبریل امین نے بتایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لی ہے اور یہودی کی تلاش میں نکلے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کی تلاش میں آدمی بھیجا جب حضرت عمر آگئے فرمایا: ”اے عمر! اپنی تلوار رکھ دو“ عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تیرا رب کہتا ہے قُل لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ“ عرض کی: کوئی حرج نہیں جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ میرے چہرے پر غضب نہ دیکھیں گے۔

میں کہتا ہوں: مہدوی اور نحاس نے جو ذکر کیا ہے وہ ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: یہ قرظی اور سدی کا قول ہے۔ اسی قول کی بنا پر آیت میں نسخ کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور یہ کہنا کہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے یا غزوہ بنی مصطلق میں نازل ہوئی ہے تو یہ منسوخ نہیں۔ یَغْفِرُوا کا معنی معاف کرنا اور درگزر کرنا ہے۔ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ کا معنی ہے وہ اس کے ثواب کی امید نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور انتقام سے خوف نہیں کھاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجا کا معنی خوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ (نوح) تم اس کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے؟ تم سابقہ امتوں کے عذاب کی مثل سے نہیں ڈرتے۔ ایام سے مراد بڑے واقعات لیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرے گا اور اپنے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بعث (دوبارہ اٹھائے جانے) سے نہیں ڈرتے۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ عام قراءت لیجزی ہے معنی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ جزا دے۔ حمزہ، کسائی اور ابن

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 196

کی نبوت کے منتظر تھے (1)۔ کیا آپ تہامہ سے یثرب کی طرف ہجرت کریں گے اہل یثرب آپ کی مدد کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ سے مراد شرعی احکام ہیں جو حلال و حرام سے واضح ہیں اور معجزات ہیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے ان میں سے بعض ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر کیا (2)؛ یہ مقاتل نے بیان کیا۔ یہ قول بھی کیا گیا ہے: اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے جس کے بعد انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔

بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کرنے کی بنا پر (3)؛ یہ معنی ضحاک نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَغْیًا کا معنی ہے بعض بعض پر بغاوت کرتے ہیں اور فضل و سرداری کو طلب کرتے ہیں اور انہوں نے انبیاء کو قتل کیا اسی طرح تیرے زمانے کے مشرک ہیں جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نبوت لے آئے لیکن انہوں نے بینات سے اعراض کیا کیونکہ وہ ریاست میں باہم مقابلہ کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ تیرا رب ان کو حکم دیتا ہے اور ان کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۝ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔

**ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۝**

"پھر ہم نے مقرر کردیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ لغت میں شریعت سے مراد مذہب اور ملت ہے۔ پانی کے گھاٹ کو شریعہ کہتے ہیں اسی سے لفظ شارع ہے کیونکہ یہ مقصود کی طرف جانے کا راستہ ہے شریعت اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین شروع کیا ہوتا ہے۔ اس کی جمع شرائع ہے۔ دین میں شرائع سے مراد وہ مذاہب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے شروع کیے ہوتے ہیں۔ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ کا معنی ہے یعنی دین کے معاملہ میں واضح منہاج جو تجھے حق کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَلٰى شَرِیْعَةٍ کا معنی ہے دین کے معاملہ میں ہدایت پر۔ قتادہ نے کہا: شریعت سے مراد امر، نہی، حدود اور فرائض ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی بینہ ہے کیونکہ یہ حق کی طرف واضح راستہ ہے۔ کلبی نے کہا: مراد راستہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے انبیاء کے راستہ پر چلا جاتا ہے (4)۔ ابن زید نے کہا: مراد دین ہے کیونکہ یہ نجات کا راستہ ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: امر کا لفظ لغت میں دو معنوں میں وارد ہوا ہے: 1۔ یہ شان کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ۝ (ہود) 2۔ کلام کی دو قسم ہے جو نہی کے مقابل ہوتی ہے دونوں معانی کو یہاں مراد لینا صحیح ہے تقدیر کلام یہ ہوگی پھر ہم نے تجھے دین کے طریقہ پر

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 263 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 264 | 4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً

چلا، یہ ملت اسلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (النحل)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توحید، مکارم اخلاق اور مصالح میں شرائع میں کوئی فرق نہیں رکھا فرعی مسائل میں فرق کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم بعید تھا جانتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ابن عربی نے کہا: جو لوگ علوم میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں ہماری شریعتیں نہیں کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کو شریعت میں خاص کیا ہے۔ ہم اس بات کا تو انکار نہیں کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت شریعت میں منفرد ہے اختلاف اس امر میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماقبل شریعتوں کے بارے میں مدح اور ثنا کے انداز میں خبر دی ہے کیا اس کی اتباع لازم ہے یا نہیں؟۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی مشرکوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش نے آپ کو اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

"یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے، بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے"۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اگر آپ ان کی خواہشات کی اتباع کریں تو وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دور نہیں کریں گے۔

وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ظالم ایک دوسرے کے دوست، مددگار اور احباب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے منافق یہودیوں کے دوست ہیں۔

وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ متقین کا مددگار ہے۔ یہاں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

"یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لیے اور (باعث) ہدایت و رحمت ہے ان کے لیے جو یقین رکھتے ہیں"۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ یہ کلام مبتدا اور خبر ہے یعنی یہ چیز جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ حدود اور احکام میں لوگوں کے لیے دلائل

دلائل اور علم سے کامل ہیں۔ اسے هٰذَا بَصَآئِرُ پڑھا گیا ہے یعنی یہ آیات بصائر ہیں۔ وَهُدًى یعنی راہنمائی اور طریقہ ہیں جو اس آدمی کو جنت کی طرف لے جاتا ہے جو بھی اسے اپناتا ہے وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (1) اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے آخرت میں رحمت ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

"کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا، بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ یعنی جنہوں نے برائیاں کیں۔ اجتراح کا معنی کمانا ہے، اسی سے جوارح کا لفظ ہے اس کی وضاحت سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کلبی نے کہا: الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا سے مراد عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے (1) اور ولید بن عتبہ ہے۔ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث ہیں جب انہوں نے ان کو بدر کے روز دعوت مبارزت دی اور انہیں قتل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مشرکوں کی ایک جماعت کے بارے میں آیت نازل ہوئی انہوں نے کہا تھا: آخرت میں انہیں مومنوں کے مقابلہ میں بہتر دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کے بارے میں بتایا۔

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (فصلت: 50) اَمْ حَسِبَ یہ استفہام ہے یہ کلام معطوف ہے اس کا معنی انکار ہے اہل عرب عطف کے بغیر بھی اسے جائز سمجھتے ہیں جب وہ خطاب کے وسط میں ہو۔ ایک قوم کہتی ہے: اس میں اضمار ہے یعنی اللہ تعالیٰ متقین کا ولی ہے کیا مشرک یہ جانتے ہیں: ان کا گمان ہے کہ ہم ان کے درمیان برابری کریں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام منقطعہ ہے اس میں ہمزہ کا معنی حسبان کا انکار ہے۔ عام قراء کی قراءت سَوَآءٌ رفع کے ساتھ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر مقدم ہے تقدیر کلام یہ ہے محیاھم ومماتھم سواء۔ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ میں ضمیر کفار کی طرف لوٹے گی یعنی ان کی زندگی بری زندگی ہے اور ان کی موت بھی اسی طرح ہے۔ حمزہ، کسائی اور اعمش نے سَوَآءً نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے اس کا معنی ہے ہم اسے برابر بنا دیں گے۔ اعمش اور عیسیٰ بن عمر نے مَمَاتَهُمْ نصب کے ساتھ پڑھا ہے، معنی ہوگا وہ اپنی زندگی اور موت میں برابر ہیں جب حرف جار فی محیاھم و مماتھم میں سے ساقط کر دیا تو وہ منصوب ہو گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ یہ نَّجْعَلَهُمْ کی ہم ضمیر سے بدل ہوں، معنی ہوگا کیا ہم ان کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے جس طرح مومنوں کی زندگی اور موت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ کی ضمیر کفار اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 264

تو پہلے پتھر کو پھینک دیتا اور دوسرے کی عبادت شروع کر دیتا۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حارث بن قیس سہمی کے بارے میں نازل ہوئی جو مذاق اڑانے والوں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ اس کی پوجا کرتا جس کی خواہش کرتا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: انہوں نے پتھر کی عبادت کی کیونکہ بیت اللہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جو اپنی خواہش اور اپنے معبود کی پیروی کرتا ہے۔ اس کلام سے مقصود ذوی العقول کی اس جہالت پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے کیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ شعبی نے کہا: خواہش کو ھوی کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ خواہش کرنے والے کو آگ میں پھینک دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ھوی کا ذکر نہیں کیا مگر اس کی مذمت کی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اعراف: 176) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (کہف) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (الروم: 28) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (قصص: 50) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص: 26)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: ”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جس پیغام حق کو میں لایا ہوں“ (1)۔

حضرت ابو امامہ نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”آسمان کے نیچے کسی معبود کی عبادت نہیں کی گئی جو خواہش نفس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہو“۔ حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والفاجر من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله (2)۔ دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع کیا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا اور فاجر وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے تابع کیا اور اللہ تعالیٰ پر تمنا کی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تو ایسا بخل دیکھے جس کی اتباع کی جاتی ہو، خواہش کی پیروی کی جاتی ہو، دنیا کو ترجیح دی جاتی ہو، ہر رائے والا اپنی رائے پر خوش ہوتا ہے تو تجھے اپنی ذات کی فکر کرنی چاہیے اور تجھے عام لوگوں کے معاملات کو چھوڑ دینا چاہیے“ (3)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ثلاث مهلكات وثلاث منجيات فالمهلكات شح مطاع وهوى متبع وإعجاب المرء بنفسه والمنجيات خشية الله في السر والعلانية والقصد في الغنى والفقر والعدل في الرضا والغضب (4) تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔ ایسا بخل

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ 30
2۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر الموت والاستعداد لہ، جلد 2، صفحہ 324
3۔ سنن ابی داؤد، باب قولہ تعالیٰ یایھا الذین آمنوا، جلد 2، صفحہ 289
4۔ کنز العمال، جلد 16، صفحہ 45، حدیث نمبر 43868

جس کی اطاعت کی جائے، اسکی خواہش جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے آپ پر خوش ہونا۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں: مخفی اور ظاہر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غنا اور فقر میں میانہ روی اختیار کرنا اور رضامندی اور ناراضگی میں عدل کرنا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ایک آدمی صبح کرتا ہے تو اس کی خواہش، اس کا عمل اور اس کا علم اکٹھے ہوتے ہیں اگر اس کا عمل اس کی خواہش کے تابع ہو تو اس کا دن برا دن ہوتا ہے۔ اگر اس کا عمل اس کے علم کے تابع ہوتا ہے تو اس کا دن صالح دن ہوتا ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا:

إن الهوان هو الهوى قلب اسمه فإذا هويت فقد لقيت هوانا

ذلت ہی خواہش ہے اس کا نام الٹ دیا گیا ہے جب تو خواہش کرے تو تو نے ذلت کو پا لیا

ابن مقفع سے ھویٰ کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا: ھوان کا نون چرا لیا گیا تھا شاعر نے اسے لیا اور اسے شعر میں نظم کیا اور کہا

نون الهوان من الهوى مسروقة فإذا هويت فقد لقيت هوانا

ھوان کا نون ھویٰ سے چرایا گیا ہے جب تو خواہش کرے گا تو تو نے ذلت کو پا لیا۔ اور ایک شاعر نے کہا:

إن الهوى لهو الهوان بعينه فإذا هويت كسبت هوانا

وإذا هويت فقد تعبدك الهوى فاخضع لحبك كائنا من كانا

بے شک ھواء بعینہٖ ھوان ہے جب تو نے خواہش کی تو تو نے ذلت کو کما لیا۔

جب تو نے خواہش کی تو خواہش نے تجھے اپنا غلام بنا لیا اپنی محبت کو پست رکھ وہ جس سے بھی ہو۔

عبداللہ بن مبارک کے اشعار ہیں:

ومن البلايا للبلاء علامة ألا يرى لك عن هواك نزوع

العبد عبد النفس في شهواتها والحر يشبع تارة ويجوع

آزمائشیں آزمائشوں کی علامت ہوتی ہیں کیا تیرے لیے تیری خواہش سے میلان دکھائی نہیں دیتا۔ بندہ اپنی خواہشات میں نفس کا غلام ہوتا ہے شریف آدمی کبھی سیر ہوتا ہے اور کبھی بھوکا رہتا ہے۔

ابن درید کے اشعار ہیں:

إذا طالبتك النفس يوما بشهوة وكان إليها للخلاف طريق

فدعها وخالف ما هويت فإنما هواك عدو والخلاف صديق

جب نفس کسی روز تجھ سے کسی خواہش کا مطالبہ کرے جبکہ اس سے اختلاف کا طریقہ ہو اسے چھوڑ دو اور جو تو نے خواہش کی ہے اس کی مخالفت کر بے شک تیری خواہش دشمن ہے اور اس سے اختلاف کرنا درست ہے۔

ابو عبید طوسی کا شعر ہے۔

والنفس إن أطمعتها صارت فاغرة نحو هواها فاها

اگر تو نفس کو اس کی مرضی دے گا کرے گا نفس اپنی خواہش کی طرف اپنا منہ کھولے ہوئے ہے۔

احمد بن ابی حواری نے کہا: میں ایک راہب کے پاس سے گزرا تو میں نے اسے نحیف و نزار پایا، میں نے اسے کہا: تو کمزور ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کتنے عرصہ سے؟ اس نے کہا: جب سے میں نے اپنے نفس کو پہچانا ہے۔ میں نے کہا: تو اس کی دوا کرتا ہے؟ اس نے کہا: دوا نے مجھے تھکا دیا ہے اور میں نے بی کو عزم کیا ہے۔ میں نے کہا: کیا ہے؟ اس نے کہا: خواہش نفس کی مخالفت۔ سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: تیری خواہش تیری بیماری ہے اگر تو اس کی مخالفت کرے تو تیری دوا ہی ہے۔ وہب نے کہا: جب تجھے دو امور میں شک ہو اور تو ان میں سے بہترین کو نہ جانتا ہو تو ان دونوں میں سے تیری خواہش سے جو زیادہ دور ہے اس کو دیکھو اور اس پر عمل کرو۔

اس باب یعنی خواہش نفس کی مخالفت اور اس کی مذمت میں مستقل کتابیں اور کتابوں کے ابواب ہیں ان میں سے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ (نازعات)

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ یعنی علم جو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں رکھتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے ثواب سے محروم رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ اس کا مستحق نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا (1)۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ کو اس کے بارے میں علم تھا کہ وہ گمراہ ہے (2)۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بت پرست کے بارے میں اسے علم تھا کہ یہ عمل اسے نہ نفع دے گا اور نہ نقصان دے گا۔ پھر کہا گیا: عَلٰى عِلْمٍ کے بارے میں جو کہا ہے کہ فاعل سے حال ہو معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول سے حال ہو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں کہ کافر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ گمراہ ہے۔

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ اس کے کان پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ وعظ کو نہیں سنتا (3)، اس کے دل پر مہر لگا دی یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں سمجھتا۔

وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً یعنی پردہ ڈال دیا یہاں تک کہ وہ ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ حمزہ اور کسائی نے کہا: غشوۃ الف کے بغیر غین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۃ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ شاعر نے کہا:

أما والذي أنا عبد له يمينا وما لك أبدي اليمينا

لئن كنت ألبستني غشوة لقد كنت أصفيتك الود حينا

محل استدلال ألبستني غشوة ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 265　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ جب اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے تو کون اسے ہدایت دے گا۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور تم نہیں پہچانتے کہ وہ ہر چاہت پر قادر ہے۔

یہ آیت قدریہ اور امامیہ کے اور جو بھی ان کی راہ چلا اس کا رد کرتی ہے کیونکہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ انہیں ہدایت سے روک دیا گیا ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ یہ ان کے احوال کے بارے میں خبر کے طریقہ پر کلام جاری کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے خلاف دعا کے طریقہ پر کلام ذکر کی گئی ہے جس طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں کلام گزری ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حارث بن قیس غیطلہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ نقاش نے کہا: یہ آیت حارث بن نوفل بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس نے ایک روز بیت اللہ شریف کا طواف کیا جبکہ اس کے ساتھ ولید بن مغیرہ تھا دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی ابو جہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: رک جاؤ کس چیز نے تجھے اس پر آگاہ کیا؟ اس نے کہا: اے ابو عبد شمس! ہم بچپن میں اسے صادق و امین کہتے تھے جب اس کی عقل کامل ہوئی اور وہ اپنے کمال کو پہنچ گئی تو ہم اسے کذاب و خائن کہتے ہیں، اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ وہ صادق ہیں۔ ولید نے پوچھا: تجھے کون سی چیز روکتی ہے کہ تو اس کی تصدیق کرے اور اس پر ایمان لائے؟ ابو جہل نے کہا: میرے بارے میں قریش کی بچیاں باتیں کریں گی کہ میں نے ابو طالب کے ہاں پرورش پانے والے یتیم کی پیروی کی ہے۔ لات و عزیٰ کی قسم! میں کبھی بھی اس کی پیروی نہیں کروں گا۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝

"اور وہ کہتے ہیں نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر زمانہ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض ظن (و تخمین) سے کام لے رہے ہیں"۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا یہ ان کی جانب سے دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلانا اور آخرت کا ابطال ہے۔ نَمُوْتُ وَنَحْيَا کا معنی ہے ہم مریں گے اور ہماری اولادیں زندہ رہیں گی (1)۔ یہ کلبی کا قول ہے اسے نُحْيَا بھی پڑھا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے بعض مریں گے اور ہم میں سے بعض زندہ ہوں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم زندہ ہوں گے اور ہم مریں گے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ مجاہد نے کہا: اس سے مراد سال اور دن ہیں (3)۔ قتادہ نے کہا: مراد عمر ہے (4)۔ معنی ایک ہی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 266 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً

ہے۔ اسے الا دھر یمر بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن عیینہ نے کہا: دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے اور وہی زندہ کرتا ہے اور ہمیں مارتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ قطرب نے کہا: معنی ہے ہمیں موت ہی ہلاک کرتی ہے اور ابو ذؤیب کا قول پڑھا۔

أمن المنون وريبها تتوجع والدهر ليس بمعتب من يجزع

کیا تم موتوں اور ان کے حادثات سے دکھی ہوتے ہو جو آدمی جزع فزع کرتا ہے زمانہ اس پر عتاب نہیں کرتا۔

عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: "دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر رات اور دن اور وہی ہمیں ہلاک کرتا ہے ہمیں موت دیتا ہے اور ہمیں زندہ کرتا ہے پس وہ زمانہ کو گالیاں دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وأنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار (1)۔ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے وہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے میں دہر ہوں اور میرے قبضہ قدرت میں امر ہے میں رات اور دن کو پھیرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس کا قول قال اللہ الی آخرہ بخاری کی نص اور اس کے الفاظ ہیں۔ امام مسلم نے بھی اسے نقل کیا ہے سنن ابو داؤد میں بھی یہ روایت ہے۔ موطا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا يقولن أحدكم يا خيبة الدهر فإن الله هو الدهر (2)۔ تم میں سے کوئی ایک یہ نہ کہے: ہائے زمانہ کی بربادی، بے شک اللہ ہی زمانہ ہے۔ جس نے یہ کہا کہ دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور کہا: علماء کی رائے ہے جنہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا اسم قرار نہیں دیا اس نے اسے دور جاہلیت میں عربوں کا جو انداز کلام تھا اس کا رد بنایا ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دہر ہی حقیقت میں فاعل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے آیت میں ان کے بارے میں بتایا ہے جب انہیں کوئی مصیبت، ظلم یا ناپسندیدہ چیز پہنچتی تو اسے دہر کی طرف منسوب کرتے تو انہیں یہ کہا گیا: تم زمانہ کو گالیاں نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے (3)، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کو بجا لانے والا ہے جن کو تم زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو گالی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتی ہے تو انہیں اس امر سے روک دیا گیا۔ اس نے جو ذکر کیا ہے اس کی صحت پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے (4)"

جس نے کہا بہت اچھا کہا اور وہ ابو علی ثقفی ہے:

يا عاتب الدهر إذا نابه لا تلم الدهر على غدره

الدهر مأمور له آمر و ينتهي الدهر إلى أمره

كم كافر أمواله جمة تزداد أضعافا على كفره

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ وما یہلکنا الا الدہر، جلد 2، صفحہ 715

2۔ صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرہا، باب النہی عن سب الدہر، جلد 2، صفحہ 237

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

ومؤمن ليس له درهم يزداد إيمانا على فقره

اے زمانہ کو عیب لگانے والے جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے زمانہ کی جانب سے اور وہ زمانہ کو برا کہنے پر اسے ملامت نہ کر زمانہ تو مامور ہے اس کا ایک آمر ہے زمانہ اس کے امر پر مسخر ہو جائے گا۔ کتنے ہی کافر ہیں جن کے اموال بے شمار ہیں ان کے کفر کے باوجود ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک مومن ہے اس کے پاس کوئی درہم نہیں اس کے فقر کے باوجود اس کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اکثر زمانہ کا ذکر کرتے تو ان کے والد نے انہیں اس بات سے منع کیا فرمایا: اے بیٹے! زمانہ کے ذکر سے بچ اور یہ شعر پڑھا:

فما الدهر بالجاني لشيء لحينه ... ولا جالب البلوى فلا تشتم الدهرا

ولكن متى ما يبعث الله باعثا ... على معشر يجعل مياسيرهم عسرا

زمانہ کسی شے پر آزمائش کے ساتھ جنایت کرنے والا نہیں اور نہ ہی مصیبت لانے والا ہے پس تو زمانہ کو گالیاں نہ دے مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قبیلہ پر کوئی مصیبت بھیجتا ہے تو ان کی خوشحالیوں کو تنگدستی بنا دیتا ہے۔

ابو عبید نے کہا: میں نے ایک شخص سے مذاکرہ کیا اس نے کہا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کہتا ہے: اعاذنا اللہ من عوادی الدہر میں نے کہا: کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زمانہ کی باتوں میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہو بلکہ وہ کہتے جس طرح اعشیٰ نے کہا:

إن محلا وإن مرتحلا ... وإن في السفر إذ مضوا مهلا

استأثر الله بالوفاء وبالحمد ... وولى الملامة الرجلا

بے شک سفر پر جانے والوں کا ایک محل ہے اور کوچ کرنے کی جگہ ہے اور اس میں آرام و راحت ہے جب وہ چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وفا اور عدل کو چن لیا ہے اور ملامت کو انسان کی طرف پھیر دیا ہے۔

ابو عبید نے کہا: اور حادثات کو اس کی طرف منسوب کیا۔ عمرو بن قمیئہ نے کہا:

رمتني بنات الدهر من حيث لا أرى ... فكيف بمن يرمى وليس برام

فلو أنها نبل إذا لاتقيتها ... ولكنني أرمى بغير سهام

على الراحتين مرة وعلى العصا ... أنوء ثلاثا بعدهن قيامي

مجھے حادثات زمانہ تیر مارتے ہیں جہاں سے میں دیکھتا نہیں اس آدمی کا کیا حال ہو گا جس پر تیر مارا جائے اور وہ خود تیر مارنے والا نہ ہو اگر وہ تیر ہوتا تو میں اس سے بچ جاتا لیکن مجھے تو تیر کے بغیر مارا جاتا ہے۔ ایک دفعہ دونوں ہتھیلیوں پر اور تیسری دفعہ عصا کے سہارے اٹھتا ہوں اس کے بعد میرا کھڑا ہونا ہوتا ہے۔

اس کی مثل اشعار میں بہت زیادہ ذکر ہے شعراء حادثات کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی فاعل حقیقی ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یہاں مِن زائدہ ہے یعنی انہوں نے جو کچھ کہا شک کرتے ہوئے کہا۔

إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ یعنی وہ ظن کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو بعث میں شک کرتے ہیں اور قطعی طور پر انکار نہیں کرتے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے ان کے لیے قیامت کا انکار تو ممکن نہیں وہ تاویل کرتے ہیں اور قیامت سے مراد بدن کی موت لیتے ہیں اور ثواب و عقاب ایسے خیالات دیکھتے ہیں جو ان کے گمان کے مطابق روحوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا شر تمام کفار کے شر سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ لوگ حق پر ملمع سازی کرتے ہیں اور ان کی ظاہری تلبیس سے دھوکہ کھایا جاتا ہے۔ وہ مشرک جو اعلانیہ شرک کرتا ہے مسلمان اس سے احتیاط کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم مرتے ہیں اور ہمارے آثار زندہ رہتے ہیں۔ یہ اچھے ذکر کے ساتھ زندگی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے تناسخ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح مردوں میں رکھ دی جاتی ہے تو وہ اس کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

"اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے: اللہ نے زندہ فرمایا ہے تمہیں پھر وہ مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں اس روز قیامت جس میں ذرا شک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے"۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ جب ان مشرکوں پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو بعث کے جواز میں نازل ہوئی ہیں تو ان کے پاس رد کرنے کے کوئی دلائل نہیں۔

مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا، حُجَّتَهُمْ یہ کان کی خبر ہے اور اسم إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا ہے یعنی ہمارے مردہ آباء کو لے آؤ جن سے ہم اس بارے میں سوال کریں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول رد کر دیا قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ بعد اس کے کہ تم مردہ نطفے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کر دیا ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں قیامت کے روز جمع کرے گا جس طرح اس نے تمہیں دنیا میں زندہ کیا۔ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔

زمخشری نے کہا: اگر تو کہے ان کے قول کو کیوں حجت قرار دیا گیا جبکہ وہ حجت نہیں؟ میں کہوں گا: انہوں نے اس کے ساتھ اسی طرح دلیل پکڑی جس طرح استدلال کرنے والا اپنی دلیل سے استدلال کرتا ہے (1)۔ انہوں نے اسے دلیل کے انداز میں

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 291

ذکر کیا تو بطور استہزا اسے حجت کا نام دیا گیا یا ان کے گمان اور اندازے کے مطابق وہ حجت تھی یا یہ اس اسلوب میں کلام ہے

تَحِیَّةُ بَیْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِیْعٌ ان کا باہم سلام تکلیف دہ مار ہے۔

گویا کہا گیا: ان کی حجت نہیں تھی مگر جو حجت نہیں تھی۔ مراد یہ ہے اس امر کی نفی کی جائے کہ ان کی کوئی حجت ہو۔

اگر تو یہ کہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ان کے قول ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ کا جواب ہے۔ میں اس کا جواب دوں گا: جب انہوں نے بعث کا انکار کیا، رسولوں کی تکذیب کی اور انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے یہ خاموش کرنے والا قول ہے تو ان پر بطریق دلیل الزامی اس چیز کو لازم کیا جائے گا جس کے وہ اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر وہی انہیں مارے گا۔ اس دلیل الزامی کے ساتھ اس دلیل الزامی کو ملا دیا جائے گا جو اس اقرار کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے وہ قیامت کے روز انہیں جمع کرتا ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں اور حق کے داعی کی طرف توجہ کریں جو ذات اس امر پر قادر ہے وہ ان کے آباء کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے یہ امر اس پر زیادہ آسان ہے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ۝

"اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست۔"

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ خلقت اور ملک کے اعتبار سے یہ اللہ کے لیے ہیں۔ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ۝ پہلا یوم یَخْسَرُ کی وجہ سے منصوب ہے اور یَوْمَىِٕذٍ تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے یا یہ بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تقدیر کلام یہ ہے وله الملك يوم تقوم الساعة، یومئذ میں عامل یخسر ہے۔ یخسر کا مفعول محذوف ہے معنی ہے وہ جنت میں اپنی منازل کے بارے میں خسارے میں ہوں گے۔

وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

"اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا، ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔"

وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً اس دن کی ہولناکی کے باعث تو ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھے گا۔ یہاں امت سے مراد ہر ملت والے ہیں۔ جاثیہ میں پانچ تاویلیں ہیں:

1۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی مستوفزہ ہے [1]۔ سفیان نے کہا: مستوفز اسے کہتے ہیں جس کے گھٹنے زمین پر اس کے دونوں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 267

گھٹنے اور اس کے پوروں کے اطراف لگتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ حساب کے موقع پر ہوتا ہے۔ 2۔ مجتمع: یہ حضرت ابن عباس، ابن جبیر نے قول کیا ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے تو ہر دین والے کو مجتمع دیکھے گا۔ 3۔ ممیزہ، الگ الگ: یہ عکرمہ نے قول کیا ہے۔ 4۔ جھکا ہوا، یہ قریش کی لغت ہے: یہ مورج کا قول ہے۔ 5۔ گھٹنوں پر بیٹھنے والا: یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ جثا سے مراد گھٹنوں پر بیٹھنا ہے۔ جثا علی رکبتیہ یجثو ویجثی جثوا وجثیا۔ دونوں میں فعول کا وزن ہے۔ سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جثوۃ کا اصل معنی ہر شے کی جماعت ہے۔ طرفہ دو قبروں کی صفت بیان کرتا ہے:

ترى جثوتين من تراب عليهما ... صفائح صم من صفيح منضد

تو مٹی کی دو قبریں دیکھے گا جن پر چپٹے مضبوط پتھر ہیں جو ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔

پھر یہ کہا گیا ہے: یہ کفار کے ساتھ خاص ہے: یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر اور مومن دونوں کو عام ہے وجہ حساب کا انتظار ہے۔ سفیان بن عیینہ نے عمرو سے وہ عبداللہ بن باباہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کہا: "گویا میں تمہیں کوچی جگہوں پر جہنم سے پہلے گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھتا ہوں"۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: قیامت کے دن ایک گھڑی ہے جو دس سال کے برابر ہوگی لوگ اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: آج میں تجھے اپنی ذات کے سوا کسی کے لیے سوال نہیں کرتا۔

كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا یحییٰ بن سلام نے کہا: کتاب سے مراد حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ کتاب ہے جس میں اس کے اچھے اور برے اعمال لکھے جاتے تھے: یہ مقاتل کا قول ہے۔ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کتابہا سے مراد وہ کتاب ہے جس پر فرشتے لکھتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتابہا سے مراد وہ کتاب ہے جو اس امت پر نازل کی گئی تا کہ یہ دیکھا جائے کہ کیا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے (2)۔ یعقوب حضرمی نے کہا: كُلَّ أُمَّةٍ منصوب ہے کیونکہ یہ پہلے کل سے بدل ہے کیونکہ دوسرے کل میں وضاحت ہے جو پہلے میں نہیں ہے، کیونکہ پہلے جثو میں جثو کی حالت کی کوئی وضاحت نہیں جس طرح دوسرے جثو میں اس سبب کا ذکر ہے جو اس کا داعی ہے وہ اس امت کو اس کی کتاب کی طرف دعوت دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منصوب ہے اس میں عامل ترٰی ہے جو مضمر ہے اور رفع مبتدا ہونے کی بنا پر ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ جو اچھا یا برا عمل کرتے تھے۔ اس کی آج تمہیں جزا دی جائے گی۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ، ہم لکھوا لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے"۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 267
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 268

هٰذَا كِتٰبُنَا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان سے لیے قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ فرشتوں کا قول ہے۔

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یعنی وہ گواہی دیتا ہے۔ یہ استعارہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نطق الکتاب بکذا یعنی کتاب نے اس کی وضاحت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کتاب کو پڑھیں گے تو کتاب انہیں ان کے اعمال یاد دلائے گی، تو یاد دہانی سے کلام کرنے کی طرح ہوگی، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَقُولُونَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا (کہف:49) مومن کے بارے میں ہے: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (مومنون:62) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

يَنْطِقُ یہ الکتاب سے حال ہے یا ھٰذا سے حال ہے یا ھٰذا کی دوسری خبر ہے یا كِتٰبُنَا ھٰذا سے بدل ہے اور يَنْطِقُ خبر ہے۔

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ یعنی تم جو عمل کرتے تھے ہم اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں وہ ہر روز کسی چیز کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جس میں وہ انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ لکھنا اصل کتاب سے ہوگا (1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: محافظ فرشتوں نے بندوں جو کام اسے لکھا کرتے تھے کیونکہ محافظ فرشتے ان کے صحیفے اس کی طرف بلند کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: محافظ بندوں کے جو اعمال لکھتے ہیں ہر روز انہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں پھر جب وہ اپنے مکان کی طرف لوٹتے ہیں تو ان سے نیکیاں اور برائیاں نقل کی جاتی ہیں۔ مباحات کو دوسرے نسخے کی طرف منتقل نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے جب بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں تو وہ حکم دیتا ہے جن اعمال پر ثواب و عقاب ہے انہیں ان سے نقل کر لیا جائے اور جن پر ثواب و عقاب نہیں ہوتا وہ ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

"پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہی وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (ان کا) انکار کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے"۔

فِيْ رَحْمَتِهٖ سے مراد جنت ہے۔ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ یعنی انہیں یہ بات کہی جائے گی، یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔ فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے اس کو قبول کرنے سے تکبر کیا۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ تم مشرک قوم ہو، تم گناہوں کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ کہا

1۔ تفسیر طبری، جز 25، صفحہ 182

# سورۃ الاحقاف

آیاتہا 35 | 46 سورۃ الاحقاف مکیۃ 66 | رکوعاتہا 4

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی چونتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی پینتیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝

"حا۔میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقررہ تک، اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں"۔

اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد قیامت ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے یہ وہ مدت ہے جس پر آسمان اور زمین ختم ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وقت ہے(2) جو ہر مخلوق کے لیے مقدر ہے۔ عَمَّآ اُنْذِرُوْا جس سے انہیں ڈرایا گیا۔ مُعْرِضُوْنَ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں، غفلت کا اظہار کرنے والے ہیں وہ اس کے لیے تیاری کرنے والے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مصدریہ ہو معنی ہوگا انہیں اس دن کے ڈرانے سے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"فرمائیے: اے کفار! کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے، لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اور اللہ تعالیٰ کے جن شریکوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ مَاذَا خَلَقُوْا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 271
2۔ ایضاً

جیسا طالب کا ارادہ ہوگا (1)۔

میں کہتا ہوں: جو قول اس نے اختیار کیا ہے وہ خطابی کا قول ہے خطابی نے کہا نبی کریم ﷺ کا ارشاد فمن وافق خطہ فذاک یہ زجر کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ نبوت کا علم تھا جو منقطع ہو چکا ہے، ہمیں اس کے حاصل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: لفظ کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہوا اس کی تصویب کی گئی ہے لیکن موافقت کہاں سے معلوم ہو جبکہ شرع نے کہانت اور غیب کا دعویٰ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے جس نے اس کے خط کی موافقت کی یہی وہ چیز ہے جس کی درستگی کو وہ پاتے تھے اس سے یہ مراد نہیں کہ ایسا عمل کرنے والے کے لیے اباحت ثابت ہوتی ہے جس طرح بعض لوگوں نے معنی کیا ہے۔

کسی نے نبی کریم ﷺ کے قول: کان نبی من الانبیاء یخط (2) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ریت میں خط لگاتے پھر وہ فال لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قول و منار حال یخطون کی یہ وضاحت کی اس سے مراد وہ خط ہے جو کاہن لگایا کرتا اور اسے عطیہ دیا جاتا اور کہا: تفصیل بیان تک کہ میں تیرے لیے خط لگاؤں۔ کاہن کے سامنے ایک بچہ ہوتا جس کے پاس مرچو ہوتا پھر وہ نرم زمین پر آتا استاذ جلدی جلدی خط لگاتا تاکہ اسے ساتھ ساتھ گنا نہ جا سکے پھر وہ پلٹتا اور آہستہ آہستہ دو دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت ہوتی اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت ہوتا۔ عرب اسے اسحم کا نام دیتے یہ ان کے نزدیک نحوس ہوتا۔

**مسئلہ نمبر** 3۔ ابن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب نہیں چھوڑے جو غیب پر دلالت کرتے ہوں جن کے ساتھ تعلق کی اجازت دی گئی تھی اور جن کے ساتھ استدلال کی اجازت دی گئی تھی صرف خواب باقی ہیں اور یہ بتایا کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اسی طرح فال ہے جہاں تک طیرہ اور زجر کا تعلق ہے ان دونوں سے منع کیا گیا ہے (3)۔

فال سے مراد ہے جو کلام سنی جائے اس سے اس امر پر استدلال کرنا جس کا ارادہ ہو جب وہ آواز اچھی ہو جب مکروہ کو سنے تو یہ تطیر ہے۔ شرع نے یہ حکم دیا ہے کہ فال سے خوش ہو اور خوشی خوشی اپنے امر کو گزرے اور جب وہ مکروہ آواز سنے تو اس سے اعراض کرے اور اس کی وجہ سے نہ لوٹے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللھم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الہ غیرک اے اللہ کوئی فال نہیں مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں مگر تیری خیر تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک ادیب نے اس کا ذکر کیا ہے:

الفال والزجر والکہان کلہم مضللون ودون الغیب اقفال

فال، پرندوں کو جھڑکنا سب گمراہ کرنے والے ہیں، علم غیب کے سامنے تالے لگے ہوئے ہیں۔

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی جلد 4، صفحہ 1696

2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہانۃ جلد 2، صفحہ 232

3۔ احکام القرآن لابن العربی جلد 4، صفحہ 1697

باقی ماندہ چیز۔ میمون بن مہران، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن اور قتادہ نے کہا: اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ علم میں سے کوئی خاص چیز (1)۔ عوفی نے کہا: اس سے مراد ایسی روایت ہے جو تم متقدمین سے بیان کرتے ہو۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: انبیاء سے مروی (2)۔ قرظی نے کہا: اس سے مراد اسناد ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ایسی چیز جو بیان کی جائے یا جو استخراج کی جائے (3)۔ زجاج نے کہا: اَوْ اَثٰرَةٍ کا معنی ہے یا علامت۔ اثارۃ مصدر ہے جس طرح سماحہ اور شجاعہ۔ کلمہ کا اصل ایثر ہے جس کا معنی روایت ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اثرت الحدیث اثرہ اثرا واثارۃ واثرۃ فانا اثر یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو اسے غیر سے بیان کرے اسی معنی میں یہ قول ہے: حدیث ماثور یعنی اسے بعد والوں نے پہلے والوں سے نقل کیا۔ اعشیٰ نے کہا:

ان الذی فیہ تماریتما بین للسامع والاثر

جس میں تم نے شک کیا ہے وہ سننے والے اور روایت کرنے والے کے لیے واضح ہے۔

اس شعر کو بیّن اور آثر بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی باقی ماندہ علم ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ایسی چیز ہو جو پہلے لوگوں کی کتابوں سے بیان کی گئی ہو۔ ماثور اسے کہتے ہیں جسے بیان کیا جائے اور جس سے اسے بیان کیا جائے اس کی سند بیان ہو۔ سلمی، حسن بصری اور ابو رجاء نے ہمزہ اور ثاء کو الف کے بغیر مفتوح پڑھا ہے معنی ہو گا خاص علم جو تمہیں عطا کیا گیا یا جس کے ساتھ تمہیں غیر پر ترجیح دی گئی۔ حضرت حسن بصری اور ایک طائفہ سے اثرۃ بھی منقول ہے یعنی ہمزہ ساکن اور ثاء مفتوح ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے عکرمہ سے بیان کیا ہے: معنی ہے علم کی میراث (4)۔

**مسئلہ نمبر 5۔** اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اس میں ادلہ کے تمام مسالک کا بیان ہے ان میں سے پہلا دلیل معقول کا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ یہ دلیل عقلی سے استدلال ہے کہ جامد چیز اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ چیز نہ نقصان دیتی ہے اور نہ نفع پہنچاتی ہے، پھر فرمایا: اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اس میں ادلہ سمعیہ کا بیان ہے۔

وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ۝

"اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ اس کے پکارنے سے ہی غافل ہیں"۔

وَ مَنْ اَضَلُّ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے اور نہ ہی جاہل ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت ہیں۔ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ یعنی نہ وہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ یہ بت جامد چیزیں ہیں انہیں انسانوں سے مذکر افراد کے قائم مقام کر کر

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 271 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً

خلاف ہونے کی وجہ سے آپ کی قدرت معجزہ نہ ہوگی، جب معجزہ ہوگی تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی تصدیق ہوگی۔ حکیم جھوٹے کی تو تصدیق نہیں کرتا تو آپ مفتری تو نہ ہوئے۔ اور ضمیر حق کے لیے ہے اور مراد آیات ہیں۔

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ کہہ دیجئے: اگر بفرض محال میں اس پر افترا باندھوں فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا تو تم اس بات پر قادر نہ ہو گے کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کر سکو تو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ پر کیسے افترا باندھوں گا۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ جو تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ الافاضة فی الشیٔ سے مراد ہوتا ہے اس میں داخل ہونا اور اس میں شروع ہو جانا۔ أفاضوا فی الحديث وہ گفتگو میں شروع ہو گئے۔ أفاض البعير یعنی اونٹ نے جگالی کو اوجھ سے دھکیلا اور اسے نکالا۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وأفضن بعد كظومهن بجرة

انہوں نے اوجھ کی خشکی کے بعد جگالی کو باہر نکالا۔

أفاض الناس من عرفات الى منى یعنی تیزی سے چلے۔ پس ہر وہ چیز جس میں دفعہ کا معنی پایا جاتا ہو اس کو افاضہ کہتے ہیں۔ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ یعنی وہ میری سچائی کو جانتا ہے جبکہ تم باطل پر ہو۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ جو توبہ کرے اس کو بخشنے والا ہے الرَّحِيْمُ۝ اپنے مومن بندوں پر رحیم ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝

"آپ کہیے: میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ، میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا"۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں مجھ سے قبل بھی تو رسول تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ البدع یعنی پہلا۔ عکرمہ اور دوسرے علماء نے اسے بدعا پڑھا ہے یعنی دال مفتوح ہے اس بنا پر کہ مضاف مقدر ہے معنی ہے میں رسالت والا پہلا تو نہیں ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدع اور بدیع ایک معنی میں ہیں جس طرح نصف اور نصیف ہے۔ البدع والشاعر یعنی وہ جو نئی لایا۔ شیٔ بدع یعنی نئی چیز۔ فلان بدع فی هذا الامر فلاں اس معاملہ میں یکتا ہے۔ قوم ابداع، اخفش سے مروی ہے۔ قطرب نے عدی بن زید کا شعر پڑھا:

فلا أنا بدع من حوادث تعتري (1)

میں کوئی پہلا شخص نہیں جسے حوادثات لاحق ہوئے ہیں

وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ یعنی قیامت کے روز میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں اسے نہیں

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 10

جا سکتا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک، یہودی اور منافق بڑے خوش ہوئے انہوں نے کہا: ہم اس نبی کی کیسے پیروی کریں جو جانتا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ اور ہمارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے اسے ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر یہ اپنی جانب سے نہ کہتے تو جس ذات نے اسے مبعوث کیا ہے وہ اسے ضرور بتا دیتا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: 2) تو یہ آیت منسوخ ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا ہے جو وہ تیرے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے کاش! ہم بھی جان لیتے وہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (الفتح: 5) اور یہ آیت نازل ہوئی وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ (الاحزاب) یہ حضرت انس، حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور ضحاک نے کہا۔ حضرت ام العلاء جو انصار کی ایک عورت تھی نے کہا: ہم نے مہاجرین کو تقسیم کیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون بن حذافہ بن جمح آئے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا تو وہ وفات پا گئے۔ میں نے کہا: اے ابا سائب! اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تجھے کیسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت دی ہے" میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان تو پھر کون؟ فرمایا: "جہاں تک اس کا تعلق ہے اسے موت آئی ہے ہم نے بھلائی ہی دیکھی ہے، اللہ کی قسم! میں اس کے لیے جنت کی امید رکھتا ہوں اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے"۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کا بھی تزکیہ نہیں کروں گی۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے اور کہا: یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ اپنی خطاؤں کی بخشش کو نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال سے چار سال قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر بخشش کی نوید سنائی تھی۔

میں کہتا ہوں: حضرت ام العلاء کی حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اس میں میری روایت یہ ہے وما أدری ما يفعل به اس میں بی وبکم نہیں ہے(1) ان شاء اللہ یہ صحیح ہے جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے نحاس نے کہا: یہ محال ہے کہ اس میں ناسخ و منسوخ ہو اس کی دو وجوہ ہیں: 1۔ یہ خبر ہے۔ 2۔ سورت کے آغاز سے لے کر اس جملہ تک مشرکوں سے خطاب ہے ان کے خلاف استدلال ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے تو ضروری ہے کہ یہ بھی مشرکوں سے خطاب ہو جس طرح اس سے پہلے اور اس کے بعد مشرکوں سے خطاب ہے اور یہ امر محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کو کہیں: وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ یعنی آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے میں نہیں جانتا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز سے لے کر وصال تک یہی خبر دیتے رہے "جو آدمی حالت کفر پر مرا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو حالت ایمان پر مرا اتباع اور اطاعت کی وہ جنت میں ہوگا"۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خبر دیکھا تھا کہ آخرت میں اس کے ساتھ اور ان کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے تو وہ کہیں گے: ہم تیری اتباع کیسے کریں جبکہ تو جانتا ہی نہیں کہ کیا تو خوشحال

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، الدخول علی المیت بعد الموت، جلد 1، صفحہ 166

ہے اور حضرت ابن سلام نبی کریم ﷺ کے وصال سے دو سال قبل اسلام لائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ آیت مدنی ہو اور اسے مکی سورت میں رکھا گیا ہو، کیونکہ آیت نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے: "اسے فلاں سورت میں رکھو۔" آیت مشرکین سے دلیل کے ساتھ مباحثہ کرنے کے بارے میں ہے۔ دلیل کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت سے معاملات میں یہودیوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ان کی شہادت مومنوں کے بارے میں ان کے نبی کی شہادت کے بارے میں واضح ترین دلائل میں سے تھی۔ یہ بھی بعید نہیں کہ سورت یہودیوں کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں ہو جب حضرت عبداللہ بن سلام مسلمان کی حیثیت میں آئے جبکہ یہودیوں کو ان کے اسلام کا علم نہ تھا عرض کی: یا رسول اللہ! اپنے درمیان اور یہودیوں کے درمیان مجھے حکم بنائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں پوچھا: "عبداللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟" یہودیوں نے کہا: وہ ہمارا سردار اور ہمارا عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: "وہ تو مجھ پر ایمان لا چکا ہے" تو یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن سلام کی برائیاں کیں۔ یہ بھی بات پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہودی حضرت عبداللہ بن سلام کے فیصلہ پر راضی ہو گئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: اگر یہ آپ کے حق میں گواہی دے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے گواہی دے دی پھر اسلام قبول کر لیا۔

عَلٰی مِثْلِهٖ جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس کی مثل، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پر اور حضرت محمد ﷺ نے قرآن پر گواہی دی۔ جرجانی نے کہا: مثل کا لفظ زائد ہے پھر کلام اس طرح ہوگی شهد شاهد من بني اسرائيل عليه انه من عند الله۔

فَاٰمَنَ وہ تو ایمان لے آیا وَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ اِنْ كَانَ کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے فآمن اتؤمنون، یہ زجاج کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ کیا تم نے ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ، أفتؤمنون عذاب الله۔

اَرَءَيْتُمْ یہ ایسا لفظ ہے جو سوال اور استفہام کے لیے وضع کیا گیا ہے، اسی وجہ سے یہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا۔ نقاش اور دوسرے علماء نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے(2)۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قل أرأيتم ان كان من عند الله وشهد شاهد من بني اسرائيل فآمن هو وكفرتم ان الله لا يهدي القوم الظالمين۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِيْمٌ۝

"اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف اور چونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 274 2۔ ایضاً

(اِفْکٌ) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے۔

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے اور چھ اقوال ہیں:

1۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوذر غفاری کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے دعوت قبول کر لی ان کی قوم نے ان سے پناہ چاہی تو ان کا سردار آیا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا پھر سردار نے قوم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے یہ خبر قریش کو پہنچی انہوں نے کہا: بنو غفار تو حلیف لوگ ہیں اگر یہ دعوت خیر ہوتی تو بنو غفار ہم سے سبقت نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابو متوکل کا قول ہے۔

2۔ حضرت زنیرہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی نظر خراب ہو گئی قریشیوں نے کہا: لات و عزیٰ نے تیری نظر خراب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی قریش کے سرداروں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جو لائے ہیں اگر وہ بہتر ہوتا تو زنیرہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا؛ یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے۔

3۔ بنو عامر، بنو غطفان، بنو تمیم، بنو اسد، بنو حنظلہ اور بنو اشجع میں سے کافروں نے کہا: جو لوگ بنی غفار، بنی اسلم، بنی جہینہ، بنی مزینہ اور بنی خزاعہ سے اسلام لائے تو انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جو کچھ لائے ہیں اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو چرواہے، بھیڑ بکری کے بچوں کو چرانے والے ہم پر سبقت نہ لے جاتے کیونکہ ہم ان سے بہتر ہیں؛ یہ کلبی اور زجاج کا قول ہے؛ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی، انہوں نے کہا: (حضرت) محمد (ﷺ) جس امر کی ہمیں دعوت دیتے ہیں اگر وہ بہتر ہوتی تو بلال، صہیب، عمار، فلاں اور فلاں ہم پر سبقت نہ لے جاتے؛ یہ چوتھا قول ہے۔

5۔ یہودیوں میں سے کافروں نے اپنے میں سے مومنوں یعنی حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کو کہا: اگر (حضرت) محمد (ﷺ) کا دین حق ہوتا تو وہ ہم پر اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے؛ یہ اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ ثعلبی نے بھی یہ حکایت بیان کی ہے۔ مسروق نے کہا: کفار نے کہا اگر یہ بہتر ہوتا تو یہودی اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کفار کی جانب سے یہ معارضہ ان کے قول میں ہوتا: "اگر یہ بہتر ہوتا وہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے" یہ بڑے معارضات میں سے ایک تھا کیونکہ یہ اس پر منطبق ہو جاتا جو ان سے مخالفت کرتا یہاں تک کہ یہ انہیں کہا جاتا: جس پر تم ہو اگر یہ بہتر ہوتا تو ہم اس سے نہ پھرتے اگر رسولوں کی تکذیب بہتر ہوتی تو تم ہم پر سبقت نہ لے جاتے [1]؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ قول مَا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ یہ کفار کا بعض مومنوں کے لیے قول ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب کے صیغہ سے غیبت کے صیغہ کی طرف خطاب ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ (یونس:22)

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

ہے کہ لفظ لسان مفعول ہے جس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ھذا کتاب مصدق للنبی محمد ﷺ یہ کتاب نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنے والی ہے کیونکہ یہ آپ کا معجزہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یہ عربی زبان والے کی تصدیق کرنے والی ہے۔ لفظ لسان مصدق کی وجہ سے منصوب ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ یہ قول بعید ہوگا کہ لسان سے مراد قرآن لیا جائے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا وہ اپنی ذات کی تصدیق کرتا ہے۔

**لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** ۔ مراد ہے تاکہ یہ کتاب کے بارے میں ڈرائے۔ یعنی ان لوگوں نے شرک اور معصیت کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کیا انہیں یہ کتاب خبردار کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دے رہی ہے۔ نافع، ابن عامر اور بزی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ (النازعات: 45)

**وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۞** بشری محل رفع میں ہے یعنی ھو بشری۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف کتاب پر ہے یعنی ھذا کتاب مصدق و بشری۔ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہو تقدیر کلام یہ ہوگی لینذر الذین ظلموا و للبشری جب حرف جار کو حذف کیا تو اسے نصب دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تبشر المحسنین بشری جب اسے وتبشر بشری او بشارۃ کی جگہ رکھا تو اسے نصب دی، جس طرح تو کہتا ہے: اتیتک لازورک و کرامۃ لک وقضاء لحقک معنی ہوگا میں تیری ملاقات کروں گا، میں تیری عزت کروں گا اور تیرا حق ادا کروں گا۔ کرامۃ کے لفظ کو فعل مضمر کی وجہ سے نصب دی گئی۔

**اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞**

"بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں یہ جزاء ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ آیت عام ہے جَزَآءً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔

**وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ ؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞**

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 275

"اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے۔ اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاحیت (و رشد) کو میرے لیے میری اولاد میں رائج فرما دے بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا انسان کی اپنے والدین کے ساتھ حالت کے اختلاف کو بیان کیا کبھی وہ ان دونوں کی اطاعت کرتا ہے اور کبھی ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم میں ہے حتیٰ کہ یہاں تک کہ ان میں سے بعض آپ کی دعوت کو قبول کریں اور بعض انکار کریں یہ کلام کے بعض سے اتصال کی صورت ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حُسْنًا عام قراءت حُسْنًا ہے۔ اہل حرمین، اہل بصرہ اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس اور کوفیوں نے اسے إِحْسَانًا پڑھا ہے ان کی حجت سورۃ الانعام اور بنی اسرائیل میں ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ: 83) کوفہ کے مصاحف میں اسی طرح ہے (1)۔ پہلی قراءت کی حجت اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو سورۃ عنکبوت میں ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ اس میں قراء نے اختلاف نہیں کیا۔ حسن، قبیح کا خلاف ہے احسان، اساءت کے خلاف ہے توصیہ کا معنی حکم دینا ہے اس بارے میں اور جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی گفتگو گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا یہاں باء حرف جار محذوف ہے اصل میں بکرہ ہے۔ مشقت عام قراءت کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا کہا: اسی طرح لفظ کرہ پورے قرآن میں فتحہ کے ساتھ ہے مگر وہ جو سورۂ بقرہ میں ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کیونکہ وہ اسم ہے اور یہ تمام مصادر ہیں۔ کوفیوں نے کُرہا ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح ضَعف، ضُعف اور شَہد، شُہد ہے۔ یہ کسائی کا قول ہے تمام بصریوں کے نزدیک یہ اسی طرح ہے۔ کسائی نے بھی یہ کہا ہے۔ فراء نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ کرہ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ تکلیف ہوتی ہے جو انسان اپنی ذات پر برداشت کرتا ہے اور فتحہ کے ساتھ وہ ہوتی ہے جو غیر پر لازم کرتا ہے۔ اس سے مراد قہر اور غضب ہے اسی وجہ سے بعض عربوں نے کہا: کرہا غلط ہے۔

**مسئلہ نمبر 4۔** وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ نو ماہ تک حاملہ رہے تو دو

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 275

اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۚ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

”وہ (بڑے غرور سے) بولے (اے ہود) کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو۔ سو لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ اس (عذاب) کا علم تو اللہ کے پاس ہے وہ میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ امڈا چلا آ رہا ہے ان کی وادیوں کی طرف تو بولے یہ بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے تہس نہس کر دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو“۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا اس میں دو وجوہ ہیں: (1) یعنی تاکہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کرنا چاہتے ہو (1)۔ (2) منع کرنے کے ساتھ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے دور کرنا چاہتے ہو، یہ ضحاک کا قول ہے۔ عروہ بن اذینہ نے کہا:

إن تك عن أحسن الصنيعة مأفوكا ففي آخرين قد أفكوا

شعر کا معنی ہے: اگر تجھے احسان کی توفیق نہیں دی گئی تو تو ایسی قوم میں ہے جنہیں پھیر دیا گیا۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وعد کا لفظ کبھی وعید کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ اگر اس بات میں سچے ہو کہ تم نبی ہو۔ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی عذاب کے آنے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میرے پاس نہیں۔ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ جو پیغام مجھے دے کر بھیجا گیا ہے میں تمہارے رب کی جانب سے تم تک پہنچانے والا ہوں۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ یعنی تم جو جلدی عذاب کے آنے کا مطالبہ کر رہے ہو اس میں تمہیں جاہل خیال کرتا ہوں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مبرد نے کہا: رَاَوْهُ میں ضمیر اس چیز کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔ اس کی وضاحت عَارِضًا کا لفظ بیان کر رہا ہے۔ ضمیر سحاب کی طرف لوٹ رہی ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فلما رأوا السحاب عارضا۔ عارضا کا لفظ تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ آسمان کی چوڑائی میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جب انہوں نے بادل کو دیکھا تو انہوں نے اسے ایسا بادل خیال کیا جو ان پر بارش برسائے گا۔ بارش ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا جب انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو وہ خوش ہوئے۔ وہ بادل اس وادی کی جانب سے آیا تھا جس میں عام طریقہ یہ تھا کہ اس وادی سے جو بادل آتا اس میں بارش ہوتی۔ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 283

کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ میں کسی جگہ تھے تو ان کے لیے ایک غبار بلند ہوا پھر اس سے ایک اژدہا آیا تو کوئی دیکھتے ہیں کہ ایک مردہ سانپ ہے ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی چادر کا ٹکڑا لیا اسے پھاڑا اس کے کچھ حصہ سے سانپ کو کفن دیا اور اسے دفن کر دیا جب رات ہو گئی تو دو عورتیں آئیں پوچھ رہی تھیں، عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا؟ ہم نے کہا: ہمیں پتہ نہیں عمرو بن جابر کون ہے؟ دونوں نے کہا: اگر تم نے اجر کی نیت کی ہے تو تم نے اسے پا لیا ہے فاسق جنوں نے مومن جنوں کے ساتھ جنگ کی تو عمرو قتل کر دیا گیا۔ وہ سانپ تھا جسے تم نے دیکھا تھا، وہ اس جماعت سے تھا جس نے حضرت محمد ﷺ سے قرآن سنا تھا، پھر وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے ہو کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سلام نے ایک اور روایت کا ذکر کیا جس نے اسے کفن دیا تھا وہ صفوان بن معطل تھا۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے اس کی مثل خبر ذکر کی ہے اس نے کہا: ثابت بن قطبہ نے کہا کچھ لوگ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں آئے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے ہم نے ایک سانپ دیکھا جو اپنے خون میں لت پت تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے اسے لیا اور ہم نے اسے کپڑے میں دفنا دیا، چند لوگ آئے انہوں نے کہا: عمرو کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم نے کہا: کون عمرو؟ انہوں نے کہا: وہ سانپ جسے تم نے فلاں جگہ دفن کیا پھر وہ اس جماعت میں سے تھا جس نے نبی کریم ﷺ سے قرآن سنا مسلمان جنوں اور کافر جنوں میں جنگ ہوئی تو وہ شہید ہو گئے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے تو قرآن سنا اور نہ دفن میں حاضر تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابن ابی دنیا نے ایک تابعی کا ذکر کیا اس کا نام بھی لیا: ایک سانپ اس کے خیمہ میں داخل ہوا وہ پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اس نے اسے پانی پلایا پھر وہ سانپ مر گیا تو اس تابعی نے اسے دفن کر دیا۔ رات کے وقت کوئی اس کے پاس آیا اسے سلام کیا اور اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا وہ نصیبین کے جنوں میں سے تھا اس کا نام زوبعہ تھا۔

سہیلی نے کہا: حضرت عمر بن عبد العزیز کے فضائل میں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس کو ابو بکر بن طاہر الشحی نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ایک جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک آپ نے ایک مردہ سانپ دیکھا آپ نے اپنی زائد چادر سے اسے کفن دیا اور اسے دفن کر دیا تو کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: اے سرق! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: "تو بیابان میں مرے گا اور تجھے ایک صالح آدمی کفن دے گا"۔ پوچھا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے کہا: ان جنوں میں سے ایک جن ہوں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا ان میں سے میں اور سرق باقی رہ گئے تھے یہ سرق فوت ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سانپ کو قتل کر دیا جسے آپ نے اپنے حجرہ میں قرآن سنتے ہوئے دیکھا جبکہ حضرت عائشہ قرآن حکیم پڑھ رہی تھیں، خواب میں ان کے پاس کوئی آیا اور ان سے کہا: آپ نے جنوں میں سے ایک مومن کو قتل کر دیا وہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: اگر وہ مومن ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں داخل نہ ہوتا۔ آپ سے عرض کی گئی: وہ آپ کے پاس حاضر نہیں ہوا تھا مگر آپ نے نقاب اوڑھا ہوا تھا

دینے والے تھے وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ⊙ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین قدیم کی طرف۔

یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ داعی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی ذات جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث تھی۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم ﷺ کی ذات سے قبل کوئی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر وہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے دلالت کرتی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں کی گئیں: ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا تھا اور میں احمر و اسود کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں یا میرے لیے غنیمت حلال کی گئیں وہ مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور زمین میرے لیے پاکیزہ طہارت عطا کرنے والی اور مسجد بنا دی گئی ہے جس نماز کا وقت ہو جائے تو وہ جہاں ہو نماز پڑھ لے، مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے" (1)۔

مجاہد نے کہا: احمر و اسود سے مراد جن اور انسان ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے: "مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے" (2)۔

وَ اٰمِنُوْا بِهٖ ضمیر سے مراد داعی ہے اور وہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی قوم سے ستر افراد ایمان لائے وہ نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے اور آپ کو بطحا میں ملے ان پر قرآن حکیم کو پڑھا انہیں حکم دیا اور منع کیا۔

**مسئلہ:** یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امر، نہی، ثواب اور عقاب میں جن انسانوں کی طرح ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مومن جنوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی ثواب نہیں کہ انہیں جہنم سے نجات دے دی جائے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے: یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ فرمایا: جنوں کے لیے اس کے سوا کوئی ثواب نہیں کہ انہیں آگ سے پناہ دی جاتی ہے، پھر انہیں کہا جاتا ہے: تم مٹی ہو جاؤ جس طرح چوپاؤں کو کہا جائے گا: تم مٹی ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا: انہیں گناہوں پر سزا دی جائے گی اور احسان کی صورت میں ثواب دیا جائے گا جس طرح انسان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: جن جنت میں داخل ہوں گے وہ کھائیں گے اور پئیں گے۔ قشیری نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں ثواب دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ سورت کے آغاز میں فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 199
2۔ ایضاً

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ (انعام:130) آخر میں فرمایا: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۂ جن میں اس بارے میں مزید گفتگو ہوگی۔ انشاء اللہ۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

"اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار، یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں"۔

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ تو وہ اللہ تعالیٰ کو نا پید پائے گا اور نہ اس پر سبقت لے جا سکے گا اَوْلِيَآءُ اس کے ایسے مددگار نہیں ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں رویۃ علم کے معنی میں ہے۔ اَنَّ اس کا اسم اور اس کی خبر رویۃ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔

وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى منکرین بعث کے خلاف استدلال ہے۔ لَمْ يَعْيَ کا معنی ہے وہ انہیں پیدا کرنے میں عاجز اور کمزور نہیں۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: عَيَّ بِاَمْرِهٖ وَعَيِيَ جب وہ ہدایت نہ پائے۔ اس میں ادغام اکثر ہوتا ہے۔ جمع میں تو عیوا مخفف کہے گا۔ اس کو تشدید کے ساتھ عیّوا بھی کہتے ہیں۔ کہا:

عَيُّوا بِاَمْرِهِمْ كَمَا عَيَّتْ بِبَيْضَتِهَا الْحَمَامَةُ

وہ اپنے معاملے میں یوں عاجز آ گئے جس طرح کبوتری اپنے انڈے کے بارے میں عاجز آ گئی۔

عَيِيْتُ بِاَمْرِيْ جب تو اس کی صحیح صورت کی طرف ہدایت نہ پائے۔ اَعْيَانِيْ هُوَ اس نے مجھے عاجز کر دیا۔ حضرت حسن بصری نے وَلَمْ يَعْيَ عین کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قلیل شاذ ہے کیونکہ عین کلمہ میں اعلال اور لام کلمہ میں صحیح واقع نہیں ہوتی مگر چند اسماء میں ایسا ہوتا ہے جس طرح غایۃ اور آیۃ۔ یہ شعر کے علاوہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا۔ فراء نے اس شعر کو پڑھا ہے وہ شاعر کا قول ہے:

فَكَاَنَّهَا بَيْنَ النِّسَاءِ سَبِيْكَةٌ تَمْشِيْ بِسُدَّةِ بَيْتِهَا فَتُعِيُّ

کی استدلال ختم ہو گیا ہے۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: با زائدہ ہے تاکید کے لیے آئی ہے جس طرح اس ارشاد میں با زائدہ ہے: وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (النساء) تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 20) کسائی، فراء اور زجاج نے کہا: با استفہام کا جواب ہے اور کلام کے آغاز میں نفی کا معنی ہے۔ زجاج نے کہا: عرب اسے نفی کے ساتھ داخل کرتے ہیں تو کہتا ہے: ما ظننت ان زیدا بقائم (1) تو یہ نہیں کہتا: ظننت أن زیدا بقائم۔ اس با کے داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر حالانکہ نفی ہوا ہے اور ان داخل ہوا ہے جو تاکید کے لیے ہے، تقدیر کلام یہ ہے الیس اللہ بقادر جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ (یس: 81) حضرت ابن مسعود، اعرج، جحدری، ابن اسحاق اور یعقوب نے اسے یقدر پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ ان کی خبر میں با کا داخل کرنا قبیح ہے۔ ابو عبیدہ نے عام قراءت کو پسند کیا کیونکہ حضرت عبداللہ کی قراءت میں ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ (بنی اسرائیل: 99)، یہ اس کے نظیر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

"اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔ کہیں گے: ہمارے رب کی قسم! یہ حق ہے۔ اللہ فرمائے گا: اچھا اب چکھو عذاب کا مزا اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ انہیں وہ دن یاد دلایا جس روز انہیں پیش کیا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا: اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا انہیں بیان کرنے والا کہے گا: فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ما مصدریہ ہے یعنی اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

"پس (اے محبوب) آپ صبر کیجیے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لیے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجیے جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی، یہ پیغام حق ہے پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا"۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ حضرت ابن عباس نے کہا: عزم و صبر والے۔ مجاہد نے کہا: وہ پانچ تھے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 313

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ سب شریعتوں والے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: اولوالعزم رسول تین ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ چوتھے ہو جائیں۔ سدی نے کہا: وہ چھ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یہ سب سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں مذکور ہیں۔ مقاتل نے کہا: وہ چھ ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ پر صبر کیا، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ذبح پر صبر کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے گم ہونے اور نظر کے چلے جانے پر صبر کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں میں گرنے اور قید خانے میں جانے پر صبر کیا، حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری پر صبر کیا (2)۔ ابن جریج نے کہا: ان میں حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت ایوب ہیں ان میں حضرت یونس، حضرت سلیمان اور حضرت آدم علیہ السلام نہیں۔

شعبی، کلبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ رسل ہیں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا انہوں نے مکاشفہ کو ظاہر کیا اور کفار سے جہاد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ اٹھارہ رسول ہیں جو سورۂ انعام میں مذکور ہیں وہ اٹھارہ ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام۔ حسین بن فضل نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس کے بعد ذکر ہے: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 90)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام رسول اولوالعزم تھے۔ اسے علی بن مہدی طبری نے پسند کیا ہے۔ کہا: اس میں من تبعیض کے لیے نہیں بلکہ جنس کو بیان کرنے کے لیے ہے جس طرح تو کہتا ہے: اشتریت اردیۃ من البز واکسیۃ من الخز میں نے بز کی چادریں اور خز کی کسائیں خریدیں۔ یعنی آپ صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام انبیاء اولوالعزم ہیں مگر حضرت یونس بن متیٰ یہ نہیں، کیا آپ نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کو ان جیسا ہونے سے منع کیا گیا۔ آپ ان کی مثل نہ ہوں کیونکہ ان کی جلد بازی اور جلد بازی ہے جو ان سے اس وقت ظاہر ہوئی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین امور کے ساتھ انہیں آزمایا، اللہ تعالیٰ نے قوم کو ان پر مسلط کر دیا یہاں تک کہ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 268
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 289

انہوں نے آپ کے اہل اور مال پر غارت گری مچائی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھر کو ان کے بیٹے پر مسلط کر دیا تو وہ اسے کھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ان پر مسلط کر دیا تو اس نے آپ کو نگل لیا۔ یہ بات ابو القاسم حکیم نے کی ہے۔

بعض علماء نے کہا: اولوا العزم نبی بارہ ہیں جنہیں بنی اسرائیل کی طرف شام کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ تو بنی اسرائیل نے ان کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ میں عذاب بنی اسرائیل کے نافرمانوں کی طرف بھیجنے والا ہوں۔ یہ امر ان پر بہت شاق گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اپنے لیے پسند کر لو اگر چاہو تو تم پر عذاب کو نازل کر دوں اور بنی اسرائیل کو نجات دے دوں اور اگر چاہو تو تمہیں نجات دے دوں اور عذاب بنی اسرائیل پر نازل کر دوں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان کی رائے اس بات پر متفق ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کو نازل کر دے اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی اور ان پر عذاب کو نازل کر دیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زمین کے بادشاہوں کو مسلط کر دیا ان میں سے کسی کو آری سے چیر دیا گیا، کسی کے چہرے اور سر کی جلد اتار دی گئی، کسی کو سولی پر لٹکا دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا، کسی کو آگ میں جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اولوا العزم چار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (1)۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہیں کہا گیا: **اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (البقرہ) پھر ان سے ان کے مال، ان کی اولاد، وطن اور ذات کے بارے میں امتحان لیا گیا تو جن جن امور میں ان کا امتحان لیا گیا ان میں آپ کو پورا اور سچا پایا گیا۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے عزم کا اظہار کیا جب ان کی قوم نے ان کو کہا: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: **كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ** (الشعراء) جہاں تک حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان سے غلطی ہوئی تو اس خطا پر انہیں متنبہ کیا گیا تو آپ چالیس سال روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے درخت اگ آئے تو آپ ان کے سائے میں بیٹھے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ عزم کیا کہ وہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھیں گے۔ انہوں نے فرمایا: انها معبرة فاعبروها ولا تعمروها یہ ایک راستہ ہے اسے عبور کر جاؤ اسے آباد نہ کرو۔

گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے: صبر کیجئے یعنی جن امور میں آپ کو آزمایا گیا ہے ان میں سچے ہو جائیے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سچ کا اظہار کیا، اپنے مولیٰ کی مدد پر اس طرح اعتماد کرتے ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتماد کیا، دنیا کی لغزشوں پر ایسے غم کا اظہار کیجئے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے غم کا اظہار کیا تھا اور دنیا میں زہد اختیار کیجئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد اختیار کیا تھا۔ پھر یہ کہا گیا: یہ آیت آیت سیف سے منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت محکم ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ سورت مکی ہے۔ مقاتل نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو مصیبت آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کیجئے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 32

جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ مقصود اس امر کو آپ پر آسان کرنا اور اس پر ثابت قدم کرنا تھا۔ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ مقاتل نے کہا: ان کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں جلدی نہ کیجئے کیونکہ قیامت کے روز یہ ان کے مقاصد میں سے سب سے بعید مقصد ہوگا۔ استعجال فعل کا مفعول محذوف ہے وہ عذاب ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ یحییٰ نے کہا: مَا يُوْعَدُوْنَ سے مراد عذاب ہے(1)۔ نقاش نے کہا: مراد آخرت ہے(2)۔ لَمْ يَلْبَثُوْٓا وہ دنیا میں نہ رہے یہاں تک کہ انہیں عذاب نے آلیا(3)؛ یہ یحییٰ کے قول کا مقتضا ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اپنی قبروں میں رہیں گے یہاں تک کہ انہیں حساب کے لیے اٹھالیا جائے گا۔ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ یعنی یوم قیامت کا ایک حصہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے جو عذاب دیکھا اس کی ہولناکی نے انہیں دنیا میں طویل عرصہ تک رہنے کو بھلا دیا۔ پھر کہا: بَلٰغٌ کو رفع مبتدا کے مضمر ہونے کی بنا پر ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ (ابراہیم: 52) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۞ (الانبیاء) یا یہ تبلیغ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تمہاری بلاغ ہے(4)؛ یہ ابن عیسیٰ کا قول ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں وقف بَلٰغٌ اور نَهَارٍ پر ہوگا۔

ابو حاتم نے ذکر کیا ان میں سے بعض نے وَلَا تَسْتَعْجِلْ پر وقف کیا پھر لهم سے کلام کا آغاز کیا، کلام یوں ہوگی لهم بلاغ۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ تو نے مبتدا اور لام میں فاصلہ کر دیا ہے۔ عربی زبان میں بلاغا اور بلاغ دونوں طرح جائز ہے۔ نصب اس اعتبار سے کہ تقدیر کلام یہ ہوگی الا ساعة بلاغا یہ مفعول مطلق ہے یا یہ ساعة کی صفت ہے۔ جر اس اعتبار سے کہ کلام ہے من نهار بلاغ۔ نصب کے ساتھ عیسیٰ بن عمر اور حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے۔ بعض قراء سے یہ مروی ہے بلغ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اس صورت میں وقف مِّنْ نَّهَارٍ پر ہے پھر بَلِّغْ سے کلام شروع ہوگی۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ یعنی اللہ کے حکم سے خارج۔ یہ حضرت ابن عباس وغیرہ سے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ابن محیصن نے پڑھا فَهَلْ يَهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمُ فعل قوم کی طرف منسوب ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہا: جب عورت پر بچے کی پیدائش مشکل ہو جائے تو یہ دو آیتیں اور دو کلمے ایک کاغذ پر لکھے جائیں پھر انہیں دھویا جائے اور اسے پلایا جائے۔ وہ یہ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ العظیم الحلیم الکریم سبحان رب السموات و رب الارض و رب العرش العظیم كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ جو عظیم شان والا ہے اس نے سچ فرمایا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا مگر مشرک کو(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امید میں سب سے قوی آیت ہے۔

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 289 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ ایضاً 5۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 46

# سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

آیاتہا ۳۸ ﴿ سورۃ محمد مدنیۃ ۹۵ ﴾ رکوعاتہا ۴

سورۂ قتال یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا۔ ماوردی نے کہا: تمام کا قول یہی ہے (1)۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا یہ قول ہے: مگر ایک آیت جو حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی جب آپ مکہ مکرمہ سے نکلے؛ آپ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے اور غم کی وجہ سے رو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ۔ ثعلبی نے کہا: یہ مکی ہے؛ اسے ہبۃ اللہ نے ضحاک اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے؛ یہ اڑتیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انتالیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۝

"جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے"۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں (2) جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا انہوں نے اپنے آپ کو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکا؛ وہ دین اسلام ہے وہ مومنوں کو اس دین میں داخل ہونے سے روکا کرتے تھے؛ (3) یہ سدی کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے مراد عن بیت اللہ ہے جو بیت اللہ شریف کا قصد کرتے وہ انہیں روکتے۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۝ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو باطل کر دیا (4) جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کا وبال ان پر ڈال دیا؛ یہ ضحاک کا نقطۂ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے حالت کفر میں جو اعمال کیے جنہیں وہ مکارم کا نام دیتے تھے جیسے صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرانا، مہمانوں کی خدمت کرنا، پڑوسیوں کی حفاظت کرنا ان سب کو باطل کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت بدر میں کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی (5) وہ کل بارہ افراد تھے ابو جہل، حارث بن ہشام، عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیعہ کے بیٹے تھے، ابی، امیہ جو خلف کے بیٹے تھے، منبہ، نبیہ جو حجاج کے بیٹے تھے، ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام اور حارث بن نوفل۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ۝

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 290
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 47
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 290
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 314
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 151

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسول معظم) محمد ﷺ پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیے ان کے حالات کو"۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد انصار ہیں مقاتل نے کہا: یہ قریش کے چند افراد کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں مومنوں اور کافروں کے بارے میں عام ہیں۔ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ کا معنی ہے ان کو باطل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ہدایت پانے سے گمراہ کر دیا اس کی صورت یہ کی کہ انہیں توفیق دینے سے پھیر دیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جس نے کہا: اس کا مصداق انصار ہیں اس نے صالحات سے مراد ان کو گھر دینے اور مال دینے میں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا لیا ہے۔ جس نے کہا: مراد قریش ہیں تو عمل صالح سے مراد ہجرت ہے۔ جس نے کہا: یہاں عام مراد ہے تو صالحات سے مراد تمام وہ اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ یعنی حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کے ساتھ کسی چیز میں مخالفت نہیں کی؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد ﷺ جو لائے اس کے بارے میں آپ کی تصدیق کی۔

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اس سے مراد ہے کہ ان کا ایمان ہی ان کے رب کی جانب سے حق تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قرآن ان کے رب کی جانب سے حق ہے جو اس سے قبل وحی آئی تھی اسے منسوخ کر دیا۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ مراد وہ سیئات ہیں جو ایمان لانے سے پہلے انہوں نے کی تھیں ان کو اس نے معاف کر دیا۔ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ان کے عمل کو درست کر دیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے حال کو درست کر دیا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: ان کے امور کو درست کر دیا تینوں کا معنی قریب قریب ہے۔ اس کی یہ تاویل بھی کی گئی ہے جو امور ان کی دنیا سے متعلق ہیں ان کو درست کر دیا۔ نقاش نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ معنی ہے ان کی نیتوں کو درست کر دیا۔ شاعر نے کہا:

فإن تُقبلي بالودّ أُقبِلْ بمثله ۔۔۔ وإن تُدبري أذهب إلى حال باليا (1)

یہ اس تاویل کی بنا پر ان کے دین کی اصلاح پر محمول ہوگا۔ بال مصدر کی طرح ہے اس کا فعل معروف نہیں ضرورت شعری کے سوا عرب اس سے تثنیہ کا صیغہ نہیں لاتے مگر ضرورت شعری میں بنایا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: بالات۔ مبرد نے کہا: بعض اوقات بال کسی اور جگہ قلب کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما يخطر فلان على بالي فلاں میرے دل پر نہیں کھٹکتا۔ جوہری نے کہا: بال کا معنی نفس کی فارغ البالی ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان رخي البال فلاں فارغ البال ہے۔ بال کا معنی حال ہے، یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما بالك تیرا کیا حال ہے۔ ان کا قول ہے: ليس هذا من بالي یہ وہ چیز نہیں جس کی میں پرواہ کرتا ہوں۔ بال سے مراد سمندری مچھلیوں میں سے بڑی مچھلی ہے یہ عربی لفظ نہیں۔ بال کدال والے برتن کو کہتے ہیں۔ یہ فارسی سے معرب ہے فارسی زبان میں یہ اصل میں بیل تھا۔ ابو ذؤیب نے کہا:

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 291

كأن منها بانة نظيفة لها من خلال الثياب أريج

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

"(یوں) اس لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے حالات"۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ذلک اسم اشارہ ہے محل رفع میں ہے یعنی الامر ذلک یعنی معاملہ اسی طرح ہے یا تقدیر کلام یہ ہوگی ذلک الاضلال والهدی جن دونوں کا ذکر گزر چکا ہے اس کا سبب یہ ہے کافر نے باطل کی پیروی کی اور مومن نے حق کی پیروی کی۔ باطل سے مراد شرک اور حق سے مراد توحید و ایمان ہے۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ یعنی اس بیان کی طرح جس کی وضاحت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے نیکیوں اور برائیوں کے معاملہ کی وضاحت کرتا ہے اَمْثَالَهُمْ میں جو ضمیر ہے وہ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڔ ذٰلِكَ ړ وَ لَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

"پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو مضبوطی کر کے باندھو رسیاں بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے یہی حکم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے، اور جو مارے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ جب دونوں فریقوں کو الگ الگ کر لیا تو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار سے مراد مشرک ہیں جو بتوں کے پجاری تھے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 293

ہے: اس سے مراد ہر وہ فرد ہے جو دین کا مخالف ہے وہ مشرک ہو یا کتابی، جب اس کا کوئی عہد و پیمان نہ ہو؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا اور ابن عربی نے اسے پسند کیا ہے اور کہا: عموم آیت کی وجہ سے یہی صحیح ہے (1)۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ مفعول مطلق ہے۔ زجاج نے کہا: فاضربوا الرقاب ضربا، رقاب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ قتل عموماً اسی سے ہوتا ہے۔ یہ مصدر ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ اغراء کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ کلام اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: یا نفس صبرا ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام اقصدوا ضرب الرقاب ہے ارشاد فرمایا: فَضَرْبَ الرِّقَابِ یہ نہیں کہا: فاقتلوهم کیونکہ قتل کے الفاظ کی بجائے ضرب رقاب میں جو سختی کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں خوفناک ترین صورت میں اس کے قتل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ اس کی گردن کا کاٹنا اور ایسے عضو کو اڑانا ہے جو بدن کا سردار، اس کا بلند حصہ اور وجیہ ترین عضو ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ یعنی جب تم قتل کا عمل زیادہ کر چکو۔ سورۂ انفال میں یہ بحث حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ میں گزر چکی ہے۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ یعنی جب تم قیدی بنا چکو۔ وثاق یہ ایثاق کا اسم ہے بعض اوقات یہ مصدر ہوتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: اوثقته ایثاقا و وثاقا جب تو اسے باندھے۔ وثاق کا تعلق ہے تو یہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے جس طرح رباط؛ یہ قشیری کا نقطہ نظر ہے۔ جوہری نے کہا: اوثقه في الوثاق یعنی اسے باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ وثاق واؤ کے کسرہ کے ساتھ اس میں یہ لغت ہے۔ باندھنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔

فَاِمَّا مَنًّۢا یعنی یا تو بغیر فدیہ کے مطلق ان پر احسان کیا جائے وَ اِمَّا فِدَآءً یا فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے۔ ان دونوں کو فعل مضمر کے ساتھ نصب دی گئی ہے۔ اسے فدی الف مقصورہ کی صورت میں فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فاما ان تمنوا عليهم منا واما ان تفادوهم فداء بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ میں حجاج کے پاس حاضر تھا جب عبد الرحمن بن اشعث کے ساتھی اس کے پاس لائے گئے ان کی تعداد چار ہزار اسی تھی اس نے تین ہزار کے قریب افراد کو قتل کر دیا یہاں تک کہ کندہ قبیلہ کا ایک آدمی اس کے پاس آیا اس نے کہا: اے حجاج! اگر تو سنت اور کرم سے اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے بھلائی کے ساتھ بدلہ نہیں دے گا۔ اس نے پوچھا: یہ کیوں؟ اس آدمی نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً تو نے ان لوگوں کے بارے میں جن کو تو نے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! تو نے احسان کیا اور نہ فدیہ لیا۔ تمہارے شاعر نے کہا جب وہ تمہارے مکارم صدق کا وصف بیان کرتا ہے:

ولا نقتل الاسرى ولكن نفكهم　　اذا اثقل الاعناق حمل المغارم

ہم قیدیوں کو قتل نہیں کرتے بلکہ ہم انہیں چھڑاتے ہیں جب چٹیوں کے بوجھ گردنوں کو بوجھل کر دیں۔

حجاج نے کہا: ان مردار لاشوں پر افسوس! کیا ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو اس قسم کا کلام اچھے انداز میں کرتا۔ جو لوگ بچ گئے ہیں ان کو آزاد کر دو۔ اس روز باقی قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس آدمی کے باعث وہ دو ہزار تھے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے اور پانچ اقوال ذکر کیے ہیں:

---

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1706

1۔ یہ منسوخ ہے یہ بتوں کے پجاریوں کے بارے میں ہے ان سے فدیہ لینا اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے ان کے نزدیک اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال: 57) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (التوبہ: 36) یہ قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوفہ کے بہت سے علماء نے یہی بات کی ہے۔ عبد الکریم جوزی نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک کے بارے میں خط لکھا گیا جو قید کیا گیا تھا (1)۔ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ اس نے اسے اتنے اتنے فدیہ کے بدلے میں جان بخشی کی التماس کی ہے۔ فرمایا: اسے قتل کر دو ایک مشرک آدمی کا قتل مجھے اتنے اتنے مال کی نسبت زیادہ محبوب ہے۔

2۔ یہ تمام کفار کے بارے میں ہے علماء اور اہل نظر کی ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ منسوخ ہے ان میں قتادہ اور مجاہد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا: جب مشرک کو قید کیا جائے تو اس پر احسان کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے فدیہ لینا جائز ہے کہ اسے دوبارہ مشرکوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک صرف عورت کا فدیہ لینا جائز ہے کیونکہ اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس آیت کی ناسخ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) ہے کیونکہ سورۂ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ ضروری ہے کہ مشرک کو قتل کر دیا جائے مگر جس کے قتل کو ترک کرنے میں دلیل قائم ہو جس طرح عورتیں، بچے اور جن سے فدیہ لیا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ وجہ یہ خوف ہے کہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔

عبد الرزاق، معمر سے وہ قتادہ سے روایت نقل کرتے ہیں فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً کو فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (الانفال: 57) نے منسوخ کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) نے منسوخ کیا ہے: یہ حکم کا قول ہے۔

3۔ یہ آیت ناسخ ہے: یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ثوری نے جویبر سے وہ ضحاک سے روایت نقل کرتے ہیں فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) کو فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً نے منسوخ کر دیا ہے۔ ابن مبارک نے ابن جریج سے وہ عطا سے روایت نقل کرتے ہیں فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً مشرک کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر احسان کیا جائے گا اور اس سے جزیہ لیا جائے گا (2)، جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اشعث نے کہا: حضرت حسن بصری قیدی کو قتل کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور یہ آیت پڑھا کرتے فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے گویا فرمایا: فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ اور اس نے یہ گمان کیا کہ امام کو حق حاصل نہیں کہ جب قیدی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اسے قتل کرے لیکن اسے تین چیزوں میں اختیار ہے۔

---

1۔ تفسیر طبری، جلد 26، صفحہ 50

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 34

تیسرا جواب: عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿﴾ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بیان کرے گا یہاں تک کہ وہ بغیر استدلال طلب کیے اس کو پہچان لیں گے۔
حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا میں جنت کی صفت بیان کی جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ اس کی صفت سے اسے پہچان گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہے عرف طرقها ومساكنها وبيوتها لهم یعنی اس نے معرفت کروا دی۔ ایک پہچان اجمالی کی صورت میں ہوگی یعنی وہ فرشتہ جو بندے کے عمل پر مقرر تھا وہ بندے کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ بندہ اپنے مکان تک پہنچ جائے گا۔ فرشتہ ان تمام چیزوں کا اسے تعارف کروائے گا جو اس کے لیے جنت میں تیار کی گئیں۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی روایت اس کا ذکر کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: جنتیوں کے لیے مختلف قسم کی لذتوں کے ساتھ انہیں خوشبودار بنا دے گا۔ یہ عرف سے ماخوذ ہے، اس سے مراد پاکیزہ خوشبو ہے۔ طعام معرف خوشبودار کھانا۔ عرب کہتے ہیں: عرفت القدر، یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس میں نمک اور مصالحہ جات ڈال کر مزے دار بنا دے۔ شاعر ایک آدمی سے خطاب کرتا ہے اور اس کی مدح بیان کرتا ہے:

عُرِّفْتَ كإِتْبٍ عَرَّفَتْهُ اللطائمُ

وہ اسے کہتا ہے: کما عرف الاتب، اس سے مراد بقیرہ ہے یہ ایسی قمیص ہوتی ہے جس کی آستین نہیں ہوتی جسے عورتیں پہنتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کھانے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے اوپر رکھنا، یہ جملہ بولا جاتا ہے: حریر معرف یعنی اس کا بعض بعض پر ہے، یہ عرف سے مشتق ہے جس طرح گھوڑے کی گردن کے بال ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿﴾ یعنی طاعت کی توفیق دی یہاں تک کہ وہ جنت کے مستحق بن گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اہل آسمان کو بتایا کہ یہ جنت ان کے لیے ہے مقصود ان کی کرامت کا اظہار تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ نے شہداء کو پہچان کرائی کہ یہ جنت ان کے لیے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ (کے دین) کی تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا“۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج: 40) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ قطرب نے کہا: اگر تم اللہ کے نبی کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ معنی ایک ہی ہے۔

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ یعنی جنگ کے وقت تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسلام پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پل صراط پر تمہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک قول کیا گیا: مراد ہے امن دے کر دلوں کو ثابت رکھتا ہے تو ثابت قدمی سے مراد دل کی ثابت قدمی ہے۔ سورۂ انفال میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وہاں ہی فرمایا: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى

سے دسواں دریا ان کے شراب کا دریا ہے اور دسواں دریا یہاں ان کے شہد کا دریا ہے۔ یہ چاروں دریا کوثر سے نکلتے ہیں۔ عسل مذکر و مونث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَمِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى یہ شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے نہیں نکلا۔

وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ مِن زائدہ ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ان کے رب کی جانب سے ان کے گناہوں کی بخشش ہے۔ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ فراء نے کہا: معنی ہے کیا وہ جو ان نعمتوں میں ہمیشہ رہے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو جہنم میں ہمیشہ رہتا ہے۔ زجاج نے کہا: کیا وہ جو اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل پر ہے اور اسے یہ اشیاء عطا کی گئی ہیں اس آدمی کی طرح ہوگا جس کے اعمال اس کے لیے مزین کیے گئے جبکہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنے والا ہو۔ تو اس کا قول كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ کا بدل ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ جنت جس میں پھل اور نہریں ہیں ان کی مثال اس جہنم جیسی ہے جس میں گرم کھولتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا۔ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں میں جنتیوں کی مثل ہمیشہ رہنے والی جہنم میں جہنمیوں کی مثل ہے۔

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا انہیں ایسا پانی پلایا جائے گا جو بہت زیادہ جوش مارنے والا ہوگا۔ جب اس پانی کو ان کے قریب کیا جائے گا تو ان کے چہرے بھون دیئے جائیں گے اور ان کے سروں کی جلد اتر جائے گی۔ جب وہ اسے پئیں گے تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا اور ان کی دبر سے انہیں نکال دے گا۔ امعاء معی کی جمع ہے اس کا تثنیہ معیان ہے پیٹ میں جو آنتیں پائی جاتی ہیں ان کو امعاء کہتے ہیں۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۝

"اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتی کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا فرمائیے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے یہی وہ (بدبخت) ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے"۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ یعنی وہ لوگ جو لطف اندوز ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں ان کے اعمال ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں وہ آپ کی بات کو سنتے ہیں وہ منافق ہیں عبد اللہ بن ابی بن سلول، رفاعہ بن تابوت، زید بن صلیت، حارث بن عمرو اور مالک بن دخشم وہ جمعہ کے روز خطبہ میں حاضر ہوتے جب اس میں منافقوں کا ذکر سنتے تو اس سے اعراض کرتے۔ جب وہ باہر نکلتے تو اس کے بارے میں سوال کرتے (1)۔ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مومنوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ جو ارشاد فرماتے اسے مومن یاد کر لیتے اور کافر اسے یاد نہ رکھتے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 297

توفیق عطا فرمائی؛ یہ ربیع کا قول ہے۔ 2۔ آخرت میں انہیں تقویٰ کا ثواب عطا فرمایا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ 3۔ جو امور ان پر فرض کیے گئے تھے ان پر عمل کی انہیں توفیق عطا فرمائی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ 4۔ جن چیزوں سے انہیں بچنا تھا وہ ان کے لیے بیان کر دیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے اور سدی نے بھی یہ کہا ہے۔ 5۔ منسوخ کو ترک کرنا اور ناسخ پر عمل کرنا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ ماوردی نے کہا: چھٹا بھی احتمال ہے رخصت کو ترک کرنا اور عزیمت کو اپنانا۔ وَاٰتٰهُمْ کی بجائے واعطاھم بھی پڑھا گیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ آیت ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو اہل کتاب میں سے جو ایمان لائے تھے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝

"پس نہیں یہ لوگ انتظار کر رہے مگر قیامت کا کہ آ جائے ان پر اچانک۔ بے شک اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں (تو جب قیامت ان پر آ گئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا"۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً۔ بغتۃ یعنی اچانک۔ یہ کفار کے لیے وعید ہے۔ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا اشراطھا سے مراد اس کی علامات ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ پڑھا تھا کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں حضور ﷺ کی بعثت اس کی نشانیوں اور دلیلوں میں سے ایک ہے؛ یہ ضحاک اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں" اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا (1)۔ الفاظ مسلم کے ہیں اسے امام بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ روایت کی جاتی ہے: "میں اور قیامت گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح یعنی مساوی ہیں"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشراط الساعۃ سے مراد اس کے اسباب ہیں جو بڑی نشانیوں سے کم ہیں اسی وجہ سے لوگوں میں سے کم مرتبہ لوگوں کو الشرط کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی نشانیوں سے مراد چاند کا پھٹنا اور دھواں ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا بھی قول ہے۔ کلبی سے مروی ہے: مال کی کثرت، تجارت، جھوٹی گواہی، قطع رحمی، شریف لوگوں کی کمی اور کمینے لوگوں کی کثرت ہے (2)۔ ہم نے کتاب "التذکرہ" میں اسے مفصل ذکر کیا ہے۔ اشراط کا واحد شرط ہے اس کا اصل معنی علامات ہیں اسی معنی میں شرطہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے لیے ایک علامت بنائی ہوئی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں اسی معنی میں بیع وغیرہ میں شرط ہے۔ ابو الاسود نے کہا:

فان کنت قد ازمعت بالصرم بیننا    فقد جعلت اشراط اولہ تبدو (3)

اگر تو نے ہمارے درمیان قطع تعلقی کا عزم کر لیا ہے تو اس کی ابتدائی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے: اشرط فلان نفسہ فی عمل کذا فلاں نے اپنے نفس کو فلاں عمل سے آگاہ کیا اور نفس کو اس عمل کے لیے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعۃ، جلد 2، صفحہ 406۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4028-43، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 223

3۔ ایضاً

وجہ ہوں گی۔ 1۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے باخبر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ 2۔ جس کا استدلال سے جانا ہے اسے خبر یقینی کے ساتھ جان لو۔ 3۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ذکر کو علم سے تعبیر کیا کیونکہ ذکر علم سے ہی ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ ان سے علم کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا جب اس کا آغاز اس سے فرمایا فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ عمل کا حکم علم کے بعد دیا۔ فرمایا: اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ۔۔۔۔ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الحدید: 21-20) فرمایا: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: 28) بعد میں فرمایا: فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن: 14) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال: 41) بعد میں عمل کا حکم دیا۔

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: 1۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو کہ آپ سے گناہ واقع ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو کہ تجھے گناہوں سے محفوظ رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ کے لیے کافروں اور مومنوں کی حالت کا ذکر کیا تو ایمان پر ثابت قدمی کا حکم دیا یعنی توحید و اخلاص میں سے جس حالت پر آپ ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور ان چیزوں سے احتیاط کرتے رہیں کہ جن کو بجالانے کی صورت میں استغفار کی ضرورت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد امت ہے۔ اس قول کی بنا پر آیت اس امر کو واجب کرتی ہے کہ انسان تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کفار کے کفر اور منافقین کے نفاق سے تنگ پڑ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی یہ بات جان لو کہ جو تکلیف آپ کو ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تیرا دل کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو استغفار کا حکم اس لیے دیا تاکہ امت آپ کی اقتدا کرے۔

وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یعنی ان کے گناہوں کے لیے بخشش طلب کیجئے۔ یہ شفاعت کا امر ہے[1] مسلم، عاصم احول سے وہ عبداللہ بن سرجس مخزومی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے۔ تو ان کے ساتھی نے ان سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بخشش طلب کی ہے؟ فرمایا: ہاں اور تیرے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ پھر میں پھرا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر کو دیکھا۔ جمعًا علیه خیلان کانه الثآلیل۔ وہ بند مٹھی کی مانند تھی جس پر تل تھے گویا وہ مسے ہوں۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ۠ اس میں پانچ اقوال ہیں: 1۔ وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے خواہ تو حالت سفر میں ہو یا حالت اقامت میں ہو۔ 2۔ مُتَقَلَّبَكُمْ یعنی دن کے وقت جو تمہارے اعمال ہیں۔ وَ مَثْوٰىكُمْ رات کے وقت جو تم سوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُتَقَلَّبَكُمْ سے مراد دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اور مَثْوٰىكُمْ سے مراد دنیا اور آخرت میں جو کچھ تم کرتے

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوۃ، جلد 2، صفحہ 260

کا امر موکد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ حیثیت دی ہے جو اس آدمی کو حیثیت دی جاتی ہے کہ جو اس سے پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پناہ دیتا ہے تو وہ اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو اللہ تعالیٰ کا پڑوس اپنانے والا رسوا نہیں ہوتا اور اس کا عہد توڑا نہیں جاتا؛ اسی وجہ سے رحم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اما ترضین ان اصل من وصلک و اقطع من قطعک یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من صلی الصبح فھو فی ذمۃ اللہ تعالیٰ فلا یطلبنکم اللہ من ذمتہ بشیء فانہ من یطلبہ من ذمتہ بشیء یدرکہ ثم یکبہ فی النار علی وجھہ (1) جو آدمی صبح کی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے پس تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آئی ہوئی چیز میں سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ جو اس کے ذمہ میں موجود چیز کا مطالبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لیتا ہے پھر اسے منہ کے بل آگ میں گرا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

”بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی“۔

قتادہ نے کہا: وہ اہل کتاب کے کفار ہیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سے پہلے آشنا تھے؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور سدی نے کہا: وہ منافق ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاد کے حکم سے آگاہی کے بعد وہ جہاد کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھ گئے۔

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ شیطان نے ان کی خطاؤں کو مزین کیا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ نے انہیں طویل آرزو دلائی اور لمبی عمر کا وعدہ کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: وہ ذات جس نے انہیں لمبی آرزوئیں دلائیں اور ان کی عمروں کو لمبا کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ فراء اور مفضل کا قول ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: املی لھم کا معنی ہے انہیں مہلت دی۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مہلت دینے والا ہے۔

ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ بن عمر، ابو جعفر اور شیبہ نے وَأُمْلِيَ لَهُمْ ہمزہ کے ضمہ، لام کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن ہرمز، مجاہد، جحدری اور یعقوب نے اسی طرح پڑھا ہے مگر انہوں نے یاء کو ساکن پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ یہ معاملہ ان کے ساتھ کرے گا گویا فرمایا: میں انہیں مہلت دیتا ہوں؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: ہمزہ کو فتح دینا وہم دلاتا ہے شیطان انہیں آرزوئیں دلاتا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں اسی وجہ سے ضمہ کی طرف عدول کیا۔ مہدوی نے کہا: جس نے پڑھا و املی لھم تو فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد شیطان ہے۔ ابو عبید نے عام قراءت کو پسند کیا ہے؛ کہا: کیونکہ معنی معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَزْدَادُوا

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 233

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ (الفتح: 9) تُسَبِّحُوْهُ کی ضمیر غائب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور توقیر وتعزیر کے فعل کو رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی طرف پھیرا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝

"یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے"۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا یعنی انہیں یہ مہلت دی تاکہ وہ کفر میں دور چلے جائیں کیونکہ قَالُوْا میں واؤ ضمیر سے مراد منافقین اور یہودی ہیں۔

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا سے مراد مشرک ہیں۔ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ، ببعض الامر سے مراد حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کرنا، آپ کے دشمن میں باہم مدد کرنا، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا اور رازداری کے عالم میں آپ کی توہین کرنا۔ انہوں نے یہ بات رازداری کے عالم میں کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا۔ عام قراءت اَسْرَارَهُمْ ہے یہ سر کی جمع ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ کوفہ کے قراء، ابن وثاب، اعمش، حمزہ، کسائی اور حفص نے عاصم سے اسرارھم نقل کیا ہے کہ یہ مصدر ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ (نوح) یہاں جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ رازداری کی کئی صورتیں تھیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝

"پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر"۔

فَكَيْفَ یعنی ان کا حال کیا ہوگا اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ۔ یضربون، ضاربین کے معنی میں ہے۔ یہ حال کی جگہ واقع ہے۔ کلام کا معنی خوف دلانا اور دھمکانا ہے، یعنی اگر عذاب ان سے مؤخر ہو گیا تو عمر کے اختتام تک یہ سلسلہ ہوگا۔ سورۃ الانفال اور سورۃ النحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کوئی آدمی معصیت پر فوت نہیں ہوتا مگر اس کے چہرے اور اس کی گدی پر شدید ضرب لگائی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنگ کے وقت ہوتا ہے مقصود رسول اللہ ﷺ کی مدد ہوتی ہے۔ فرشتے ان کے منہوں پر مارتے ہیں جب وہ جنگ کا سامنا کرتے ہیں اور جب وہ بھاگتے ہیں تو ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قیامت کے روز ہوگا جب انہیں جہنم کی طرف ہانکا جا رہا ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝

"یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی

کینے کو اہل اسلام کے لیے ظاہر نہیں کرے گا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم تیری ان کی پہچان کرا دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان کی سورۂ براءت میں پہچان کرا دی تھی۔ عرب کہتے ہیں: سأريك ما أصنع یعنی جو کچھ میں کرنے والا ہوں تجھے اس کی پہچان کرا دوں گا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: 105) اس کے مطابق جو دکھایا آپ کو اللہ تعالیٰ نے۔

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ یعنی آپ ان کی ان کی علامتوں سے پہچان کر لیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے بعد منافقوں میں سے کوئی بھی آپ کی ذات پر مخفی نہ رہا، آپ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے تھے۔ ہم ایک غزوہ میں تھے اس میں سات منافق تھے جن کے بارے میں لوگوں کو شک تھا ایک رات انہوں نے صبح کی تو ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا: ھذا منافق یہ منافق ہے (1)۔ یہ ان کی نشانی تھی۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہار کو مقدر کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسجد سے نکلیں تو انہوں نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ چمٹے رہیں تو ان کے خون محفوظ ہو گئے انہوں نے نکاح کیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا گیا۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ اور آپ انہیں ضرور پہچان لیں گے ان کی گفتگو کے ڈھنگ سے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وخير الكلام ما كان لحنا (2) بہترین کلام وہ ہوا کرتی ہے جو معنی سے پہچانی جائے اور اس کی تصریح نہ کی جائے۔

یہ اللحن فی الاعراب سے ماخوذ ہے اس کا مطلب صحیح بات سے نکل جانا ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض (3) تم میرے سامنے اپنے جھگڑے پیش کرتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ قوت والا ہو یعنی وہ جواب میں دلیل کو لے جانے والا ہو کیونکہ وہ کلام کو پھیرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ابو زید نے کہا: لحنت له ألحن لحنا جب تو اسے ایسی بات کرے وہ تجھ سے اس کا معنی سمجھ لے اور دوسرے پر وہ مخفی رہ جائے۔ لحنه عني يلحنه لحنا یعنی اسے سمجھا۔ ألحنته أنا إياه میں نے اسے یہ سمجھایا۔ ولاحنت الناس میں ان کو سمجھ گیا۔ فزاری نے کہا:

وحديث ألذه هو مما ينعت الناعتون يوزن وزنا

منطق رائع وتلحن أحيانا وخير الحديث ما كان لحنا

کتنی ہی باتیں ہیں جن سے میں لذت حاصل کرتا ہوں جو ان میں سے ہیں جن کی نعت بیان کرنے والے نعت بیان کرتے ہیں۔ اس کا وزن بیان کیا جاتا ہے خوبصورت گفتگو ہوتی ہے بعض اوقات اس میں لحن ہوتا ہے اور بہترین گفتگو وہ ہوتی ہے جو با معنی ہو۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 328 — 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 121

3۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، موعظۃ الامام للخصوم، جلد 2، صفحہ 1062

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝

"بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول (کریم) کی بعد ازاں کہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔"

یہ آیت منافقوں یا یہودیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال: 36)

وَشَاقُّوا الرَّسُولَ یعنی رسول سے دشمنی کی اور اس کی مخالفت کی۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ یعنی وہ دلائل اور آیات سے جان چکے تھے کہ آپ نبی ہیں۔ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا، اپنے کفر کے باعث اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ انہوں نے جو عمل کیا اس کا ثواب برباد کر دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔"

اس میں دو مسئلے ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ جب کفار کی حالت کو بیان کیا تو مومنوں کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہ کی سنت میں اطاعت کو لازم پکڑو۔

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ یعنی اپنی نیکیوں کو معاصی کے ساتھ باطل نہ کرو(1)، یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: کبیرہ گناہ کر کے اپنے اعمال کو باطل نہ کرو(2)۔ ابن جریج نے کہا: ریاکاری اور شہرت کی خواہش کر کے اپنے اعمال باطل نہ کرو(3)۔ مقاتل اور ثمالی نے کہا: احسان جتلا کر اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ یہ ان کے لیے خطاب ہے جو اسلام قبول کرنے کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر احسان جتلایا کرتا تھا۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول سب کو جامع ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کبیرہ گناہ طاعات کو برباد کر دیتا ہے اور معاصی انسان کو ایمان سے خارج کر دیتی ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ ہمارے دوسرے علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نفل نماز ہو یا روزہ اس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں عمل کا ابطال ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ جس نے اس کی اجازت دی یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے کہا: اس سے مراد فرض عمل کا ثواب ہے تو اسے آدمی کو اپنے عمل کے ثواب کو باطل کرنے سے منع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 306 — 2۔ ایضاً — 3۔ ایضاً

کیا گیا۔ جہاں تک نفل عمل کا تعلق ہے اسے شروع کرنے کے بعد توڑنا کوئی منع نہیں کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں تھا۔ اگر وہ یہ گمان کریں کہ لفظ عام ہے تو عام کی تخصیص جائز ہے۔ اس کی تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ شئے ابتداءً نفل ہوتی ہے اور وہ نفل ابقاء کا تقاضا کرتا ہے۔

ابو العالیہ سے مروی ہے: لوگوں کا خیال تھا اسلام لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگ اعمال کی بربادی کے ڈر سے گناہ کبیرہ سے ڈرنے لگے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تم نے اپنے اعمال کو باطل کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝

"بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا"۔

اس امر کو واضح کیا کہ کفر کی صورت میں موت ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کو واجب کر دیتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا مصداق قلیب بدر کے گڑھے میں ڈالے جانے والے لوگ ہیں (1)۔

اس آیت کے احکام عام ہیں۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝

"(اے فرزندان اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال اور (کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ فَلَا تَهِنُوْا تم قتال سے ضعف کا اظہار نہ کرو۔ وهن کا معنی ضعف ہے۔ وهن الانسان ووهنہ غیرہ یہ بھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا: انني لست بموهون فقر۔ وهن کسرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی بھی کمزور ہونا ہے۔ اسے فما وهنوا بھی پڑھا گیا ہے یعنی ھاء پر ضمہ اور کسرہ ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ السلم کا معنی صلح ہے وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم دلیل دینے میں غالب ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم غالب ہو

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 379

کیونکہ تم مومن ہو اگرچہ بعض احوال میں وہ تم پر غالب آجائیں گے۔ قتادہ نے کہا: تم پہلا ایسا طائفہ نہ بنو جو اپنے مد مقابل کے سامنے مغلوب ہو گیا (1)۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ علماء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: 61) کے لیے ناسخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی طرف میلان کرنے سے منع کیا ہے جب مسلمانوں کو صلح کی ضرورت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے۔ دونوں آیات دو مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے جبکہ دوسری عام ہے۔ کفار کے ساتھ صلح ضرورت کے وقت ہی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے ضعف کی وجہ سے ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں۔ یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ اللہ تعالیٰ نصرت اور مدد کرنے میں تمہارے ساتھ ہے جس طرح ارشاد ہے: وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت)

وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی وہ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ قول مروی ہے اسی سے ایک لفظ موتور ہے جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کا قصاص نہ لیا جا سکے۔ اس کا باب یوں چلے گا: وترہ یترہ وترا وترۃ۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من فاتته صلاة العصر فكأنما وتر أهله وماله (2) جس آدمی کی عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کے اہل اور مال میں نقصان ہو گیا۔ اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: وترہ حقہ اس نے اس کے حق میں کمی کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تیرے اعمال میں کمی نہیں کرتا۔ جس طرح تو کہتا ہے: دخلت البیت، وانت ترید فی البیت یعنی ایک جملہ میں فی اصل موجود ہے اور دوسرے میں نہیں ہے: یہ جوہری کا نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ یہ وتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی ہوگا یعنی تمہیں ثواب کے بغیر تنہا نہیں چھوڑے گا۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝

"یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہ کرے گا تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگواریوں کو"۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ سورۃ الانعام میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ یہ کلام شرط اور جواب ہے۔ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ یعنی وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم زکوٰۃ میں سارا مال ہی دے دو بلکہ اس نے بعض

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 328

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، التغلیظ فی تفویت العصر، جلد 1، صفحہ 228

تعالیٰ کے زیادہ محتاج ہوں گے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ۠ صحابہ نے پوچھا: ہماری جگہ کن لوگوں کو بدل دیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: "یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم"(1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں اعتراض کی گنجائش ہے۔

عبداللہ بن جعفر بن نجیح جو علی بن مدینی کے والد تھے نے یہ حدیث علاء بن عبدالرحمن سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں(2) جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ لے آیا جائے گا پھر وہ ہماری مثل نہ ہوں گے؟ کہا: حضرت سلمان فارسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مارا فرمایا: "یہ اور اس کے ساتھی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا کے ساتھ لٹک رہا ہوگا تو فارس کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے" حضرت حسن بصری نے کہا: وہ عجمی لوگ ہیں(3)۔ عکرمہ نے کہا: وہ فارس اور روم کے لوگ ہیں۔ محاسبی نے کہا: عربوں کے بعد تمام عجمی لوگوں میں سے ایرانیوں سے بڑھ کر کوئی دین میں اچھا ہوگا اور ان میں سے کئی علماء ہوں گے۔

ایک قول کیا گیا ہے: وہ یمنی ہیں اور وہی انصار ہیں؛ یہ شریح بن عبید نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے: وہ انصار ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ تابعی ہیں۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ۠ طبری نے کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنے میں وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوئے اور فرمایا: "یہ دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہے"۔

---

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ محمد، جلد 2، صفحہ 158
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 331

# سورۃ الفتح

﴿ آیاتہا ۲۹ ﴾ ﴿ ۴۸ سورۃ الفتح مدنیۃ ۱۱۱ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۴ ﴾

سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے اس کی انتیس آیات ہیں یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ محمد بن اسحاق نے زہری سے وہ عروہ سے وہ مسعود بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت نقل کرتے ہیں دونوں نے کہا: سورۂ فتح مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق ابتداء سے آخر تک نازل ہوئی۔ صحیحین میں زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (1) کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک سفر میں چل رہے تھے جبکہ حضرت عمر بن خطاب ان کے ساتھ رات کے وقت ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے کوئی سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عمر نے پھر عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا انہوں نے عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عمر نے کہا: عمر کی ماں روئے تو نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار سوال کرنے میں مبالغہ سے کام لیا رسول اللہ ﷺ نے تجھے جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی پھر میں سب لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے ڈر ہونے لگا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہو گا میں تھوڑا وقت بھی نہیں ٹھہرا تھا کہ میں نے ایک آواز دینے والے کو آواز دیتے ہوئے سنا۔ میں نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آج مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ہر چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

صحیح مسلم میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا: جب یہ آیات نازل ہوئیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ اس وقت آپ ﷺ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے صحابہ کرام بڑے غمگین تھے جبکہ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا تھا فرمایا: ''مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہے''(2)۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 749

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح حدیبیہ، جلد 2، صفحہ 106

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو برا بھلا کہا جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ (الاحقاف: 9) انہوں نے کہا: ہم کیسے ایسے آدمی کی کس طرح پیروی کریں جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ امر نبی کریم ﷺ پر بڑا شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے وَمَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ (الاحقاف: 9) نازل کی تو مشرک اور منافق خوش ہوئے اور کہا: ہم ایسے آدمی کی کیسے اتباع کریں جو یہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا یعنی ہم نے آپ کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جس کے بدلے میں سرخ اونٹ مجھے خوش نہیں کرتے“۔ مسعودی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جس نے رمضان شریف کی پہلی رات میں نفلی نماز میں سورۂ فتح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ

”یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی“۔

اس فتح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ بخاری شریف میں ہے محمد بن بشار، غندر سے وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم فتح سے مراد یوم حدیبیہ ہی شمار کیا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: تم فتح سے مراد فتح مکہ لیا کرتے تھے (2) جبکہ فتح مکہ تو فتح ہے اور ہم فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ضحاک نے کہا: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا یہ قتال کے بغیر فتح ہوئی صلح بھی فتح کی صورت ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ کے مقام پر جانور قربان کرنا اور اپنے سر کا حلق کرانا تھا (4) حدیبیہ کی فتح عظیم الشان تھی اس کا پانی نکالا گیا تو آپ نے اس میں کلی کی تو اس میں پانی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے سب نے اس پانی کو پیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: جب صحابہ حدیبیہ سے واپس آگئے تو ایک آدمی نے کہا: یہ فتح نہیں انہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بلکہ یہ سب سے بڑی فتح ہے مشرک اس بات پر

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الفتح، جلد 2، صفحہ 715　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 310

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166　　4۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 258

5۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 332

راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے شہروں سے نرمی سے جانے دیں تم سے فیصلہ کا سوال کریں، امان میں تم سے رغبت کریں جبکہ انہوں نے تم سے وہ کچھ دیکھ لیا ہے جس کو وہ ناپسند کریں" (1)۔

امام شعبی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے وہ کچھ حاصل کیا جو آپ نے کسی غزوہ میں حاصل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا، آپ کے ہاتھ پر بیعت رضوان ہوئی، صحابہ کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں، ہدی اپنے مقام کو پہنچی، رومی ایرانیوں پر غالب آئے، مومن اہل کتاب کے مجوسیوں پر غالب آنے سے خوش ہوئے۔

زہری نے کہا: حدیبیہ عظیم فتح تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تھے جب صلح ہو گئی تو لوگ ایک دوسرے سے ملے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جانا اور اس کے کلام کو سنا جس نے بھی اسلام کا ارادہ کیا اس کو قبول کرنے کی اس میں آسانی پائی، دو سال بھی نہ گزرے تھے مگر مسلمان دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آئے۔

مجاہد نے یہ بھی کہا اور عوفی کا یہ قول ہے: اس سے مراد فتح خیبر ہے، پہلا قول اکثر کا قول ہے جبکہ خیبر ایک وعدہ تھا جو ان سے کیا گیا جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ حضرت مجمع بن جاریہ جو ان قراء میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر تھے جب ہم اس سے واپس آئے تو لوگ جو اونٹوں کو تیز چلا رہے تھے (2) بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی کی ہے کہا: ہم تیزی سے نکلے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع الغمیم میں پایا جب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کو پڑھا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: "ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ فتح ہے" خیبر کے اموال صلح حدیبیہ میں شریک لوگوں میں تقسیم کیے گئے ان میں وہی فرد شامل تھا جو حدیبیہ میں موجود تھا (3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَتْحًا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ زبردستی فتح کیا گیا کیونکہ فتح کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر جسے سختی کے ساتھ فتح کیا گیا ہو یہ اس امر کی حقیقت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتح البلد صلحاً صلح کا معنی سمجھ نہیں آتا مگر جب وہ فتح کے ساتھ ملا ہوا ہو پس فتح صلح میں مجازی معنی میں ہوگا۔ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ زبردستی فتح ہوا۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 188　　2۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 420

3۔ ابوداؤد، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، حدیث 2359، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

"ہم کو دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے"۔

ابن انباری نے کہا: فَتَحْنَا مُبِيْنًا پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ یہ فتح سے متعلق ہے گویا فرمایا: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے فتح کے ساتھ مغفرت کو جمع کر دے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لیے وہ چیز جمع کر دے جس سے دنیا و آخرت میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا: یہ لام قسم ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ لام مکسور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ساتھ نصب دی جاتی ہے اگر یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوتا لیقوم زید اس کی تاویل لیقومن زید ہے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو مغفرت کی علت کیسے بنایا ہے؟ میں کہوں گا: اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت کی علت نہیں بنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار امور کو جمع کیا گیا ہے وہ مغفرت، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب مدد۔ گویا فرمایا: ہم نے تیرے لیے فتح مکہ کو آسان بنا دیا تیرے دشمن کے خلاف تیری مدد کی تا کہ آپ کے لیے دونوں جہانوں کی عزتوں اور دنیا و آخرت کے غلبہ کو جمع کر دے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد فتح مکہ ہو اس حیثیت سے کہ یہ دشمن کے ساتھ جہاد ہے یہ مغفرت اور ثواب کا سبب ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آرہے تھے[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کر دیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس بارے میں حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔

علماء نے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد ہے کہ اعلان نبوت سے قبل جو آپ سے ایسے افعال ہوئے جن کو آپ اپنی شان کے خلاف خیال کرتے ہیں اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد جو اعلان نبوت کے بعد جو افعال ہوئے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اسی کی مثل طبری اور سفیان ثوری نے کہا۔ طبری نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (نصر) کی طرف راجع ہے یعنی اعلان نبوت سے پہلے اور

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ الفتح، جلد 2، صفحہ 159

ہدایت پر ثابت قدم رکھے گا یہاں تک کہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا۔

وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا۞ یعنی ایسی مدد کرے گا جو غالب ہوگی جس کے بعد کوئی ذلت و عاجزی نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۟ۙ

"وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے پہلے ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے"۔

السَّكِیْنَةَ سے مراد سکون و طمانیت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی سکینہ کا لفظ ہے اس سے مراد طمانیت ہے مگر جو سورۂ بقرہ میں ہے۔ ایمان کی زیادتی کا معنی سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کے ساتھ مبعوث کیا گیا(1) جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بارے میں تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز کو زائد کر دیا جب انہوں نے اس حکم میں آپ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ کو زائد کیا، جب انہوں نے اس امر میں آپ کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر روزوں کو زائد کر دیا، جب انہوں نے اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حج کا اضافہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ کا یہی مصداق ہے یعنی ایمان سے مراد تصدیق ہے۔ ضحاک نے کہا: یہاں اس سے مراد یقین ہے(2)۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنود سے مراد ملائکہ، جن، شیاطین اور انسان ہیں۔ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے احوال سے باخبر ہے حَكِیْمًا جس کا ارادہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔

لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۟ۙ

"تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور دور فرما دے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو پھر یہ زیادتی انہیں جنت میں داخل کرنے کے سبب سے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِّیُدْخِلَ میں لام اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کا لام ہے۔

وَ كَانَ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا وعدہ اور گناہوں کی بخشش ہے عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا۞ یعنی

1۔ تفسیر ۔۔۔ جلد 26 صفحہ 84 2۔ معالم التنزیل جلد 5 صفحہ 187

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ اہل مکہ نے آپ کو قتل کر دیا ہے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دعوت دی کہ وہ اہل مکہ سے جنگ کرنے کی بیعت کریں۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے موت پر بیعت لی۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ان سے یہ بیعت لی کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ یہ ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بتایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور یہ بتایا کہ وہ آگ میں داخل نہیں ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا تاکہ یہ حضرت عثمان کی جانب سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حاضر ہیں۔ وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے وہ شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ حضرت ابو سفیان اسدی تھے۔

صحیح مسلم میں ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے (1) ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا، کہا: ہم نے آپ کی اس امر پر بیعت کی کہ ہم نہیں بھاگیں گے، ہم نے موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہ سنا کہ حضرت جابر سے سوال کیا گیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے روز کتنے تھے؟ کہا: ہماری تعداد چودہ سو تھی، ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ صرف جد بن قیس انصاری نے بیعت نہ کی وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔

سالم بن ابی جعد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اصحاب شجرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اگر وہ ایک لاکھ ہوتے تب بھی وہ ہمیں کفایت کر جاتی، ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ ایک روایت میں ہے: ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ بیعت کرنے والے تیرہ سو تھے، بنو اسلم مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔ یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں نے سلمہ سے کہا: حدیبیہ کے روز تم نے کس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی؟ جواب دیا: موت پر۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا یہ وہ تحریر ہے (2) جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں نے کہا: تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھو اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: "اسے مٹا دو" تو حضرت علی نے عرض کی: مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اسے مٹا دوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود مٹا دیا۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور تین دن قیام کریں گے وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوں گے مگر جلبان

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، مبایعۃ الامام الجیش عند ارادۃ القتال، جلد 2، صفحہ 129

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح الحدیبیۃ، جلد 2، صفحہ 109

اسد سے۔ میں نے ابو اسحاق سے پوچھا: یہ جملات نسد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: قضیہ اور اس میں جو کچھ ہوا۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی جن میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل بن عمرو نے کہا: جہاں تک بسم اللہ کا تعلق ہے ہم اسے جانتے ہیں ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم جانتے ہیں یعنی باسمک اللھم فرمایا: "لکھو محمد رسول اللہ کی جانب سے" انہوں نے کہا: اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی پیروی کرتے بلکہ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لکھو محمد بن عبد اللہ کی جانب سے" انہوں نے نبی کریم ﷺ پر یہ شرط لگائی کہ جو آدمی آپ کی جانب سے ہمارے پاس آئے گا ہم اسے آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا آپ اسے واپس کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم یہ شرط لکھیں گے؟ فرمایا: "ہاں، ہم میں سے جو ان کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ نے اسے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرما دے گا۔"

ابو وائل سے مروی ہے حضرت سہل بن حنیف نے صفین کی جنگ کے دن کہا: اے لوگو! اپنی ذاتوں پر تہمت لگاؤ ہم حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اگر ہم جنگ کی رائے رکھتے تو ضرور قتال کرتے (1) یہ صلح رسول اللہ ﷺ اور مشرکوں کے درمیان تھی۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: "کیوں نہیں" عرض کی: کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں؟ فرمایا: "کیوں نہیں" عرض کی: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں اور ہم واپس جا رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا" کہا: حضرت عمر چلے گئے اور غصہ کی وجہ سے صبر نہ کر سکے وہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا: اے ابو بکر! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں پوچھا: کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ کہا: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں ہم واپس جا رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ابھی تک فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: اے ابن الخطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ پر سورۃ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں یہ سورت سنائی۔ حضرت عمر نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: "ہاں" تو حضرت عمر کا نفس مطمئن ہو گیا اور واپس آ گئے۔

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ صحابہ کے دلوں میں جو صدق اور وفا موجود تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا (2) یہ فراء کا قول ہے۔ ابن جریج اور قتادہ نے کہا: معنی ہے بیعت کے حکم پر ان کے راضی ہونے کو جان لیا کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ مقاتل نے کہا: بیعت کی ناپسندیدگی کو جان لیا کہ موت تک آپ کی معیت میں جنگ کرتے رہیں گے۔

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح حدیبیہ، جلد 2، صفحہ 105
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316

صلح کے بارے میں گفتگو کے لیے سفراء آ جا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان افراد کو عتقاء کہا جاتا ان میں حضرت معاویہ اور ان کے والد بھی تھے۔

مجاہد نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے نکلے کہ بے خبری کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے حرم سے کچھ افراد کو پکڑ لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا یہ کامیابی مکہ کی وادی میں ہوئی تھی (1)۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی تھا جسے زنیم کہا جاتا تھا وہ حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھا تو مشرکوں نے اسے تیر مارا اور اسے قتل کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھڑ سوار دستہ بھیجا تو وہ کفار کے بارہ شاہسوار پکڑ کر لے آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ''کیا تمہارے حق میں میرے اوپر کوئی عہد و پیمان ہے (2)؟'' انہوں نے عرض کی: نہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابزی اور کلبی نے کہا: مراد اہل حدیبیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ مسلمانوں سے روک لیے یہاں تک کہ صلح ہو گئی سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا قصد کیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو بھی ان سے روک لیا تھا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت خالد بن ولید مشرکوں کے گھڑ سوار دستہ میں موجود تھے۔ قشیری نے کہا: یہ ایک روایت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ وہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: صلح کی بات چل رہی تھی کہ ابوسفیان آئے جبکہ وادی میں لوگوں اور اسلحہ کی ریل پیل تھی، کہا: میں چھ مشرکوں کو ہانکتا ہوا لایا جو مسلح تھے وہ اپنی ذاتوں کے لیے نفع اور نقصان کے کوئی مالک نہ تھے میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا حضرت عمر راستہ میں تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم جنگ جو لوگوں کے پاس آ رہے ہیں نہ ہمارے پاس کوئی اسلحہ ہے اور نہ ہی سواری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں سے ہی مدینہ کی طرف بھیجا تو صحابہ ہر قسم کا اسلحہ اور ہر قسم کے جانور لے آئے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچ سو سواروں کے ساتھ آپ کے مقابلہ کے لیے نکلا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: ''یہ تیرا چچا زاد ہے جو پانچ سو سواروں کے ساتھ آ رہا ہے'' حضرت خالد نے عرض کی: میں اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہوں۔ اسی دن سے انہیں سیف اللہ کا لقب دیا گیا ان کے ساتھ گھڑ سوار دستہ تھا انہوں نے کفار کو بھگا دیا اور مکہ کی دیواروں تک دھکیل دیا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے ان کے درمیان لڑائی پتھروں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیروں اور تیر کمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کف الید سے مراد معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ کفار میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو وہ ان پر لوٹا دیا جائے گا۔ تو مکہ سے کچھ مسلمان نکلے انہیں خوف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مشرکوں کی طرف لوٹا دیں گے وہ ساحل سمندر پر اکٹھے ہو گئے ان میں حضرت ابو بصیر بھی تھے وہ کفار پر غارت گری مچاتے اور ان کے قافلے لوٹ لیتے یہاں

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 109
2۔ ایضاً، جز 26، صفحہ 110

**مسئلہ نمبر 2۔** لَوْ تَزَيَّلُوْا انزیلوا کا معنی تمیز ہونا ہے یعنی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اور جدا جدا ہو جاتے، یہ قتبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو کفار کو تلوار کے ساتھ عذاب دیا جاتا؛ یہ ضحاک کا قول ہے لیکن اللہ تعالیٰ مومنوں کی وجہ سے کفار کا دفاع کرتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس آیت لَوْ تَزَيَّلُوْا کے بارے میں پوچھا فرمایا: مراد وہ مشرک ہیں جو نبی اللہ کے آباء و اجداد (1) میں سے تھے جو ان کے بعد ہوئے اور جو ان کے زمانہ میں ہوئے جن کی پشتوں میں مومن تھے اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب الیم دیتا۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مومن کی حرمت کی وجہ سے کافر کے ساتھ رعایت کی جائے گی کیونکہ کافر کو اذیت مومن کو اذیت دینے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابوزید نے کہا: میں نے ابن قاسم سے کہا: بتایئے کہ مشرکوں کی ایک جماعت اپنے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں ہو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا ہو مشرکوں کے پاس مسلمانوں کے کچھ قیدی ہوں کیا اس قلعہ کو جلا دیا جائے گا یا نہیں؟ کہا: میں نے امام مالک سے سنا آپ سے ان مشرکوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو اپنی کشتیوں میں سوار ہیں کیا ہم ان پر آگ برسا سکتے ہیں جبکہ ان کشتیوں میں قیدی بھی ہیں؟ کہا: امام مالک نے فرمایا میں اسے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اہل مکہ کے لیے فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا اسی طرح اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو ڈھال بنا لے تو اس کو تیر مارنا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تیر مارا اور کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا تو اس پر دیت اور کفارہ ہوگا اگر علم نہ ہو تو نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں علم ہو تو انہیں تیر مارنا جائز نہیں اگر وہ اس کے باوجود ایسا کریں تو وہ خطا قتل کرنے والے ہو گئے اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی اگر وہ نہ جانتے تو ان کو تیر مارنا جائز ہو جاتا جب قتل جائز ہو گیا تو یہ جائز نہیں کہ ان پر کسی قسم کا بوجھ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ایک جماعت کا کہنا ہے اس کا معنی ہے اگر وہ عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں سے جدا ہو جاتے (2)۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ جو پشت میں ہے یا پیٹ میں ہے اسے نہیں روندا جا سکتا اور اس کی وجہ سے کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا جو عورت کے بطن میں ہو اور مرد کی پشت میں ہو اس کا اطلاق حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ اور حضرت ابو جندل بن سہیل پر ہوتا ہے۔ امام مالک نے اسی طرح کہا ہے ہم نے ایک رومی شہر کا محاصرہ کیا پانی ان سے روک لیا گیا وہ قیدیوں کو نیچے اتارتے جو ان کے لیے پانی لے جاتے اگر انہیں ہم مارنے پر کوئی قدرت نہ رکھتا تو ہماری پسند کے بغیر پانی مل جاتا۔ امام ابو حنیفہ، ان کے اصحاب اور امام ثوری نے مشرکوں کے قلعوں پر پتھر پھینکنے کی اجازت دی اگرچہ ان میں مسلمان قیدی اور ان کے بچے ہوں اگر کوئی مشرک مسلمان کے بچے کو ڈھال بناتا ہے تو مشرک پر تیر برسایا جائے گا اگر کسی مسلمان کو وہ لگ جاتا ہے تو اس میں دیت اور کفارہ نہیں ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس میں

1۔ علامہ آلوسی اور امام رازی وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے آباء کو مومن ثابت کیا ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1708

فعلة کا وزن ہے جس کا معنی غضب ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَمِيتُ عَنْ كَذَا حَمِيَّةً وَمَحْمِيَّةً۔ جب تو اس سے خودداری کا اظہار کرے اور تجھے شرمندگی لاحق ہو کہ تو اس امر کو کرے۔ اسی معنی میں متلمس کا قول ہے:

أَلَا إِنَّنِي مِنْهُمْ وَعِرْضِي عِرْضُهُمْ     كَذِي الْأَنْفِ يَحْمِي أَنْفَهُ أَنْ يُكَشَّمَا

خبردار! میں ان میں سے ہوں اور میری عزت انکی عزت ہے جس طرح خوددار آدمی ہوتا ہے وہ اس امر سے حمیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی ناک توڑ دی جائے۔

زہری نے کہا: ان کی حمیت نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اقرار سے ضد کا اظہار کرنا (1) اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ساتھ کلام شروع کرنے سے ضد کا اظہار تھا اور یہی چیز کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنا تھا جو آدمی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور محمد رسول اللہ ﷺ لکھنے سے رک گیا تھا وہ سہیل بن عمرو تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت سے مراد ان کا اپنے معبودوں کے بارے میں عصبیت کا اظہار ہے (2) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں ضد تھی کہ وہ کسی اور کی عبادت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: انہوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کیا پھر وہ ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں لات و عزیٰ کی قسم! وہ اس شہر میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔

فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سکینہ سے مراد طمانیت اور وقار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تسلیم و رضا کے ذریعے پختہ کرنا ہے کفار کے دلوں میں جو ضد داخل کی وہ ان کے دلوں میں داخل نہیں کی۔

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے ایک مرفوع حدیث ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے (3) یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عمرو بن میمون، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، سلمہ بن کہیل، عبید بن عمیر، طلحہ بن مصرف، ربیع، سدی اور ابن زید کا قول ہے یہی قول عطا خراسانی کا ہے انہوں نے مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ واللہ اکبر ہے۔ عطا بن ابی رباح اور مجاہد نے یہ بھی کہا اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر (4) ہے۔ زہری نے کہا: مراد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے یعنی مشرکوں نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے لیے لازم کیا۔ كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ساتھ شرک سے بچا جاتا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد اخلاص ہے (5) وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا کفار کی بنسبت اس کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 320    2۔ ایضاً

3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ الفتح، جلد 2، صفحہ 159۔ ایضاً، حدیث نمبر 3558، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ تفسیر طبری، جزء 26، صفحہ 122    5۔ تفسیر مجاہد، سورۃ الفتح، صفحہ 259

جبکہ ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

"وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور (رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

رسولہ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ لیظہرہ علی الدین کلہ یعنی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ دین کا لفظ مصدر ہے اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رسول کو تمام دین پر غالب کرے، یعنی جو دین مشروع کیا ہے، حجت کے ساتھ اس پر غالب کرے، یعنی ہاتھ اور تلوار سے، اور باقی ادیان کو منسوخ کر دے۔

وکفی باللہ شہیدا اس میں شہیدا تمیز کی بنا پر منصوب ہے یا حال ہونے کی وجہ سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے گواہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کے حق میں شہادت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو معجزات کے ساتھ واضح کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا اس پر گواہ ہے کیونکہ کفار نے اس امر کا انکار کیا کہ وہ لکھیں یہ وہ ہے جس پر محمد ﷺ نے صلح کی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور (وہ سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور رضا کے ان کے (ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔ یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی مرقوم ہیں (یہ صحابہ) ایک کھیتی کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر، اس کا کاشتکار خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تاکہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔"

اس میں پانچ مسائل ہیں:

بن جبیر نے بھی کیا ہے اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ صحیح میں ہے حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی ہے "جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے گا کہ اسے جہنم سے نکالے تو وہ فرشتوں کو حکم دے گا جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا اسے جہنم سے نکالو اللہ تعالیٰ جس پر رحم کرنے کا ارادہ کرے گا (1) وہ وہ ہوں گے جو یہ کہتے تھے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ فرشتے انہیں سجدہ کے نشان سے پہچان لیں گے، آگ انسان کو کھا جائے گی مگر سجدہ کا اثر باقی رہے گا اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دے گا کہ وہ آگ کا نشان کھا جائے"۔

شہر بن حوشب نے کہا: ان کے چہروں میں سے سجدوں کی جگہیں یوں ہوں گی جس طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ سیما دنیا میں ہوگی وہ اچھی تعریف ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ کے بارے میں پوچھا کیا اس سے مراد وہ نشان ہے جو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ فرمایا: نہیں بعض اوقات انسان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے کی طرح چیز ہو جاتی ہے جبکہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد خشوع کی وجہ سے ان کے چہروں پر نور ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد وقار اور رونق ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: مراد رات کی عبادت کی وجہ سے چہرے کی زردی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب تو انہیں دیکھے گا جبکہ وہ مریض نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ان کے چہروں میں زخم کا اثر نہیں بلکہ مراد زردی ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: وہ رات کو نماز پڑھتے ہیں جب صبح کرتے ہیں تو اس کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہوتا ہے اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے(2)" اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ فراء نے کہا: اس کی دو وجوہ ہیں: اگر تو چاہے تو کہے: معنی ہے جس طرح ان کے اوصاف قرآن میں ہیں اسی طرح ان کے اوصاف تورات و انجیل میں ہیں تو وقف الْاِنْجِيْلِ پر ہوگا اگر تو چاہے تو کہے: کلام کا اختتام مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ پر ہے پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے اور کہے: وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ اس صورت میں وقف التَّوْرٰىةِ پر ہوگا۔ مجاہد نے کہا: ہو مثل واحد (3) یعنی یہ تورات اور انجیل میں ان کی صفت ہے اس صورت میں التَّوْرٰىةِ پر وقف نہیں ہوگا۔ وقف الْاِنْجِيْلِ پر ہوگا اور پھر کلام نئے سرے سے شروع کرے گا۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ معنی ہوگا وہم کزرع، شَطْـَٔهٗ سے مراد اولاد ہے؛ یہ ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایک پودا ہے جب اس کے بعد کوئی چیز نکلے تو یہ اس کے لیے کہیں گے: فقد شطاہ۔ اخفش نے اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ کے بارے میں کہا: یعنی وہ اپنی طرف نکالتا ہے۔ ثعلبی نے اسے کسائی سے روایت نقل کیا ہے۔ فراء نے کہا: اشطاء الزرع فہو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجہمیۃ، جلد 2، صفحہ 1106

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیہا، ما جاء فی قیام اللیل، حدیث نمبر 95

3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 298

مشطئی۔ جب وہ نکلے۔

شاعر نے کہا:

أخرج الشطأ على وجه الثرى ومن الأشجار أفنان الثمر

اس نے روئے زمین پر کونپل نکالی اور درختوں سے مختلف قسم کے پھل حاصل ہوتے ہیں۔

زجاج نے کہا: اخرج شطأہ یعنی اس نے نباتات کو نکالا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شطأہ سے مراد بالی کا کانٹا ہے۔ عرب اسے ساحی کہتے ہیں یہ بیچی ہے (ایک جڑی بوٹی ہے جب یہ سرسبز ہو تو اس سے چھوٹی بکریوں کو شدید درد ہو جاتا ہے) یہ قطرب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بالی ہے ایک دانے سے دس، نو اور آٹھ بالیاں نکلتی ہیں، یہ فراء کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر اور ابن ذکوان نے شطأہ طاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ حضرت انس، نصر بن عاصم اور ابن وثاب نے شطاہ پڑھا ہے جس طرح عصاہ ہوتا ہے۔ جحدری اور ابن ابی اسحاق نے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ سب لغتیں ہیں۔

یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بیان فرمائی ہے یعنی وہ تھوڑے ہوں گے پھر زیادہ ہو جائیں گے اور پھر کثیر ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت کا آغاز کیا تو آپ کمزور تھے ایک کے بعد ایک نے دعوت کو قبول کیا یہاں تک کہ آپ کا معاملہ قوی ہو گیا جس طرح ایک دانہ ہوتا ہے پہلے وہ کمزور ظاہر ہوتا ہے پھر ایک حال کے بعد دوسرے حال میں قوی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پودا اور شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ترین اور قوی ترین مثال ہے۔ قتادہ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم سے ظاہر ہوں گے جو کھیتی کی طرح اگیں گے جو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے (1)۔

فآزرہ اسے قوی کیا یعنی اس کی مدد کی اور اسے مضبوط کیا یعنی اس کونپل نے کھیتی کو مضبوط کیا۔ ایک قول اس کے برعکس ہے۔ یعنی کھیتی نے کونپل کو مضبوط کیا۔ عام قراءت فآزرہ ہے یعنی مد کے ساتھ ہے۔ ابن ذکوان، ابو حیوہ اور حمید بن قیس نے فأزرہ قصر کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح فعلہ ہے معروف مدنی ہے۔ امرؤ القیس نے کہا:

بمحنية قد آزر الضال نبتها مجر جيوش غانمين وخيب (2)

[illegible]

فاستغلظ یعنی مضبوط ہوئی۔ فاستوی علی سوقہ سوق سے مراد عمود (لکڑی) ہے جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے یعنی وہ اس کے لیے پنڈلی ہے۔ سوق یہ ساق کی جمع ہے یعجب الزراع یہ کھیتی کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کھیتی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور شطأ سے مراد صحابہ کرام ہیں وہ تھوڑے تھے پھر زیادہ ہو گئے، کمزور تھے قوی ہو گئے یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ لیغیظ بہم الکفار لام حرف جار محذوف کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے فعل

1۔ [illegible]، جلد 5، صفحہ 191

2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 142

ت من السحب فمعنى منه عليه وحسن وأحسنه بجنبيه جهة الغد۔

**مسئلہ نمبر4۔** وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن ہیں ان کے اعمال صالح ہیں مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿﴾ یعنی ایسا ثواب جو ختم نہ ہوگا وہ جنت ہے۔ منهم میں من تبعیض کے لیے نہیں کہ بعض صحابہ کو بعض سے خاص کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ مدح ہے یعنی یہ بیان جنس ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج: 30) اس میں تبعیض کا قصد نہیں کیا بلکہ جنس کو بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اس ناپاکی سے بچو جو بتوں کی جنس سے ہے کیونکہ پلیدی کی اجناس ہیں اس کا اطلاق ہے ان میں زنا، شراب وغیرہ اور جھوٹ سے ہے میں داخل کیا گیا ہے جو جنس کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح منهم ہے یعنی ان کی جنس سے یعنی صحابہ کی جنس سے، جس طرح کہا جاتا ہے: انفق نفقتك من دراهمك یعنی اپنا خرچ اپنی جنس سے کرو۔ تخصیص نہیں کی گئی کہ ان کا ساتھ خاص کیا گیا ہے مقصد ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔ آیت میں ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ ہے کہ من کلام کی تاکید کے لیے ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا۔ یہ بھی عربوں کے قول کے قائم مقام ہے: قطعت من الثوب قميصا مراد یہ ہے تمام کپڑے کو قمیص بنا دیا۔ من یہاں جنسیت کو ثابت کرنے کے لیے ہے قرآن میں ہے: وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ (الاسراء: 82) ہے۔

اس کا معنی ہم قرآن کو شفا دینے کے لیے نازل کرتے ہیں اس کا جز شفا نہیں بلکہ تمام شفا ہے اس میں سے کوئی شے کے ساتھ خاص نہیں۔ نحویوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو من کو جنس کہتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی منزل نشفاء من جنس القرآن ومن جهة القرآن ومن ناحية القرآن۔ زہیر نے کہا:

امن ام اوفى دمنة لم تكلم کیا تمام ام اوفیٰ دمنہ سے بات نہیں کرے گا۔ یہاں بھی من جنس ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

أخو رغائب يعطيها ويسألها  يأبى الظلامة منه النوفل الزفر

اس شعر میں بھی من کسی چیز کی تقسیم کو بیان نہیں کرتا کیونکہ مقصود یابی الظلامة ہے کیونکہ وہ نوفل زفر ہے۔ نوفل سے مراد کثیر عطیہ ہے اور زفر سے مراد لوگوں کی جانب سے بوجھ اور مشقت اٹھانے والا ہے۔

**مسئلہ نمبر5۔** ابو عروہ زبیری حضرت زبیر کے بیٹے سے روایت نقل کرتے ہیں: ہم امام مالک بن انس کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی شان میں تنقیص کیا کرتا تھا امام مالک نے اس آیت کو پڑھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ٝ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ ۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ امام مالک نے کہا: لوگوں میں سے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں غیظ ہو تو وہ اس آیت کا مصداق ہوگا(1)۔ خطیب

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 193

ابو عمر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے بہت اچھی بات کی اور درست تاویل بیان کی ہے جس آدمی نے ان صحابہ میں سے کسی ایک کی شان میں تنقیص کی یا اپنی روایت میں کسی ایک پر طعن کیا تو اس نے اللہ رب العالمین کا رد کیا اور مسلمانوں کے شرعی احکام کو باطل کیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اس کے علاوہ دوسری آیات ہیں جو ان کی تعریف کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور ان کے صدق اور فلاح کی شہادت کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: 23) ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحشر) ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر) یہ سب کچھ ان سے ارشاد فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے حال اور مال کو جانتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (1) لوگوں میں سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا لَمْ یُدْرِکْ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ (2) تم میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کے صدقہ کے ایک مد (ایک پیمانہ) اور اس کے نصف مد تک نہیں پہنچتا۔ دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں: فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مَا فِی الْاَرْضِ لَمْ یُدْرِکْ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ۔ اگر تم میں سے کوئی زمین میں جو کچھ ہے اس کے برابر خرچ کرے تو وہ ان کے صدقہ کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہیں پہنچتا۔

ابو عبید نے کہا: اس کا معنی ان کے ایک مد تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ان کے نصف مد تک پہنچتا ہے۔ نصیف سے یہاں نصف مراد ہے اسی طرح عشر کو عشیر، خمس کو خمیس، تسع کو تسیع، ثمن کو ثمین، سدس کو سدیس اور ربع کو ربیع کہتے ہیں، عرب ثلث کو ثلیث نہیں کہتے۔

مسند بزار میں حضرت جابر سے ایک صحیح مرفوع حدیث مروی ہے: اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ لِیْ مِنْ اَصْحَابِیْ اَرْبَعَةً یَعْنِیْ اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا فَجَعَلَھُمْ اَصْحَابِیْ (3) اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار کو چنا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم فرمایا: فِیْ اَصْحَابِیْ کُلِّھِمْ خَیْرٌ میرے تمام صحابہ میں بھلائی ہے۔

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب، فضائل اصحاب نبی، جلد 1، صفحہ 515

2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا، جلد 1، صفحہ 518

3۔ کنز العمال، جلد 13، حدیث نمبر 36708

عویم بن ساعدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا، میرے لیے میرے صحابہ کو منتخب کیا ان میں سے میرے لیے وزراء، مددگار اور سسرال بنائے، جو ان کو گالیاں دے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ اس سے توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی فدیہ قبول کرے گا" (1)۔

اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔ ان صحابہ میں سے کسی کے بارے میں نازیبا بات کرنے سے بچو جس طرح ان لوگوں نے کیا جنہوں نے دین میں طعن کیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ معوذتین "سورۂ فلق اور سورۂ ناس" قرآن میں سے نہیں ان دونوں سورتوں کے قرآن حکیم میں سے ہونے کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مگر عقبہ بن عامر کی ایک روایت ہے اور عقبہ بن عامر ضعیف (2) ہے کسی اور نے اس مسئلہ میں ان کی موافقت نہیں کی پس ان کی روایت چھوڑ دی جائے گی کتاب وسنت میں سے جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے یہ اس قول کا رد ہے اور دین کی جڑ ہے، تمام صحابہ نے نقل کی ہیں اس کا ابطال ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر ان لوگوں میں سے ہیں جن سے ہمارے لیے شرعی احکام نقل کیے گئے ہیں ان سے مروی روایات بخاری، مسلم اور دوسری احادیث میں ہیں یہ بھی ان میں سے ہوئی جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح بیان کی ان کی صفت کا ذکر کیا ان کی تعریف کی ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا ذکر کیا۔ جو آدمی آپ کی یا صحابہ میں سے کسی ایک کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے تو وہ شریعت سے خارج ہے، قرآن کا ابطال کرنے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر طعن کرنے والا ہے ان میں سے کسی ایک کی یہ نسبت کرنا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو گالی دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عار اور عیب نہیں جس نے صحابہ کو گالیاں دیں رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت کی ان میں سے بہت سے جھوٹ سے مرتبہ والے کو جھٹلانا (جبکہ ان میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں) اللہ تعالیٰ کی لعنت میں داخل ہے جس کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ہر اس فرد پر اس کو لازم کیا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو گالی دی یا اس پر طعن کیا۔

عمر بن حبیب سے مروی ہے کہ میں ہارون رشید کی مجلس میں تھا کہ ایک بحث چھڑ گئی جس میں حاضرین نے جھگڑا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں ان میں سے ایک نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے ان میں سے بعض نے ایک حدیث کو مرفوع ذکر کیا اس میں نزاع اور جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اس حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو مروی روایات ہیں ان میں ان پر تہمت لگائی جاتی ہے اور انہوں نے آپ کے جھوٹ کی تصریح کی۔ میں نے ہارون رشید کو دیکھا کہ اس نے ان کی طرف داری کی اور ان کے قول کی مدد کی۔ میں نے کہا: حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرنے میں صحیح ہیں اور جو وہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اس میں صحیح ہیں۔ رشید نے مجھے

---

1۔ کنز العمال، جلد 11، حدیث نمبر 32466

2۔ اس امر کو واضح کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحابہ پر طعن کرتے ہیں وہی لوگ معوذتین کے قرآن کا جزء ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہی لوگ حضرت عقبہ بن عامر کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت عقبہ بن عامر سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ مترجم۔

غضب کی نظروں سے دیکھا میں مجلس سے اٹھا اور اپنے گھر چلا آیا۔ کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ ڈاکیا دروازے پر آیا وہ داخل ہوا اور مجھے بطور مقتول کی حیثیت سے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کر، خوشبو اور کفن کا انتظام کر لیجئے۔ میں نے کہا: اے میرے اللہ! تو جانتا ہے میں نے تیرے نبی کے صحابہ کا دفاع کیا ہے اور ان کے بارے میں تیرے نبی کی تعظیم کی ہے کہ آپ کے صحابہ پر طعن کیا جائے۔ مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں ہارون رشید کے پاس گیا وہ سونے سے مزین ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس کے سامنے چمڑے کی چٹائی پڑی ہوئی تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا: اے عمر بن حبیب! میری بات کا ایسا جواب مجھے کسی نے نہیں دیا جیسا جواب تو نے مجھے دیا ہے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! جو کچھ آپ نے کہا اور جو جھگڑا کیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اور جو پیغام حق آپ نے بتایا اس کی توہین کا پہلو نکلتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جھوٹے ہیں تو شریعت باطل ہے، روزہ، نماز، طلاق، نکاح اور حدود میں تمام احکام مردود و غیر مقبول ہوں گے۔ اس نے اپنی طرف توجہ کی پھر کہا: اے عمر بن حبیب! تو نے مجھے نئی زندگی دی اللہ تعالیٰ تجھے زندگی عطا کرے اور مجھے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں: صحابہ سب کے سب عادل ہیں اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں انبیاء کرام اور رسل کے بعد وہ اس کی بہترین مخلوق ہیں۔ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس امت کے ائمہ کی جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کہ صحابہ کا حال دوسروں کے حال کی طرح ہے اس وجہ سے ان کی عدالت کے بارے میں بحث ضروری ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ان کے احوال کے درمیان ابتدائے امر کے حوالے سے فرق کرتے ہیں کہا: پہلے پہل وہ عادل تھے پھر ان کے احوال بدل گئے ان میں جنگیں اور خون خرابہ ہوا اس لیے بحث ضروری ہے۔ ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صحابہ کرام میں سے بہترین اور جلیل القدر ہستیاں جیسے حضرت علی شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جو ان ہستیوں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی، ان کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا انہیں راضی کیا اور اس ارشاد کے ساتھ ان سے جنت کا وعدہ کیا: مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيمًا خصوصاً ان عشرہ مبشرہ کو جن کی جنت کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی وہ سردار ہیں جبکہ ان کے بارے میں کثیر آزمائشیں اور اتفاقات آتے رہے یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دے گئے تھے ایسے امور ان کے مرتبہ اور فضیلت کو ساقط کرنے والے نہیں کیونکہ یہ امور اجتہاد پر مبنی تھے ہر مجتہد ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سورۂ حجرات میں اس موضوع پر گفتگو ہوگی ان شاء اللہ۔

رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۝ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ نازل ہوئیں۔ اسے امام بخاری نے حسن بن محمد بن صباح سے نقل کیا اور مہدوی نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔(2) روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو مدینہ طیبہ پر نائب بنائیں جب آپ خیبر کی طرف تشریف لے گئے حضرت عمر نے ایک اور آدمی کے بارے میں مشورہ دیا تو یہ آیات نازل ہوئیں؛ اسے بھی مہدوی نے ذکر کیا ہے۔(3) ماوردی نے ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں(1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس صحابہ کو بنی عامر کی طرف بھیجا، بنی عامر نے انہیں قتل کر دیا مگر تین آدمی پیچھے رہ گئے وہ سلامت رہے اور مدینہ طیبہ کی طرف واپس لوٹ آئے وہ بنو سلیم کے دو آدمیوں سے ملے انہوں نے ان دو افراد سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا دونوں نے کہا: بنی عامر سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ بنی عامر، بنو سلیم سے زیادہ معزز شمار ہوتے تھے۔ ان صحابہ نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ بنی سلیم کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: ہمارے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے اور ہم میں سے آدمی قتل کر دیے گئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت سو اونٹ عطا فرمائی؛ ان دو آدمیوں کے قتل کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔(4) قتادہ نے کہا: کچھ لوگ کہا کرتے تھے کاش! میرے بارے میں ایسی آیت نازل ہوتی، کاش! میرے بارے میں ایسی آیت نازل ہوتی تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ (5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں منع کیا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلام کریں۔ مجاہد نے کہا: تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے پہلے ہی حکم نہ دے دیا کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر حکم دے؛ اسے امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے۔(6) حضرت حسن بصری نے کہا: یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں(3) جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نماز ادا کرنے سے قبل ہی قربانیاں کر دی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ دوبارہ ذبح کریں۔ ابن جریج نے کہا: وہ وقت جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے اس سے قبل تم طاعات کے اعمال نہ کرو۔

میں کہتا ہوں: یہ آخری پانچ اقوال جنہیں قاضی ابو بکر بن عربی نے ذکر کیا اور اس سے قبل ماوردی نے اسی طرح وضاحت کی قاضی نے کہا: یہ سب صحیح ہیں(4) عموم کے تحت داخل ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے جو ان آیات کے نزول کا سبب ہے ممکن ہے بغیر سبب کے نازل ہوئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ قاضی نے کہا: جب ہم یہ کہیں کہ یہ طاعات کو ان کے اوقات سے پہلے لانے میں نازل ہوئی ہے تو وہ بھی صحیح ہے کیونکہ ہر وہ عبادت جس کا ایک خاص وقت ہو تو وقت سے پہلے اسے ادا کرنا جائز نہیں ہوتا جس طرح نماز، روزہ اور حج یہ سب واضح ہیں مگر علماء نے زکوٰۃ پر اختلاف کیا ہے جو عبادت مالیہ ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 326
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 134
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 53
4۔ احکام القرآن ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1713

اور معنی مفہوم کے لیے مطلوب ہے وہ تقدیم کی صورت کو پورا کرتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس سے دو سال کا صدقہ جلدی لیا جب ایسی روایات آئی ہیں کہ صدقہ فطر کو عید الفطر سے پہلے جمع کیا جاتا تا کہ عید الفطر کے روز مستحق لوگوں کو وہ چیز دے دی جائے تو یہ امر سال یا دو سال پہلے زکوۃ کی ادائیگی کے جواز کو ثابت کرتا ہے اگر سال کا اختتام نہ ہوا اور نصاب اپنی حالت پر تھا تو زکوۃ کی ادائیگی ہو گئی اگر سال کا اختتام ہوا جبکہ نصاب تبدیل ہو چکا تھا تو واضح ہو گیا ہے کہ وہ نفلی صدقہ ہے۔

اشہب نے کہا: سال مکمل ہونے سے ایک گھڑی بھی پہلے دینا جائز نہیں (1) جس طرح نماز ہے گویا عبادات میں اس قاعدہ کو جاری رکھا ہے ان کی رائے ہے کہ یہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ہے تو انتظام اور حسن ترتیب میں اس کا پورا حق ادا کیا جائے اور دوسرے علماء کی رائے ہے کہ تھوڑی سی تقدیم جائز ہے کیونکہ تھوڑی چیز معاف ہے مگر کثیر معاف نہیں۔ اشہب نے جو بات کہی وہ زیادہ واضح ہے کیونکہ تھوڑی چیز کو زیادہ سے الگ کرنا اصول شریعت میں صحیح ہے لیکن چند مقاصد جو تھوڑی چیز کے ساتھ خاص ہوں زیادہ کے ساتھ خاص نہ ہوں مگر ہمارے مسئلہ میں دن مہینے کی طرح ہے مہینہ سال کی طرح ہے یا تو کلی تقدیم درست ہوگی جس طرح امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے کہا، جہاں تک عبادات کا تعلق ہے تو وہ اپنے وقت پر ہی ادا کی جائے گی جس طرح اشہب نے کہا۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ نبی کریم ﷺ کے اقوال کے ترک کو ترک کرنے میں یہ اصل ہے آپ کی اتباع اور آپ کی اقتداء کے وجوب میں بھی اصل ہے نبی کریم ﷺ نے اپنی بیماری میں ارشاد فرمایا: مروا ابابکر فلیصل بالناس (2) ابو بکر صدیق کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ سے کہا: آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرو بے شک ابو بکر صدیق جلد رونے والے ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے، حضرت عمر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم یوسف والیاں ہو، ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے" تو صواحب یوسف کا معنی ہے وہ فتنہ جو جائز کو ناجائز کی طرف لوٹانے سے پیدا ہوتا ہے (3)۔ قیاس کے خلاف عبادت کرنے والوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے یہ ان کی جانب سے باطل ہے کیونکہ جس امر پر دلیل قائم ہو تو اس کے بجالانے میں اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنا نہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اس آگے بڑھنے سے بچو جس سے منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو جاننے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

"اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1713
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استخلاف الامام، جلد 1، صفحہ 178
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1714

کیا کرو جس طرح تم زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بیان کیا: اقرع بن حابس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس کی قوم پر عامل بنا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (1) اسے عامل نہ بنائیں دونوں صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گفتگو کی یہاں تک کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تو نے محض میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد جب حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات کرتے تو ان کی گفتگو سنی نہ جا سکتی یہاں تک کہ ان سے سوال کیا جاتا۔ حضرت ابن زبیر نے اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ بعض علماء نے اسے حضرت ابن ابی ملیکہ سے مرسل نقل کیا ہے اس میں حضرت عبد اللہ بن زبیر کا ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: وہ امام بخاری ہیں، کہا: یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (2) دو بہترین آدمی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے ان دونوں کی آوازیں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلند ہو گئیں جب بنو تمیم کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس جو بنی مجاشع سے تعلق رکھتا تھا کا مشورہ دیا دوسرے نے ایک اور کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا: مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر سے کہا: تو نے محض میرے ساتھ مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، اس بارے میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سناتے تھے یہاں تک کہ ان سے پوچھا جاتا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر نہیں کیا۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب میری، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ کی آواز بلند ہوئی ہم حضرت حمزہ کی بیٹی کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جب زید اسے مکہ مکرمہ سے لائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا کیونکہ اس بچی کی خالہ ان کے عقد میں تھی۔ یہ حدیث آل عمران میں گزر چکی ہے۔

صحیحین میں ہے حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے بارے میں خبر لاتا ہوں، وہ حضرت ثابت کے پاس آئے

1۔ اس سے قبل تفسیر روایات مروی ہیں۔ 2۔ صحیح بخاری، باب قولہ لا ترفعوا اصواتکم، جلد 2، صفحہ 718

انہیں اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے پایا پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ جواب دیا: بہت بُرا حال ہے۔ اس کی آواز نبی کریم ﷺ کی آواز پر بلند ہو جاتی تھی اس کے عمل رائیگاں گئے جبکہ وہ جہنمی ہو چکا ہے۔ وہ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کچھ بتایا تو موسیٰ بن انس جو اس سند کے راوی ہیں نے کہا: وہ آدمی ان کی طرف ایک عظیم بشارت لے کر گیا فرمایا: "اس کے پاس جاؤ اس کو کہو تو جہنمی نہیں تو تو جنتی ہے"(1)۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں یہ ثابت، ثابت بن قیس بن شماس خزرجی ہے جن کی کنیت ابو محمد تھی یہ کنیت ان کے بیٹے محمد کی وجہ سے تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ابو عبد الرحمٰن ہے یوم حرہ کو انہیں شہید کیا گیا ان کے تین بیٹے تھے محمد، یحییٰ، عبد اللہ۔ وہ بہت اچھے خطیب اور بلیغ تھے وہ اسی وجہ سے معروف تھے انہیں رسول اللہ ﷺ کا خطیب کہا جاتا جس طرح حضرت حسان کو رسول اللہ ﷺ کا شاعر کہا جاتا جب بنو تمیم کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مفاخرہ کو طلب کیا ان کا خطیب کھڑا ہوا اور اظہار فخر کیا پھر ثابت بن قیس کھڑے ہوئے ایک عظیم و بلیغ خطبہ دیا اور ان پر غالب آ گئے ان کا شاعر کھڑا ہوا وہ اقرع بن حابس تھا اس نے یہ شعر پڑھے:

أتيناك كيما يعرف الناس — إذا خالفونا عند ذكر المكارم

ہم آپ کے پاس آئے جس طرح لوگ جانتے ہیں جب لوگ مکارم کے تذکرہ کے وقت ہماری مخالفت کریں

وإنا رءوس الناس من كل معشر — وأن ليس في أرض الحجاز كدارم

ہم ہر قبیلے کے لوگوں کے سردار ہیں اور حجاز کی زمین میں دارم جیسا کوئی نہیں۔

وإن لنا المرباع في كل غارة — تكون بنجد أو بأرض التهائم

ہمارے لیے ہر جنگ کے مال میں چوتھا حصہ ہوتا ہے وہ جنگ نجد میں ہو یا تہامہ کے علاقہ میں ہو۔

حضرت حسان نے کہا:

بني دارم لا تفخروا إن فخركم — يعود وبالا عند ذكر المكارم

هبلتم علينا تفخرون وأنتم — لنا خول من بين ظئر وخادم

"اے بنی دارم! تم فخر نہ کرو بے شک تمہارا فخر مکارم کے ذکر کے وقت وبال بن جائے گا۔ تم ہلاک ہو! تم ہم پر فخر کرتے ہو جبکہ تم ہمارے غلام ہو دایا اور خادم کے درمیان"۔ انہوں نے کہا: ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اچھا ہے ان کا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا شاعر ہے ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

عطا خراسانی نے کہا: مجھے ثابت بن قیس کی بیٹی نے بتایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کا والد اپنے کمرے میں داخل ہوا اور اپنا دروازہ بند کر لیا نبی کریم ﷺ نے اسے نہ پایا تو اسے بلا بھیجا تاکہ پوچھیں کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی: میری آواز سخت ہے مجھے ڈر ہے کہ میرا عمل ضائع نہ ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تو ان لوگوں میں سے نہیں تو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحجرات، باب لا ترفعوا اصواتکم، جلد 2، صفحہ 718

بھلائی کے ساتھ جئے گا اور بھلائی کے ساتھ مرے گا(1)" پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (لقمان) کو نازل فرمایا، انہوں نے اپنے دروازے کو بند کر لیا اور رونے لگے نبی کریم ﷺ نے نہ پایا تو بلا بھیجا اور خبر دی عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں جمال کو پسند کرتا ہوں اور میں اپنی قوم کا سردار بننا پسند کرتا ہوں فرمایا: "تو ان میں سے نہیں بلکہ تو تعریف کی گئی زندگی گزارے گا، شہید کی حیثیت سے قتل ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا(2)" اس نے کہا: جب یمامہ کی جنگ کا مرحلہ آیا تو مسیلمہ کذاب سے مقابلے کے لیے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ نکلے جب صحابہ کی ان سے مڈ بھیڑ ہوئی تو صحابہ بکھر گئے۔ حضرت ثابت اور حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اس طرح تو جنگ نہیں کرتے تھے پھر دونوں نے اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے اس روز حضرت ثابت کے جسم پر عمدہ زرہ تھی مسلمانوں میں سے ایک آدمی ان کے پاس سے گزرا اور اسے اتار لیا اسی اثناء میں ایک مسلمان سویا ہوا تھا تو حضرت ثابت اسے خواب میں آئے تو فرمایا: میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں یہ کہنے سے بچنا کہ یہ خواب ہے کہ تو اسے ضائع کر دے میں جب کل شہید ہوا تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اس نے میری زرہ لے لی جبکہ اس کا پڑاؤ لوگوں کے ایک جانب ہے اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا ہے جو لمبی رسی سے باندھا ہوا ہے اس نے زرہ پر تو برد الٹا کیا ہے اس تو برد پر کجاوہ ہے۔ حضرت خالد کے پاس جاؤ اسے کہو کہ میری زرہ لینے کے لیے آدمی بھیجے جو زرہ لے آئے جب تو مدینہ طیبہ میں خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق کے پاس پہنچے تو انہیں سے عرض کرو۔ مجھ پر فلاں فلاں قرض ہے میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں آزاد ہے وہ آدمی حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو بتایا حضرت خالد بن ولید نے زرہ لینے کے لیے آدمی کو بھیجا جو زرہ لے آیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی وصیت کے بارے میں بات کی تو آپ نے وصیت کو نافذ کر دیا۔ ہم کسی کے بارے میں نہیں جانتے کہ حضرت ثابت کے بعد کسی کی وصیت نافذ کی گئی ہو اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ اسے ابو عمرو نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ یعنی ان سے خطاب نہ کرو۔ اے محمد! اے احمد! بلکہ یوں خطاب کرو: یا نبی اللہ! یا رسول اللہ! مقصود آپ کی عزت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافق اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کے پاس بلند کیا کرتے تھے تاکہ کمزور مسلمان بھی ان کی اقتدا کریں تو مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ میں لام علی کے معنی میں ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے سقط لفیہ یہ بھی علی کے معنی میں ہے، سقط علی فیہ۔

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ کاف، کاف تشبیہ ہے جو محل نصب میں ہے یعنی تم اس طرح آپ سے خطاب نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ انہیں مطلق جہر سے منع نہیں کیا گیا یہاں تک کہ ان کے لیے جائز ہی نہ ہو مگر یہ کہ وہ اشارہ اور نقل طریقہ سے آپ سے ہم کلام ہوں انہیں مخصوص جہر سے منع کیا گیا ہے جو صفت سے مقید ہو وہ جہر ہے جو اس مماثلت کے ساتھ موصوف ہے جس کے وہ باہم عادی تھے وہ ایسا جہر تھا جس میں نبوت کی قدر و منزلت کا

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 353
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 370

خیال نہ ہو اور باقی مانده مراتب کا لحاظ ہوا گرچہ نبوت و رسالت تمام سے بڑھ کر مرتبہ ہے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اس وجہ سے کہ تمہارے اعمال باطل ہو جائیں، یہ بصریوں کا قول ہے۔ کوفیوں نے کہا: تا کہ تمہارے اعمال رائیگاں نہ چلے جائیں (1)۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور آپ سے گفتگو کے وقت آواز کو پست رکھنے کا حکم ہے جب آپ بولیں اور تم بولو تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچتی ہے بلکہ اپنی آوازوں کو پست رکھو اس طرح کہ آپ کی کلام تمہاری کلام پر غالب رہے اور آپ کی بلند آواز کی گفتگو تمہاری بلند آواز کی گفتگو پر غالب ہو یہاں تک کہ آپ کی فضیلت تم پر نمایاں ہو۔ آپ کی حیثیت ظاہر ہو اور آپ کا امتیاز تمہاری بلند آواز سے عیاں ہو ایسا نہ ہو کہ تم اپنے شور و غل سے آپ کی آواز کو دبا دو اور اپنے شور و غل سے آپ کی گفتگو پر غالب آ جاؤ۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے لا ترفعوا باصواتکم بعض علماء نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا بعض علماء کی مجلس میں بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا۔ مقصود ان کی تعظیم ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہاں سے پردہ فرمانے کے بعد حرمت ایسے ہی ہے جس طرح ظاہری حیات میں آپ کی حرمت تھی (2) آپ کے وصال کے بعد آپ کا کلام اسی طرح ذی شان ہے جس طرح اس کی عظمت اس وقت تھی جب آپ کی زبان سے آپ کا کلام سنا جائے جب آپ کا ارشاد پڑھا جا رہا ہو تو کسی کو زیب نہیں کہ وہ اپنی آواز بلند کرے اور نہ ہی اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کلام سے اعراض کرے جس طرح یہ اس وقت لازم تھا جب آپ کی مجلس میں آپ کی زبان سے اسے سنا جائے اللہ تعالیٰ نے مرور زمانہ کے باوجود اس مذکورہ دائمی حرمت پر یوں متنبہ کیا ہے: وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (الاعراف: 204) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی وحی ہے اس میں قرآن کی حکمت کی مثل حکمت ہے مگر چند معانی مستثنیٰ ہیں جن کی وضاحت کتب فقہ میں ہے۔

**مسئلہ نمبر 5**۔ آواز بلند کرنے اور عام انداز میں گفتگو سے مراد استخفاف اور تحقیر نہیں (3) کیونکہ ایسا امر تو کفر ہے جبکہ مخاطب مومن ہیں بلکہ مقصود محض آواز ہے جو اس کے مناسب نہ ہو جسکے ساتھ عظماء اور بڑے لوگوں کی عزت و توقیر کو پیش نظر رکھا جاتا ہے وہ اس کے پست کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی سطح کی طرف لوٹانے کی سعی کرتا ہے جس سے عزت و توقیر عیاں ہو یہ نہی اس کی آواز کو بلند کرنے کو شامل نہ ہوگی جو صحابہ سے حالت جنگ، معاند سے مجادلہ، دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہوتی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحت نہ دی ہو حدیث طیبہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا جب لوگ غزوہ حنین کے موقع پر تتر بتر ہو گئے تھے: "لوگوں کو آواز دو"۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بڑی بلند تھی۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ایک روز شب خون مارا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یوں آواز لگائی یا صباحاہ۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 327　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1714　3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 352

آپ کی آواز کی سختی کی وجہ سے حاملہ عورتوں نے حمل گرا دیئے اسی بارے میں نابغہ نے کہا:

زجر أبي عروة السباع إذا أشفق أن يختلطن بالغنم(1)

ابو عروہ وہ کا درندوں کو جھڑکتا ہے جب اسے ڈر ہوتا کہ وہ ریوڑ سے خلط ملط ہو جائیں گے۔

راویوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ ریوڑ سے درندوں کو جھڑکتا تھا تو درندہ کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔

**مسئلہ نمبر 6۔** زجاج نے کہا: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تقدیر کلام یوں ہے لان تحبط اعمالکم یعنی تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے لام مقدر وہ لام صیرورت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ انسان کفر کر بیٹھے جبکہ وہ علم نہ رکھتا ہو جس طرح کافر مومن نہیں ہو سکتا مگر اس وقت جب وہ ایمان کو کفر پر ترجیح دے اسی طرح مومن کافر نہیں ہو سکتے جب تک وہ کفر کا قصد نہ کرے اور بالاجماع اسے پسند نہ کرے اسی طرح کافر کافر نہیں ہو سکتا کہ وہ جانتا ہی نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝

"بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے، انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی پر کسی اور سے بات کرتے ہیں تو آپ کی تعظیم کی خاطر اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(2): جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق نے کہا: اللہ کی قسم! میں آواز کو بلند نہیں کروں گا مگر راز داری کرنے والے کی طرح۔ سعید نے ذکر کیا: عباد بن عوام محمد بن عمرو سے وہ ابو سلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں آپ سے کلام نہیں کروں گا مگر جس طرح راز داری کرنے والا کلام کرتا ہے(3)۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بعد کوئی گفتگو نہ کی آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے یہاں تک کہ جو پست آواز سے گفتگو ہوتی اسکو سمجھنے کے لیے کسی سے سوال کرتے تو یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ نازل ہوئی۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ان کے دلوں کو خالص کر دیا(4)۔ اخفش نے کہا: تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ہر قبیح امر سے پاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ رکھ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات کو ختم کر دیا۔ امتحان یہ مَفْتَعَلٌ

---

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 353
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 197
3۔ جامع البیان، صفحہ 323
4۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 327

ہے: بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ روایت بیان کی ہے کہ وہ دوپہر کے وقت حاضر ہوئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے وہ بلانے لگے: یا محمد! یا محمد! ہماری طرف نکلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو فرمایا: "یہ بنی تمیم کے سخت دل لوگ ہیں اگر کانے دجال سے سب سے سخت لڑائی کرنے والے نہ ہوتے تو میں ان کی ہلاکت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے"(1)۔

حجرات، حجر کی جمع ہے اور حُجَر، حُجرۃ کی جمع ہے یہ حجرات جمع کی جمع ہے اس میں دو لغتیں ہیں جیم پر ضمہ اور اس پر فتحہ۔ حجرہ سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جسے ایسی دیوار سے لوگوں کو روک دیا گیا ہو جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ اونٹ کے باڑے کو بھی حجرہ کہتے ہیں یہ فُعلۃ کا وزن ہے جو مفعولۃ کے معنی میں ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع نے پڑھا الحُجَرات یعنی جیم مفتوح ہے کیونکہ دونوں پے در پے ضمے ثقیل تھے اسے الحُجْرات بھی پڑھا گیا ہے یعنی جیم ساکن ہے تخفیف کے لیے ہے اس کا معنی روکنا ہے جس چیز تک پہنچنے سے تو نے منع کر دیا تو نے اس پر حجر کر دیا پھر احتمال موجود ہے کہ سارے قبیلہ میں سے بعض ہوا اس وجہ سے فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ یعنی جو آپ کو آواز دیتے ہیں وہ ایسی قوم سے ہیں جن میں سے اکثر پر جہالت غالب ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

یعنی اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر آنے کا انتظار کرتے تو یہ ان کی دنیا کے لیے موزوں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے حجاب نہ کرتے مگر چند اوقات میں جن میں ضروریات میں مصروف ہوتے ان اوقات میں آپ کو پریشان کرنا سوء ادبی ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنو عنبر کے قیدیوں کی سفارش کے لیے آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے نصف کو آزاد کر دیا اگر وہ صبر کرتے تو بغیر فدیہ کے آپ سب کو آزاد کر دیتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

"اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1**۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کا سبب وہ ہے جسے قتادہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے والا بنا کر بھیجا جب بنی مصطلق نے اسے دیکھا تو استقبال کے لیے آگے بڑھے تو یہ ان سے خوفزدہ ہوا

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 358

گیا۔ ایک روایت میں ہے: یہ اس کینہ کی وجہ سے تھا جو ان کے اور بنی مصطلق کے درمیان تھا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ "وہ چھان بین کرے حملہ میں جلدی نہ کرے" حضرت خالد چلے یہاں تک کہ رات کے وقت ان کے پاس پہنچے آپ نے ان کی طرف اپنے جاسوس بھیجے جب جاسوس واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اسلام کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہیں انہوں نے ان کی آذان سنی اور انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب انہوں نے صبح کی تو حضرت خالد ان کے پاس آئے اور جاسوسوں نے جو کچھ ذکر کیا تھا وہ سب کچھ صحیح پایا حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے اور سب کچھ بتایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: "آہستہ روی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور تیزی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے"(1)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنی مصطلق کی طرف بھیجا جبکہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے جب انہوں نے اس کے بارے میں سنا تو وہ اس کے استقبال کے لیے سواریوں پر نکلے تو وہ ان سے خوفزدہ ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آیا اس نے بتایا کہ لوگوں نے اس کے قتل کا پروگرام بنایا ہے اور اپنے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کا ارادہ کیا اسی اثنا میں ان کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کے قاصد کے بارے میں سنا ہم نکلے تاکہ اس کی تعظیم بجا لائیں اور ہمارے ذمہ جو صدقات ہیں وہ اسے ادا کریں تو وہ واپس چلا گیا اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اسے قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں اللہ کی قسم! ہم اس کے لیے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو ولید کو جھوٹا نام دیا گیا۔ ابن زید، مقاتل اور سہل بن عبد اللہ نے کہا: فاسق سے مراد کذاب ہے۔ ابو الحسن وراق نے کہا: جو اعلانیہ گناہ کرتا ہو۔ ابن طاہر نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کرتا ہو۔ حمزہ اور کسائی نے پڑھا۔ فتثبتوا یہ ثبت سے مشتق ہے باقی قراء نے فَتَبَيَّنُوْٓا پڑھا ہے جو تبین سے مشتق ہے ان تصیبوا یہ اصل میں لئلا تصیبوا تھا ان محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جار حذف ہے بِجَهَالَةٍ یہ حال ہے فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ یعنی جلدی کرنے اور آہستہ روی اختیار نہ کرنے پر تم شرمندہ ہو جاؤ۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ جب راوی عادل ہو تو ایک راوی کی خبر قبول ہوگی کیونکہ فاسق کی خبر پر چھان بین کا حکم ہے جس کا فسق ثابت ہو اس کا قول بالاجماع باطل ہوگا کیونکہ خبر امانت ہے اور فسق ایسا قرینہ ہے جو اسے باطل کر دیتا ہے اجماع نے اس میں اسے مستثنیٰ کیا ہے جو دعویٰ اور انکار سے متعلق ہو اور غیر پر حق ثابت کرنا ہو جیسے کوئی کہتا ہے: ھذا عبدی اس کا قول قبول کیا جائے گا جب کوئی یہ کہے: فلاں نے یہ امر نافذ کیا ہے کہ تیرے لیے ہدیہ ہے تو اسے قبول کیا جائے گا اسی طرح اس کی مثل میں کافر کی خبر قبول کی جائے گی جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کسی غیر میں کسی چیز کو لازم کیا جائے تو امام شافعی اور دوسرے علماء کی رائے ہے: وہ نکاح میں ولی نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا: وہ ولی

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی عثمان، الصحیفۃ، جلد 2، صفحہ 160

الرطبۃ سے مشتق ہے جو اپنے چھلکے سے باہر آجائے اور یہ بھی عمل سے باہر آجاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ یہاں یہ معاملہ کیا گیا ہے پھر کلام خطاب سے خبر کی طرف منتقل ہو گیا فرمایا: اُولٰٓئِكَ یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اللہ تعالیٰ نے ان میں ایمان کی محبت رکھ دی اور کفر کو ان کے لیے ناپسندیدہ بنا دیا یعنی اسے ان کے ہاں قبیح بنا دیا۔ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (الروم)

نابغہ نے کہا:

یا دار میة بالعلیاء فالسند   أقوت وطال علیها سالف الأمد

الرشد سے مراد حق کے ساتھ حق کے راستہ پر استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے یہ رشادہ سے مشتق ہے جس کا معنی چٹان ہے۔

ابو الوازع نے کہا: ہر چٹان رشادہ ہے شعر کہنے والے نے اس سے چٹان مراد لی ہے۔

وغیر مقلد وموشمات   صلین الضوء من صم الرشاد (1)

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ تمہارے ساتھ فضل و احسان کے طور پر کیا ہے مراد فضل و نعمت ہے یہ آپ کے لیے کر دیا گیا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ جو تمہارے حق میں بہتر ہے اسے جانتا ہے اور تمہاری تدبیر کے بارے میں حکمت والا ہے۔

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

"اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے گروہ پر تو پھر سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پھر اگر لوٹ آئے تو صلح کرا دو ان کے درمیان عدل و انصاف سے اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔"

اس میں دس مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا معتمر بن سلیمان حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں (2) انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کاش آپ عبد اللہ بن ابی کے ہاں جاتے؟ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے آپ گدھے پر سوار ہوئے اور مسلمان ساتھ چل رہے تھے یہ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 253   2۔ [illegible]، جلد 325

شوریدہ زمین تھی جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے تو اس نے کہا: مجھ سے دور رہیے اللہ کی قسم! آپ کے گدھے کی بو مجھے اذیت دیتی ہے تو ایک انصاری نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔ عبداللہ کے لیے اس کی قوم کا ایک فرد غصے میں آ گیا ہر ایک کے لیے اس کے ساتھی غصے میں آ گئے ان کے درمیان شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: اوس و خزرج کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: انصار کے دو قبیلے لاٹھیوں اور جوتوں سے باہم لڑے تو یہ آیت نازل ہوئی اس کی مثل سعید بن جبیر سے روایت مروی ہے کہ اوس و خزرج کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لڑائی ہوئی جو کھجور کی شاخوں، جوتوں وغیرہ کے ساتھ ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

قتادہ نے کہا: یہ انصار کے دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ان دونوں کا کسی حق کے بارے میں باہم جھگڑا تھا (1) ان میں سے ایک نے کہا: میں اپنا حق زبردستی لوں گا کیونکہ اس کے خاندان کے افراد زیادہ تھے دوسرے نے اسے دعوت دی کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں مسئلہ پیش کرتے ہیں تو پہلے ساتھی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا معاملہ ان کے درمیان رہا یہاں تک کہ جھگڑ پڑے اور ان میں سے بعض نے بعض کو ہاتھوں، جوتوں اور تلواروں سے مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا: یہ سمیر اور حاطب کی لڑائی کے بارے میں آیت نازل ہوئی سمیر نے حاطب کو قتل کیا تھا تو اوس و خزرج آپس میں لڑ پڑے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم اور مومنوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ دونوں کے درمیان صلح کرا دیں (2)۔ سدی نے کہا: انصار کی ایک عورت تھی جسے ام زید کہا جاتا وہ ایک غیر انصاری کے عقد میں تھی اس کا اپنے خاوند سے جھگڑا ہوا عورت نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے افراد کے پاس چلی جائے اس کے خاوند نے اسے محبوس کر دیا اسے دوسری منزل میں رکھا جس میں اس کے خاندان کا کوئی فرد نہ تھا عورت نے اپنی قوم کے افراد کو پیغام بھیجا اس کی قوم کے لوگ آئے انہوں نے اسے نیچے اتارا تاکہ اسے لے جائیں۔ وہ آدمی نکلا اس نے اپنے خاندان کے لوگوں سے مدد طلب کی اس کے چچا زاد نکلے تاکہ عورت اور اس کے خاندان والوں کے درمیان حائل ہو جائیں انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دیے اور جوتوں سے ایک دوسرے کو مارا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طائفہ کا لفظ ایک آدمی، دو اور دو سے زائد پر ہوتا ہے یہ معنی پر محمول ہوتا ہے لفظ پر محمول نہیں ہوتا کیونکہ دونوں طائفے قوم اور لوگوں کے معنی میں ہیں۔

حضرت عبداللہ کی قرأت میں حتی یفیئوا الی امر اللہ فان فاءوا فخذوا بینھم بالقسط ہے۔ ابن ابی عبلہ نے اقتتلتا پڑھا ہے کیونکہ طائفے دو ہیں اس کے بارے میں گفتگو سورۃ براءۃ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النور) کے بارے میں کہا: ایک اور اس سے زائد ہے۔ اور طائفۃ من الشیٔ سے مراد اس کا ٹکڑا ہے۔

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دے کر ان کے درمیان صلح کراؤ خواہ ان کے حق میں ہو

---

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان [illegible]، جلد 1، صفحہ 50

ان کے خلاف ہو۔

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى یعنی ایک حد سے تجاوز کرے اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور کتاب کو نہ مانے یعنی اس سے مراد بات کو طول دینا اور فساد برپا کرنا ہے۔

حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف لوٹ آئے فَاِنْ فَآءَتْ اگر وہ لوٹ آئے فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ یعنی ان دونوں کو انصاف پر برانگیختہ کرو وَ اَقْسِطُوْا اے لوگو! انصاف سے کام لو تم باہم نہ لڑو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَقْسِطُوْا یعنی عدل سے کام لو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝ یعنی اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں اور حق پرستوں کو پسند کرتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 2۔** علماء نے کہا: مسلمانوں میں دو جماعتیں قتال کرنے میں دو حالتوں سے خالی نہ ہوں گی یا تو وہ دونوں میں سرکشی کے راستے پر باہم قتال کریں گی یا ایسا نہیں ہوگا اگر پہلی صورت ہو تو اس میں یہ ضروری ہوگا کہ دونوں کے درمیان ایسے آدمی کو لایا جائے جو دوری کو ختم کرے اور ایک دوسرے سے ہاتھ روک لیں اور الگ الگ ہو جائیں اگر وہ نہیں رکتے اور صلح بھی نہیں کرتے اور سرکشی پر تلی کمر بستہ رہتے ہیں تو ان دونوں سے جنگ کی جائے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرتی ہو تو ضروری ہوگا کہ باغی گروہ سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ رک جائے اور توبہ کرے اگر وہ ایسا کرے تو اس کے درمیان اور جس کے ساتھ زیادتی کی گئی اس کے درمیان عدل و انصاف سے مصالحت کروائی جائے اگر کسی شبہ کی بنا پر دونوں میں جنگ چھڑ جائے دونوں فریق اپنی جگہ حق پر ہوں تو ضروری ہے کہ دلائل اور براہین کے ساتھ شبہ کو زائل کیا جائے: اگر وہ لڑائی جھگڑے پر گامزن رہیں اور جس امر کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی اور حق کے واضح ہونے کے بعد جو انہیں اتباع حق کی نصیحت کی گئی اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو دونوں باغی گروہ بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

**مسئلہ نمبر 3۔** اس آیت میں دلیل ہے کہ اس باغی گروہ کے ساتھ قتال واجب ہے جس کی بغاوت امام یا کسی مسلمان کے خلاف معلوم ہو اور جو آدمی مومنوں کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کرتا ہے اس کے قول کو فاسد کرنے پر جنگ ورد کرتا ہو اس کے خلاف بھی جنگ کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے: قتال المومن کفر[1] مومن سے جنگ کرنا (علامت) کفر ہے اگر مومن باغی سے قتال کرنا کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے کفر کا حکم دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کیا جو اسلام سے وابستہ رہے اور زکوٰۃ دینے سے رک گئے۔ آپ نے حکم دیا پیٹھ پھیر جانے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے کسی زخمی کو نہ مارا جائے ان کے اموال لینا حلال نہیں جبکہ کافر میں یہ چیزیں واجب ہیں۔ طبری نے کہا: اگر ہر وہ اختلاف جو دو فریقوں کے درمیان ہوتا اس میں واجب بھاگ جانا اور گھروں میں بیٹھ رہنا ہوتا تو کوئی حد قائم نہ ہوتی اور نہ باطل کو باطل کیا جاتا تو اہل نفاق اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے ہر چیز کو حلال کرنے کی راہ پا لیتے جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا تھا جس طرح مسلمانوں کے اموال لینا، ان کی عورتوں کو قیدی بنا لینا اور ان کے خون بہانا وہ ان مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کریں اور مسلمان ان سے اپنے ہاتھوں کو روک لیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان الحجی، جلد 1، صفحہ 58

خلاف ہے: خذوا علی أیدی سفهائکم(1) اپنے بے وقوف لوگوں کے ہاتھوں کو روکو۔

**مسئلہ نمبر 4۔** قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں اصل ہے اور تاویل کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے میں بنیاد ہے صحابہ نے اسی پر بھروسہ کیا اور ملت کے بڑے لوگوں نے اسی کی طرف رجوع کیا(2)۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں یہی آیت مراد لی: تقتل عمارا الفئة الباغية عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ خارجیوں کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: یخرجون علی خیر فرقة او علی حین فرقة من الناس وہ بہترین جماعت پر خروج کریں گے۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "دو جماعتوں میں سے ان کی جماعت انہیں قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہے" جس ہستی نے ان سے جنگ کی وہ حضرت علی شیر خدا اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے مسلمان علماء کے نزدیک یہ ثابت ہے اور دینی اصل سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت علی شیر خدا امام تھے اور جس نے بھی ان پر خروج کیا وہ باغی تھا اس کے ساتھ قتال واجب تھا یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے اور صلح پر راضی ہو جائے کیونکہ حضرت عثمان ؓ کو شہید کیا گیا جبکہ صحابہ ان کے خون سے بری تھے کیونکہ جن لوگوں نے آپ کے خلاف خروج کیا تھا ان کے ساتھ جنگ کرنے سے حضرت عثمان غنی ؓ نے منع کر دیا تھا فرمایا: میں وہ پہلا شخص نہیں بننا چاہتا جو رسول اللہ ﷺ کی امت میں قتل کے ساتھ نیابت کرے۔ آپ نے آزمائش پر صبر کیا، امتحان کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور امت کو اپنی جان کا فدیہ دے دیا پھر یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کو بے مقصد چھوڑ دیا جاتا۔ حضرت عمر نے شوریٰ میں جن افراد کا ذکر کیا تھا خلافت کو ان پر پیش کیا گیا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ حضرت علی شیر خدا اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے تو آپ نے امت پر احتیاط کی غرض سے اسے لے لیا کہ ان کے خون باطل طریقہ سے نہ بہتے رہیں اور بے مقصد ان کا معاملہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے بعض اوقات دین میں تبدیلی رونما ہو گئی اور اسلام کے ستون ٹوٹ گئے جب آپ کی بیعت کر لی گئی تو اہل شام نے مطالبہ کر دیا کہ وہ تب بیعت کریں گے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے ان کو پکڑیں اور ان سے قصاص لیں۔ حضرت علی شیر خدا نے انہیں فرمایا: بیعت میں داخل ہو جاؤ اور حق کا مطالبہ کرو تم اسے پا لو گے۔ انہوں نے کہا: آپ بیعت کے مستحق نہیں جبکہ حضرت عثمان کے قاتل صبح و شام آپ کے ساتھ گھل مل رہے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا ان کی رائے کے بارے میں درست تھے کیونکہ حضرت علی شیر خدا اگر ان سے فوراً قصاص لیتے تو قبائل ان کی عصبیت میں کھڑے ہو جاتے تو تیسری جنگ شروع ہو جاتی آپ نے انتظار کیا تاکہ خلافت کا معاملہ مضبوط ہو جائے اور بیعت منعقد ہو جائے اور مجلس قضا میں اولیاء کی جانب سے مطالبہ ہو اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جائے۔

امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ قصاص میں تاخیر کرے جب وہ فتنہ بھڑکانے اور جمعیت کو منتشر کرنے کا باعث ہو۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لیے بھی ایسی ہی صورت تھی وہ دونوں حضرت علی جیسے ولایت کے منصب پر فائز نہ ہوئے تھے اور نہ ہی انہوں نے دیانت کے اعتبار سے ان پر اعتراض کیا تھا ان کی رائے

1۔ [illegible]، جلد 3، صفحہ 81
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1717

پر محمول کیا جائے جس امر کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ غرض کینوں کو ختم کرنا ہے جنایات کی ضمانت دینا نہیں ہے یہاں عدل ظلم کے ساتھ حسن مطابقت نہیں رکھتا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے۔ دوسرے فأصلحوا کے ساتھ عدل کو ملایا گیا ہے پہلے فأصلحوا کے ساتھ نہیں ملایا گیا؟

میں اس کا جواب دوں گا: آیت کے شروع میں قتال سے مراد ہے کہ وہ دونوں باغی کی حیثیت میں قتال کریں یا ان میں شبہ پایا جائے کوئی بھی صورت ہو مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ حق کا ارادہ کرتے ہوئے شافی مواعظ کے ساتھ اور شبہ کی نفی کرنے کا اہتمام کرتے ہوئے جو جدائی واقع ہو چکی ہے اس میں اصلاح احوال کریں آگ کو ٹھنڈا کریں مگر جب وہ دونوں اصرار کریں تو ان سے جنگ ضروری ہے جہاں تک ضمانت کا تعلق ہے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب ان میں سے ایک باغی ہو تو معاملہ اس طرح نہ ہوگا کیونکہ مذکورہ دونوں صورتوں میں ضمانت قابل توجہ ہوگی۔

**مسئلہ نمبر 9**۔ اگر وہ کسی علاقہ پر غلبہ پالیں اور صدقات وصول کرلیں، حدود قائم کریں اور ان میں فیصلہ کریں ان پر نہ تو دوبارہ صدقات لازم کیے جائیں گے اور نہ حدود قائم کی جائیں گی اور انہوں نے جو فیصلے کیے ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا مگر جو کتاب، سنت اور اجماع کے خلاف ہو جس طرح جو باغی نہ ہو تو اس کے فیصلے کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جاتا۔ یہ مطرف اور ابن ماجشون کا قول ہے۔ ابن قاسم نے کہا: کسی حال میں بھی یہ جائز نہیں (1)۔ اصبغ سے مروی ہے: یہ جائز ہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ جائز نہیں جس طرح ابن قاسم کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اس نے ناحق ان لوگوں کے بارے میں عمل کیا ہے جس پر اس کی تولیت جائز نہ تھی تو یہ جائز نہ ہوگا جس طرح وہ اگر باغی نہ ہوتے تو بھی جائز نہ ہوتا۔ ہمارے لیے قابل اعتبار وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب فتنہ فرو ہو گیا اور صلح کی وجہ سے ائتلاف کیا گیا تو صحابہ نے کسی کے حکم میں کوئی معارضہ نہ کیا۔ ابن عربی نے کہا: جو چیز میرے پاس پسندیدہ ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ فتنہ جب ختم ہو گیا تو امام وہی باغی تھا تو وہاں کون تھا جو معترض بنتا؟ (2)

**مسئلہ نمبر 10**۔ یہ جائز نہیں کہ صحابہ میں سے کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر خطا کو منسوب کیا جائے کیونکہ ہر ایک نے جو بھی عمل کیا اس میں وہ مجتہد تھا وہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہی ارادہ کرتے تھے وہ سب ہمارے آئمہ ہیں ان کے درمیان جو اختلاف ہوا ہم اس سے باز رہنے کے پابند ہیں ہم ان کا ذکر احسن انداز میں ہی کریں گے کیونکہ صحابہ احترام کے مستحق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہنے سے منع کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کا ذکر کیا ہے اور ان سے راضی ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ چیز مختلف سندوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت طلحہ شہید ہیں جو روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں جس جنگ کے لیے وہ نکلے تھے وہ نافرمانی ہوتی (3) تو اس میں قتل ہونے والا شہید نہ ہوتا اسی طرح اگر جس جنگ میں وہ

1۔ جامع ترمذی، مسئلہ 12، شہادہ، جلد 2، صفحہ 73

2۔ حضرت مفسر کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اس معاملہ میں حضرت علی کے زیر تصرف جو علاقے تھے جب ان علاقوں میں فیصلوں کو تبدیل نہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ ان کا اجتہاد تھا

3۔ ابن ماجہ، باب فضل طلحۃ بن عبید اللہ، حدیث نمبر 121، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کوئی کسی کے لیے جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا یہاں تک کہ جو آدمی جگہ نہ پاتا وہ کھڑا ہو جاتا، جب حضرت ثابت نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا اور کہتے: کھل جاؤ۔ لوگوں نے آپ کے لیے جگہ کھلی کر دی یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے جبکہ ان کے درمیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آدمی تھا۔ حضرت ثابت نے کہا: جگہ دو۔ اس آدمی نے آپ سے کہا: آپ نے جگہ پالی ہے یہیں بیٹھ جائیے۔ حضرت ثابت اس کے پیچھے غصہ کی حالت میں بیٹھ گئے پھر کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: فلاں ہے۔ حضرت ثابت نے کہا کہ فلانہ کا بیٹا اسے عار دلانا چاہتے تھے یعنی وہ جاہلیت کی جو ماں کی ماں تھی۔ اس آدمی کو بڑی حیا آئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاک نے کہا: یہ بنو تمیم کے وفد کے بارے میں آیت نازل ہوئی جن کا ذکر سورۃ کے آغاز میں گزر چکا ہے انہوں نے فقراء صحابہ کا مذاق اڑایا جس طرح حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت ابن فہیرہ، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلمان اور حضرت سالم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے رضی اللہ عنہم۔ یہ بات انہوں نے اس وقت کی جب انہوں نے ان کے برے حال کو دیکھا تو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

مجاہد نے کہا: مراد غنی کا فقیر سے مذاق کرنا۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس کے گناہ پوشیدہ رکھے وہ اس آدمی کا مذاق نہ اڑائے جس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا ہو ممکن ہے کہ اس کے گناہوں کا دنیا میں ظاہر ہونا آخرت میں اس کے لیے بہتر ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی جب وہ مدینہ طیبہ میں مسلمان کی حیثیت سے آیا مسلمانوں نے جب اسے دیکھا تو کہا: اس امت کے فرعون کا بیٹا۔ عکرمہ نے اس کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی پر مذاق کی جرأت نہ کرے جو اس کے سامنے آئے جبکہ اس کا حال پراگندہ ہو اس کے بدن میں کوئی عیب ہو یا وہ اچھی طرح گفتگو نہ کر سکتا ہو ممکن ہے ضمیر کے اعتبار سے زیادہ مخلص اور دل کے اعتبار سے زیادہ صاف ہو اس آدمی کی نسبت جو اس کی صفت کے مخالف ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا کہ وہ اس آدمی کو حقیر سمجھ رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عظیم قرار دیا ہے۔ سلف صالحین نے اس امر سے بچنے میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا ان میں عمرو بن شرحبیل کا قول ہے: اگر میں کسی آدمی کو دیکھوں کہ وہ بکری کے بچے کو بکری کا دودھ پلا رہا ہے تو میں اس پر ہنس پڑوں تو مجھے ڈر ہے کہ میں وہ کام کروں گا جو اس نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آزمائش بات پر ہی منحصر ہے اگر میں کتے کا مذاق اڑاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں کتا بنا دیا جاؤں۔ قوم کا لفظ مذکرین کے لیے خاص ہے۔ زہیر نے کہا:

وما أدري وسوف إخال أدري أقوم آل حصن أم نساء (2)

میں نہیں جانتا ممکن ہے میں جان جاؤں کیا آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ہیں۔

---

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 202 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 332

دیکھے ممکن ہے جو اعمال ظاہری کی محافظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک مذموم وصف کو جانتا ہو جس کے ساتھ وہ اعمال صحیح نہ بچے ہوں ممکن ہے جس میں ہم کوئی کوتاہی دیکھیں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسا وصف محمود جانتا ہو جس کے باعث اس کے گناہ بخش دے۔ اعمال ظنی نشانیاں ہیں یہ قطعی دلائل نہیں جس کے اعمال صالح دیکھیں اس کی تعظیم میں غلو نہ کریں جس کے برے اعمال دیکھیں اس کی تحقیر میں نہ جایا جائے اس میں غور و فکر کیجئے کیونکہ دقیق نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اس میں تین مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** لمز کا معنی عیب ہے۔ سورۂ براءۃ میں ارشاد باری تعالیٰ: وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ (توبہ: 58) میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ طبری نے کہا: لمز ہاتھ، آنکھ، زبان اور اشارہ سے ہو سکتا ہے اور ہمز صرف زبان سے ہوتا ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) کی مثل ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل نہ کریں کیونکہ مومنین ایک نفس کی طرح ہیں گویا بھائی کو قتل کرنے والا اپنے آپ کو قتل کرنے والا ہے جس طرح مومنین ایک نفس کی طرح ہیں گویا بھائی کو قتل کرنے والا اپنے آپ کو قتل کرنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (النور: 61) یعنی تم میں سے بعض بعض کو سلام کرتے ہیں معنی ہے تم میں سے بعض بعض کو عیب نہ لگائیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر نے کہا: تم میں سے بعض بعض پر طعن نہ کریں۔ ضحاک نے کہا: تم میں سے بعض بعض پر طعن نہ کریں (1)۔ اسے لا تلمزون بھی پڑھا گیا ہے اَنْفُسَكُمْ کے قول میں یہ تنبیہ موجود ہے کہ عاقل مند آدمی اپنے آپ پر عیب نہیں لگاتا اس لیے کسی غیر پر بھی عیب نہیں لگانا چاہیے کیونکہ غیر بھی اس کی ذات کی طرح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: المؤمنون کجسد واحد إن اشتکی عضو منه تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (2) سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں اگر اس میں سے ایک عضو کو بیماری لگتی ہے تو سارا جسم اس کے لیے بیداری اور بخار کے ساتھ ایک دوسرے کو بلاتا ہے۔

بکر بن عبداللہ مزنی نے کہا: اگر تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ تو دوست کے عیوب کو دیکھے تو بہت زیادہ عیب لگانے والے پر غور کر کیونکہ لوگوں پر وہی عیب لگاتا ہے جو اس کے عیوب سے زائد ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: يبصر أحدكم القذاة في عين أخيه ويدع الجذع في عينه تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی میں تنکا دیکھ لیتا ہے اور اپنی آنکھ میں شہتیر کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انسان کی سعادت مندی اس میں ہے کہ دوسروں کے عیوب میں مشغول ہونے کی بجائے اپنے عیوب میں مشغول ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

المرء إن كان عاقلاً ورعاً أشغله عن عيوبه ورعه
كما السقيم المريض يشغله عن وجع الناس كلهم وجعه

---

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 332
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، تراحم المومنین، جلد 2، صفحہ 321

انسان اگر عقلمند ہو تو اس کا تقویٰ اسے لوگوں کے عیوب سے غافل کر دے گا۔ جس طرح ایک مریض ہوتا ہے اس کا درد اسے تمام لوگوں کے درد سے غافل کر دیتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لا تکشفن مساوي الناس ما ستروا    فيهتك الله سترا عن مساويكا

واذكر محاسن ما فيهم إذا ذكروا    ولا تعب أحدا منهم بما فيكا

جن عیوب کو لوگوں نے چھپا رکھا ہے تو انہیں ظاہر نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ تیرے عیوب کو ظاہر کر دے گا۔ جب ان کا ذکر ہو تو ان کی اچھائیوں کا ذکر کر اور جو عیب تجھ میں ہے وہ عیب کسی پر نہ لگا۔

**مسئلہ نمبر 2۔** **وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ**، نبز کا معنی لقب ہے اس کی جمع انباز ہے نبز مصدر ہے تو اس کا باب یوں ظاہر کرتا ہے: نبزہ ینبزہ نبزا یعنی اسے لقب دیا۔ فلان ینبز بالصبیان یعنی بچوں کو لقب دیتا ہے کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے اسے مشدد پڑھا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے نبز اور نزب برے لقب کو کہتے ہیں۔ **تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ** ان میں سے بعض نے بعض کو لقب دیا۔

ترمذی میں ابو جبیرہ بن ضحاک سے مروی ہے کہا: ہم میں سے ایک آدمی کے دو یا تین نام ہوا کرتے تھے ان میں سے کسی ایک نام سے اسے پکارا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ ناپسند کرے تو یہ آیت نازل ہوئی **وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ**۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

ابو جبیرہ نے کہا: وہ ابو ثابت بن ضحاک بن خلیفہ انصاری کے بھائی ہیں۔ ابو زید سعید بن ربیع صاحب ہروی ثقہ ہیں۔ مصنف ابی داؤد میں ان سے یہ روایت مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی **وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ** کہا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہم میں سے کوئی ایسا آدمی نہ تھا مگر اس کے دو یا تین نام تھے رسول اللہ ﷺ اسے فرمایا کرتے: "اے فلاں!" وہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! ﷺ رک جائیے وہ اس نام سے ناراض ہو جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ یہ ایک قول ہے۔

دوسرا قول ہے: حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد آدمی کو کفر کے ساتھ عار دلائی جاتی کہا جاتا: اے یہودی! اے نصرانی! تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قتادہ، ابو العالیہ اور عکرمہ سے مروی ہے قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے: اے فاسق! اے منافق! یہ مجاہد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے (3)۔

---

1۔ جامع ترمذی، سورہ حجرات، جلد 2، صفحہ 159

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الالقاب، حدیث 3730۔ سنن ابی داؤد، باب فی الالقاب، حدیث 4311، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 152

بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے ساتھی کی غیبت کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا جب آپ سفر کرتے تو ایک محتاج آدمی کو دو خوشحال آدمیوں کے ساتھ ملا دیتے وہ ان کی خدمت کرتا رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کو دو آدمیوں کے ساتھ ملایا حضرت سلمان اپنے پڑاؤ کی طرف نکلے اور نیند غالب آگئی وہ سو گئے اور ان دونوں کے لیے کوئی چیز تیار نہ کی وہ دونوں آئے تو کھانا اور سالن نہ پایا دونوں نے کہا جاؤ نبی کریم ﷺ سے ہمارے لیے کھانا اور سالن طلب کرو۔ وہ گئے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: "اسامہ بن زید کے پاس جاؤ اسے کہو اگر تیرے پاس زائد کھانا ہے تو مجھے دے دے" حضرت اسامہ نبی کریم ﷺ کے خازن تھے حضرت سلمان فارسی ان کے پاس گئے حضرت اسامہ نے کہا: میرے پاس تو کوئی بھی نہیں حضرت سلمان واپس آئے اور ان دونوں کو یہ سب صورتحال بتائی دونوں نے کہا: ان کے پاس کھانا تو تھا لیکن اس نے بخل کیا ہے پھر دونوں نے حضرت سلمان فارسی کو صحابہ کی ایک جماعت کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان کے ہاں بھی کوئی کھانا نہ پایا دونوں نے کہا: اگر ہم اسے سمیحہ کے کنویں کی طرف بھیجیں گے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا پھر وہ چل پڑے تاکہ دیکھیں کیا حضرت اسامہ کے پاس کچھ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: "کیا وجہ ہے میں تمہارے منہوں میں گوشت کی سبزی دیکھتا ہوں" دونوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اللہ کی قسم آج ہم نے نہ گوشت کھایا ہے نہ کوئی اور چیز کھائی ہے۔ فرمایا: "لیکن تم دونوں نے ظلم کیا تم سلمان فارسی اور اسامہ کا گوشت کھاتے ہو" تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے یعنی تم اہل خیر کے بارے میں برا گمان نہ کرو اگر ان کے ظاہر امر کے بارے میں تم جانتے ہو۔

**مسئلہ نمبر 2۔** صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا ظن سے بچو بے شک ظن سب سے جھوٹی بات ہے نہ ٹوہ میں رہا کرو نہ جاسوسی کیا کرو نہ ایک دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ بڑھایا کرو، باہم حسد نہ کیا کرو، باہم بغض نہ رکھا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: یہاں اور آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ تحذیر اور نہی کا محل وہ تہمت ہے اس کا کوئی سبب نہیں جو اسے ثابت کرتا ہے مثلاً کسی پر فاحشہ اور شراب نوشی کی تہمت لگائی جا سکتی ہے جبکہ اس کا تقاضا کرتی ہے وہ اس پر ظاہر نہیں ہوتی اس امر کی دلیل کہ یہاں ظن کا معنی تہمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَلَا تَجَسَّسُوْا** اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں اس کے دل میں تہمت کا خیال آتا ہے وہ اس خبر کے لیے جاسوسی کرتا ہے اور بحث و تمحیص کرتا ہے وہ توجہ سے دیکھتا ہے اور توجہ سے سنتا ہے تاکہ وہ امر ثابت ہو جائے جو اس تہمت میں سے واقع ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا۔ اگر تو چاہے تو یہ کہہ دے جو چیز گمانات کو ممتاز کرتی ہے کہ ان سے اجتناب ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس کی کوئی صحیح علامت اور ظاہری سبب نہ پایا جاتا ہو تو وہ حرام ہے اور اجتناب ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس آدمی کے بارے میں یہ گمان کیا جا رہا ہے اس سے پردہ پوشی اور صالحیت دیکھی گئی ہو اور ظاہر میں امانت ہی دکھائی دیتی ہو تو اس کے بارے میں فساد اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 204

خیانت کا گمان حرام ہے جس آدمی کا معاملہ مختلف ہے جو لوگوں میں اس انداز میں مشہور ہو کہ شک و شبہ والے کام کرتا ہو اور علانیہ خبیث افعال کا ارتکاب کرتا ہو۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: "اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت کو حرام قرار دیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے کہ وہ اس کے بارے میں برا گمان کرے" (1)۔ حسن سے مروی ہے: ہم ایسے زمانے میں تھے جس میں لوگوں کے بارے میں (برا) گمان حرام ہے اور تو آج ایسے زمانے میں ہے کہ تو عمل کر اور خاموش رہ اور لوگوں کے بارے میں جو چاہے گمان رکھ۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ ظن کی دو حالتیں ہیں ایک حالت ایسی ہے جو جانی پہچانی ہے اور دلائل کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے تو اس کے موافق حکم دینا جائز ہے شریعت کے اکثر احکام غالب ظن پر مبنی ہیں جس طرح قیاس اور خبر واحد وغیرہ۔

دوسری حالت یہ ہے کہ دلالت کے بغیر نفس میں کوئی چیز واقع ہو جائے تو وہ اپنی ضد سے اولیٰ نہ ہو یہی شک ہے اس کے مطابق حکم دینا جائز نہیں اس سے نہی کی گئی ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی ابھی بیان کیا ہے۔

بدعتیوں کی ایک جماعت نے ظن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کرنے کے جواز کا انکار کیا ہے وہ دین میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتے ہیں اور معقولات میں ایسا دعویٰ کرتے ہیں اس میں کوئی قاعدہ نہیں جس پر انحصار کیا جا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کی مذمت نہیں کی بلکہ بعض کی مذمت کی ہے۔ بعض اوقات وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں: ایاکم والظن ظن سے بچو۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ شریعت میں ظن کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے محمود وہ ہے جس کے ساتھ ظن کرنے والے کا دین اور جس کے بارے میں گمان کیا جا رہا ہے جب اس تک پہنچے اس کا دین محفوظ رہتا ہے مذموم اس کے مد مقابل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا (النور: 12) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ (الفتح)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی کسی بھائی کی تعریف کرے تو وہ کہے: میں یہ گمان کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی پاکی بیان نہیں کرتا" فرمایا: "جب تو یہ گمان کرے تو تحقیق نہ کر، جب حسد کرے تو تجاوز نہ کر اور جب تو فال پکڑے تو کام کو جاری رکھ" اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جس آدمی کا ظاہر اچھا ہو اس کے بارے میں برا گمان جائز نہیں جس کا ظاہر قبیح ہو اس کے بارے میں برا گمان رکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ یہ مہدوی نے کہا ہے۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا ابو رجاء اور حضرت حسن بصری نے اسے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے علماء نے اسے ولا تحسسوا پڑھا ہے اس میں اختلاف ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا ان کے دو معنی ہیں؟ اخفش نے کہا: ان میں

---

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 372۔ ابن ماجہ، باب حرمۃ دم المومن و مالہ، حدیث نمبر 3921، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سے ایک دوسرے سے بعید نہیں کیونکہ تحسس کا معنی کسی چیز کے بارے میں بحث کرنا۔ جو چیز تجھ سے پوشیدہ ہو اور تجسس سے مراد خبروں کو طلب کرنا اور ان کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجسس کا معنی بحث کرنا۔ اسی سے یہ لفظ ذکر کیا جاتا ہے رجل جاسوس۔ جب وہ امور کی کرید کرتا ہے اور تحسس سے مراد انسان کا کسی حاسہ سے اس چیز کا ادراک کرنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں فرق ہے تحسس کا معنی اپنے لیے تلاش کرنا اور تجسس کا معنی ہے کسی اور کا بھیجا ہوا ہونا۔ یہ ثعلب کا قول ہے پہلا قول زیادہ معروف ہے۔ تجسست الاخبار وتحسستها۔ جب اخبار کی چھان بین کرے اسی معنی میں جاسوس ہے آیت کا معنی ہے جو امر ظاہر ہوا اسے لے لو اور مسلمانوں کے پوشیدہ امور کا تجسس نہ کرو یعنی تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا عیب تلاش نہ کرے یہاں تک کہ اس پر مطلع ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مخفی رکھا ہے۔

ابو داؤد کی کتاب میں حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "اگر تو لوگوں کے پوشیدہ امور کا پیچھا کرے گا تو تو انہیں فاسد کر دے گا (1)"۔ حضرت ابو درداء نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اسے نفع دیا۔

مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے وہ حضرت ابو امامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: "امیر جب لوگوں میں شک کی تلاش کرے تو اس نے انہیں خراب کر دیا (2)"۔ زید بن وہب سے مروی ہے کہ کوئی آدمی حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یہ فلاں ہے اس کی داڑھی شراب ٹپکاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: ہمیں تجسس سے روک دیا گیا ہے لیکن اگر ہمارے لیے کوئی چیز ظاہر ہوئی تو ہم اس کو پا لیں گے (3)۔

ابو برزہ اسلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا نہ کیا کرو جو انسان ان کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کی پوشیدہ بات کا پیچھا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے گھر میں رسوا کر دے گا (4)"۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا: ایک رات میں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ مدینہ طیبہ میں پہرہ دیا کہ ایک گھر میں ہمارے لیے چراغ ظاہر ہوا۔ دروازہ لوگوں پر کھلا ہوا تھا جبکہ آوازیں بلند تھیں اور وہ فضول بات کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ گھر ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے وہ اس وقت شراب پی رہے ہیں تیری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری رائے ہے ہم نے وہ کام کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجَسَّسُوْا ہم نے تجسس کیا ہے۔ حضرت

1۔ سنن ابی داؤد، باب النہی عن التجسس، جلد 2، صفحہ 314
2۔ ایضاً، حدیث نمبر 4245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ ایضاً، حدیث نمبر 4746، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ ایضاً، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر 4236، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عربوں کی یہ عادت عام تھی۔ شاعر نے کہا:

فإن أكلوا لحمي وفرت لحومهم وإن هدموا مجدي بنيت لهم مجدا

اگر وہ میرا گوشت کھائیں تو میں ان کے گوشت کو بڑھا دوں گا اگر وہ میری بزرگی کو ختم کرنا چاہیں تو میں ان کے لیے بزرگی بنا دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ لوگوں کے گوشت کھاتا رہا (غیبت کرتا رہا) اس نے روزہ نہیں رکھا لوگوں کی غیبت کرنے کو ان کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے جس نے کسی مسلمان کا نقص بیان کیا یا اس کی عزت کو پامال کیا تو وہ اس کے زندہ حالت میں گوشت کھانے والے کی طرح ہے جس نے اس کی غیبت کی وہ اس کے مردہ ہونے کی حالت میں گوشت کھانے کی طرح ہے"۔

ابوداؤد کی کتاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب مجھے معراج کرائی گئی میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟" عرض کی: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتوں سے کھیلا کرتے تھے(1)۔

مستورد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے کسی مسلمان کا ایک لقمہ کھایا (غیبت کی) اللہ تعالیٰ جہنم میں اسی کی مثل اسے کھلائے گا اور جسے کسی مسلمان کا کپڑا پہنایا گیا اللہ تعالیٰ جہنم سے اس کی مثل اسے لباس عطا کرے گا اور جو شہرت اور ریاکاری کے مقام پر کھڑا ہوا اللہ قیامت کے روز اسے شہرت اور ریاکاری کے مقام پر کھڑا کرے گا"(2)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پہلے گزر چکا ہے: یا معشر من آمن بلسانه ولم يدخل الإيمان قلبه لا تغتابوا المسلمين اے وہ جماعت جو اپنی زبان سے ایمان لائی ہے اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو آدمیوں کو فرمایا: مالي أرى خضر اللحم في أفواهكما کیا وجہ ہے میں تمہارے مونہوں میں گوشت کی سبزی دیکھتا ہوں ابوقلابہ رقاشی نے کہا: میں نے ابو عاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا جب سے میں نے غیبت میں جو دیکھا ہے اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

میمون بن سیاہ کسی کی غیبت نہیں کیا کرتے تھے اور نہ کسی کو چھوڑتے کہ ان کے ہاں کسی کی غیبت کرے آپ اسے منع کرتے اگر وہ رک جاتا تو ٹھیک ورنہ آپ اٹھ کھڑے ہوتے۔

ثعلبی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا تو انہوں نے اس کے اٹھنے میں ضعف دیکھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فلاں کتنا عاجز ہے۔ فرمایا: "تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، جلد 2، صفحہ 313۔ ایضاً، حدیث نمبر 4235، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر 4237، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور تم نے اس کی غیبت کی ہے (1)۔

سفیان ثوری سے مروی ہے کہ کمتر سے کم غیبت یہ ہے کہ تو کہے: فلاں جعد قطط ہے یعنی وہ چھوٹا، بخیل اور سخت گھنگریالے بالوں والا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب نے کہا: لوگوں کے ذکر سے بچو کیونکہ یہ ایک بیماری ہے تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازم ہے کیونکہ وہ شفا ہے۔

علی بن حسین بن علی نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی غیبت کرتے ہوئے سنا فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے کتوں کا سالن ہے۔

عمرو بن عبید سے کہا گیا: فلاں نے آپ کی غیبت کی یہاں تک کہ ہم نے آپ پر رحم کیا اس پر رحم کرو۔

ایک آدمی نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں؟ فرمایا: تیرا مقام و مرتبہ میرے ہاں اتنا نہیں کہ میں اپنی نیکیوں کا فیصلہ تیرے حق میں کر دوں۔

**مسئلہ نمبر 7**۔ ایک قوم کی یہ رائے ہے کہ غیبت صرف دیانتداری کے اعتبار سے ہوتی ہے یہ شکل و صورت اور حسب (اخلاق) میں نہیں ہوتی انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ دوسرے علماء نے اسکے برعکس قول کیا ہے انہوں نے کہا: غیبت شکل و صورت، اخلاق اور حسب میں ہوا کرتی ہے ثقال و عبادات میں سب سے سخت ہوتی ہے کیونکہ جو کسی صنعت میں عیب لگاتا ہے تو وہ صانع میں عیب لگاتا ہے۔ یہ سب اقوال مردود ہیں۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق کی حدیث اسے رد کرتی ہے جب آپ نے حضرت صفیہ کے بارے میں کہا: وہ چھوٹے قد کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: لقد قلت کلمۃ لو مزج بھا البحر لمزجتہ تو نے ایسی بات کی ہے اگر اسے سمندر میں ملایا جائے تو اس کی حالت بدل جائے۔ اسے ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(2)۔ اور یہ روایت اس معنی میں ہوئی دوسری روایات کے موافق ہوئی۔ قدیم علماء کی یہ رائے ہے کہ جب اس سے عیب کا ارادہ کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی۔ جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے سب علماء کے نزدیک وہ بھی مردود ہے کیونکہ پہلے زمانے کے علماء جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور ان کے بعد تابعین میں سے تھے ان کے نزدیک دین (دیانت) کی غیبت سے بڑھ کر کوئی بڑی غیبت نہ تھی کیونکہ دیانت میں عیب سب سے بڑا عیب ہے کیونکہ ہر مومن اس بات کو زیادہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کے دین کے بارے میں کوئی بات ذکر کی جائے بنسبت اس کے جو اس کے بدن کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔ جس نے بھی یہ بات کی ہے اس کے رد کے لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے: اذا قلت فی اخیک ما یکرہ فقد اغتبتہ جب تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی۔ الحدیث۔ جو آدمی

---

1۔ تفسیر طبری، جلد 26، صفحہ 157

2۔ جامع ترمذی، صفۃ القیامۃ، جلد 2، صفحہ 73۔ سنن ابی داؤد، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر 4232، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہوئی جب وہ اٹھی تو ایک عورت نے کہا: اس کا دامن کتنا لمبا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: تو نے اس کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آثار دلالت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے جس نے غیبت کی ہے اس پر لازم ہے کہ انہیں معاف کر دے۔

جس نے یہ کہا کہ غیبت مال اور بدن میں ہوتی ہے علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو آدمی کسی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کا اس آدمی پر ظلم ہے جس پر تہمت لگائی گئی وہ اس کے بارے میں حد کا مطالبہ کرے گا یہاں تک کہ اس پر حد جاری ہو جائے۔ یہ بدن اور مال میں نہیں اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ظلم عزت، بدن اور مال میں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والے کے بارے میں فرمایا: فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝ (النور:13)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس آدمی نے کسی مومن پر ایسا بہتان لگایا جو اس میں نہ تھا اللہ تعالیٰ اسے طینہ خبال (دوزخیوں کے زخموں کی پیپ) میں قید کر دے گا“(1)۔ یہ سب چیزیں مال اور بدن کے علاوہ میں ہیں۔ جس نے یہ کہا: یہ ظلم ہے وہ ظلم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس آدمی کے لیے بخشش طلب کرے جس کی اس نے غیبت کی تو اس نے الٹ بات کی کیونکہ اس نے اس کا نام ظلم رکھا، پھر کہا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بخشش طلب کرے کیونکہ مظلمہ کا لفظ مظلوم کے ساتھ بے انصافی کو ثابت کرتا ہے جب بے انصافی ثابت ہو گئی تو ظالم سے اس وقت تک زائل نہ ہوگی مگر یہ کہ مظلوم اس کے لیے اسے حلال نہ کر دے۔

جہاں تک حضرت حسن بصری کے قول کا تعلق ہے تو وہ حجت نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کانت لہ عند اخیہ مظلمۃ فی عرض او مال فلیتحللها منہ(2) جس آدمی کی کسی بھائی کے ہاں عزت اور مال میں ظلم ہو تو وہ اس سے اس کے بارے میں معافی لے لے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے: جو آدمی معافی چاہے اور وہ اسے معاف نہ کرے اس کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو چیز حرام کر دی ہے وہ اسے حلال نہ کرے۔ ان میں سے ایک سعید بن مسیب ہیں کہا: جس نے مجھ پر ظلم کیا میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ ابن سیرین سے کہا گیا: اے ابا بکر! یہ ایسا آدمی ہے جو تجھ سے یہ سوال کرتا ہے کہ تو اس کی وہ غلطی معاف کر دے جو اس نے تیرے ساتھ کی ہے۔ آپ نے کہا: میں نے یہ چیز اس پر حرام نہ کی تھی کہ میں اسے اس پر حلال کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر غیبت کو حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اس پر حرام کی ہے میں اسے کبھی بھی حلال نہیں کروں گا کبھی معاف نہیں کروں گا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد معاف کرنے پر دلالت کرتا ہے یہی دلیل ہے، معاف کر دینا رحمت پر دلالت کرتا ہے یہ معافی کی صورت میں ہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:40)

**مسئلہ نمبر 9۔** ایسا فاسق جو اعلانیہ فسق کرتا ہے اس کے بارے میں غیبت کا یہ حکم نہیں کیونکہ حدیث طیبہ میں ہے: من القی جلباب الحیاء فلا غیبۃ لہ(3) جو حیاء کی چادر اتار پھینکے اس کی کوئی غیبت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب الترہیب من الغیبۃ والبہت، بیانہما جلد 3، صفحہ 518

2۔ صحیح بخاری جلد 10، صفحہ 173

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الشہادات جلد 10، صفحہ 210

ذکر والفاجر مافیہ کی یحذرہ الناس فاجر میں جو برائی ہے اس کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے احتیاط کریں۔ غیبت تو اس آدمی کے بارے میں ہے جو اپنی برائی پر پردہ پوشی کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ثلاثۃ لیست لھم حرمۃ تین افراد ایسے ہیں جن کی کوئی حرمت نہیں (1) خواہش نفس کی غلامی کرنے والا (2) فاسق معلن (3) ظالم حاکم۔ جب حجاج مر گیا تو حضرت حسن بصری نے کہا: اے اللہ! تو نے اسے موت عطا کی ہے تم سے اس کی سنت کو ختم کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے عیب کو ختم کر دے کیونکہ وہ ہمارے پاس آیا جبکہ وہ رتوندی کی بیماری والا اور کمزور نظر والا تھا، وہ اپنا ہاتھ چھوٹے پوروں کے ساتھ بڑھاتا اللہ کی قسم! اللہ کی راہ میں اسے پسینہ نہیں آیا اور نہ اسے غبار پہنچا وہ اپنے بالوں کو کنگھی کرتا اور چال میں تکبر کا اظہار کرتا وہ منبر پر چڑھتا اور بیٹھ جاتا یہاں تک کہ جب نماز کا وقت فوت ہو چکا ہوتا، نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور نہ لوگوں سے حیا کرتا اس کے اوپر اللہ اور اس کے نیچے کم از کم ایک لاکھ یا زیادہ افراد تھے اسے یہ نہ کہتا: اے انسان نماز! پھر حسن بصری کہتے: ھیھات حال دون ذلک السیف والسوط۔

ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ بدعتی کی برائی کرنا کوئی غیبت نہیں۔ اسی طرح تیرا قاضی کو یہ کہنا: جس سے تو اپنے حق کے بارے میں مدد چاہتا ہے کہ تو اس سے اپنا حق لے لے جس نے تجھ پر ظلم کیا تو کہتا ہے: فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا مجھ پر غضبناک ہوا ہے یا مجھ سے خیانت کی ہے یا مجھے مارا ہے یا مجھ پر تہمت لگائی ہے یا میرے ساتھ زیادتی کی ہے یہ کوئی غیبت نہیں۔ امت کے علماء اس پر متفق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ کہا: لصاحب الحق مقال (1) صاحب حق کو گفتگو کا حق ہے اور کہا: غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے نیز فرمایا: لی الواجد یحل عرضہ و عقوبتہ (2)۔ جو آدمی قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کا ٹال مٹول کرنا اس کی عزت اور اس کو سزا دینے کو حلال کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں استفتاء بھی ہے جس طرح حضرت ہند نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ حضرت ابو سفیان بخیل آدمی ہے مجھے اتنا نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچے کے لیے کافی ہو مگر اس کے بتائے بغیر مال لے سکتی ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں تو لے سکتی ہے"۔ اس نے بخل اور ظلم کا ذکر کیا جو اس کے اور اس کے بچے کے لیے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیبت کرنے والا شمار نہیں کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اس کی گفتگو کو تبدیل نہیں کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فتویٰ کا جواب ارشاد فرمایا۔ اسی طرح اگر اس کی برائی کے ذکر میں فائدہ ہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اما معاویۃ فصعلوک لا مال لہ واما ابو جھم فلا یضع عصاہ عن عاتقہ (3) جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ کنگال ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں اور جہاں تک ابو جہم کا تعلق ہے تو وہ بیوی پر سختی کرتا ہے یا اکثر سفر پر رہتا ہے۔ یہ جائز ہے مقصد یہ تھا کہ فاطمہ بنت قیس ان کے بارے میں کسی دھوکہ میں نہ رہے۔ علماء نے یہ سب اقوال ذکر کیے تھے۔

**مسئلہ نمبر 10**۔ میتا سے میتا بھی پڑھا گیا ہے یہ لحم سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اخ سے حال ہو اور منصوب ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ ان سب سے کوئی یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے اس

1۔ صحیح بخاری، باب استقراض، ذیل، جلد 1، صفحہ 322
2۔ ایضاً
3۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ 412

کے پیچھے اس ارشاد کا ذکر کیا فَكَرِهْتُمُوْهُ اس میں دو توجیہیں ہیں (1) تم مردار کو کھانا ناپسند کرتے ہو اسی طرح غیبت کو بھی تمہارے لیے مکروہ کر دیا گیا ہے؛ مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

(2) تم یہ ناپسند کرو کہ لوگ تمہاری غیبت کریں تو لوگوں کی غیبت تم بھی ناپسند کرو، فراء نے کہا: یعنی جب تم اسے ناپسند کرتے ہو تو ایسا نہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ تو خبر کا ہے معنی امر کا ہے یعنی تم اسے ناپسند کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس پر اس کا عطف ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف اجْتَنِبُوْا اور لَا يَغْتَبْ پر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۝

"اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔"

اس میں سات مسائل ہیں:

**مسئلہ نمبر 1۔** يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا ہے (1)۔ یہ آیت ابی ہند کے بارے میں نازل ہوئی، ابوداؤد نے اسے مراسیل میں ذکر کیا ہے۔ عمرو بن عثمان اور کثیر بن عبید، بقیہ بن ولید اور زہری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابو ہند کی شادی اپنی کسی عورت سے کر دیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم اپنی بیٹیوں کی شادیاں اپنے غلاموں سے کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

زہری نے کہا: یہ آیت خاص کر ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی (2) جو انہوں نے اس آدمی کے بارے میں کہا تھا جس نے جگہ نہ دی: اے فلانہ کے بیٹے! نبی کریم ﷺ نے پوچھا: فلانہ کا ذکر کرنے والا کون تھا؟ ثابت نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قوم کے چہرے دیکھو" اس نے لوگوں کی طرف دیکھا فرمایا: تو نے کیا دیکھا؟ اس نے عرض کی: میں نے سفید، سیاہ اور سرخ رنگ کے چہرے دیکھے ہیں فرمایا: "تو ان سے تقویٰ کے بغیر فضیلت حاصل نہیں کر سکتا" تو یہ آیت نازل ہوئی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ (المجادلہ: 11)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا یہاں تک کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھے اور اذان دی تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اس اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریف ہے جس نے میرے والد کی روح کو قبض کر لیا یہاں تک کہ اس نے یہ دن نہ دیکھا۔

---

1۔ تفسیر ماوردی، سورۃ الذاریات، جلد 5، صفحہ 374
2۔ واحدی، اسباب النزول، صفحہ 325

نفس كنفس وأرواح مشاكلة — وأعظم خلقت فيهم وأعضاء

نفس نفس کی طرح ہے اور روحیں ایک جیسی ہیں ان میں ہڈیاں اور اعضاء بنائے گئے ہیں۔

فإن يكن لهم من أصلهم حسب — يفاخرون به فالطين والماء

اگر ان کی اصل میں کوئی ذی شان چیز ہے جس پر وہ فخر کرتے ہیں تو وہ مٹی اور پانی ہے۔

ما الفضل إلا لأهل العلم إنهم — على الهدى لمن استهدى أدلاء

فضیلت اہل علم کے لیے ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے ان کے لیے یہ ہدایت پر راہنما ہیں۔

وقدر كل امرئ ما كان يحسنه — وللرجال على الأفعال سيماء

ہر انسان کی اتنی قدر و منزلت ہے جس قدر وہ اچھا کام کرتا ہے اور افعال پر لوگوں کے نشانات ہوتے ہیں۔

وضد كل امرئ ما كان يجهله — والجاهلون لأهل العلم أعداء

انسان کی دشمن وہ چیز ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اور جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔

**مسئلہ نمبر 2**۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وضاحت کی ہے کہ اس نے مخلوقات کو مذکر اور مؤنث سے پیدا کیا۔ سورۃ النساء کے آغاز میں یہ گزر چکا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان دونوں کے بغیر پیدا کر دیتا جس طرح اس نے حضرت آدم کو پیدا کیا یا مذکر کے بغیر پیدا کرتا جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے یا مؤنث کے بغیر پیدا کرتا جس طرح حضرت حوا کو پیدا کیا یعنی دو جہتوں میں سے ایک جہت موجود تھی یہ قدرت میں جائز ہے وجود اس کے مطابق نہیں۔ یہ خبر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدم کی ایک پسلی سے پیدا کیا؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

**مسئلہ نمبر 3**۔ اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مؤنث میں انساب، اصہار، قبائل اور شعوب (چھوٹے قبائل) بنائے (1) اور ان سے ان کی پہچان کو ظاہر کیا اور ان کے ذریعے ان میں تعلق جوڑا اس حکمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خوب آگاہ ہے ہر ایک ان کے نسب کو جامع ہے جب کوئی آدمی اس نسب کی نفی کرتا ہے تو تہمت لگانے کی وجہ سے وہ حد کا مستحق ہوتا ہے جس طرح اس کی جماعت اور اس کے حسب سے نفی کرے۔

وہ عربی کو کہتا ہے: اے عجمی! اور عجمی کو کہتا ہے: اے عربی! وغیرہ جس سے حقیقت میں نفی واقع ہو۔

**مسئلہ نمبر 4**۔ متقدمین علماء اس طرف گئے ہیں کہ جنین صرف مرد کے پانی سے ہوتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش پاتا رہتا ہے اور اس خون سے مدد لیتا ہے جو اس میں ہوتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: **اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝** (المرسلات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ** (السجدہ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝** (القیامۃ: 35) یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ پیدائش ایک پانی سے ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ پیدائش مرد اور عورت کے پانی سے ہوتی ہے وہ اس آیت سے ثابت

1۔ احکام القرآن لابن عربی، جلد 2، صفحہ 1725

**مسئلہ نمبر 7**۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ عمر بن محمد، عبید بن اسحاق عطار سے وہ مندل بن علی سے وہ ثور بن یزید سے وہ سالم بن ابی جعد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے شادی کی تو اس عورت پر اس کے حسب میں طعن کیا گیا، اس آدمی نے کہا: میں نے اس کے حسب کی وجہ سے اس سے شادی نہیں کی میں نے اس سے شادی اس کے دین اور خلق کی وجہ سے کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تجھے یہ چیز کوئی تکلیف نہیں دیتی“۔ وہ حاجب بن زرارہ کی آل میں سے تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا ہے اس کے ذریعے اس نے خسیسہ کو بلند کر دیا ناقص کو مکمل کر دیا ہے اس کے ذریعے ملامت کو دور کر دیا مسلمان پر کوئی ملامت نہیں ملامت تو جاہلیت کی علامت ہے“۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انی لارجوان اکون اخشاکم واعلمکم بما اتقی (1) میں امید کرتا ہوں کہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور جس چیز سے میں بچتا ہوں اس کے بارے میں تم سے زیادہ آگاہ ہوں۔ اسی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز تھے۔ ابن عربی نے کہا: یہی وہ چیز ہے جسے امام مالک نے نکاح میں کفو کے طور پر معتبر جانا ہے۔ عبد اللہ نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ غلام عربی عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: حسب اور مال کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت مروی ہے کہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جوان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے نے حضرت سالم کو اپنا متبنیٰ بنایا۔ اور اس کی شادی اپنی بھتیجی یعنی ہند بنت ولید جو ان کے بھائی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی تھی سے کر دی یہ ایک انصاری عورت کے غلام تھے حضرت ضباعہ بنت زبیر یہ حضرت مقداد بن اسود کے عقد میں تھیں۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبد الرحمن بن عوف کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش حضرت زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کا عقد نکاح عربی عورت سے جائز ہے دین میں کفو کا اعتبار کیا جائے گا اس پر دلیل وہ روایت ہے جو سہل بن سعد سے صحیح بخاری میں مروی ہے (2) کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی گزرا، پوچھا: ”تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے کہ اگر عورت نکاح دے تو اس کے ساتھ نکاح کیا جائے، اگر سفارش کرے تو مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے تو آپ کے پاس سے مسلمان فقراء میں سے ایک آدمی گزرا پوچھا: ”تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کی: یہ اس لائق ہے اگر عورت نکاح دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ آدمی دوسرے کی جنس زمین بھر کے لوگوں سے بہتر ہے“۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عورت سے نکاح اس کے مال، جمال اور دین کی وجہ سے کیا جاتا ہے (3)“ ایک روایت میں ہے اس کے حسب کی وجہ سے کیا جاتا ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار کو لازم

1۔ احکام القرآن، ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1726 — 2۔ ایضاً — 3۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، الاکفاء فی الدین، جلد 2، صفحہ 762

دور میں آئے انہوں نے ایمان لانے کا اظہار کیا وہ حقیقی طور پر مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستے غلاظتوں سے بھر دیے اور بھاؤ کو بڑھا دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے ہم سامان اور عیال کے ساتھ آئے ہیں ہم تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے جس طرح بنو فلاں نے آپ سے جنگ کی ہمیں صدقہ دیجئے وہ آپ پر احسان جتلانے لگے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ہجرت سے قبل ہی انہیں مہاجر کا نام دیا جائے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ ان کا نام بدو ہے وہ مہاجر نہیں (1)۔ سدی نے کہا: یہ آیت ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ذکر سورۂ فتح میں ہے یعنی مزینہ، جہینہ، اسلم، غفار، دیل اور اشجع (2)۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے ہیں تاکہ ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں جب انہیں مدینہ طیبہ کی طرف آنے کو کہا گیا تو وہ رک گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے: آیت بعض عربوں کے لیے خاص ہے کیونکہ ان میں سے کچھ اللہ اور یوم آخرت پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا کا معنی ہے ہم نے قتل اور قیدی بنائے جانے کے خوف سے تابعداری کی۔ یہ منافقوں کی صفت ہے کیونکہ وہ ظاہری طور پر ایمان لائے تھے ان کے دل ایمان نہیں لائے تھے جبکہ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو ظاہر میں اس چیز کو قبول کرنا جسے نبی کریم ﷺ لائے ہیں یہ جان کی حفاظت عطا کرتا ہے۔

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی اگر تم ایمان میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے لَا يَلِتْكُمْ تو تمہیں کوئی نقصان نہ دیا جاتا۔ باب اس طرح ہے لاته يليته ويلوته، اس میں کمی کرنا۔ ابو عمرو نے اسے لا يألتكم پڑھا ہے یعنی ہمزہ ہے اس وقت یہ ألت یألت ألت سے مشتق ہے۔ یہ ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے وہ اس قول پر اعتبار کرتے ہیں: وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور: 21)

شاعر نے کہا:

أَبْلِغْ بَنِي ثُعَلٍ عَنِّي مُغَلْغَلَةً     جَهْدَ الرِّسَالَةِ لَا أَلْتًا وَلَا كَذِبًا

میری جانب سے بنی ثعل کو حتی سے پیغام پہنچا دو نہ اس میں کمی ہو اور نہ ہی کوئی جھوٹ ملا ہو۔

پہلا قول ابو عبید نے پسند کیا ہے۔ رؤبہ نے کہا:

وَلَيْلَةٍ ذَاتِ نَدًى سَرَيْتُ     وَلَمْ يَلِتْنِي عَنْ سُرَاهَا لَيْتُ (3)

یعنی ان راتوں میں چلنے سے مجھے کسی مانع نے نہیں روکا؛ اسی طرح الاته عن وجهه یہ فعل اور افعل دونوں ایک معنی میں ہیں یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: ما الاته من عمله شيئا یعنی میں نے اس میں کمی نہیں کی، یہ التعل کی مثل ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 337    2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 230    3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 338

وبأرض ما أمنى الولي فلم يلت … كأن بصافات الشهاد النزارع

اس میں امنی، انبتت کے معنی میں ہے اور فلم یلت لم ینقص منه شیئا کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما أمنت الأرض شيئا زمین نے کوئی چیز نہیں اگائی۔ الولی سے مراد وسمی (موسم بہار کی پہلی بارش) کے بعد جو بارش ہوتی ہے اسے ولی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ وسمی کے بعد ہوتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا: ولا یألتکم کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾

"(کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ یہی لوگ راست باز ہیں۔ آپ فرمایئے: کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے جو اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے"۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا یعنی انہوں نے تصدیق کی اور انہوں نے شک نہ کیا اور اسے جہاد اور اعمال صالحہ کے ساتھ سچ کر دکھایا۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وہ ایمان میں سچے ہیں وہ وہ نہیں جو قتل کے ڈر اور مال کی امید کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدوؤں نے قسم اٹھائی کہ وہ مخلص اور اعلانیہ ایمان دار ہیں اور جھوٹ بولا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ یعنی جس دین پر تم ہو تم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں بتاتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾

"وہ احسان جتاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے فرمایئے: مجھ پر مت احسان جتاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو"۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا یہ ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: جئناك بالأثقال والعيال ہم آپ کی خدمت میں

کل ساز و سامان اور مال بچے لے کر آگئے ہیں ان کا محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لان اسلموا۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ یہاں علی باء کے معنی میں ہے بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ان کا محل نصب میں ہے تقدیر کلام بان ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام لان ہے حضرت عبداللہ کے مصحف میں اذھداکم ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اگر تم اس امر میں سچے ہو کہ تم ایماندار ہو۔ عاصم نے اسے ان ھدٰکم پڑھا ہے یہ قول اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کی وجہ سے حقیقت سے بعید ہے یہ نہیں کہا جاتا: یمن علیکم ان یھدیکم ان صدقتم کہ بر قراءت اَنْ هَدٰىكُمْ ہے یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مومن تھے کیونکہ تقدیر کلام یہ ہے ان آمنتم فذلک منۃ اللہ علیکم اگر تم ایمان لائے ہو تو یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ ابن کثیر، ابن محیصن اور ابو عمرو نے یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے یعنی یعملون۔ یہ ان کے قول کا رد ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین

اس جلد کے ترجمہ کا اختتام بروز منگل 18 ستمبر 2007 بعد از نماز ظہر ہوا والحمد للہ اولا و آخرا۔

محمد بوستان